بادشاہ جب کسی شہر (کو بزور فتح کرکے اُس)
میں داخل ہوا کرتے ہیں تو (اُن کا دستور ہی کہ) اُس کو
خراب اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں

جو نام ور تھے فقط اُن کا نام باقی ہے
نہ جم جہاں میں نہ باقی نہ جام باقی ہے

المعروف

راجگانِ سلطنت بیجانگر اور ہم عصر سلاطین بہمنیہ بریدیہ گلبرگہ و بیدر، عادل شاہیہ بیجاپور، نظام شاہیہ احمدنگر، قطب شاہیہ گولکنڈہ، عماد شاہیہ برار، گورنران بنگال وغیرہ کے قدیم عبرت خیز کارنامے و ذل حسب حالات بہ شرح و بسط درج ہیں

مصنفہ

خاکسار بشیر الدین احمد خلف شمس العلماء ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی - ایل - ایل - ڈی - ڈی - او - ایل
دوم تعلقدار سرکار عالی نظام خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ
محفوظ علی مصلح سنگ دہلوی

قیمت بلا جلد مجلد
بذریعہ ڈاک

(تمام حقوق محفوظ ہیں)

...ل ۵۰۰ جلد

فہرستِ مضامینِ تاریخِ بیجانگر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

بنامِ جہاں دارِ جاں آفریں
حکیمِ سخن بر زباں آفریں

پیشِ وجودِ ہمہ آیندگاں	بیشِ بقائے ہمہ پایندگاں
قافلہ سالارِ جہانِ قدم	مرسلہ پیوند گلوے قلم
داغ نہِ ناصیہ داران پاک	تاج دہِ تخت نشینانِ خاک

سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ[1]

ہندو ہو یا مسلمان مُلّا ہو یا رہبان۔ غریب ہو یا امیر بادشاہ ہو یا فقیر۔ رند مشرب ہو یا پابندِ مذہب سعیدِ ازلی ہو یا شقیِ ابدی۔ سب کے دلوں میں ایک لَو لگی ہوئی ہی۔ جس کو دیکھو اُوپر کے سانس بھرتا ہی۔ نماز پوجا گیان دھیان سب کچھ اُسی کا نام لے کر کرتا ہی۔

[1] اُن کی شناخت یہ ہی کہ سجدے کے گھٹّے اُن کی پیشانیوں پر ہیں ۱۲

اللہ سے تو لگی ہوئی ہے سیری

او پر کے دم اس واسطے بھرتا ہوں میں

مطلب سب کا ایک ہی معبود ہے۔ راستے مختلف ہیں مگر ایک ہی منزلِ مقصود ہے۔

ہمہ کس طالبِ یار اند چہ ہشیار چہ مست　　　ہمہ جا خانۂ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

وہی پیدا کرتا ہے وہی فنا کرتا ہے۔ وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے۔ وہی دُکھ دیتا ہے وہی سُکھ دیتا ہے۔ وہی عزت دیتا ہے وہی ذلت دیتا ہے۔ وہی قہار و جبار ہے وہی رحیم و ستار ہے۔ وہی ماں باپ سے زیادہ مہربان ہے اور اُسی کی پکڑ قہر جان ہے۔ بندہ بشر کی عقل یہاں حیران ہے۔ انسان ضعیف البنیان کی عقل محدود میں کیوں کر سمائے۔ یہ نور کیوں کر دلِ تنگ میں آئے۔ حضرت انسان کی مثال گولر کے کیڑوں کی سی ہے۔ ہر چیز گردو اپنی سمجھ کے دائرے کے اندر محدود ہے۔ پس محدود و مقید و فانی کس طرح لا مکان و مقتدر و باقی کو کما حقہ پہچان سکتا ہے۔ اس مقام پر عقل دنگ ہے۔ جس کو دیکھو اُس کا قافیہ تنگ ہے۔

اگر یک سرِ موے برتر پرم

فروغِ تجلی بسوزد پرم

پھر اس بحرِ ذخار دنیاے ناپائدار کی منجدھار سے اِس ڈگمگائی ہوئی کشتی کا بیڑا پار کرنے والا کون ہے؟ جو ڈوبتے کا سہارا اور شبِ تار کا اُجالا ہو۔ وہ کون ہے جو بھٹکے ہوؤں کو راہِ راست پر لائے! ڈگمگاتے ہوئے قدموں کو صراطِ مستقیم پر جمائے۔ دیکھو سنبھلو! کہیں گھبراہٹ میں ایسوں کا ہاتھ نہ پکڑ لینا کہ خود بندۂ عاجز و ناچار ہیں وہ ہم کو کیا رہنمائی کریں گے جو خود ہی بیکار ہیں۔ بلکہ ایسے کو ڈھونڈھو جو بعد از خدا بزرگ توئی کا مصداق اور واجبِ تعظیم و تکریم ہو۔ جس کی شان میں وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ[۲] ہو۔ وہ اُمّی ہو مگر طبقاتِ علم اُس پر روشن ہوں پس ایسی ذات بابرکات سوائے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم بابی انت و اُمّی اَور کون ہے؟ جو مدۃ العمر اُمّتی اُمّتی کہتا رہا اور اُمت ہی کے غم میں گھلتا رہا!۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا　　　کہ میری نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

---

[۱] وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ۔ اور تو ہی جسے چاہے عزت دے اور تو ہی جسے چاہے ذلت دے ۱۲۔

[۲] اور بے شک تمھارے اخلاق بڑے (اعلےٰ درجے کے) ہیں ۱۲۔

جہاں سروراں را بہ شاہی ستود — بہ القابِ ظلِ الٰہی ستود
دو نام ست بر ہفت انگشتری — کہ آں ہست شاہی و پیغمبری
جہاں را شہنشاہ زینت فزست — کہ بے شاہ عالم تن بے سر ست

حمد و نعت جیسی کچھ ادھوری ہوئی ہماری مجبوری اور کم مایگی کی دلیل ہی۔ کیا کریں کہ سرے سے پونجی ہی قلیل ہی ع جامہ ندارم دامن از کجا آرم۔ حضرت انسان کی ایک طرف تو یہ شان ہی کہ جو فرشتوں کو نصیب نہ تھی ان کو ملی یعنی صفحۂ دُنیا پر خلیفۃ اللہ بن کر آیا اور خلعتِ اشرف المخلوقات ساتھ لایا۔

رباعی

آدم کو عجب خدا نے رُتبہ بخشا — ادنیٰ کے لیئے مقام اعلیٰ بخشا
عقل و ہنر و تمیز و جان و ایمان — اس ایک کفِ خاک کو کیا کیا بخشا

ساری دُنیا اسی کی خاطر بنائی۔ واہ کیسی قدر بڑھائی۔

جو کچھ کہ جہاں میں ہی سب انساں کے لیئے ہی
آراستہ یہ گھر اسی مہماں کے لیئے ہی

لیکن یہ ایک رُخی تصویر ہی ذرا دُوسرا رُخ بھی ملاحظہ فرمایئے کہ کھنکھناتی مٹّی سے تو بنایا گیا۔ دُنیا میں بھی اُس کی پیدایش نہایت گندی اور ناپاک۔ اعمال اُس کے شرمناک۔ گو ایک پتلہ خاک ہی مگر سچ یہ ہی کہ بڑا بے باک ہی۔

خاک کے پُتلے نے دیکھ کیا ہی مچایا ہی شور — فرش سے لے عرش تک کر رہا ہی اپنا زور
سینے میں قلزم کو لے قطرے کا قطرہ رہا — بل بے سمائی تری اُف رے سمندر کے چور

نیکی اور زہد و تقوی میں فرشتوں پر سبقت لے جاتا ہی۔ لیکن جب اپنی بدی پر آتا ہی تو شیطان کو شرماتا ہی

آدمی زادہ طرفہ معجونیست — از ملائک سرشتہ و ز حیواں
گر کند میل ایں شود کم ازیں — ور رود سوے آں شود بہ ازاں

کہتا کچھ ہی کرتا کچھ۔ ہاتھی کے دانت کھانے کے اَور دکھانے کے اَور۔ مُنہ پر یہ سخن ہی کہ دُنیا چندروزہ گزشتنی اور گزاشتنی ہی۔ مگر ذرا چل کر دیکھیئے تو برسوں کے سامان کر رہا ہی۔ جس سے معلوم ہوتا ہی کہ دُنیا ہی میں اسے سدا رہنا ہی اور کہیں جانا نہیں۔ پکّے پکّے محل بنوا رہا ہی۔ برسوں کے لین دین کے

معاملے پختگی اور اطمینانِ خاطر سے طے کر رہا ہے۔ کل کا بھروسا نہیں مگر سالہا سال کی فکر۔ دو منٹ آگے کی خبر نہیں مگر برسوں کی پخت و پز۔ کہتا ہے اور جانتا بھی ہے کہ زندگی چند روزہ ہے مگر غفلت وہ کرا رہی ہے گویا برسوں کا بھروسا ہے۔ دشمنی کا یہ حال ہے کہ جب سے دنیا میں آیا بَعۡضُکُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ[1] کا داغ پیشانی پر لایا۔ لڑائی پر ایسا تُلا ہوا ہے کہ بے باکی کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ باپ بیٹے کا اور بیٹا باپ کا دشمنِ جانی ہے اور اس مُنہ پر یہ دعویٰ ہے کہ دُنیا فانی ہے! ہم تو کہتے ہیں کہ یہ کہانی ہے تُو نے دُنیا میں رہنے کی سدا ٹھانی ہے۔

شربتِ سلطنت و جانِ جہاں شیر پرست | کہ شہاں از پئے او خونِ برادر ریزند
خونِ آزردہ دلاں را ز پئے ملک مریز | کہ تر انیز ہماں جرعہ بساغر ریزند

دُنیا کا کھٹراگ ایسا بڑھالیا ہے کہ دنیا میں شہد کی مکھی کی طرح پھنس گیا ہے۔ نہ پائے رفتن نہ روئے ماندن۔ خود غرضی اور خود مطلبی کا ماٹو ہر وقت پیشِ نظر ہے۔ اپنے قدح کی خیر مناتا ہے۔ دوسرں[2] کو کب خاطر میں لاتا ہے۔ آپ بھلے تو جگ بھلا۔ ہمدردی اور غمخواری دو ایسے لفظ ہیں جو زبان پر تو جاری ہیں مگر عملی ڈکشنری اِن سے عاری ہے۔ آے دن کی مقدمہ بازی بازیچہ طفلاں ہے۔ دوسرے کو برباد اور تباہ کر ڈالنا ہی باعثِ عزّ و شان ہے۔ کیا خوب سمجھ رکھا ہے کہ دوسرے کا گھر پھونک آپ تماشا دیکھنا عمدہ کام ہے۔ دوسرے کو بُرا پا کر آپ چین کرنا ہی کارِ فرخی آغاز و نیک انجام ہے۔ لڑائیوں میں ندی نالے خون کے بہاتا ہے۔ طمعِ دُنیا پر مرا جاتا ہے۔ ذرا سی بات پر کسی کو مار ڈالنا اس زمانے کی چال ہے۔ کسی کے مال و متاع کا لوٹ لینا دولتِ لازوال ہے۔

اِس جبر پہ تو ذوقِ بشر کا یہ حال ہے
کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

حضرتِ انسان ذرا سی جان اور گز بھر کی زبان ایسے مردِ میدان کہ آسمان کے تارے بھی توڑ لانا اُن کے نزدیک آسان ہے۔

[1] پوری آیت یہ ہے وَقُلۡنَا اهۡبِطُوۡا بَعۡضُکُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ وَلَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیۡنٍ ۝ اور ہم نے حکم دیا کہ تم (سب) اُتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ اور زمین میں تمھارے لیے ایک وقتِ (خاص) تک ٹھکانا اور (زندگی بسر کرنے کا) ساز و سامان ہے ۱۲۔ [2] غرضِ حلی ۱۲

باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے وہاں یہ پونہچا کہ فرشتوں کا بھی مقدور نہ تھا

کہنے کو ضعیف البُنیان اور مُشت اُستخوان ہی پر کاہ کے کھینچنے کی طاقت نہیں مگر عجب اُندمی سمجھ ہی

کہ اپنی گردن پر منوں کا بوجھ لاد لایا۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَ

أَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝

آسماں بارِ امانت نہ توانست کشید

قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

سُبحان اللہ! کیسی بھاری ذمّہ داری کو آپنے کیسا ہلکا پھول سمجھ رکھا ہی۔ سمجھ دار کے نزدیک تو مرنے

کی جگہ ہی اور ناسمجھ کے نزدیک اس پر بغلیں بجانا روا ہی۔

وہ ہم ہیں اُٹھا لائے بارِ امانت یہ زہرہ نہیں ہی کسی بوالہوس کا

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں عیش و آرام کے لیئے نہیں بھیجا بلکہ محنت سے روزی کمانے کے لیئے بھیجا

ہی۔ سر کا پسینا جب ایڑی میں اُترتا ہی تب نوالہ پیٹ میں جاتا ہی۔ اگر عقل سے کچھ بہرہ ہی تو۔

ع۔ آں را کہ عقل بیش غمِ روزگار بیش

پیش نظر رکھو اور اگر سمجھ سے دُور اور مآل اندیشی سے نفور ہو تو ع دیوانہ باش تا غمِ تو دیگراں خورند۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بڑی کشمکش کی حالت میں رکھا ہی۔ دُنیا میں اُس کے لیئے بڑی آزمائشیں ہیں۔

ک ہم نے ذمّہ داری کو (جو انسان پر ہی) آسمانوں (پر) اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا (اور یہ بوجھ اُن پر لادنا چاہا) تو اُنھوں نے (بہ زبانِ حال) اُس کو اُٹھانے سے انکار کیا اور اُس سے ڈر گئے اور آدمی نے (گویا ارادتًا بے تامّل) اُس کو اُٹھا لیا۔ اس میں شک نہیں کہ (وہ اپنے حق میں) بڑا ہی ظالم (تھا اور ظالم ہونے کے علاوہ) بڑا ہی نادان بھی تھا ۱۲۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ - اب ملاحظہ فرمایئے انسان کی مجبوری اور بے بسی ادھر تو حکم ہو کہ لَا تَتَحَرَّكُ ذَرَّةٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللهِ - اُدھر ارشاد ہو کہ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ؕ -

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ
باز می گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

پس ہماری بساط کسی دوعلی میں ہو - ہر بات کی جواب دہی ہمارے سر ہو - رتّی رتّی کا حساب ہم سے لیا جائے گا - ہمارے ہی ہاتھ پاؤں ہمارے خلاف گواہی دیں گے - اللہ اللہ کیا تیری قدرت کے کھیل ہیں

نیا وہ نہ کیں کیں ٹھکرائی | بن سکینے لکھ لیں بُرائی

پیمانہ ہو کے آتا کسی بادہ کش کے کام
انساں بنا کے کیوں میری مٹی خراب کی

اچھا تو اب دُنیا میں ہماری گزر جس طرح ہوئی ذرا اُس کا حال بھی سُن لیجیے کہ دو دن کی زندگی اُس پر صد ہا طرح کے اُلٹ پلٹ اور مصائب -

فکرِ معاش و عشقِ بتاں یادِ رفتگاں | دو دن کی زندگی میں بھلا کوئی کیا کرے

غرض جب تک جیے چین نصیب نہ ہوا -

یاں فکرِ معیشت ہے وہاں غلغلۂ حشر | آسودگی لفظیست یہاں ہے نہ وہاں ہے

ابھی دُنیا کا دیکھا ہی کیا تھا کہ طلبی کا حکم نامہ آن پہنچا اور کیسا آیا کہ اچانک جس کی خبر تک نہیں وہ اجلاس ایسا ہے کہ جہاں پیشی نہیں بدلتی نہ حیلہ حوالہ چلتا ہے نہ ڈاکٹری سرٹیفکیٹ کام آتا ہے اچھی طرح

سلہ ہم نے انسان کو ایسی مخلوق بنایا ہے کہ ساری عمر مصیبت میں رہے ۱۲

سلہ خدا کے حکم بغیر ایک ذرّہ بھی نہیں ہل سکتا - ۱۲

سلہ تو جس نے ذرّہ بھر نیکی کی (ہوگی) وہ اُس (نیکی) کو (بچشم خود) دیکھ لے گا اور جس نے ذرّہ بھر بُرائی کی (ہوگی) وہ اُس بُرائی کو (بچشم خود) دیکھ لے گا ۱۲ -

سلہ انصاف تو کچھ بھی نہیں کیا صرف زورِ حکومت دکھایا ہم نے کچھ کیا بھی نہ تھا کہ بُرائی لکھ لی ۱۲ -

جانا ہی تو جانا ہی اور بُری طرح جانا ہی تو جانا ہی۔

لائی حیات آئی قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

ایک منٹ اِدھر کا اُدھر ناممکن ہی۔ ایک ایک سانس گنے ہوے ہیں۔ ایک ایک دانہ نپا تُلا ہی۔

یاں کے جانے سے جی اُلجھتا ہی — کیا ہی دل کش سرائے فانی ہی

مہلت کا کام نہیں جو ہونا ہی آج ہونا ہی کل کا نام نہیں۔ یہ ایسا سفر ہی کہ بہت پُرخطر اور دُور دراز کا ہی۔ اکیلے جانا ہی اور رستہ بھی دیکھا بھالا نہیں ہی اِس سفر میں نہ کوئی حامی و مددگار ہی نہ رفیق و یار۔ نہ مال کام آتا ہی نہ دولت۔ دُنیا میں جیسے خالی ہاتھ آئے تھے ویسے ہی خالی ہاتھ چلے۔ نہ کچھ ساتھ لائے تھے نہ کچھ ساتھ لے چلے۔

آے تھے جب تو لاے تھے کیا ساتھ واں سے ہم
حرمان و یاس لے کے چلے ہیں یہاں سے ہم

یہاں کا سامان یہیں چھوٹا اور بیک بینی و دوگوش اتنے بڑے کٹھن سفر پر چلے۔ باڈی گارڈ تو باڈی گارڈ وہاں ایک خدمتگار بھی میسر نہ آے۔

صاحبِ جاہ و حشمت و اقبال — دیکھو زاں جملہ ایک سکندر تھا
تھی یہ سب کائنات زیرِ نگیں — ساتھ مور و ملخ سا لشکر تھا
لعل و یاقوت و ہم زر و گوہر — چاہیے جس قدر میسر تھا
آخرِ کار جب جہاں سے چلا — ہاتھ خالی کفن سے باہر تھا

یہی وہ سفر ہی جس میں غریب و امیر بادشاہ و فقیر سب یکساں ہیں

چو آہنگ رفتن کند جانِ پاک — چہ بر تختِ مُردن چہ بر روے خاک

جانے والے ایسی گھڑی کے گئے کہ آج تک خبرے نباشد۔ خدا جانے اُن پر کیا گزری۔ نہ وہاں خط جا سکتا ہی نہ تار آسکتا ہی۔ نہ قاصد آتا ہی نہ پیام جاتا ہی۔

حالِ عدم نہ کچھ کُھلا گزرے ہی رفتگاں پہ کیا — کوئی حقیقت آن کر کہتا نہیں بھلی بُری

مرے بعد اگر اعمال کی پرسش نہ ہوتی تو پھر مرنے کا ڈر کیا تھا۔

وَلَوْ اَنَّا اِذَا مِتْنَا تُرِكْنَا ۔ لَكَانَ الْمَوْتُ رَاحَةَ كُلِّ حَيٍّ

وَلٰكِنَّا اِذَا مِتْنَا بُعِثْنَا ۔ وَنُسْأَلُ بَعْدَ ذَا عَنْ كُلِّ شَيْءٍ

مگر وہاں تو بڑا سخت حساب و کتاب درپیش ہی نہ وہاں سفارش کا دخل ہی نہ یہ پوچھا جاتا ہی کہ تم کس کے کون ہو۔ جو کچھ دیکھا جاتا ہی دل اور نیت اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ۔ دُنیا سے اگر کچھ لیا جا سکتا ہی تو اعمال ہیں۔ اپنی اپنی کرنی اور اپنی اپنی بھرنی۔ دھن دولت۔ جورو بچّے کوئی کام نہیں آتے

کل جگ نہیں کرجگ ہی یہ ۔ یاں دن کو دے اور رات لے

کیا خوب سودا نقد ہی ۔ اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

رُباعی

کیا کیا دُنیا سے صاحبِ مال گئے ۔ دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے

پُہونچا کے لحد تک پھر آئے سب لوگ ۔ ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

مبارک ہیں وہ لوگ جو سفرِ آخرت کے لیے طیار ہیں۔ موت ہر وقت اُن کے پیشِ نظر ہی اور وائے برحال اُن لوگوں کے جو دُنیا میں غفلت کی میٹھی نیند سوتے رہے اور اُنھوں نے اِس دن کی کچھ بھی طیاری نہ کی۔

رباعی

اندیشۂ باطل سحر و شام کیا ۔ عقبےٰ کا نہ کچھ ہائے سرانجام کیا

ناکام چلے جہان سے افسوس انیس ۔ کس کام کو یاں آئے تھے کیا کام کیا

یہ سب کچھ سہی مگر غم کے ساتھ راحت۔ عُسر کے ساتھ یُسر۔ تنگی کے ساتھ فراخی۔ بیماری کے ساتھ تن درستی۔ نااُمیدی کے ساتھ اُمید لگی ہوئی ہی۔ اِسی کے سہارے انسان جیتا ہی۔ ع دریں ہر گریہ آخر خندہ ایست۔ اِس مرحلے میں بھی روشنی کی جھلک ہی۔ شمعِ ہدایت ہماری رہنمائی کو موجود ہی۔ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ ۔ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۔ یہ ہیں تو چھوٹے

ف۱ اگر موت کے بعد ہم سے باز پرس نہ ہوتی تو موت بڑے آرام کی چیز تھی لیکن (مشکل یہ ہی کہ) مرنے کے بعد ہم اُٹھائے جائیں گے اور پھر ہر چیز کی پرسش ہوگی ۱۲۔

ف۲ جز ایں نیست کہ اعمال (کی بھلائی برائی) نیت پر موقوف ہی ۱۲۔

ف۳ میرے غصّے پر میری رحمت سبقت لے گئی ہی۔ اللہ تعالیٰ ضرور سب گناہ بخش دے گا ۱۲۔

چھوٹے دو جملے مگر کچھ ایسے دل خوش کُن اور حوصلہ افزا ہیں کہ بندۂ گنہگار سراپا خطا کار نادم و شرمسار کے لیے تو امرت کی دھار ہیں۔

رباعی

ای خالق ذوالفضل و کرم رحمت کر　　ای دافع ہر رنج و الم رحمت کر

سبقت ہی سدا غضب پہ رحمت کو تری　　اپنی تجھے رحمت کی قسم رحمت کر

واہ کیا تیری شان ہی تیرے قربان۔ ہر شخص اُمید لگائے بیٹھا ہی۔ وہ نکتہ نواز ہی۔ کیا عجب ہی کہ بیڑا پار ہو جائے۔

ناکردہ گناہ در جہاں کیست بگو　　آں کس کہ گنہ نہ کرد چوں زیست بگو

من بد کنم و تو بد مکافات دہی　　پس فرق میانِ من و تو چیست بگو

اپنے بندوں پر اُس سے زیادہ کون مہربان ہی؟ اُس سے زیادہ ہماری کمزوریوں سے کون واقف ہی؟ اگر وہ مواخذے پر تُل جائے تو پھر ہمارا ٹھکانا یقیناً جہنم کے سوا کہاں ہی۔ لیکن

یہ راہ وہ ہی جس میں کئی منزلیں ہیں سخت　　نا بستی کوئی ملتی ہی اور نا کوئی درخت

نا دلق ساتھ جائے گا اور نا شہانہ رخت　　نا بوریا گدا کا نہ شاہوں کے ہوں گے تخت

یکساں وہاں ہی قدر سلیمان و مور کی

دشوار سب سے منزلِ اوّل ہی گور کی

ہیں پانچ منزلیں جو کڑی سُنیئے اُن کا حال　　پہلے ہی نزع دوسرے دنیا سے انتقال

پھر ہی فشارِ قبر منکر نکیر کا سوال　　پھر روزِ باز پرس کہ وہ سخت ہی کمال

سو درگہِ خدا میں گرامی ہیں پنج تن

ان پانچ منزلوں کے بھی حامی ہیں پنج تن

غرض دنیا آج تک اسی اسلوب پر چل رہی ہی اور تا قیامت اسی طرح چلے جائے گی۔ چھوٹا ہو یا بڑا۔ بادشاہ ہو یا گدا جس کو دیکھو اسی گھن چکر میں لگا ہی۔ ما و شما کا کیا ذکر بڑے بڑے بادشاہ بھی فکر سے خالی نہیں بلکہ ع جن کے رُتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہی۔ سلطنتوں کا عروج و زوال ایک ادنےٰ

سلہ وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِظُلْمِھِمْ مَّا تَرَکَ عَلَیْھَا مِنْ دَآبَّۃٍ - اور اگر خدا بندوں کو اُن کی نافرمانیوں کی سزا میں پکڑتا تو روے زمین پر کسی متنفس کو باقی نہ چھوڑتا ۱۲۔

کرشمہ ایزد متعال ہی۔ کیسے کیسے گھرانے بَن بَن کر بگڑ گئے۔ کیسے کیسے تاج دار خاک میں مل گئے۔ جن کے لباس اطلس و حریر کے تھے وہ بھی کفن کی سفید چادر میں لپیٹے گئے۔

یاں قاقم و حریر کی کیا کیا خرید ہی ۔۔۔ واں جامۂ حیات کی قطع و برید ہی

⁂

جو قاقم و سنجاب پہنتے تھے ہمیشہ ۔۔۔ سوتے ہیں تہ خاک گلے میں کفنی ہی

جن کے محلات سر فلک تھے وہ بھی چپہ بھر زمین میں منوں مٹی کے تلے دبے پڑے ہیں۔ جن کو فرش گل پے نیند نہیں آتی تھی آج کیسی تنگ و تاریک لحد میں پھنسے ہیں !

رباعی

اک روز جہاں سے جان کھونا ہوگا ۔۔۔ گھر چھوڑ کے زیر خاک سونا ہوگا

بالش سے سر و کار نہ بستر سے غرض ۔۔۔ اپنا کسی سنگ میں بچھونا ہوگا

کل جن کے خزانے مالا مال تھے آج وہ ایک فاتحہ کے محتاج ہیں۔

بر سر خاکم گزر کردی صفا آوردۂ ۔۔۔ خوش بیا بنشیں کہ ماہم جسم و جانے داشتیم

از زبان غافل مشو ای عندلیب ۔۔۔ پیشتر ما ہم دریں باغ آشیانے داشتیم

کل اُن کے آگے پیچھے فوج کا باڈی گارڈ تھا۔ ہاتھی گھوڑے پالکی نالکی سب ہی کچھ تھا۔ دھوم دھڑکا ہٹو بڑھو۔ مجرے سلام کی دھوم دھام تھی لیکن مرے بعد دیکھا تو دُنیا وی ساری لذتیں اور نعمتیں ہیچ اور فانی تھیں۔ جتنے مرتے ہیں اُتنے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ آج مرے کل دوسرا دن۔ چند ہی دن میں ماو شما تو کس گنتی میں ہیں بڑے بڑے بادشاہوں کے کارنامے فراموش ہو جاتے ہیں۔

نہ خواہد ایں چمن از سرو لالہ خالی ماند

یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید

زمانے کا انقلاب مشہور رہی۔ آج جس کے موافق ہی کل اُس کے مخالف ہی۔ کبھی گاڑی ناؤ پے اور کبھی ناؤ گاڑی پے۔ مرتے کے ساتھ کوئی مرتا نہیں۔ مرنے والا اپنی جان سے جاتا ہی۔ اوپر والے چند روز رو پیٹ کر خاصے بھلے چنگے ہو جاتے ہیں۔

دُنیا کے جو مزے ہیں ہرگز وہ کم نہ ہوں گے ۔۔۔ چلے یہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے

ہندوستان جنت نشان میں ہندو مسلمان سیکڑوں بادشاہانِ عظیم الشان گزر گئے۔ اُن کے کارناموں سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اگر آپ نے اپنے شوق سے کتبِ تواریخ نہ دیکھی ہوں تو پیٹ کے دھندے کے کارن تو داروے تلخ کی طرح مدرسے میں ضرور پڑھی ہوں گی۔ کم سے کم تاریخ ہندو انگلینڈ تو مستحفظ ہو گی۔ گوش زدہ اثرے دارد۔ خیر اس کو بھی جانے دیجیے ہماری ہی زندگی میں دُنیا نے کیسی کیسی کروٹیں لی ہیں۔ دو بادشاہ تو ہمارے دیکھتے دیکھتے ہی چل بسے۔ ملکہ وکٹوریا اور ایڈورڈ ہفتم۔ بعض جیتے جی تخت سے اُتارے گئے۔ قید ہوئے جلاوطن ہوئے۔ سلطان عبدالحمید خاں اور محمد علی خاں شاہ ٹرکی و ایران کا واقعہ ابھی کل کی بات ہے۔ جوں جوں زمانہ گزرتا جائے گا اُن کی یاد دل سے محو ہوتی جائے گی۔ لیکن اُن کے کارنامے اُن کے عدل و انصاف کے شُہرے مدتوں زبان پر چڑھے رہیں گے۔ بادشاہوں کی ہڈیاں گل کر راکھ ہو گئیں۔ اُن کے مقابر زمانے کے ہاتھ سے ٹوٹ پھوٹ گئے لیکن اُن کے مظالم اور محاسن پہلو بہ پہلو لوگوں کے دلوں پر نقش ہیں۔

زندست نامِ فرخ نوشیرواں بعدل
گرچہ بسے گزشت کہ نوشیرواں نماند

لیکن ہم ایک ایسی سلطنت کی تاریخ لکھ رہے ہیں کہ جس کا دَور دَورہ تخمیناً ڈھائی صدی تک بڑے ملک دکن میں رہا اور جس کی عظمت و جبروت کی ادنےٰ مثال یہ ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں تو اُن کے پاس لشکر تھا اور اَنگنت دولت تھی اور ابھی تین سو پینتالیس ہی برس ہوئے کہ اُن کا ڈنکا بجتا تھا لیکن آج کوئی اُن کا نام بھی نہیں جانتا کہ وہ کون تھے کس کونے میں پڑے تھے۔ اُن کے دارالسلطنت کی حیثیت آج ایک چھوٹے سے چھوٹے گاؤں سے بھی بدتر ہے بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہیں ہے کہ جس کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور آج سوائے ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں کے کچھ باقی نہیں۔ آج یہ بھی کوئی نہیں جانتا کہ بیجانگر کہاں ہے اور وہاں جائیں تو کدھر سے جائیں۔ میں دوسروں کی کیا کہوں میں نے تو بیجانگر کا نام بھی نہ سُنا تھا۔ سالِ گزشتہ بہ تقریبِ دورہ میرا جانا آناگُندی ہوا۔ راجہ صاحب نے مجھے تاریخ بیجانگر دی جو اُنھیں کے اہتمام سے انگریزی میں سورج نارایَن راؤ بی۔ اے نے لکھی ہے۔ اُس کو میں نے اُلٹ پلٹ کے دیکھا۔

جب آنکھیں کھلیں اور میرے دل میں شوق پیدا ہوا۔ راجہ صاحب کے ساتھ ہی دریائے تنگ بھدرا کے پار
گیا۔ تب دریا وٹھل سوامی کا دیول دیکھا جو وٹھوبا کے دیول کے نام سے مشہور ہے۔ دیول کیا ہے خدا
کی قدرت کا نمونہ ہے پتھر کو موم کر دیا ہے۔ بہت بڑی اور وسیع عمارت ہے جس میں گل کاری۔ نقاشی
تصاویر اور بت تراشی کا کام ایسا کیا ہے کہ ہونا ممکن نہیں ہے۔ وہاں سے ہمپی کے دیول کو گئے۔
جس کو ہمپاپتی اور ویرپاکش کا دیول بھی کہتے ہیں۔ اس میں ایسی صناعی تو نہیں ہے مگر اس کے
قبے بہت بلند ہیں اور بہت وسیع اور لمبا چوڑا دیول ہے۔ اس کا دروازہ کئی منزلہ عالی شان
ہے۔ اس پر چڑھنے سے کوسوں کا منظر نظر آتا ہے۔ نیچے کے آدمی بہت چھوٹے چھوٹے معلوم
دیتے ہیں۔ اس پر چڑھ کر دلی کی قطب صاحب کی لاٹھ یاد آگئی۔ یہاں صدہا دیول ہیں جن کے
دیکھنے کو کم سے کم ایک ہفتہ درکار ہے۔ رستے میں جو دیول پڑے وہ دیکھتے ہوئے ہم نرسنہواں
کے بڑے بت کے پاس پہونچے۔ یہ ایک ہی پتھر کی تراشی ہوئی بڑی بھاری مورت ہے کہ شاید ہی
کہیں اتنا بڑا بت ہو۔ اس کے بعد خاص ہمپی نگر میں پہونچے وہاں سوائے کھنڈروں اور چونے
پتھر کے ڈھیروں کے چند ہی عمارتیں قابل دید تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کبھی زلزلہ آیا تھا جس نے
مسمار کر دیا۔ مگر نہیں تاریخ بتا رہی ہے کہ ۱۵۶۵ء میں اس شہر کی عمارتوں کو چن چن کے مسمار کیا گیا ہے
کہ نام و نشان تک باقی نہ رکھا۔ خدا جانے دو چار عمارتیں جو بچ رہی ہیں وہ کیوں کر ان کی دست
برد سے محفوظ رہیں۔ کونسل ہال۔ اصطبل فیلاں۔ زنانہ یہ تینوں عمارتیں اچھی حالت میں ہیں اور
گورنمنٹ نے ان کی مرمت کرا دی ہے۔ باقی رہے نام اللہ کا۔ راجہ کے محل کی عظیم الشان چار دیواری
کھڑی ہے شاید توڑے نہ ٹوٹی ہوگی مگر اندر جھاڑو دے دی ہے۔

"زنانہ" مکان کے پاس ایک دیدبان کی عمارت سربفلک کھڑی ہے مگر ٹوٹی ہوئی۔ ایسے چار دیدبان
تھے جن میں کا ایک رہ گیا ہے باقی کا پتہ نہیں علی ہذا دیوان کے مکان کی دیواریں تو ندارد ہیں مگر اس کا
پختہ گچ کا وسیع چبوترہ موجود ہے جس سے اس کی وسعت عظمت اور شوکت کا اندازہ کیا جا سکتا
ہے۔ وہاں سے ہزارہ راما سوامی کا دیول دیکھ کر کملاپور پہونچے۔ مسافر بنگلے میں ٹھیرے تیسرے
پہر کو پھر کچھ عمارات دیکھنے نکلے۔ جا بجا ٹوٹے پھوٹے پتھر پڑے ہیں مگر سب سڈول گھڑے
گھڑائے نقش و نگار سے آراستہ۔ کس محنت سے بنائے ہوں گے۔ اور کس بے قدری سے رل رہے

ہیں۔ خانہ باغوں میں نہروں کی علامتیں پانی پونہچانے کی نالیاں بتلا رہی ہیں کہ کبھی کیا کچھ ہوگا۔ ایک حمام بھی قابلِ دید ہی اس میں پانی آنے کی نالیاں فوارے حوض اطراف کی گیلری سب موجود ہی جب کبھی آباد ہوگا تو رشکِ ارم ہوگا راجہ اور رانیاں گیلری میں برآمد ہوتے ہونگے حوض میں محبوبانِ سیمتن کے نہانے کا تماشا دیکھتے ہونگے۔

آبِ رواں ہو سبزہ ہو پہلو میں یار ہو

مدت سے یہ ہوس ہی کہ ایسی بہار ہو

غرض میں کہاں تک لکھوں میری زبان اور قلم دونوں سکتے کے عالم میں ہیں۔ سوائے دو گھنٹے دن کو آرام لینے کے سات بجے صبح سے سات بجے شام تک پھرے مگر کیا خاک دیکھا۔ کچھ نہ دیکھا آرزو دل کی دل ہی میں رہی۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

اسی وقت سے مجھے وہاں کے حالات دریافت کرنے کا شوق ہوا۔ راجہ صاحب خود وہاں کی زندہ تاریخ ہیں اُن کے دیوان کاربرداز سب چپہ چپہ سے واقف۔ دیسی لوگ تو ایسے بہت ہی کم ہیں جو ایسے ویرانے کو دیکھیں البتہ صاحبانِ انگریز دور و دراز ملکوں سے آتے ہیں بڑی توجہ اور غور سے دیکھتے ہیں ہر مقام کا فوٹو لے جاتے ہیں حتّٰی کہ لارڈ کرزن تشریف لائے اور دن بھر پاپیادہ دھوپ میں پھرتے رہے۔ ایک ایک مقام کو دیکھا۔ وٹھل سوامی کی دیول میں چاے نوشی فرمائی جس کی ایک ایک پال اب بھی زبانِ حال سے اپنے بانیوں کی اولوالعزمی کی یادگار ہی۔ کونسل ہال میں بریکفاسٹ ہوا۔ یہ لارڈ کرزن ہی کی بدولت ہی کہ ہر عمارت کو تھام لیا۔ گرتے ہوئے مکانوں میں اڑواڑیں اور ستون لگا دیئے۔ ضروری مرمت کرادی ورنہ سوائے ڈھانے اور مسمار کرنے والوں کے اِن کا بنانے والا کون تھا۔ جو پندہ یابندہ مسٹر سیول کلکٹر بلھاری کی کتاب "فارگاٹن امپایر" ملی۔ سچ یہ ہی کہ انگریز جو کام کریں گے نکھ سکھ سے درست۔ کتاب ایسی لکھی کہ باید و شاید۔ اس کتاب کا نام "بھولی بسری سلطنت" رکھا ہی اور کیا خوب رکھا ہی مگر راجہ صاحب کو یہ ناگوار ہوا انھوں نے اس کے جواب میں "نوٹ ٹوبی فارگاٹن امپایر" لکھوائی۔ جس کے معنے ہیں کہ ایسی

Never to be forgotten Empire ؎ Forgotten Empire ؎

سلطنت جو کبھی بھولی نہیں جا سکتی۔ میں کہتا ہوں دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ بھولی ہوئی سلطنت اس اعتبار سے ہے کہ آج سوائے بربادی اور تباہی کے صفحۂ ہستی سے اس کا نشان تک مٹ گیا۔ نہ بھولنے کے قابل تاریخی حالات اور وہاں کے حکمرانوں کے کارنامے ہیں۔

ای اجل گر تن بے جاں تہ خاکش سپری

نتوانی کہ نکونامیش از یاد بری

ان دونوں انگریزی کتابوں کا ماخذ تاریخ فرشتہ۔ برہان مآثر۔ نیونیز۔ پینز۔ بسیراس۔ عبدالرزاق وغیرہ کے وقائع ہیں جنھوں نے بیجانگر میں رہ کر حالات دیکھے ہیں اور ان کا لکھنا صحیح بھی ہے ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ علاوہ اس کے جا بجا کندوں۔ تانبے کے پتروں کے کتبوں متفرق کاغذات احکام و فرامین و اسناد نے بہت کچھ روشنی ڈالی ہے۔

یَلُوحُ الخَطُّ فِی القِرطَاسِ دَهرًا

وَکَاتِبُهٗ رَمِیمٌ فِی التُّرَابِ

میں نے ان کتابوں کو بغور پڑھا ہے ان کو مقامی حالات سے ملایا ہے۔ خود بھی بہت کچھ پوچھ کچھ کی ہے ان مقامات کو دیکھا ہے سرسری نگاہ سے نہیں بلکہ نظرِ تعمق و غور سے ایک دفعہ نہیں کئی کئی دفعہ۔ پوجاریوں۔ پروہتوں اور شاستریوں سے حالات دریافت کیے ہیں۔ بیجانگر کا

سلہ لکھا ہوا کاغذ میں چمکتا رہتا ہے مگر لکھنے والا مٹی میں بوسیدہ ہو جاتا ہے۔

سلہ اس کتاب کی تصنیف کے وقت مجھے سب سے زیادہ سیول صاحب کی کتاب سے مدد ملی اس کے بعد سورج نارائن راؤ صاحب کی کتاب سے۔ ان دونوں صاحبوں کا میں بہت ممنونِ احسان ہوں۔ تاریخ فرشتہ تو ایک مستند کتاب ہے میں کیا جو کوئی تاریخ لکھے گا اس کی رہبری ہوگی اس کے علاوہ میڈوز ٹیلر کی ہسٹری آف انڈیا۔ میڈوز ٹیلر کی سوانح عمری۔ ہنری کوزن کی گائیڈ تو بیجاپور مارسڈن صاحب کی تاریخ ہند۔ نواب فرامرز جنگ بہادر صوبہ دار صوبہ گلشن آباد میدک کی گائیڈ تو بیدر۔ محمد سلطان صاحب کی تاریخ بیدر۔ ارمغانِ سلطانی (سیر گلبرگہ) دو قلمی نسخے تاریخ بیجاپور کے ایک موسوم بہ آثر نک بیجاپور۔ دوسرا بستان بیجاپور ایک قلمی تاریخ عستان آناگندی کی میں نے دیکھی ہیں۔ راجہ صاحب آناگندی کی مہربانی کا خاص طور پر شکریہ ادا کرنا میرا فرض ہے کہ انھوں نے مجھے بہت کچھ مدد دی اور کیوں نہ دیتے کہ کام ان کا تھا نام میرا۔ وہی اس اجڑی ہوئی سلطنت کے چشم و چراغ ہیں۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ہیڈ ماسٹر نے تصنیف کی ترتیب میں منشی سید سیف الدین صاحب (بقیہ صفحۂ آئندہ)

تعلق زیادہ تر گولکنڈہ - احمد نگر - بیجاپور - گلبرگہ - بیدر - ادھونی - بلگاؤں - رایچور - مدگل اور گوا سے رہا ہے - ہمیشہ ان سے ہی لڑائی رہی - ان میں بیدر - گلبرگہ - رایچور - مدگل پر تو میں بہ تعلق ملازمت سالہا سال رہا ہوں اور اب بھی ضلع رایچور میں ہوں جس میں سمستان آناگندی واقع ہے اور بیجانگر وہاں سے بالکل ملا ہوا ہے صرف دریائے تنگ بھدر درمیان میں ہے - باقی سب مقامات کو خود جاکر دیکھا ہے اور چوں کہ طبیعت کا میلان ہمیشہ تاریخی واقعات کے معلوم کرنے کی طرف رہا ہے کچھ کچھ نوٹ وقتاً فوقتاً قلم بند کر لیا کرتا تھا جو آج کام آئے -

ہر کسے را بہر کارے ساختند
میلش اندر طبع او انداختند

مواد میرے پاس بہت کچھ تھا اور دوسرے مقامات کے متعلق اب بھی ہے لیکن کتاب لکھنے سے جی چراتا تھا کہ کام آسان نہیں بہت دن اسی پس و پیش میں رہا کبھی کچھ لکھا کبھی چھوڑ دیا - کبھی ہمت بندھی کبھی دل چھوٹ گیا - اتنی فرصت کہاں کہ اسی کا ہو رہتا - دن کا آرام رات کی نیند گنوا کر یہ ٹوٹی پھوٹی کتاب ناظرین کی خدمت میں پیش ہے ؂ گر قبول افتد زہے عز و شرف -

بہ سازم یکے بوستاں چوں بہشت	کہ خلدش بہ بینی باردی بہشت
گلستانے آرایم از خوش سخن	کہ ہرگز نہ گردد ز گردش کہن

سہو و اغلاط شیوۂ انسانی ہے میں اس سے برارت کا دعویٰ کب کرتا ہوں بہت سی غلطیاں مجھ سے ہوئی ہوں گی مگر جان بوجھ کر نہیں - ناظرین کیا میری محنت کے مقابلے میں میری لغزشوں سے چشم پوشی نہ فرمائیں گے ؟ - گھر بیٹھے ناظرین ایک اُجڑی ہوئی سلطنت کے کارنامے دیکھیں گے تو میری محنت کی داد دیں گے اور ضرور اس بات کے قائل ہوں گے کہ ابدی اور ازلی بادشاہت سوائے خداوند تعالےٰ کے کسی کی نہیں ہے -

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴) اور وینکٹ راؤ صاحب نے سودہ نگاری اور صاف نویسی میں مجھے بہت بڑی مدد دی ہے جن کا میں از بس شکر گزار ہوں یہ ان صاحبوں کی مدد اور توجہ کا سبب تھا کہ اس قدر جلد میں کتاب کی تدوین سے فارغ ہوگیا - ورنہ یک سر و ہزار سودا + + +

میں کہاں اور کہاں ہوائے بہشت
نازکی زیبدم بہ طلعتِ زشت

ہر کہ آمد بجہاں اہلِ فنا خواہد بود
واں کہ پایندہ و باقیست خدا خواہد بود

سدا سے وہی ہی اور سدا وہی رہے گا۔ اللہ بس باقی ہوس۔ آخری التجا بس یہی ہی کہ خاکسار کے حق میں دعاے خیر فرمائیں۔ کتاب تو میری برسوں ہی رہے گی مگر میں کہاں؟ دُنیا نے جب ایسے ایسے نامی گرامی بادشاہوں کو مٹا دیا تو میں بے چارہ کس شمار قطار میں۔

نوشتہ بماند سیہ بر سفید
نویسندہ را نیست فردا امید

لاکھ لاکھ شکر اُس خداوندِ حقیقی کا ہی کہ اتنی بڑی کتاب ختم ہو گئی ورنہ مجھے کب اُمید تھی کہ میں اس کام کو پورا کر سکوں گا۔

رُباعی

کیا فائدہ ذکر بیش و کم سے ہوگا
ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

مقام رایچور صوبہ گلبرگہ شریف
۲۵ ستمبر ۱۹۱۰ء

خاکسار
بشیر الدین احمد وفقہ اللہ التزود لغد

سلطنتِ سرکارِ عالی نظام
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
اسکیل فی دو میل ایک انچ
میل
دریای تنگ بھدرا
نمباپور
سرائے درگ
تالاب

گر قدم بر چشم ما خواہی نہاد   دیدہ در رہ می نہم تا می روی

ﷺ

قبل اس کے کہ ہم بیجانگر کی تاریخ شروع کریں مناسب ہی کہ اُن لوگوں کے لیئے جو اس مقام کو دیکھنا چاہتے ہیں ایک مختصر سی گیئڈ[1] لکھ دیں۔ جس سے معلوم ہو سکے کہ پہلے یہاں کی حالت کیا تھی اور اب کیا ہی۔ اب اس اُجڑے دیار میں دیکھنے کے قابل کیا بچ رہا ہی۔ حالات جو میں نے لکھے ہیں وہ ع

ہیں اس میں چشم دیدہ بھی اور کچھ شُنید بھی

ہم نے اپنے سیاح کو کاملا پور کے مسافر بنگلے میں اُتارا ہی اور سارے شہر کا چکر پھرا کر اُسے پھر وہیں پونہچا دیا ہی۔ جو شخص اس گیئڈ کو اپنے ساتھ رکھے گا ہمیں اُمید ہی کہ وہ پوری طرح یہاں کی سیر کرے گا اور اُسے کسی قسم کی دقت پیش نہ آے گی۔ اس گیئڈ کے لکھنے میں مجھے راؤ بہادر سی سیلپچ۔ گنوڈ صاحب (ہوس پیٹ) کی مختصر کتاب سے بہت مدد ملی ہی جس کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں

ﷺ

فی زماننا جس قصبے کا نام ہمپی مشہور رہی ہی قدیم زمانے کا مشہور شہر ویجانگر یا وِدیانگر تھا جو اپنی وسیع فتوحات اور اپنے حکمرانوں کی امارت اور تموّل کے لیئے مشہور تھا۔ یہ مقام دریاے تنگ بھدرا پر بلھاری سے بہ فاصلہ (۳۶) میل اور ہوس پیٹ سے (۷) میل ہی۔ یہ دونوں مقامات سدرن مرہٹہ ریلوے کے اسٹیشن ہیں۔ اگرچہ ہوس پیٹ ہی سے کھنڈروں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہی لیکن کاملا پور میں مسافر بنگلہ بنایا گیا ہی جو قدیم عمارات منہدمہ کے بیچوں بیچ میں ہی۔ ہوس پیٹ سے چلتے ہی ہمپی کی سڑک پر ریلوے کی لیول کراسنگ[2] (پھاٹک) کے پاس جو ہوس پیٹ

[1] گیئڈ اُس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کسی شہر کے حالات بیان کیئے جائیں ۱۲ [2] ریل کی سڑک پر جو پھاٹک لگا دیتے ہیں ۱۲

کمپلی کی سڑک پر ہی اننتا ساینا گوڑی ایک بہت بڑا دیول ہی جو اب بالکل ویران ہی تاہم اِس کا بڑا
محراب دار قبّہ جو خاص کاری گری سے بنایا گیا ہی قابلِ دید ہی۔ اِس گنبد میں ایک بہت بڑی مورت وشنو
کی جو سانپ پر بیٹھا ہوا ہی رکھنے کا ارادہ تھا۔ یہ مورت اب بھی ہڑگلی تعلقہ کے ایک موضع میں
جو ہوس پیٹ سے پچاس میل کے فاصلے پر ہی پڑی ہوئی ہی اور دیول خالی پڑا ہوا ہی جو حال
میں سررشتہ تعمیرات کی زیرِ نگرانی دیا گیا ہی۔ اننتا ساینا گوڑی سے سڑک ملپنا گوڑی کو پھٹ
جاتی ہی جو ہوس پیٹ سے (۳) میل ہی یہاں بھی ایک بڑا بھاری سیوا کا ویران دیول ہی دیول
کے سامنے ایک پتھر پر ایک کتبہ سنہ ۱۴۱۲ء کا کندہ ہی جس میں دیو رائے راجہ بیجانگر کے عطیّہ کا ذکر
ہی۔ شہر بیجانگر کی سات فصیلوں میں سے دو فصیلیں یہیں ملتی ہیں اور دو دروازے بھی موجود
ہیں جن کے پاس سے سڑک گزرتی ہی جو قدیم رستے کا نشان بتلاتے ہیں۔ آگے بڑھ کر سڑک
ایک مسطّح میدان سے گزرتی ہی۔ اِس میدان میں دو تین مخروطی شکل کے دیول متفرق مقامات پر
نظر پڑتے ہیں۔ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک بہت بڑا تالاب ہی جس کے بند پر سے
کاملاپور کی سڑک جاتی ہی یہیں ڈاک خانہ اور مسافر بنگلہ (یہ بھی قدیم دیول تھا جس کو جے۔ راچ
ماسٹر صاحب سابق کلکٹر بلھاری نے مسافر بنگلہ بنا دیا) ہی۔ اب یہاں سے سیّاح کو ہم اُن مقامات
کی طرف لے چلتے ہیں جو اس نواح میں قابلِ دید ہیں۔ یہاں سے دو سڑکیں بطور مثلّث کی دو ساق
کے پھوٹتی ہیں ایک تو ہمپی کے دیول کو جاتی ہی دوسری اُس گھاٹ کو جاتی ہی جہاں سے عبور
کرکے آناگندی (جو اب راجگانِ بیجانگر کے پس ماندگاں کا مسکن ہی) کو جاتے ہیں۔ مثلث کا
قاعدہ دریائے تنگ بھدرا ہی۔

برباد شدہ عمارتوں کا مجموعہ جو اب "محل" کہلاتا ہی موضع کاملاپور کے پاس ہی۔ یہ مقام
ایک کھلا پہاڑی میدان ہی جسے قدرتی طور پر پہاڑوں کے پتھروں نے ایک بیضوی شکل
کا بنا دیا ہی جس کے دیکھنے سے اِس قدرتی مقام کی دل چسپی ظاہر ہوتی ہی کہ یہ جگہ خاص کر نہ صرف
اپنے حسنِ منظر کے لحاظ سے پسند کی گئی تھی بلکہ بکار آمد بھی تھی۔ اِس جگہ کے اطراف کے پہاڑ
قدرتی طور پر قلعے اور محافظت کا کام دیتے تھے اور پتھروں کے بڑے بڑے گنبد، مندروں
مناروں اور مکانات کے بنانے کا بڑا ذریعہ تھے۔ اِن ہی خوشنما پہاڑیوں کے بڑے بڑے

پتھروں کے گنڈوں[1] کے درمیان چٹانوں پر سے دریائے تنگ بھدرا پیچ و خم کھاتا ہوا رواں ہے ہدس پیٹ سے آتے وقت دُور سے ہی درختوں کے جھنڈ میں جا بجا مندروں کی چوٹیوں کی جھلک نظر آتی ہے اور ایسا معلوم دیتا ہے کہ ہم کسی آباد شہر کے قریب آ پونہچے ہیں لیکن جوں جوں نزدیک آتے جاتے ہیں سوائے ویرانی اور نیشکر کے ملوں اور شالی زار کے کھیتوں کے کچھ نہیں پاتے۔ اگرچہ وہ بڑی بڑی نہریں جو کسی زمانے میں لاکھوں آدمیوں کی ضروریات کے لیئے بکار آمد تھیں اب بھی موجود ہیں لیکن اب اِن کا مصرف صرف کھیتوں کو پانی پونہچانے کے سوا اَور کچھ نہیں ہے۔ اس میدان میں گشت لگانے والے کو جا بجا قدیم مکانات اور بازاروں کے نشانات ملیں گے۔ میلوں تک جہاں تک نظر کام کرتی ہے سوائے اُجڑے ہوے محلات۔ مکانات دیول۔ مندر۔ ستون۔ برآمدوں۔ دروازوں۔ خالی چار دیواریوں۔ فصیلوں۔ برجوں۔ مورچوں ٹوٹے پھوٹے خشک تالابوں۔ حوض۔ پانی کی نالیوں۔ مورتوں اور بتوں کے کچھ نظر نہ آئے گا یہ سب زبانِ حال سے اپنی شان و شوکت اور عظمت اور اب اپنی ویرانی بربادی اور تباہی کی افسوس ناک وحسرت آمیز داستان بیان کر رہے ہیں۔ زمانے اور انسان کے ظالم ہاتھوں نے کس بے رحمی اور سفاکی سے ایسے عظیم الشّان شہر کو برباد کیا ہے۔ جس کے ویرانے کو آج ہم دیکھنے آئے ہیں۔ ڈاک بنگلے سے چل کر شہر کی فصیل کے برابر سے سڑک گزر کر شہر میں پونہچتی ہے۔ راستہ ٹیڑھا میڑھا ہے جو غالبًا دشمن کی روک تھام کے لیئے بنایا گیا ہوگا جیسا کہ قدیم زمانے کا دستور تھا۔ تھوڑی دُور آگے چل کر ایک ٹیکرے پر ایک دیول چندر اسیکھر مٹھ ہے جو ابھی تک صحیح سلامت ہے وہ شاید اس وجہ سے اپنی حالت پر چھوڑ دیا گیا کہ اس عمارت میں کوئی خاص خوبی نہ تھی اور برباد کرنے اور اُجاڑنے والوں کو اسی وجہ سے اِس کی طرف توجہ نہیں ہوئی جو یہ بچ رہا۔ جیسا کہ اَور سب مندروں کا حال ہے اِس میں بھی کسی دیو کی مورت نہیں ہے خالی دیول پڑا ہے۔ اِس سے گمان ہوتا ہے کہ مندروں کے بتوں کو توڑ پھوڑ کر غارت کر دیا۔ اِس دیول کے پاس ہی "رانیوں کا حمام" ہے۔ یہ عمارت (۷۸) فٹ (۵) انچ مربّع ہے اور اس کے دروازے کماندار ہیں۔ عمارت کے وسط میں ایک پچاس فٹ مربع حوض ہے جو نو فٹ عمیق ہے۔ چاروں طرف برآمدہ لداؤ کا ہے

---

[1] بڑے بڑے پتھروں کو گنڈ کہتے ہیں ۱۲

جس پر نہایت عمدہ نقش و نگار بنے ہوے ہیں۔عمارت کی موجودہ حالت۔طرز۔آراستگی سے گمان ہوتا ہی کہ یہ اپنی اصلی حالت پر نہیں ہی بلکہ مسلمان فاتحین کا تصرف نمایاں ہی۔پس یا تو مسلمانوں نے شکست ریخت کرکے اِسے اپنے طرز پر بنا لیا ہی یا یہ کہ راجگانِ بیجانگر ہی نے مسلمان کاریگروں سے بنوایا ہو۔یہ مکان "زنانے" سے اِس قدر دُور ہی کہ ہمیں اِس میں بھی تامل ہی کہ آیا یہ عمارت فی الواقع رانیوں کا حمام تھا بھی یا نہیں اور اگر ہوگا بھی تو خاص خاص مواقع کے لیے نہ کہ عموماً لیکن پانی کی بے شمار نالیاں۔متفرق متعدد حوض۔روشیں۔منڈوے[ل] بتلا رہے ہیں کہ اِس مکان کے اطراف میں باغات ضرور ہوں گے جن کا سلسلہ زنانے محلات تک پونہچا ہی اور ممکن ہی کہ اُس زمانے میں رانیاں اس حمام تک اس طرح آسکتی ہوں کہ کسی کی نظر اُن پر نہ پڑے۔اِسی مقام کے قریب ذرا بلندی پر اُس نہر کی علامات موجود ہیں جس سے اِس حمام اور نیز شہر میں پانی پونہچایا جاتا تھا اور اب تک جا بجا پتھر کی نالیاں موجود ہیں جن میں سے پانی دوڑتا تھا۔زنانے حمام سے چند گز فاصلے پر جانب شمال مغرب ایک اَور بڑا اور وسیع حوض موجود ہی جو راجاؤں کے حمام کے نام سے مشہور ہی اور وہ محلات سے قریب بھی ہی۔یہ مقام مٹی کے ٹیلے میں دبا ہوا تھا حال میں کھود کر نکالا گیا ہی (اور اِس طرح بہت سے مکانات ٹیلوں کے اندر دبے پڑے ہیں چنانچہ جب میں دیکھنے گیا تھا جب بھی ایک دیول کھود کر نکالا جا رہا تھا جو قریب نصف کے نکل چکا تھا) اِس حمام کا صرف پختہ صحن اچھی حالت میں ہی اور پانی کے آنے جانے کے رستے بنے ہوے ہیں باقی کا حصہ منہدم ہو گیا۔زنانے حمام سے قریب ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر ٹیلوں کا ایک سلسلہ نظر آتا ہی جس میں مسلسل چبوترے اور برآمدے معلوم دیتے ہیں۔اِس ٹیلے کی بلندی ۳۱ فٹ ہی سب سے بلند مقام پر اب تک ایک منڈوے کی علامات معلوم ہوتی ہیں جس کو عبدالرزاق سیاح نے طلائی برآمدہ اور مرصّع تخت لکھا ہی اور جہاں سے اُس نے ہندوؤں کے بڑے بھاری دسہرے کے تہوار کا تماشا دیکھنے کی دلچسپ کیفیت بیان کی ہی۔اِس کو اب تک "تخت گاہ" اور "مہا نومی یا دسہرہ ڈبہ" کہتے ہیں۔دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ کسی زمانے میں یہاں کوئی چھوٹی فصیل یا دُہرا احاطہ ہوگا جس کے بیچ میں

[ل] سائبان نما مکان ۱۲۔

رستہ بنا ہوا تھا چنانچہ اب بھی اس ٹیکرے پر رستے کے سرے ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا ہی غالباً
یہیں سے راجہ اور رانیاں دسہرے میں اور دوسری تقریبات میں مثلاً ہاتھیوں کی لڑائی ۔ کشتی اور
مختلف قسم کے تماشے دیکھا کرتے تھے کیوں کہ اس کے نیچے وسیع میدان تماشے گاہ کا موجود ہی ۔
اس مقام کے پتھروں کی سلوں پر تمام منبّت نقش و نگار ہیں ۔ ایک جگہ راجہ تخت پر بیٹھا ہوا ہی
اُس کے سامنے ایک قطار برچھے برداروں کی کھڑی ہی ۔ ہاتھی ۔ اونٹ ۔ شیر ۔ شکاری اور اُن کے
کتے جو ہرنوں کا تعاقب کر رہے ہیں ۔ رنڈیاں اور اُن کے سازندوں کی تصویروں سے باقی جگہ
بھری ہوئی ہی ۔ اس قسم کی بہت سی تصویریں ہیں لیکن بھدّی ہیں حالاں کہ اسی کے پاس ہزارا
راما سوامی کے مندر کے نقش و نگار بہت عمدہ اور نفیس ہیں ۔ اسی کے قریب دو دروازے
دکھلائی دیتے ہیں جو زمین کے اندر دب گئے ہیں اور جو ایک ہی پتھر کے معلوم دیتے ہیں
جن کے سامنے چبوترے بھی ہیں ۔ اس ٹیکرے پر سے شہر کا نظارہ بہت اچھی طرح ہو سکتا ہی
اور شہر کی عمارات کے تین حصّے جدا جدا معلوم دیتے ہیں راجہ کا محل ۔ زنانے محلات ۔ اور ڈھن
نایک کا محل ۔ اور دیگر عمارات بھی بخوبی دکھائی دیتی ہیں ۔ ہر حصّہ محاط ہی اور اُس کے متعلق
بیوتات اور صحن جدا جدا ہیں ۔ راجہ کے محل کے نام سے جو جگہ اب مشہور ہی اُس میں متعدد عمارتیں
جُدا جُدا ہوں گی چنانچہ تخت گاہ یا دسہرہ ڈبّہ بھی اسی میں شامل ہی ۔ ان عمارات کا سلسلہ
ایک دوسرے سے چھتوں اور تہ خانوں کے ذریعے سے ملا ہوا ہو گا چنانچہ "تخت گاہ"
کے قریب ہی اُس دیول سے جو ابھی دبا ہوا نکالا گیا ہی چند گز کے فاصلے پر صاف تہ خانے
کا رستہ دکھلائی دیتا ہی ۔ خاص راجہ کے رہنے کا محل جس کا نام "وجایا بھون" تھا وہ تو
بالکل ویران ہی اُس کے صرف چبوترے کا نشان باقی ہی جس پر کسی زمانے میں عالی شان محل
کھڑا ہو گا ۔ اور اس چبوترے کے اطراف میں اُن دروازوں اور چھتوں کے نشانات بھی ہیں جن
میں سے راجہ کے محل میں داخل ہوتے تھے ۔ اس چبوترے کے شمال رُخ ایک بہت بڑا
حوض ہی جو ایک ہی پتھر میں تراشا گیا ہی جو ۴۱ ½ × ۳ × ۲ فٹ ہی ۔ کہا جاتا ہی کہ یہ حوض
راجہ کے باورچی خانے میں تھا اور اس میں محل کے مصرف کے لیے دودھ بھرا رہتا تھا ۔ راجہ
کے محل کے جنوب میں اسی احاطے میں ہزارا رام چندر کا دیول ہی جو راجہ کی پرائیوٹ عبادت گاہ تھی

یہ مندر شمال سے جنوب کو (۱۱۰) فٹ اور مشرق سے مغرب کو ۲۰۰ فٹ ہے۔ اس مندر کو کشن دیو رائے نے ۱۵۱۳ء میں بنایا تھا۔ دیول کی بیرونی دیوار پر قدیم کنڑی زبان کا ایک کتبہ بھی ہے اور دیول کے اندر ایک اَور کتبہ ہے جس میں تمارا ج (وزیر اعظم) کے ۱۵۲۱ء میں گرانٹ کا حال لکھا ہے۔ یہ دیول دوسرے دیولوں کی طرح وسعت کے لحاظ سے قابلِ ذکر نہیں ہے بلکہ ایک تنہائی کا مقام ہے اور شاید اسی وجہ سے راجہ نے اِسے اپنی پرائیوٹ عبادت گاہ مقرر کی ہوگی۔ اندر گھستے ہی بلند اور عالی شان دیواروں پر ہزاروں تصویریں منبت نظر آتی ہیں جس کو دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے انسان محو ہو جاتا ہے۔ اِس دیول کا نام ہزارا رام چندر کس وجہ سے پڑا ہے معلوم نہیں ہوتا شاید اس وجہ سے ہزارا کہلایا گیا ہو کہ راجہ کے محل کے دروازے کے پاس تھا یا یہ کہ سری رام چندر کی ہزار ہا تصویریں دیواروں اور ستونوں پر کھدی ہوئی ہیں۔ اِن تصویروں میں رامائن کے تمام سین بتلائے گئے ہیں۔ دیول کی دیواروں کے بیرونی رُخ پر رامائن میں جو شکار کے متعلق سین ہیں وہ بتلائے گئے ہیں اور ان تصاویر میں اعلیٰ درجے کی صناعی کی گئی ہے۔ مادھوا کو دیکھنے کے لائق اس مندر میں چار سنگی ستون ہیں جو درمیانی حصّہ "اردھا منڈپ" میں ہیں۔ یہ سنگِ موسیٰ کے ہیں جو بالکل سیاہ ہیں اور اِس قدر صاف تراشے گئے ہیں اور ان پر نقش و نگار اور تصاویر ایسی عمدگی سے کھودے گئے ہیں کہ پتھر تو پتھر کاغذ پر بھی اُن کا بنانا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

ہزارا رام چندر کے دیول کے بعد ہم ایک قسم کے چھتّے میں سے گزرتے ہیں جس کے دونوں طرف منڈپ ہیں جن میں سے بعض دو منزلہ ہیں اور زنانے محلات میں پہنچ جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ چھتہ کسی زمانے میں اِس غرض سے بنایا گیا ہوگا کہ راجہ کے محل سے زنانے مکانات تک گوشہ پردہ رہے۔ جن عمارات کو زنانے محلات کے نام سے موسوم کیا گیا ہے وہ ایک بہت بڑا احاطہ ہے جس کی بلند بلند دیواروں کے بعض بعض حصّے اب بھی موجود ہیں۔ یہ دیوار چھوٹے چھوٹے پتھروں سے بنائی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض پردے کی غرض سے طیار کی گئی تھی نہ کہ بطور حصار کے جو کسی وقت غنیم کے مقابلے کو کام آسے۔ اِس مثلثی احاطے کے تینوں کونوں پر

سلہ عطیہ ۱۲۔

تین تین بڑے بڑے منار بنے ہوئے ہیں جو دیدبان اور نوبت خانے کا کام دیتے تھے اُن کے اندر چکّردار سیڑھیاں ہیں جن پر سے اوپر چڑھ سکتے ہیں۔ اصل زنانہ محل جو ضرور اِس سلسلے کے وسط میں ہوگا بالکل نیست و نابود ہوگیا ہے اور اب صرف چبوترہ اور ڈھئی ہوئی عمارتوں کے کچھ ٹکڑے اور کچھ بیوتات متفرق جگھوں پر دکھلائی دیتے ہیں جو بڑے احاطے کے اندر ہیں۔ اِس عظیم الشّان اور خوب صورت محل کے دروازے پر دو ہاتھی نہایت خوب صورت بنے ہوئے تھے اُن کی سونڈیں توڑ پھوڑ ڈالی ہیں اور اصل عمارت جو بہت بڑا محل ہوگا وہ تو اب باقی نہیں ہے البتہ کچھ چھوٹے چھوٹے مکان گرے پڑے رہ گئے ہیں۔ زنانے محلّات میں اب صرف ایک ہشت پہل مُسقّف بیولین[1] باقی ہے جو درمیانی ہال کا صرف ایک طرف کا حصّہ معلوم دیتا ہے یہ دو منزلہ ہے اور اوپر جانے کو سیڑھیاں بھی ہیں اور یہی ایک کمرہ اوپر اور ایک نیچے کا حصّہ باقی رہ گیا ہے۔ اِس میں کھڑکیاں ہیں مگر وہ ایسی تنگ ہیں کہ باہر کی دور کی چیزیں دکھلائی نہیں دیتیں اِس مکان کی دیواروں پر بھی نقش و نگار اور صنّاعی قابل دید ہے اِس کا نام اب بلحاظ اُس کی وضع قطع کے لوٹس محل (یعنی کنول نما محل) ہے۔ اِس بیولین کے مغرب میں ایک مستطیل حوض ہے جو زنانے مکانات کے احاطے کے اندر ہے جو ایسا معلوم دیتا ہے کہ تیرنے کے لیئے بنایا گیا تھا۔ زنانے عمارات کے مغرب میں آٹھ عمارتوں کا ایک چھوٹا سا جُھمکا ہے ہر ایک کا رُکار اندر کی طرف ہے مربّع کے تین رُخ آباد ہیں چوتھا رُخ خالی ہے۔ اِن عمارتوں کی بیچ کی عمارت "کنسرٹ ہال[2]" کہلاتی ہے اور اس کے دونوں طرف کی عمارتیں "زنانہ اصطبل" کہلاتی ہیں اِس میں گیارہ اصطبل ہیں جو بلحاظ تعداد ہاتھیوں کے جو اُس زمانے میں تھے بالکل ناکافی ہیں غالبًا اِس میں خاصے کے منتخب ہاتھی رکھے جاتے ہوں گے۔ اصطبل بہت بلند اور کشادہ ہیں اور سارا کام لداؤ کا ہے اور اچھی حالت میں ہیں بیچ کے تھان پر سب چھجّا اُتارا گیا ہے غالبًا اِسی میں راجہ کی خاص سواری کا ہاتھی باندھا جاتا تھا جسے "پٹّا دا آنی" کہتے تھے یعنی تیل ملا ہوا ہاتھی۔ کنسرٹ ہال یا تھیٹر ایک بلند اور خوش نما مکان ہے جس کے سامنے ایک برآمدہ ہے جس کی گیارہ محرابیں ہیں جس میں کی بیچ والی کمان سب سے بڑی ہے اور اِسی سے مکان میں داخل ہوتے ہیں۔ دروازوں اور محرابوں

[1] برآمدہ ۱۲ — [2] جس مکان میں بہت لوگ جمع ہو کر تماشہ دیکھتے ہیں ۱۲

اور ساری جگہ میں جھاڑیوں اور کانٹوں اور جنگلی بیلوں کا ہجوم ہے۔ ہاتھیوں کے اصطبل کے پاس کنسرٹ ہال بنانے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میں یہ عمارت کنسرٹ ہال یا تھیٹر کی نہ تھی بلکہ زنانے محلات کے باڈی گارڈ کے لیئے بنائی گئی تھی لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ تھیٹر اور تماشوں کا الگ تھلگ مقام منتخب کیا گیا ہو جو دوسرے محلات سے جدا ہو اور اسی میں کھیل تماشے ہوتے ہوں۔ زنانے حصے کو چھوڑ کر سڑک پر مشرق کی جانب قریب ایک میل کے چل کر کاملاپور کیلی کی سڑک پر ہم کو وہ سرنگ ملتی ہے جو اندر ہی اندر چلی جاتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس مقام پر چند عمارتیں زمین میں دب گئی ہیں اور یہاں سے زنانے میں جانے کے لیئے سرنگ کا رستہ ہے۔ لیکن واقع میں اونچی سڑکوں کی مٹی بہ بہ کر اس کثرت سے ان عمارات پر جمتی گئی ہے کہ بالکل ڈھک گئیں۔ سررشتہ تعمیرات نے حال میں تھوڑی سی مٹی کھسکائی ہے اور بجائے سُرنگ کے یہاں چند کمرے نکلے ہیں جو اس طرح بنے ہوے ہیں کہ چند سیڑھیاں اُتر کر ایک سنگ بست کمرے میں پونہچتے ہیں اس میں سے ایک دوسرے کمرے میں رستہ ہے اور دوسرے کمرے میں سے تیسرے میں۔

زنانے محلات کے مغرب میں ایک اور احاطہ ہے جس میں شمال مشرق کے گوشے پر ایک دیدبان کا منار بنا ہوا ہے اور وسط میں ایک بڑی عمارت ہے جو مسلمانوں کے طرز پر بنی ہوئی ہے تیسرا حصہ ویرانے کا وزیر دھن نایک کے مکانات کے نام سے موسوم ہے۔ مسلمان اور پرتگالی مورخوں نے جو اس مقام کے حالات لکھے ہیں اُن سے اِس اُجڑی ہوئی جگہ کی مطابقت ہوتی ہے اور اُن کے نشان دادہ مقامات کا پتہ چلتا ہے۔ عبدالرزاق نے شہر بیجانگر کے بیان میں لکھا ہے کہ "محل وسط میں واقع تھا جس کے چاروں طرف بازار تھے جن کے آخر میں بلند منڈپ بنے ہوے تھے ان سب میں بلند تر مقام یہی محل تھا۔ کوچوں اور گلیوں میں پانی پتھر کی تراشی ہوئی نالیوں میں بہتا تھا۔ محل کی داہنی طرف وزیر کی کچہری کا مکان تھا جس کا نام "دیوان خانہ" "یا کونسل روم" ہے۔ یہ عمارت بہت بڑی تھی اور اس کے سامنے ایک منڈپ تھا۔ محل کی بائیں طرف دارالضرب تھا۔ دارالضرب کے عقب میں ایک بازار تین سو گز لمبا اور بیس گز چوڑا تھا جس کی سڑک پر پتھر کی سلوں کا فرش تھا۔

دھن نایک کے محلات سے چل کر ہم سڑک پر پڑ کر دریا کی طرف چلتے ہیں۔ آگے بڑھ کر اُدنی ویربھدرا

کا دیول ملتا ہی جو سیوا کا مندر ہی اور جس میں اب بھی پوجا ہوتی ہی۔ اس مندر میں کوئی دل چسپی کی بات نہیں ہی سوائے اِس کے کہ دیواروں پر مرد اور عورتوں کی کچھ تصاویر ہیں۔ اب سڑک نہر تنگ بھدرا سے تقاطع کرتی ہوئی کرشنا سوامی کے دیول کو جاتی ہی اور ایک بڑے بلند پھاٹک میں سے گزرتی ہی جس کے دونوں طرف اونچے اونچے چبوترے بنے ہوے ہیں جن پر برآمدوں کے طور پر ستون دار کمرے ہیں۔ کرشنا سوامی کا دیول اب ویران ہی اور ایک ویران بازار میں واقع ہی جو ہمپی کے دیول سے چھ سو گز جنوب میں ہی۔ اِس دیول میں کئی کتبے ہیں جن میں سے ایک ۱۵۱۳ء کا ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ اِس دیول کو کشن دیو راے نے اُدے گیری اور دوسرے مقامات فتح کرکے واپس آنے کے بعد بنوایا تھا۔ یہ دیول ایک وسیع سطح پر بنا ہوا ہی جس میں مندر واقع ہی اور پھر اندر اَور ایک احاطہ ہی۔ بیرونی صحن میں جانے کے چار پھاٹک ہیں۔ عمارت کی صنّاعی سیدھی سادی اور بھدّی ہی لیکن اِس قدر بڑے بڑے پتھر لگائے گئے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہی۔ ترشے ہوے پتھروں کی بہت سی چٹانیں تیس فٹ لمبی اور چار فٹ دبیز اُونچے اُونچے مقامات پر لگی ہوئی ہیں اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنے بڑے بڑے پتھر اتنے اوپر کس طرح چڑھائے گئے ہوں گے۔ بیرونی احاطے کے جنوب میں ایک اور سیدھی سادی عمارت ہی جو اِس عمارت سے بالکل مختلف ہی اِس میں چھوٹے چھوٹے دریچے اور ایک پست محراب دار دروازہ مشرق کی طرف لگا ہوا ہی۔ اندر وار مربع قطعات میں ستون لگے ہوے ہیں جن پر نوکیلی کمانیں ہیں۔ چھت تمام لداؤ کی ہی جس میں اُتھلے[1] قُبّے بنے ہوے ہیں۔ چھت پر جانے کے لیئے باہر سے ایک زینہ بھی ہی۔ کرشنا سوامی کے دیول سے تھوڑی دُور جنوب مغرب کی طرف وہ احاطہ ہی جس میں نرسنہوا کی مشہور مورت ہی جس میں ایک ناگ سانپ کا پھن بُت کے سر پر سایہ کیئے ہوے ہی۔ دیو کی مورت بیٹھی ہوئی بنائی گئی ہی تاہم ۲۵ فٹ بلند ہی۔ یہ بُت ایک ہی بڑے پتھر میں تراشا گیا ہی۔ چہرے سے غصّے کے آثار نمایاں ہیں جو اِس دیوتا کی خاصیت ہی۔ ٹیپو سلطان کی فوج کے ہاتھ سے اِس بُت کی مورت کو بہت بڑا نقصان پہونچا ہی جنھوں نے ناک اور ایک بازو توڑ ڈالا۔ اِس کے بازو کا دَور دو فٹ ہی۔ دروازے

[1] کم گہرے اور پھیلے ہوے ۱۲۔

پر ایک کتبہ ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ اس مورت کو ایک برہمن نے پتھر میں سے تراش کر بنایا تھا
کشن دیو رائے نے ۱۵۲۹ء میں اس کے لیئے گرانٹ دیا تھا۔ اس مورت کے پاس ایک اگانہ
مکان میں ایک بہت بڑا لِنگم (۹) فٹ بلند ہی۔ دروازے اور فصیل سے ذرا اوپر وار جانے
سے وہ پہاڑی ملتی ہی جسے ہیم کوٹ The Golden Crest یعنی سنہری کنگرہ
کہتے ہیں ملتی ہی۔ اس مقام سے تمام شہر اور کل مقامات کا بہت عمدہ نظارہ ہوتا ہی۔ اس
پہاڑی پر دو بڑی بڑی مورتیں گنیش کی ہیں ایک کا نام ساسو یکالو (رائی کا دانہ) ہی کیوں کہ
یہ بُت بمقابلے مندر کی عمارت کے بہت چھوٹا ہی۔ دوسری مورت جو کرشنا سوامی کے دیول
کی بیرونی دیوار کے پاس ہی کڈلیکالو (چنا) کہلاتی ہی اس میں گنیش کی مورت بُونی بنائی گئی ہی
جس کا لمبان سے دُور زیادہ ہی۔ ساسو یکالو کے دیول کے پیچھے ایک ڈھلواں پہاڑی چٹان ہی
اس کے سرے پر ایک سلسلہ چھوٹے چھوٹے مربع مندروں کا ہی جن کی چھتیں چھتری نما مربع
ہیں اور دُور سے ایک قسم کا چھتہ معلوم دیتا ہی۔ یہ نئی اور انوکھی طرز کی عمارتیں جینیوں کے
مندر ہیں اور درست حالت میں ہیں گو اب ان میں کوئی رہتا نہیں۔ ان مندروں کے عقب
میں داہنی طرف دو نہایت نفیس دروازے ہیں ایک دو منزلہ ہی جو قلعے میں جانے کا راستہ
تھا اور دوسرا مندر میں جانے کا دروازہ تھا۔ سڑک کی بائیں طرف غار کے اندر تراشا ہوا ایک
مندر ہی جو کہا جاتا ہی کہ بودھ مذہب کا ہی۔ دریائے تنگ بھدرا کے شمالی کنارے پر قصبۂ
آناگندی واقع ہی۔ پہلے یہی مقام اُن سرداروں کا مسکن تھا جو آگے چل کر راجگان بیجانگر ہوئے
اور اُن کی سلطنت اتنی عظیم الشان اور زبردست ہوئی کہ تمامی حصۂ جنوبی ہند پر اُن کا تسلط
تھا اور پھر تباہی اور بربادی کے بعد آناگندی ہی میں اُن کی نسل چل رہی ہی اور ایک راجہ
(گو وہ اب کیسا ہی چھوٹا ہو) موجود ہی۔ دریا کے برابر برابر مندروں اور محلات کا سلسلہ چلا
گیا ہی۔ اس زمانے میں چھوٹے چھوٹے مکانات۔ نیشکر۔ اور شالی زار کی زراعت جا بجا
پھیلی ہوئی ہی جن میں جا بجا پانی دَوڑتا ہی۔ یہ سلسلہ بطور ایک بازار کے نصف میل لمبا اور
(۵۰) گز چوڑا ہی اور اسی کے اختتام پر ویر بھدر کا مشہور دیول واقع ہی اور دوسرے سرے
پر ایک بہت بڑا پتھر کا بیل ہی جسے بسونا کہتے ہیں اور جو ایک ہی پتھر کا تراشا ہوا ہی۔ یہاں بھی

کے بڑی بھاری دیول کی تراش خراش اور طرز عمارت بالکل جنوبی ہند کے مندروں کی سی ہی دو بہت
اُونچے اُونچے گوپرم[1] ہیں۔ سب سے بڑا مخروطی قبّہٗ صدر کے دروازے پر ہی جو رتھ نکلنے کی سڑک کے
محاذی ہی اس پر بے شمار تصاویر بنی ہوئی ہیں۔ لیکن اس میں عجیب بات یہ ہی کہ اندر اس کے
خلا میں عمارات اور زینہ ہی جس کے ذریعے سے اس کی چوٹی پر پہونچ جاتے ہیں۔ اس قسم کی
عمارات عموماً ہنود مندروں میں نہیں بنایا کرتے۔ کہتے ہیں کہ یہ گوپرم وٹھپّا نے بنایا تھا۔ دوسرا
گوپرم دریا کے دروازے کی طرف کا بھی قابلِ دید ہی جو کنگ گیری کے راجہ نے بنوایا تھا۔ اس
کی مرمت ۱۸۳۷ء میں بعہد مسٹر راپرٹسن کلکٹر بلھاری کے ہوئی ہی۔ اس مندر میں دو بڑے
بڑے صحن ہیں ایک مشرق کی جانب ہی دوسرا مغرب کی جانب۔ دونوں کے درمیان میں ایک
دیوار فاصل ہی۔ اصلی بڑا مندر اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مندر سب مغربی صحن میں ہیں۔
شمالی اور جنوبی دیواروں کے باہر دو بڑے بڑے تالاب ہیں جن کا نام "منمو کا سرور" اور
"لوکا پاؤن" ہیں اور یہیں بہت سے قدیم چھوٹے چھوٹے مندر بھی ہیں جن میں سے بہت سے
ڈھے گئے ہیں۔ دریائے تنگ بھدرا سے ایک نہر بیرونی احاطہ میں لائی گئی ہی جو مطبخ میں بھی
پہونچائی گئی ہی اور اس کے ذریعے سے ہر وقت تازہ اور وافر پانی موجود رہتا ہی۔ اس مندر کے
پاس اور بہت سے دیول ہیں (۱) دیرپاکشیسورا یا پمپاپتی۔ (۲) پاروتی۔ (۳) بھوانیسوی
(۴) چندی کیسوراسوامی۔ (۵) ونکٹ راماسوامی (۶) گلاگنجی مادھوسوامی (۷) ونایک سوامی
(۸) کمار سوامی (۹) سرسوتی (۱۰) پتھلیسوسوامی (۱۱) ودّیارانیا سوامی (۱۲) سنگاری بھٹ۔ بازار
سے سو گز قریب اوپر وار ایک پگ ڈنڈی جس پر ہموار پتھروں کا فرش ہی بنی ہوئی ہی جو پہاڑ
کی تنگ گھاٹی میں سے دریائے تنگ بھدرا کی طرف جاتی ہی اور وہیں سے کو دنڈراما سوامی
اور نیتر و دھرکا کے دیولوں کو رستہ جاتا ہی لیکن اب ان دونوں مندروں میں کوئی چیز دیکھنے
کی نہیں ہی۔ داہنی طرف ایک بلندی پر ایک مندر منتگا نامی ہی اس پر چڑھنے سے دُور دُور کے
مقامات نظر آتے ہیں۔ اس پہاڑ کے پاس میں ایک بہت بڑا دیول اچتیاراما سوامی کا ہی۔ یہاں
بھی پون میل لمبا بازار تھا جو موضع ہمپی کے مشرق میں واقع ہی اس مندر کی ساخت کرشنا سوامی

---

[1] مندر کے چوٹی دار پھاٹک کو گوپرم کہتے ہیں ۱۲۔

کے دیول کی طرح کی ہے۔ اِس دیول کا رُخ شمال جنوب ہے۔ اِس مندر کا بڑا گوپرم بازار کے مقابل ہے بازار کا تو صرف اب نشان ہی نشان رہ گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اِس بازار میں صرف رنڈیاں اور مرلیاں ہی رہتی تھیں جو اِس دیول کے لیئے مخصوص تھیں۔ اِس دیول کے دو شمالی گوپروں پر قدیم کنٹری زبان کے کتبے بھی ہیں۔ اِس دیول سے پگ ڈنڈی دریا کے برابر برابر جاتی ہے۔ جہاں سے سیتا کا تالاب اور وہ کھو نظر آتی ہے جہاں سیتاجی کا رہنا بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قریب میں پہاڑ کی چٹان پر ایک لمبی سیلی پڑی ہوئی ہے جسے Sita's Mark کہتے ہیں اور بیان کیا جاتا ہے کہ سیتاجی کی چوٹی کا نشان پڑ گیا ہے۔ یہاں سے رستہ ایک دروازے میں سے گزرتا ہے جس میں دو جنگی ستون کھڑے ہیں اور ایک پتھر کی کڑی اوپر آڑی رکھی ہوئی ہے جس کے دونوں سروں پر دو سوراخ ہیں کہتے ہیں کہ یہ ترازو ہے اس میں راجہ جب ساٹھ برس کی عمر کا ہو جاتا تھا تو جواہرات سونے اور چاندی میں تول کر خیرات کی جاتی تھی۔ اب یہاں سے ہم وجیا وٹھل سوامی کے دیول کو پہونچتے ہیں جو سب سے زیادہ مشہور اور ہر اعتبار سے قابلِ دید اور ایک عمدہ یادگار ہے۔ اس مندر کی تعمیر اچیتا رایا کے زمانے میں ۱۵۱۳ء میں ہوئی تھی اور آلیا رام راج کے عہد میں ۱۵۶۱ء میں مشہور جنگ تالیکوٹہ کے ٹھیک چار برس پیشتر ختم ہوئی۔ یہ دیول دریائے تنگ بھدرا کے مشرق کنارے پر واقع ہے اور دریا سے بہت قریب ہے۔ اِس دیول کے متعلق بھی ایک بہت بڑا بازار تھا جو دیول سے مشرق رُخ پر دُور تک چلا گیا تھا لیکن اب بالکل اُجاڑ ہے۔ اِس مندر کے بائیں طرف ایک مربع تالاب موسومہ "پٹاکولم" واقع ہے۔ وٹھل سوامی کے دیول کے قریب ایک اَور دیول حال میں زمین کھود کر نکالا گیا ہے اس کی عمارت بھی عمدہ ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سیو کے نام کا تھا۔ دیول کے دروازے کے سامنے ایک بڑا کھم تھا جس کے اوپر ایک آہنی ہلال لگا ہوا تھا۔ دیکھنے میں مضبوط تھا مگر حال ہی میں گر گیا ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ وٹھل سوامی کا دیول وجیانگر کے تمام دیولوں کی جان ہے۔ بلحاظ صناعی اور کاریگری اور خوبصورتی کے اگر اسے دیولوں کی ملکہ کہا جائے تو بجا ہے۔ بیرونی حصار کی دیوار میں دروازے ہیں جن پر بُرجیاں بنی ہوئی ہیں صدر دروازہ مشرق رو ہے اس پر کا برج شق ہو گیا ہے اور قریب الانہدام ہے۔ اِس دروازے میں سے داخل ہوتے ہی ایک بہت بڑا بھاری مندر سامنے نظر آتا ہے جس کے دائیں بائیں بڑے بڑے منڈپ

بنے ہوئے ہیں ان میں صدہا قسم کی تصویریں بڑی نزاکت اور صناعی سے منقش ہیں۔ مندر کے احاطے میں ایک پتھر کی رتھ رکھی ہوئی ہی جس کے بڑے بڑے پہیئے بھی پتھر کے بنے ہوئے ہیں اور دُھرا بھی پتھر کا ہی۔ اس پر بھی نقش و نگار عورتوں کے ہیں جو طوطوں پر سوار رتھ کو اُڑا اے لیئے جا رہی ہیں۔ ایک بلند چبوترے پر جس کی تین طرف سیڑھیاں ہیں مہا منڈپ یعنی صدر اور سب سے بڑا منڈپ ہی اس کے سب ستون ایک ہی پتھر کے ہیں جن میں مورتیں تراشی گئی ہیں۔ کلیان منڈپ کی عمارت اور صناعی بھی قابل دید ہی کہ جس کی نظیر شاید جنوبی ہند کے کسی اَور مندر میں ملے اس کے ستونوں کی بناوٹ اور کاریگری تعجب میں ڈالتی ہی۔ مندر کی ساری چھت پتھر کے لداؤ کی ہی اور اُس میں بھی نقش و نگار ہیں ایک مقام پر ایک بندر کی مورت بنی ہوئی ہی جو ایک کونے میں بیٹھا ہوا ہی چھت میں سے پتھر کے کُنڈے روشنی آویزاں کرنے کو لٹک رہے ہیں۔ اس مندر کے اندرونی حصّے میں بعض جگہ بہت اندھیرا ہی دیواروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ جلا یا ہی کہ کالی پڑ گئی ہیں۔ زمین کو خزانے کی طمع میں جا بجا کھود کر برباد کر دیا ہی۔ دروازے کی دونوں طرف جو خوبصورت ہاتھی تھے اُن کی سونڈیں توڑ ڈالی ہیں۔ منڈپ کی دیوار پر ایک کتبہ ہی جس سے معلوم دیتا ہی کہ ۱۵۶۱ء میں بعہد راجہ سدا سیو کے اس مندر کو گرانٹ دیا گیا تھا۔ اب اس مندر میں چڑیا کا نام بھی نہیں ہی اور بالکل تباہ حالت میں ہی۔ اس کی کس مپرسی دیکھ کر سخت افسوس ہوتا ہی۔ گھنٹوں اس عمارت کے دیکھنے میں لگ جاتے ہیں اور دل سیر نہیں ہوتا۔ اس مندر سے نکل کر پھر ایک پتھر کی چٹانوں سے پٹا ہوا راستہ ملتا ہی جس کے دونوں طرف منڈپوں کا سلسلہ ہی جن میں بڑے بڑے ستون لگے ہوئے ہیں اور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ کسی زمانے میں یہ بھی ایک آباد بازار ہوگا جا بجا مٹی کے بڑے بڑے ڈھیر اور ٹیلے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہی کہ کسی زمانے میں یہ مکانات ہوں گے جو اب اس حالت میں ہیں۔ آگے بڑھ کر کمپلی کی سڑک کی بائیں طرف مالیونتا رگھونا تھ کا خوب صورت دیول ہی جو ایک بلند چٹان پر بنا ہوا ہی۔ اس مندر اور منڈپوں کی عمارت بھی بہت عمدہ ہی اور ہزارا راما سوامی کے مندر سے ملتی جلتی ہی۔ بیرونی حصار کی دیوار پر مچھلیوں اور بحری جانوروں کی تصویریں منقوش ہیں ایک جگہ ایک بڑا مگرمچھ بنا ہوا ہی جو اپنے شکار یعنی مسافروں کی تاک میں لگا ہوا ہی کہ جو ملے گھسیٹ لے جاے۔ اس مندر میں بیراگی لوگ پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ کاملاپور

کے مسافر بنگلے کو واپس ہوتے ہوئے سڑک کے بائیں طرف کاملا پور سے کوئی پاؤ میل کے فصل سے ایک اور مندر ملتا ہی جو تباہ حالت میں ہی لیکن اس کا دھواجا ستمبھا یعنی بڑا کھم بہت بلند ہی جس پر پُرانی کنٹری کا کتبہ بتلا رہا ہی کہ ہر یہر راے نے چودھویں صدی میں بنایا تھا - سود و سو گز آگے وار کو سڑک کی سیدھی طرف ایک مندر ہی جو ایک چٹان میں تراشا گیا ہی جسے "آہنی گنڈ یا پدا سالی" یعنی ایک ہی پتھر کا ہال کہتے ہیں - اسی کے پاس ایک حمام ہی جو اب بالکل ٹوٹ پھوٹ گیا ہی شہر کی ٹوٹی پھوٹی فصیل سے لگا ہوا مشرق کی طرف ایک بڑا پھاٹک ہی جس پر ایک بلند قبہ ہی جس کی محرابوں پر نقش و نگار کا کام عمدگی سے کیا گیا ہی - اس دروازے کے محاذی جین یا گنیتی کے دیول کے مشرق میں ایک خوبصورت مورت بھینسیں کی رکھی ہوئی ہی مگر اس کی ناک بھی چٹ ہی اسی دروازے کے سامنے بلھاری کی سڑک کے رُخ پر شہر کی جنوبی فصیل کے قریب کاملا پور سے مشرق کی طرف پاؤ میل پٹّابھی راما کا مشہور دیول ہی - یہ سب سے بڑا مندر ہی لیکن ویران ہی - اس کا صحن ہمپی کے دیول کے صحن سے دوچند ہی اور جا بجا منڈپ موجود ہیں - پٹّابھی راما کے دیول کے دروازے سے نکل کر پھر ہم حسرت و افسوس دل میں لیئے ہوے کاملا پور کے مسافر بنگلے کو پونہچ جاتے ہیں اور وجیانگر جیسے بڑے اور عظیم الشّان شہر کے کھنڈروں کے نظارے کا خاتمہ ہوتا ہی -

اب ہم نے سیّاح کو جہاں سے لے گئے تھے بیجانگر کی سیر کرا کے پھر وہیں پونہچا دیا ہی - سارا شہر اور سب مقامات تو کیا دیکھے ہاں جو کچھ دست بُرد زمانے سے بچا کھچا اور دیکھنے کے قابل تھا وہ دیکھ لیا - جس طرح عمارات کی عظمت و شوکت اور صنّاعی کو دیکھ کر دل خوش ہوا ہوگا اُسی طرح مُسلمانوں کے ہاتھ سے جو اس خطّے کی تباہی ہوئی ہی اُس سے افسوس بھی ہوا ہوگا اور رہا سہا حصّہ ہندؤں کے ہاتھ سے اَور تباہ ہوا جنھوں نے خزانوں کی طمع سے کھود کھاد کر سب ملیامیٹ کر دیا - افسوس صد افسوس !!! -

گفتی کہ کجا رفتند آں تاجوراں اینک
زیشاں شکمِ خاک ست آبستن جاویداں

ﭫ

برار
احمد نگر
دریائے پین گنگا
دریائے وردا
دیوگیری عرف دولت آباد
بمبئی
چال
دابل
دریائے گوداوری
احمد نگر
دکھن
کلیانی
بیدر
شولاپور
گلبرگہ
گولکنڈہ
ورنگل
حیدرآباد
کوئیل کنڈہ
راجمندری
اڑیسہ
بیجا پور
بیجاپور
تالیکوٹہ
رائچور
دریائے کرشنا
مدگل
ادھونی
کرنول
ایلور
بجواڑہ
مچھلی پٹن
ونیکنڈہ
بلگاؤں
مرجان
انکولا
دھارواڑ
وجیانگر
ہناور
بھٹکل
کنداپور
برکور
منگلور
پناکنڈہ
چندرگیری
اونگول
نلور
پلی کٹ
مدراس
سینٹ ٹامس
کنجیورم (کینچی)
دریائے پالیر
دریائے کاویری
سرنگاپٹم
میسور
کنانور
کالیکوٹ
ترچناپلی
تنجور
نگاپٹم
کوچین
کویلان
رامیسرم
راس کامورن
لنکا
نقشہ جنوبی ہند (بصراحت مقبوضات)
سنہ ۱۳۳۶ء سے سنہ ۱۵۵۶ء تک
زرد رنگ...... مقبوضاتِ مسلمانان
سرخ رنگ...... مقبوضاتِ ہنود
۰
۱۰۰
۲۰۰
۳۰۰
۴۰۰ میل
زرد رنگ
زرد رنگ

برار
احمد نگر
دیوگیری عرف دولت آباد
بمبئی
چال
دابل
دریای گوداوری
احمد نگر
دکھن
بیدر
کلیانی
گلبرگہ
گولکنڈہ
ورنگل
حیدرآباد
کوبل کنڈہ
بیجا پور
بیجاپور
تالیکوٹہ
رایچور
کرشنا
دریای کرشنا
کرنول
ادھونی
مرجان
انکولا
ہناور
منگلور
کنڈاپور
برکور
مسلی پٹن
اونگول
تلور
پولیکٹ
مدراس
سینٹ ٹامی
کنجیورم (کنچی)
دریای پالیر
سرنگاپٹم
میسور
کنانور
کالیکوٹ
ترچناپلی
تنجور
نگاپٹم
کوچین
کوئیلان
رامیسرم
راس کامورن
لنکا
نقشہ جنوبی ہند
سنہ ۱۳۳۶ سے سنہ ۱۵۵۶ تک
زرد رنگ ...... مقبوضاتِ مسلمانان
سرخ رنگ ..... مقبوضاتِ ہنود
۰
۱۰۰
۲۰۰
۳۰۰
میل ۴۰۰
زرد رنگ
زرد رنگ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(باب پہلا) تمہید

بیانِ تمہیدی سنہ ۱۳۳۶ء میں جب کہ تختِ انگلستان پر ایڈورڈ سوم جلوس فرما تھا۔ ہندوستان کے جنوبی حصّے میں ایسے انقلابات پیش آئے کہ جن سے پرانا دَور ختم ہو کر بالکل ایک نیا دَور شروع ہوا۔ اسی سال سے تاریخِ قدیم پر پردہ پڑ کر جدید تاریخ شروع ہوئی اس زمانے میں حصۂ جنوبی ہند نے ایک کروٹ لی اور شہر و سلطنت بیجانگر کی بنیاد قائم ہوئی سنہ ۱۳۳۶ء سے پہلے جنوبی ہند میں ہندوؤں کی ایسی قدیم سلطنتیں قائم تھیں کہ جن کے ابتدائی زمانے کے حالات کا آج تک صحیح طور پر پتہ نہیں چلا البتّہ اُن کتبوں سے جو سولھویں صدی سے پیشتر کے زمانے بودھ کے موجود ہیں۔ معلوم ہوتا ہی کہ پانڈیانِ مدرہ اور تانجور کے چولا خاندان اور دوسرے لوگ حاکم تھے۔ جب شہر وجیانگر کی بنیاد پڑی تو تاریخ کا پہلا ورق اُلٹ گیا اور اِس نئے خاندان کے بادشاہ دکھن سے لے کر سراندیپ تک مالک ہو گئے۔ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کیوں کہ مسلمانوں کی اُن تھک کوشش یہ تھی کہ تمام ہندوستان پر اپنا تسلط بٹھائیں جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ہندوؤں نے دکن میں اپنی ایک جدید سلطنت قائم کر لی۔ مسلمانوں کی دھاک ایسی کچھ بیٹھی ہوئی تھی کہ جب یہ ہندوؤں کو دباتے ہوئے دریائے کشنا تک آن پوہنچے تو دکن کے اہلِ ہنود مسلمانوں سے تنگ آکر متفق ہو گئے اور اِس گھبراہٹ میں ایک نئی سلطنت کی بنیاد قائم کی کہ کسی طرح اس کی زیرِ حمایت بھی تو مسلمانوں کی یورشوں سے امن پائیں۔ پُرانے راجہ زمانے کی دست بُرد سے مرکھپ گئے تھے اُن کی سلطنتیں معدوم ہوتی چلی جاتی تھیں ایسے

زمانے میں راجگانِ بیجانگر نے اپنی ہمت اور مردانگی سے ڈھائی صدی تک دکن کو ان روز کی آفتوں سے بچایا۔ زمانے کا انقلاب چشمِ عبرت سے دیکھنے کے قابل ہی کہ با ایں ہمہ اس زمانے میں بہت کم لوگ ہیں جن کے کان اِس بات سے آشنا ہوں کہ ملکِ دکن میں کبھی ایک ایسی بڑی بھاری سلطنت بھی قائم تھی کہ جس کا دارالسلطنت ایک عالی شان اور رعنا شہر تھا اور جس کو بانیانِ سلطنت نے "شہرِ فتح وظفر"[51] کا خطاب دے رکھا تھا وہ آج صفحۂ دُنیا سے بالکل مٹ گیا۔ اس بڑے بھاری شہر میں محلاتِ عالی شان پُرتکلف بازار ہندوؤں کے بڑے بڑے نامی گرامی مندر تھے جو کسی زمانے میں اپنے استحکام وعظمت وشان کے آپ ہی نظیر تھے۔ جہاں دن رات چہل پہل رہتی تھی اور جن کی عمارات بفلک سرکشیدہ تھیں۔ آج اُن کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں اور شہر کی ٹوٹی پھوٹی فصیل کے سوا کچھ بھی باقی نہیں ہی۔ یہ سلطنت زمانے کے ہاتھوں سے ایسی کچھ تباہ ہوئی کہ آج لوگوں کے صفحۂ دل سے بھی اس کا نام تک مٹ گیا ہی اور فی زماننا جو چند کھنڈر اور مندر رہ گئے ہیں وہ زبانِ حال سے اپنی سرگزشت بتلا رہے ہیں اور بجائے شہر بیجانگر کے اُس جگہ کو اب صرف "رُوئِنز آف بیجانگر"[52] یعنی بیجانگر کے کھنڈروں کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہی جو ایک چھوٹے سے موضع سے جس کا نام ہمپی ہی منسوب ہیں۔ فَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ ۝ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ[53]۔ جس زمانے میں اِس سلطنت کا عروج تھا۔ تو یہ سلطنت یورپ کی سلطنتِ آسٹریا سے بہت بڑی تھی اور شہر وِیجانگر کو جن یورپین سیّاحوں نے پندرھویں اور سولھویں صدی میں دیکھا ہی وہ اِس کی وسیع آبادی اور

[51] وِیجایانگر راجہ کا نام وِیجایا ہی اور نگر بمعنی شہر۔ دوسری وجہ تسمیہ یہ ہی وِیجایا بمعنی فتح۔ ہندوستانی اِس کو بیجانگر کہتے ہیں اس شہر کو وِدّیانگر بھی کہتے تھے یعنی دارالعلم ۱۲۔

[52] Ruins of Vijayanagar.

[53] پ۱۷ ح - غرض کتنی بستیاں ہیں کہ ہم نے اُن کو ہلاک کر مارا اور وہ نافرمان تھیں۔ پس اب وہ ایسی اُجڑی پڑی ہیں کہ اُن کی دیواریں) اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور کتنے (کنوئیں) بے کار پڑے ہیں اور (کتنے پکّے) پکّے محل ویران پڑے ہیں پس ای اہلِ بصیرت عبرت پکڑو ۱۲۔

سرسبزی اور شادابی اور رونق اور آراستگی اور ثروت اور تموّل کے افسانے بیان کر گئے ہیں خلاصہ یہ کہ بلحاظِ تموّل اور عالی شان عمارتوں کے اُس زمانے میں خطّۂ ہند پر کوئی شہر اِس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ اِس شہر کی عظمت کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہی کہ اُس زمانے میں پرتگالیوں کے تمام جھگڑے صرف ویجانگر کی بحری تجارت پر قبضہ حاصل کرنے ہی کے لیے برپا تھے اور جب ۱۵۶۵ء میں اِس سلطنت کا زوال ہوا تو ساتھ ہی ساتھ بندر گوآ کا عروج بھی ایسا ختم ہوا کہ آج تک وہ پنپنے نہ پایا۔

واقعات کا ماخذ

جو کچھ حالات ہم نے سلطنتِ بیجانگر کے لکھّے ہیں اُن کا ماخذ ہی یورپ کے سیّاحوں کی تحریرات اُن کے تذکرے جو اُنھوں نے وقتاً فوقتاً ملکِ ہند کے حالات پر لکھّے ہیں کچھ پُرانی کتبِ تواریخ وغیرہ کچھ مورّخوں کے بیانات کچھ پتّھروں کے کتبوں سے جو جابجا مندروں پر بطور سندِ عطیّاتِ ارضی و انعامات وغیرہ نصب ہیں۔ اِس کے علاوہ خاص کر دو ضمیمۂ حالات نوشتۂ پیز[1] اور نیونز[1] سے ویجانگر کی اُن حالات پر جو سولھویں صدی میں تھے بڑی روشنی پڑتی ہی جن کو ہم نے اختصار کرکے اِس کتاب کے آخر میں لگا دیا ہی۔

چودھویں صدی میں ہندوستان کی پولیٹکل حالت

ویجانگر کے تاریخی حالات لکھنے کے قبل ہم کو ایک سرسری نظر ہندوستان کی پولیٹکل حالت پر ڈالنی چاہیئے جو چودھویں صدی کے نصفِ اولیٰ میں تھی۔ اِس سے پہلے تو ہندوستان میں جابجا چھوٹی چھوٹی سلطنتیں ہنود کی تھیں جن میں مدرہ کے پانڈو اور تانجور کے چولے سب سے سربرآوردہ تھے ۱۰۰۰ء میں سب سے پہلے مسلمانوں کا قدم ہندوستان میں آیا۔ ہندوستان کی سرحد شمال و غرب کی طرف سے محمودؔ غزنوی نے ہندوستان پر چڑھائی کی۔ پہلے ملکِ پنجاب پھر

---

[1] Nuniz - Peas

[2] اِس نے ہندوستان پر سترّہ حملے کیے اور ہر ایک حملے کے بعد وہ اَور دلیر ہو کر ہندوستان میں گھُستا چلا گیا اور بڑے بڑے شہروں اور مندروں کو تباہ کیا۔ محمود کا آخری حملہ ۱۰۲۴ء میں گجرات پر تھا جہاں سومناتھ کا مشہور مندر تھا جس میں بے انتہا دولت تھی اِس مندر میں چاند دیو تھا۔ محمودؔ نے (ساڑھے تین سو میل کا سفر ملک سندھ کا وسیع میدان طے کرنے کے بعد) ہندوؤں

ملتان اور اس کے بعد اَور اَور مقامات پر حملے کیئے۔ ہر سال ان حملوں کا سلسلہ جاری تھا اور ہر سال فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھتا چلا جاتا تھا۔ ۱۰۲۱ء میں کلنگہ پر اور ۱۰۲۳ء میں کاٹھیاواڑ پر حملہ کیا مگر محمود غزنوی کبھی جم کر ہندوستان میں نہیں رہا۔ یہ حملے ایک قسم کے چھاپے تھے کہ حملہ کیا اور پلٹ گیا۔ یہ سلسلہ ایک عرصے تک قائم رہا قصہ مختصر دو صدی کے عرصے میں مسلمانوں کی قوی اور مستحکم سلطنت دہلی میں قائم ہو گئی۔ ہندوستان کے شمالی حصے میں جنگ پر جنگ ہوتی چلی جاتی تھیں اور کسی طرح باشندگانِ ملک کو امن نہ تھا۔ تیرھویں صدی کے آخر میں مسلمانوں نے دکھن کا رُخ کیا ۱۲۹۳ء میں علاء الدین خلجی[51] نے جو بادشاہِ دہلی کا بھتیجا تھا دیوگری[52] کو فتح کر لیا۔ اس کے چار برس کے بعد گجرات پر حملہ ہوا ۱۳۰۳ء میں ورنگل[53] کو مطیع کرنا چاہا

[50] (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۷) کی اُس بھاری سپاہ کو شکست دی جو مندر کی حفاظت کے لیئے جمع ہو گئی تھی۔ جب وہ مندر میں داخل ہوا تو پجاریوں نے کانپتے ہوے بادشاہ سے عرض کیا کہ اگر وہ بُت کو نہ توڑے تو ہم اُس کے عوض بہت سی رقم بادشاہ کی نذر کرنے کو موجود ہیں یہ سُن کر بادشاہ نے کہا کہ "میں بُت شکن ہوں بت فروش نہیں ہوں" اور ایک گرز اُس بُت پر ایسا مارا کہ پارہ پارہ ہو گیا۔ محمود نے اس حملے سے واپس ہو کر بہت جلد وفات پائی گو وہ ہندوستان پر خود حکومت کرنے کے لیئے نہیں رہا مگر اُس نے اپنا ایک افسر پنجاب پر مقرر کر دیا تھا۔ اس کی سلطنت کا زمانہ ۹۹۷ء سے ۱۰۳۰ء تک رہا ہے۔ اس نے بمقام غزنی روز پنجشنبہ ۲۳ ربیع الآخر ۴۲۱ھ کو تریسٹھ سال کی عمر میں ۳۵ سال سلطنت کرنے کے بعد انتقال کیا اور قصرِ فیروزہ غزنی میں مدفون ہے ۱۲۔

[51] (نوٹ صفحہ ہذا) خاندانِ خلجی کی ۳۰ سال تک حکومت رہی خلجیوں میں چار بادشاہ ہوے ان میں سب سے زبردست اور بے رحم بادشاہ علاء الدین تھا جس نے اپنے بوڑھے اسّی سالہ چچا کو جو اس کو فرزند سے زیادہ چاہتا تھا قتل کر کے سلطنت حاصل کی تھی۔ ایک بار وہ خود اور پھر اُس کا نو مسلم سردار ملکِ کافور دکن پر حملہ آور ہوا اور قدیم سلطنتوں کو برباد کر ڈالا مندروں کو مسمار کیا اور یہ دونوں بہت سی دولت دہلی کو لے گئے۔ دکن پر مسلمانوں کا یہ پہلا حملہ تھا۔ علاء الدین نے چند مسلمان افسر بطور نائب کے دکن میں چھوڑے تھے جو پہلے تو صوبہ دار کہلائے مگر پھر وہ خود مختار بادشاہ بن بیٹھے اس بادشاہ نے بیس سال چند ماہ سلطنت کرنے کے بعد بہ تاریخ ۶ شوال ۷۱۶ھ انتقال کیا ۱۲۔

[52] قلعۂ دولت آباد واقع ضلع اورنگ آباد کا قدیم نام ہے ۱۲۔

[53] بڑی اور نہایت قدیم بستی ہے جو حیدر آباد کے جنوب و مشرق میں بفاصلہ (۹۴) میل واقع ہے اور حیدر آباد بجواڑہ (باقی صفحہ ۱۹)

۱۳۰۹ء میں پھر دوبارہ دیوگری پر حملہ ہوا ۱۳۰۹ء میں ملک کافور ایک جرار لشکر کے ساتھ دکن پر آیا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۸) سکشن نظام اسٹیٹ ریلوے کا اسٹیشن ہے - یہ نہایت قدیم بستی ہے - پہلے زمانے میں بڑا شہر ہوگا اب تو ایک قصبے کی حیثیت رکھتا ہے - اس کی آبادی چھ میل لمبی چلی گئی ہے - بیچ بیچ میں جا بجا فصل ہو گیا ہے - ایک طرف ورنگل اسٹیشن ہے اور دوسرے سرے پر قاضی پیٹ اسٹیشن درمیان میں مٹھواڑہ اور ہنمکنڈہ ہے - نواب فرامرز جنگ بہادر سابق اول تعلقہ دار حال صوبہ دار نے (جو پہلے پارسی نواب حیدرآباد میں ہوئے اور جن کو تعمیر امکنہ اور آراستگیِ شہر و توفیر و ترقیِ آبادی میں ایک خداداد دلچسپی ہے) بڑی جاں فشانی ترغیب و تحریص سے اس اُجڑی ہوئی بستی کو از سرِ نو آباد کیا - متعدد خوش نما بنگلے بنوائے - سڑکیں نکالیں - بازار بسائے اور اس طرح اب ایک چھوٹا سا پُر رونق شہر ہو گیا ہے - ورنگل بیوپار کی بڑی منڈی ہے - فرامرز جنگ بہادر کا ارادہ تھا کہ چھ میل کا فصل جو دونوں ریلوے اسٹیشنوں میں ہے اس لمبان میں مسلسل آبادی کر دی جائے اور اسی حساب سے اُنھوں نے بنگلوں کی بنیاد ڈالی لیکن اُن کے مبادلے کے بعد بس جہاں کا تہاں یہ معاملہ رہ گیا اور اسی وجہ سے تین ٹکڑے آبادی کے ہو گئے اور بیچ میں جگہ چھوٹ گئی - اب یہاں محکمہ صوبہ داری (کمشنری) اور دیگر محکمہ جات کا مستقر ہے - ایوانِ صوبہ داری اور اُس کے پاس ایک خوش نما مسجد (جو نواب معین الدولہ بشیر نواز جنگ بہادر سابق صوبہ دار نے دہلی کے مشہور معمار سے بنوائی تھی) اور سنٹرل جیل حال کی خوش نما اور وسیع عمارات ہیں - یہاں کا جیل بہت بڑا ہے - جس کو مسٹر ہیلنکن سی - آئی - ای - انسپکٹر جنرل پولیس و جیل نے صنعت و حرفت کی ترویج سے بہت رونق دی ہے جیل میں ہر قسم کا سامان پارچہ - فرنیچر - دریاں - قالین طیار ہوتے ہیں اور ایک بڑا چھاپے خانہ بھی ہے - یہاں کے قالین ہمیشہ سے مشہور ہیں اب بھی جیسا قالین یہاں بنتا ہے شاید اور کہیں بنتا ہو - چنانچہ پیرس کی نمایش گاہ میں مڈل (تمغہ) بھی ملا ہے - ہنمکنڈہ میں حضرت عبد النبی شاہ صاحب کی درگاہ حال میں طیار ہوئی ہے - حضرت موصوف بڑے بزرگ تھے آپ کا وصال چند سال قبل ہوا ہے - سالانہ عرس شریف بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے -

زمانۂ قدیم میں ورنگل قدیم ہندو راجگان خاندانِ کاکتیا کا دار السلطنت تھا - روایات اور تواریخ کی رو سے یہ شہر بہت قدیم پایا جاتا ہے اور صدہا سال تک جنوبی حصۂ ہند میں ہندوؤں کا ایک بڑا مضبوط قلعہ اور پناہ گاہ رہا ہے جس پر سلاطینِ اسلام شمالی حصۂ ہند کے بڑے بڑے معرکے متواتر رہے ہیں ۱۰۳۰ء کے قریب ملک دکن میں راجگانِ خاندانِ چلوکیا حکم راں تھے - ساتویں صدی کے وسط میں چینی سیاح ہیون تسانگ ملکِ ہند میں آیا تھا اُس نے لکھا ہے کہ اُس زمانے میں جنوبی حصۂ ہند نو بڑی بڑی سلطنتوں پر منقسم تھا - ملکِ تلنگانہ میں تین سلطنتیں تھیں - انڈھرا - دانا کتیا - کلنگ - اس میں سے اول الذکر سلطنت کا پایۂ تخت شہر ورنگل تھا - قدیم مسلمان مورخ بدایونی نے لکھا ہے کہ سلطان محمد بن تغلق نے قلعۂ ورنگل کو ۱۳۲۱ء میں فتح کیا اس سے پہلے تلنگانہ خاندانِ کاکتیا ورنگل میں سات سو سال تک حکم راں رہ چکا تھا - ہندوؤں کی روایت

(باقی بر صفحہ ۲۰)

اور ورنگل کا محاصرہ کر لیا۔ ۱۳۱۰ء میں دیوسمدر دارالسلطنت ہوسالا بلال پر قبضہ کر لیا اور ملک

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۹) یہ ہے کہ چلوکیا خاندان کا راجہ جو نندرگیری ملکِ دکن میں حکمراں تھا اُس نے اپنی مملکت اپنے دو بیٹوں میں تقسیم کر دی تھی جن میں ایک لڑکا قندھار (ضلع عثمان آباد) پر حکمراں تھا اور دوسرا بادشاہ کٹک سے لڑائی میں مارا گیا جس کے بعد اُس کی بیوہ رانی بھاگ کر ہنمکنڈہ آئی اور اسی مقام پر اُس کے ہاں ایک لڑکا (باپ کے مرنے کے بعد) پیدا ہوا اور اسی لڑکے سے خاندانِ کاکتیا کی بنا پڑی۔ اِس خاندان کے تاریخی حالات زیادہ تر اُس سنسکرت کے کتبے سے معلوم ہوتے ہیں جو ہنمکنڈہ کے مشہور ہزار کھم کے دیول میں موجود ہے۔ یہ کتبہ ۱۱۶۲-۶۳ء کا ہے اور اِس میں پہلے راجہ کا نام تربھون ملاّ بیتّا راجہ لکھّا ہے۔ اِس کے بعد اُس کا بیٹا پرولو راجہ جانشین ہوا جو بڑا طاقتور اور جنگ جو تھا اِس کے بعد پرتاب رُدر دیو (اوّل) تخت نشین ہوا جس نے ہنمکنڈہ کا مشہور اور عظیم الشّان دیول بنوایا ہے۔ یہ بھی بڑا بہادر لڑنے مرنے والا راجہ تھا اور اِس کے دَوْر میں جدید فتوحات کے ذریعے سے چاروں طرف سلطنت کی توسیع ہوئی۔ اِس کے بعد مادھو حکمراں ہوا پھر اُس کا بیٹا گنپتی ۱۲۲۳ء میں راجہ ہوا اِسی نے شہر ورنگل کی اندرونی سنگ بست فصیل بنوائی۔ یہ لاولد تھا اِس لیے اِس کے بعد اِس کی بیوی رام رُدرمّا دیوی حکمراں ہوئی اِس نے قلعے کے اطراف میں پتھر کی فصیل بنوائی اور نیز شہر کو مٹّی کی فصیل سے محاط کیا جو اب نیست و نابود ہو گئی ہے تاہم جابجا کچھ کچھ نشان اب بھی باقی ہیں۔ اِس رانی نے بڑی بیدار مغزی سے ۳۸ سال سلطنت کی۔ سیّاح مارکوپولو جب ہندوستان میں آیا تھا تو اُس نے رانی کو دیکھا ہے اور لکھّا ہے کہ وہ ایک بڑی دانش مند رانی تھی اور اپنی رعایا میں بہت ہر دل عزیز تھی اور اُس نے حالتِ بیوگی میں سلطنت کو خوب چلایا۔ رانی جب معمّر و مسنّ ہو گئی تو اُس نے اپنے رشتے کے پوتے پرتاب رُدر دیو (دُوم) کو تخت نشین کر دیا۔ پرتاب رُدر دیو دوم کے عہد میں محمد بن تغلق نے ورنگل پر چڑھائی کی اور اِس راجہ کو قید کر کے دہلی بھیج دیا لیکن چند روز بعد پھر اُس کو ورنگل آنے کی اجازت مل گئی اور وہ مرتے دم تک بادشاہ کا مطیع و فرماں بردار رہا۔ اِس راجہ نے ۱۳۲۵ء میں انتقال کیا۔ مسلمانوں کا سب سے پہلا حملہ راجگانِ خاندانِ کاکتیا پر ۱۳۰۳ء میں ہوا لیکن اِس میں کچھ کامیابی نہیں ہوئی ۱۳۰۹ء میں دوسرا حملہ بہ سرکردگی ملک کافور ہوا جس میں راجہ نے اطاعت قبول کر کے خراج ادا کرنے کا اقرار کر لیا۔ تیسرا حملہ ۱۳۱۸ء میں بہ سرکردگی خسرو خاں ہوا لیکن اِس میں ناکامیابی رہی ۱۳۲۲ء میں سلطان محمد تغلق نے ایک بڑا لشکر اپنے بیٹے الغ خاں کو دے کر ورنگل بھیج دیا۔ اِس لڑائی میں شروع شروع تو ناکامیابی رہی لیکن اِسی اثنا میں دہلی سے فوج کی مدد پہنچ جانے کی وجہ سے آخرکار شہر فتح ہو گیا اور راجہ قید کر لیا گیا۔ اِس کے بعد ورنگل پر سلاطین بہمنیہ کی چڑھائی ہوئی اور آخرکار سلطان احمد شاہ ولی البہمنی نے ۱۴۲۱ء میں بالکلیہ اپنا قبضہ کر لیا۔ پرتاب رُدر دیو دوم نے ایک شان دار مرصّع و مکلّل تخت بادشاہ دہلی کے واسطے بنوایا تھا جو آگے چل کر "تخت فیروزہ"

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰) کے نام سے مشہور رہوا۔ یہ تخت آبنوس کا تین گز لمبا اور ڈھائی گز چوڑا تھا۔ اِس پر سونے کا پتّرہ منڈھا ہوا تھا اور بے انتہا جواہرات جڑے ہوے تھے۔ یہ تخت اِس ترکیب سے بنایا گیا تھا کہ ٹکڑے ٹکڑے کرکے اِس کو صندوقوں میں بھر لیتے تھے جس سے حمل ونقل میں آسانی ہوتی تھی۔ پرتاب رُدر دوم کا بیٹا کرشنا مسلمان ہوگیا تھا لیکن آگے چل کر وہ اسلام سے منحرف ہوگیا اور اُس نے سلاطینِ اسلام کے دباؤ سے نکل جانا چاہا۔ سنہ ۱۳۶۲ء میں راجہ ورنگل کو مسلمانوں نے تنگ پکڑا اور بہت دنوں تک لڑائی کے بعد صلح ہوگئی اور راجہ کے ایلچیوں نے جہاں اَور بہت سے تحفے تحائف محمد شاہ کو دیئے۔ اُس کے ساتھ ہی یہ بیش بہا تخت بھی نذر دیا۔ اِس تخت کے بے نظیر تحفے ہی کے خیال سے بادشاہ نے اپنی سرحد گولکنڈہ کو قرار دیا اور وعدہ کرلیا کہ جب تک تمہاری طرف سے پہل نہ ہو اِدھر سے کسی قسم کی مداخلت نہ ہوگی۔ خاندانِ بہمنیہ کے بادشاہوں نے اِس تخت پر وقتاً فوقتاً اَور جواہرات کا اضافہ کیا اور چودھویں بادشاہ محمود شاہ کے زمانے میں اِس کی قیمت ساٹھ لاکھ تک پہونچ گئی تھی۔ اِس فٹ نوٹ میں اتنی گنجایش نہیں ہے کہ راجگانِ ورنگل اور سلاطینِ اسلام کی لڑائیوں کا ہم پورا حال لکھ سکیں جن میں شکست اور فتح کبھی اِدھر ہوتی رہتی تھی کبھی اُدھر۔ بہت سی لڑائیوں اور انقلاب کے بعد ورنگل سلطنتِ قطب شاہیوں میں شامل ہوگیا اور آخرکار اورنگ زیب نے سنہ ۱۶۸۷ء میں سلطنتِ مغلیہ میں اُسے ملا لیا۔
ورنگل کے حالات بالکل نامکمل رہ جائیں اگر ہم مشہور لٹیرے پیرا کلال کا ذکر نہ کریں جو یورپ کے رابن ہڈ Robin Hood کی طرح شہرۂ آفاق تھا اور جس نے ملکِ دکن میں ایک اُودھم ڈال دی تھی۔ لوگوں کا اُس کی کُھلّم کُھلّا لوٹ مار سے ناک میں دم آگیا تھا۔ لوگوں نے مجبور ہوکر اورنگ زیب سے درخواست کی کہ کسی طرح آپ ہی ہم کو اِس ظالم کے پنجے سے نجات دلائیں۔ بڑھتے بڑھتے یہ قلعۂ شاہ پور میں بہت سی فوج لے کر جا بیٹھا اور چاروں طرف لوٹ مار کرنے لگا۔ ماہ محرّم (اپریل سنہ ۱۷۰۸ء) میں پیرا نے ایک بہت بڑا لشکر سواروں اور پیدلوں کا لے کر ورنگل پر چڑھائی کی اور قلعے پر قبضہ کرلیا اور بہت کچھ قیمتی سامان لوٹا جس میں ورنگل کے مشہور قالینوں کا بھی ایک کافی ذخیرہ تھا اور جاتے جاتے بارہ ہزار قیدی پکڑ کر لے گیا۔ اِتنی بڑی فتح کے بعد پیرا کا حوصلہ اور جراَت اَور بڑھ گئی اور دِن دہاڑے خوب لوٹ کھسوٹ کرنے لگا آخرِکار بادشاہ نے اپنے ایک نہایت معتمد اور بہادر سردار یوسف خاں رز بہانی کو لشکر دے کر بھجوایا اُس نے آتے ہی قلعۂ شاہ پور سے پیرا کو نکال باہر کیا اور اپنا قبضہ کرلیا۔ اِسی سردار نے پیرا کو گرفتار بھی کرلیا اور چند روز زندہ رکھ کر اُس سے اُس کے جمع کیئے ہوے خزانوں کا پتہ لگانے کے بعد اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور اُس کا سر کاٹ کر بادشاہ کے حضور میں بھیج دیا۔ سنہ ۱۷۶۶ء میں کلکتہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے کرنل ہیچ کی کمانڈ میں ایک لشکر ورنگل پر بھیج دیا جس سے مقصود حیدرآباد پر دباؤ ڈالنا تھا چنانچہ نواب نظام علی خاں بہادر

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲ پر)

۱۳۱۲ء میں بھی لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا چھ برس بعد دہلی سے مبارک نے دیوگری پر چڑھائی کی اور وہاں کے راجہ ہری پال دیو کا سر کاٹ کر اُسی شہر کے دروازے پر لٹکا دیا ۱۳۲۳ء میں ورنگل فتح ہوگیا جس زمانے سے ہماری تاریخ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے یعنی ۱۳۲۵ء اُس زمانے میں تمام شمالی ہند بندھیاچل پہاڑوں تک بلا غل وغش مسلمانوں کے تحت حکومت تھا۔ دکن بھی اُن کی دست بُرد سے محفوظ نہ رہا تھا اور جنوب کی طرف مسلمانوں کے بڑھنے کا کھٹکا لگا ہوا تھا اور یقیناً معلوم تھا کہ جو گت دکن کی مسلمانوں نے بنائی ہے وہ ایک نہ ایک دن یہاں کی بھی ہونے والی ہے۔

مسلمانوں کی فتوحات سے محفوظ رہنے کے لیے ہندوؤں کی جدید سلطنت کا قیام

دریائے[1] کشنا کے جنوب کا تمام حصۂ ملک اب تک اہلِ ہنود کی حکومت میں تھا لیکن پُرانی پُرانی ریاستوں کی بیخ و بنیاد مسلمانوں کے پیاپے حملوں اور اُن کے روز بروز کی یورشوں سے ہل گئی تھی ۱۳۲۵ء میں سُلطان محمد تغلق کا تختِ دہلی پر بیٹھنا تھا کہ اس طرف اور کھلبلی پڑ گئی۔ بادشاہ کے ظلم و جبر و ہوسِ ملک گیری کی خوفناک خبریں اُڑ اُڑ کر یہاں آتی رہتی تھیں جس سے اِن لوگوں کا کلیجہ دہلا ہوا تھا اور ناگریز یہ نتیجہ نکالا جاتا تھا کہ مسلمان ایک

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱) نے حیدر علی بادشاہ میسور سے قطعِ تعلق کرلیا اور ۱۷۶۶ء میں صلح نامہ ہوگیا جب سے اب تک اس مقام پر اَور کوئی معرکہ نہیں ہوا۔ اب بھی ورنگل میں دیکھنے کے لیے بہت سے دل چسپ مقامات قلعہ۔ مندر۔ محلوں کے کھنڈر فصیلیں وغیرہ موجود ہیں جو میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک مندر کے چار عالی شان پھاٹک اب تک سر بہ فلک کھڑے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مندر جب کبھی ہوگا تو ہنمکنڈے کے مشہور ہزار کھم والے مندر سے کہیں بڑھا چڑھا ہوگا کیوں کہ ہزار ہا گھڑے گھڑائے نقش و نگار کے پتھر اب بھی جابجا مکانوں اور فصیلوں میں کنت سے لگے ہوئے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ بڑے بڑے مندروں کو توڑ پھوڑ کر مسلمانوں نے مسمار کردیا ہے اور اِن ہی کے ساتھ تمام کتبے جو اِن مقامات پر تھے اور جن سے قدیم خاندان کاکتیا کے حالات معلوم ہو سکتے تھے تباہ اور برباد ہوگئے ۱۲

[1] (نوٹ صفحہ ہذا) دریائے کرشنا مغربی گھاٹوں کے قریب مہابلیشور کے نکل کر خلیج بنگالے میں گرتا ہے اس کا طول تخمیناً ۸۰۰ میل ہے اس کو اُلٹی گنگا بھی کہتے ہیں اس وجہ سے کہ تمام دریاؤں کے خلاف مشرق سے مغرب کو بہتا ہے۔ دریا کے قریب ہی جی۔ آئی۔ پی ریلوے کا اسٹیشن اسی نام کا ہے۔ اس دریا کا آہنی پُل اس ریلوے لین کا سب سے بڑا پُل ہے جس کی ۳۶ کمانیں ہیں اور

[illegible]

نہ ایک دن ہندوؤں کی سلطنت کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ کر پھینک دیں گے۔ اُن کی قدیم سلطنت اور خاندان تباہ اور برباد ہو جائیں گے اُن کے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی سلطنت اور مذہب دونوں کا خاتمہ نظر آتا ہی معابد کی ویرانی اور تباہی جُدا۔ دفعۃً ۱۳۴۴ء میں اِس طوفان کی روک تھام ہوگئی۔ یکایک زور شور مدھم ہوگیا۔ فتنہ و فساد دب گیا اور ایک متفقہ فصیل مسلمانوں کے حملوں کے روکنے اور مقابلے کو طیار ہوگئی جس کی بدولت ڈھائی سو سال تک جنوبی حصۂ ہند مسلمانوں کی دست بُرد سے محفوظ رہا۔ ورنگل اور دیوسمدرم کی ریاستیں مسلمانوں سے پہلے شکست پا چکی تھیں یہ دونوں اور تیسری ایک چھوٹی ریاست آناگُندی ان کے اتحادِ ثلثہ کی وجہ سے مسلمانوں کی یورشوں کی روک تھام ہوئی اور تینوں مل کر گویا مُسلمانوں کے لیئے ایک سدِّ سکندری ہوگئے۔ اِس طرح آناگُندی کی چھوٹی سی ریاست بڑھتے بڑھتے ویجانگر کی بڑی بھاری سلطنت بن گئی اور دکن ہند کی تمام رعایا اِسی سلطنت کی مطیع و فرماں بردار ہوگئی۔

ویجانگر کی جغرافی حالت

نقشۂ ہندوستان کے وسط میں اگر ایک خطِ مستقیم بمبئی سے لے کر مدراس تک کھینچا جائے تو نصف راستے پر دریائے تُنگ[1] بھدرا سے تقاطع ہوگا جو آگے چل کر کرنول کے قریب دریائے کرشنا سے مل جاتا ہی۔ دریائے تُنگ بھدرا درمیانی حصّے میں ایک کوہستانی اور پتھریلے اُس حصۂ ملک سے گزرتا ہی جو بلھاری[2] سے بجانب شمال غر

[1] دریائے تُنگ بھدرا دو چھوٹی ندیوں تُنگا اور بھدرا کے مل جانے سے پیدا ہوا ہی۔ موضع سموگہ علاقۂ میسور سے نکل کر لنگسگور و رایچور کی جنوبی حد پر بہتا ہوا عالم پور کے قریب سرحد موضع کوڑ دیلی میں (کرنول سے عالم پور نو میل ہی دریان میں تُنگ بھدرا حائل ہی) کرشنا سے ملتا ہی۔ اِس مقام کو ہنود "سنگم تریان" کہتے ہیں اور بڑا متبرک مقام سمجھ کر اشنان کرتے ہیں اِس میں سے بہت سی نہریں کاٹ کر زراعت میں مدد لی گئی ہی۔ مملکت نظام میں اِس کی درازی (۱۷۵) میل ہی۔ گورنمنٹ نظام اور برٹش میں یہی دریا حدِ فاصل ہی۔ مدراس ریلوے کا اسٹیشن اِسی دریا کے نام سے مشہور ہی۔ دریا پر ریل کا بہت بڑا آہنی پُل بنا ہوا ہی ۱۲۔

[2] بلھاری مستقر ضلع ہی۔ سدرن مرہٹہ ریلوے پر واقع ہی۔ یہاں گورے اور ہندوستانی فوج کی چھاؤنی ہی جو شہر سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہی۔ بہت بڑی بستی ہی۔ روئی کی تجارت کے کاروبار کی بڑی منڈی ہی۔ روئی کے بنولے نکالنے اور گٹھے باندھنے کے متعدد پریس ہیں۔ یہاں ایک قدیم قلعہ ہی جس کی مضبوط فصیل اور خندق موجود ہی۔ (باقی نوٹ برصفحۂ آیندہ)

چالیس میل پر واقع ہی یہ خطہ بلھاری سے جو ریل دھارواڑ کو جاتی ہی اُس کے شمال میں واقع ہی۔

آناگُندی کی قدیم ریاست

اسی مقام پر دریائے تُنگ بھدرا کے شمالی ساحل پر ۱۳۳۶ء میں ایک محصور[۵۱] شہر موسوم بہ آناگُندی[۵۲] جس کو نگُندیم بھی کہتے تھے موجود ہی اب یہ مقام ریاست سرکارِ عالی نظام میں ہی۔ یہاں ایک راجہ رہا کرتا ہی اور یہ ہستان اب تک باقی ہی۔ حسنِ اتفاق سے اس قصبے کے اطراف میں مرتفع پہاڑ واقع تھے جو ایک مستحکم قلعہ بنانے کے لیئے بہت اچھا موقع تھا۔ اسی لحاظ سے دریائے تُنگ بھدرا کے کنارے ایک مستحکم قلعہ بنا لیا گیا۔ دریائے تُنگ بھدرا اس مقام پر عمیق ہی اور کوسوں تک پایاب نہیں ہوتا۔ ہر موسم میں رواں رہتا ہی طغیانی کے زمانے میں اَور بھی زیادہ بھر جاتا ہی اور بہت سے خطرناک کُنڈ اور آبشار یہاں موجود ہیں۔ راجگانِ آناگُندی کی قدیم تاریخ بہت کم معلوم ہی لیکن اتنا معلوم ہوتا ہی کہ غالبًا وہ لوگ ہیسالا بلّالا کے خراج گزار تھے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہی کہ ۱۳۵۰ء سے سات سو سال قبل اِن کی ریاست قائم تھی۔

سلطان محمد تغلق کا آناگُندی کو فتح کرنا ۱۳۳۶ء

نیونز نے حالاتِ راجہ[۵۳] گانِ دیجانگر میں صاف طور پر بیان کیا ہی کہ کس طرح اُنھوں نے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳)۔ قلعے کے اندر سول کے عہدہ دار رہتے ہیں اور ملٹری سٹور اور میگزین بھی ہی۔ اِس پُرانے قلعے کے علاوہ ایک اَور قلعہ بھی ایک پہاڑ پر جس کی بلندی (۴۵۰) فٹ ہی زمانہ دراز کا بنا ہوا ہی جس پر سے سارا شہر نظر آتا ہی اور قلعہ بھی بہ سبب اپنی بلندی کے بہت دُور سے دکھلائی دیتا ہی۔ بیان کیا جاتا ہی کہ جب یہ قلعہ طیار ہوا تو حیدر علی بادشاہ میسور نے فرانسیسی انجینیر کو جس نے قلعہ بنایا تھا قلعے کے دروازے پر پھانسی دے کر لٹکوا دیا کیوں کہ یہ قلعہ ایسا بے موقع بنایا تھا کہ ایک پاس کی پہاڑی کی زد میں تھا۔ ۱۸۰۰ء میں سرکار نظام نے بلھاری سرکار انگریزی کے سپرد کر دی ۱۲۔

[۵۱] (نوٹ صفحہ ہذا) یعنی جس کو فصیل محیط ہو ۱۲۔

[۵۲] آناگُندی کا اصلی نام پہلے اُنگادی تھا جو اُنگا دپسر " والی " کے (نام) سے موسوم تھا جو اس کا اصلی بنانے والا تھا۔ رفتہ رفتہ انگادی سے آناگُندی ہو گیا۔ چوں کہ یہاں راجہ بیجانگر کے بہت سے ہاتھی رہا کرتے تھے اِس وجہ سے آناگُندی نام پڑ گیا۔ کنڑی میں آنا ہاتھی کو کہتے ہیں اور گُندی گلی کو۔ یعنی ہاتھیوں کے رکھنے کی گلی۔ یہ دوسری وجہ تسمیہ ہی ۱۲۔

[۵۳] اصلی سنسکرت لفظ راجہ ہی جسے رائے سے بدل دیا ہی۔ رائے کو کنڑی زبان میں رایا کہتے ہیں۔ لیکن راجہ اور رایا ہی دونوں ایک ہی بات۔ راجگانِ بیجانگر کو " رایا " کہتے تھے ۱۲۔

حکومت کی بنیاد ڈالی اور کیوں کر بڑھتے بڑھتے اِس قدر وسیع اور مستحکم ہو گئی۔ اُس نے لکھا ہے کہ محمد تغلق بادشاہ دہلی نے ملکِ گجرات فتح کرکے جنوبی ہند کی جانب بالاگھاٹ کی طرف سے رُخ کیا اور سنہ ۱۳۳۶ء سے ذرا پہلے قصبہ و قلعۂ آناگُندی کو فتح کر لیا اور راجہ کو مع اُس کے سارے خاندان کے قتل کر ڈالا۔ بادشاہ نے پہلے ارادہ کیا کہ اپنی طرف سے کسی نائب کو مقرر کرکے یہاں کا انتظام کرے مگر یہ تدبیر کچھ کارگر نہ ہوئی تب اِس ریاست کے وزیر دیو راؤ کو جس کا پورا نام ہر یہر دیو اوّل تھا اپنی طرف سے حکمراں مقرر کیا۔ اسی نے بہ امداد اپنے مذہبی پیشوا مادھو کے دریائے تُنگ بھدرا کے جنوبی ساحل پر آناگُندی کے محاذی شہرِ بیجانگر کی بُنیاد ڈالی۔ اور وہیں خود رہنے لگا۔ آناگُندی چھوڑ کر بیجانگر میں سکونت اختیار کرنے کا منشا یہ تھا کہ آناگُندی پر سلاطینِ اسلام کا قبضہ تھا آئے دن اُن سے جنگ و جدل ہونے ہی والی تھی اِس سے بہتر یہ تھا کہ سلطنتِ اسلام اور ہنود کے درمیان ایک مستقل حدِ فاصل دریا واقع ہوتا کہ ایک گونہ امن و امان ملے۔ ہر یہر دیو اوّل کے بعد اُس کا بھائی بکّا راؤ جانشین ہوا جس نے (۳۷) برس سلطنت کی اِس کے بعد بکّا راؤ کا بیٹا ہر یہر دیو (ہر یہر دیو ثانی) مسند نشین ہوا۔

سلطنتِ بیجانگر کا نشو و نما حسبِ بیانِ ابنِ بطوطہ و عبدالرزاق وغیرہ

سلطنتِ بیجانگر کا نشو و نما بہت تعجب خیز تھا ابنِ بطوطہ (جس نے ہندوستان میں سنہ ۱۳۳۳ء سے ۱۳۴۲ء تک سفر کیا ہے) اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ اِس زمانے میں بھی ایک مسلمان رئیس جو مغربی ساحلِ ہند پر تھا ہر یہر اوّل کا مطیع تھا۔ اِس کے سو سال کے بعد عبدالرزاق جو سلطنتِ فارس کا ایلچی تھا لکھتا ہے کہ اِس زمانے میں بادشاہِ بیجانگر کی سلطنت تمامی جنوبی حصۂ ہند پر قائم تھی اِس سمندر سے اُس سمندر تک اور دکن سے راس کماری تک سراندیپ (جزیرۂ لنکا) سے لے کر گلبرگہ[۱] تک اِن کا تسلط تھا۔ اِن کی افواج کی تعداد گیارہ لاکھ

---

[۱] ریلوے اسٹیشن جی آئی پی ریلوے اب سرکارِ عالی نظام کے صوبہ کا مستقر ہے اور پینتیس ہزار کی آبادی ہے اگرچہ سلاطینِ بہمنیہ کا دارالحکومت خاص گلبرگہ میں تقریباً اسّی سال قائم رہا تاہم اِس خاندان کے کسی متنفس کا یہاں پتہ نہیں چلتا بلکہ اُن کے فلک شکوہ شاہی ایوان سب منہدم اور مسمار ہو گئے جن کا نام و نشان تک باقی نہیں شہر گلبرگہ پہلے ہندو راجاؤں کا راج دھانی (دارالخلافہ) تھا۔ اِس کی آبادی کی بنا راجہ "گلی چند" نے ڈالی (باقی برصفحہ آئندہ)

تھی۔ تاریخ فرشتہ میں ۸۱۶ھ ۱۴۱۳ء کا حال لکھا ہی کہ اس زمانے میں بھی راجۂ بیجانگر بہ اعتبار قوّتِ دولت

(بقیۂ نوٹ صفحہ ۲۵)۔ اسی وجہ سے ہندو اب تک کل برگہ کہتے ہیں جو رفتہ رفتہ گلبرگہ ہوگیا۔ جو قلعہ اس وقت یہاں موجود ہی وہ ان ہی رایوں کا بنایا ہوا ہی اس قلعے میں ایک عجیب وغریب مسجد ہی جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہی کہ دراصل یہ عمارت ان ہی راجاؤں کے دربار کا مقام تھا مگر زیادہ صحیح یہ ہی کہ یہ عمارت بُت خانہ تھی جس کی تصدیق اس سے ہوتی ہی کہ ابھی حال میں جب اس مسجد کی استرکاری کرائی گئی تو مسجد کے اندر بعض جگہ دیواروں پر مورتیں اور دیوتاؤں کی شکلیں نظر آتی تھیں جس سے ثابت ہوتا ہی کہ یہ جگہ پہلے مندر ہی تھی جس وقت سلطان علاؤ الدین حسن گانگوی بہمنی نے یہاں کے راے بھیرن کو قتل کرکے اس کو اپنا دارالخلافہ قرار دیا اور بجاے گلبرگہ کے حسن آباد نام رکھا اور قلعے کی بھی ضروری ترمیم کی اُس وقت اِس مندر کی شکل مسجد سے بدل دی۔ یہ مسجد قرطبہ کے نمونے پر بنی ہوئی ہی اور صنعتِ قدیم کا ایک اعلیٰ درجے کا نمونہ ہی سرکارِ عالی نظام نے اِس کی نہایت عمدگی سے مرمّت کرادی ہی۔ گلبرگہ میں بہت بڑی متبرک اور مشہور درگاہ حضرت میر سید محمد محمد الحسینی عرف حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی ہی۔ حضرت بندہ نواز دہلی کی طرف سے ۸۱۵ھ ۱۴۱۳ء میں بعہدِ سلطان فیروز شاہ بہمنی تشریف لائے تھے۔ آپ حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ تھے۔ بادشاہ فیروز آباد میں تھا (جو گلبرگہ سے سات کوس کے فاصلے پر واقع ہی اور فیروز شاہ ہی کا آباد کیا ہوا ہی یہ کسی زمانے میں بڑا شہر ہوگا اب تو ایک معمولی گاؤں کی حیثیت رکھتا ہی البتہ ایک عظیم الشّان قلعہ اور ایک عالی شان مسجد موجود ہی۔ قلعے کے اندر کے مکانات ٹوٹ پھوٹ گئے مگر حصار اور مسجد باقی ہی) کہ اُس نے حوالیِ گلبرگہ میں حضرت کی تشریف آوری کی خبر سُنی ؎ چراغے زشمعِ نبی تافتہ + کہ خورشید ومہ نور ازو یافتہ +

بادشاہ ہمیشہ ایسے بزرگوں کا متلاشی رہتا تھا اس بشارت سے بہت خوش ہوا اور فیروز آباد سے گلبرگہ آیا تمام اُمرا و ارکانِ دولت کو آپ کے استقبال کے لیئے بھیجا اور بہت اعزاز واحترام سے شہر گلبرگہ میں لایا اور حضرت کی خانقاہ بہمنی پور میں چلہ باولی کے متّصل بنادی جو اب تک موجود ہی لیکن بعد میں ۸۲۰ھ میں بادشاہ نے اپنے بڑے بیٹے حسن خان کی ولی عہدی کے لیئے حضرت سے دُعا چاہی آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالےٰ کی مرضی کے خلاف میں دعا نہیں کرسکتا اس پر بادشاہ ناراض ہوگیا اور کہلا بھیجا کہ آپ شہر کے باہر چلے جایئے کہ لوگوں کے اژدحام سے ہم کو تکلیف ہوتی ہی چنانچہ آپ شہر کے باہر چلے گئے اور جس جگہ اب درگاہ شریف ہی وہاں ٹھیر گئے۔ آپ کا عرسِ شریف ۱۵ سے ۱۷۔ ذی قعدہ تک ہر سال بڑی دُھوم دھام سے ہوتا ہی اور سرکارِ عالی نظام کی طرف سے ایک رقم معتدبہ منظور ہوتی ہی اور تخمیناً پچاس ہزار آدمی اطراف واکناف اور دُور دراز مقامات سے جمع ہوتے ہیں۔ آپ کی ولادت ۷۲۰ھ میں ہوئی اور وصال (بقیۂ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

اور وسعتِ ملک کے سلاطینِ بہمنیہ دکن سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ دکن میں جو قدیم ریاستیں موجود

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶) ۱۶ ذی قعدہ ۸۲۵ھ میں ہوا اس حساب سے آپ کا سنِ شریف ۱۰۵ برس کا ہوتا ہے آپ کی وفات "مخدوم دنیا و دین" سے نکلتی ہے۔ اس شعر سے عمر ولادت اور وفات کی تینوں تاریخیں نکلتی ہیں :-

سنش عادل تولد "وارثِ جود" (۱۰۵ — ۷۲۰ھ) وفاتش داں کہ "تاج المرسلیں" بود (۸۲۵ھ)

آپ کے رحلت فرمانے کے دو سال بعد گنبد کی طیاری احمد شاہ بہمنی نے آغاز کی جو سلطان علاء الدین فرزند سلطان احمد شاہ کے زمانے میں ختم ہوئی۔ (۷) سال میں گنبد کے اندرونی حصے کی استرکاری ہوئی ابراہیم قطب شاہ نے بیرونی استرکاری کرائی۔ سلطان محمود عادل شاہ بیجاپور نے ۱۰۵۵ھ میں قدیم کلس نکال کر آپ کے بڑے صاحب زادے حضرت سید محمد اکبر حسینی کے گنبد پر چڑھا کر نیا کلس آپ کے گنبد پر لگایا۔ افضل خاں سپہ سالار بیجاپور نے دروازۂ پائیں و مسجدِ بیرون اور سرا تعمیر کرائی۔ عالمگیر بادشاہ نے مسجد اندرونِ درگاہ و سماع خانہ حجرے اور حوض مسجد تعمیر کرایا۔ گلبرگہ میں متعدد گنبد موجود ہیں۔ جو سلاطینِ بہمنیہ کے زمانے میں اکثر تاجروں نے اپنے ذاتی صرف سے تعمیر کیے تھے اور جب شاہی خاندان میں سے کسی کو اُن کی ضرورت لاحق ہوتی تو ایک معتدبہ رقم دے کر گنبد تعمیر شدہ کو فروخت کر دیتے تھے چنانچہ اسی وجہ سے بعض گنبدوں میں مزار یا اُن کے آثار موجود ہیں اور بعض بالکل خالی ہیں۔ اِن گنبدوں میں سب سے بڑا مشہور اور قابلِ دید گنبد حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کا ہے جو محلہ روضۂ بزرگ میں واقع ہے۔ اِس گنبد کے آس پاس اور بھی گنبد ہیں جن میں بڑا اور بہت دُور سے نظر آنے والا گنبد حضرت موصوف کے پوتے حضرت شاہ قبول اللہ حسینی قُدِّس سِرُّہٗ کا ہے۔ یہ دونوں عالی شان اور بلند گنبد دس بارہ میل کے فاصلے سے نظر آتے ہیں۔ روضۂ بزرگ اور محلہ مخدوم پورہ کے درمیان سات گنبد واقع ہیں جو "ہفت گنبد" کے نام سے مشہور ہیں یہ سلاطینِ بہمنیہ اور اُن کے خاندان کے لوگوں کے مدفن ہیں۔ محلہ شاہ بازار کے غربی طرف حضرت شیخ سراج الدین جُنیدی قُدِّس سِرُّہٗ کا روضہ ہے جس کے عالی شان دروازے کے دونوں جانب دو بلند مینار بنے ہوئے ہیں مگر حضرت موصوف کا گنبد کچھ ایسا بلند نہیں ہے۔ اِس سے آگے چل کر ایک عالی شان گنبد بھاری لاگت کا بلند اور پُر فضا مقام پر بنام "چور گنبد" گلبرگہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس میں کوئی قبر نہیں ہے۔ چوں کہ یہ گنبد آبادی سے دُور ہے اور اکثر چور اور بدمعاش لوگوں نے اُس کو اپنا مسکن بنا لیا تھا لہٰذا یہ گنبد اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ اِس کی تعمیر اور کاری گری قابلِ دید ہے۔ قدیم عمارتوں میں اِن گنبدوں کے علاوہ خانقاہ حضرتِ بندہ نواز حسینی قُدِّس سِرُّہٗ قلعے کے عقب میں۔ جامع مسجد شاہ بازار میں۔ لنگر خانے سلطان پور کے رستے میں (بقیہ بر صفحہ آیندہ)

تھیں وہ سب کی سب خود بخود اس خیال سے نئی سلطنتِ بیجانگر کے مطیع و فرماں بردار ہو گئیں کہ کسی طرح وہ مسلمان بادشاہوں کی دست برد سے جو غیر مذہب والے تھے محفوظ رہیں اور اسی وجہ سے آناگنڈی کی ایک چھوٹی سی ریاست آنِ واحد میں حیرت خیز ترقی کر کے ایک خود مختار سلطنت بن گئی۔ سلطنتِ شاہ اسلام میں خود جنگ وجدال اور خوں ریزیاں اس کثرت سے ہو رہی تھیں کہ ہر یہر اور بکّا دونوں کو میدان خالی ملا اور وہ بلا روک ٹوک کے اپنے عمل دخل کو وسعت دیتے گئے۔ سلطان محمد تغلق کی زیادتیوں اور مظالم سے تنگ آ کر ۱۳۴۷ء میں ملکِ دکن میں بغاوت ہو کر ایک خود مختار سلطنتِ سلاطینِ بہمنیہ مستقلاً قائم ہو گئی۔

سلطان محمد تغلق کے حالات نیونِز اور دیگر وقائع نگاروں کی زبانی

"۱۳۳۰ء میں اس حصۂ ملک پر ایک ایسے بادشاہ کی حکومت تھی کہ جس سے بڑا کوئی بادشاہ نہیں گزرا۔ یہ دلی کا بادشاہ تھا جو اپنے لشکر کے زور پر کئی سال تک ملکِ گجرات میں لڑتا رہا اور ملکِ گجرات کو جو کیمبے کے تحت تھا فتح کر لیا اور آخر کار خود اس پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد بادشاہِ دہلی نے از بالائے بالاگھاٹ ویجانگر پر چڑھائی کی۔ بادشاہ کے ہنود بہت معتقد تھے اور اسے ولی سمجھتے تھے۔ ہنود کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بادشاہ عبادتِ الٰہی میں مشغول تھا کہ چار ہاتھ نمودار ہوئے جنھوں نے آسمان پر سے اس پر پھول برسائے اس نے بہت سے ملک فتح کیے تھے اس کی حکومت میں بہت بڑا حصۂ ملک کا تھا۔ اس نے بہت سے بادشاہوں کو اپنا مطیع کر لیا تھا بہتوں کو قتل کیا اور ان کی کھالیں کھچوا کر اپنے ساتھ لے گیا یہاں تک کہ لوگوں نے اسے کھال کھنچوانے والے بادشاہ کا خطاب دے رکھا تھا۔ اس بادشاہ کے عجیب و غریب قصّے مشہور ہیں۔ ایک دن بادشاہ لباس بدل رہا تھا کہ بند کھڑکی میں سے آفتاب کی شعاع اندر پڑی اس پر وہ برافروختہ ہوا اور کہا کہ یہ کون ہے جس کی اتنی بڑی جرأت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷) اور عیدگاہ چوگنبد کے متصل اور جدید عمارتوں میں عماراتِ ذیل مشہور ہیں۔

اکرام سرائے جس کو منشی اکرام اسد خاں صاحب صدر تعلقہ دار کا کوروی المخاطب بہ نواب یار جنگ بہادر مرحوم نے بنوایا تھا۔ آصف گنج۔ گلزارِ حوض سنٹرل جیل جس میں بہت بڑا کارخانہ صنعت و حرفت کا ہے۔ اسی جیل سے تمام ممالکِ محروسہ میں ڈیرے سپلائی کیے جاتے ہیں محبوب گلشن۔ ایوانِ صوبہ داری (گورنمنٹ ہاؤس) حضوری بنگلہ (رہایش بنگلہ) اور محبوب شاہی ملز (پارچہ بافی کی گھرنی) شہر سے جانب غرب (۳) میل کے فاصلے پر واقع ہے ۱۲۔

ہوئی کہ وہ میرے خلوت خانے میں گھس آیا۔ میں اُسے ضرور مار کر رہوں گا۔ ہر چند اُمرائنے عرض کی کہ خداوندِ نعمت وہ آفتاب کی شعاع تھی۔ آفتاب وہ چیز ہی کہ جس سے ہم سب کی زندگی ہی۔ اور آفتاب خدا کا بنایا ہوا آسمان میں ہی اُسے کس طرح نقصان پُہنچایا جاسکتا ہی۔ لیکن بادشاہ نے ایک نہ سُنی اور لشکر کی طیاری کا حکم دیا اور کہا کہ میں ضرور اپنے دشمن کے پیچھے جاؤں گا اور اُس نے ایسا ہی کیا کہ ایک جمِ غفیر لشکر کا لے کر نکلا۔ لشکر کی کثرت سے اس قدر گرد و غبار بلند ہوا کہ آسمان کا نورانی چہرہ دُھندلا پڑ گیا تب لوگوں نے عرض کی کہ اب تو بادشاہ کی لشکر کشی سے آفتاب رُوپوش ہو گیا تب کہیں بادشاہ کو سکون ہوا اور کہنے لگا کہ ہاں مَیں نے آفتاب کو بھگا دیا تب لشکر لے کر پلٹا۔ اور دوسرے ایسے ہی فوق العادات حالات اس بادشاہ کے بیان کیئے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہی کہ واقعی وہ بڑے مرتبے کا بادشاہ تھا مثلاً جب وہ ساحل کیرومنڈل پر تھا تو اُسے خبر ملی کہ یہاں سے کچھ فاصلے پر سمندر میں ایک بہت بڑا جزیرہ ہی جہاں کی زمین سونے کی ہی اور پہاڑ پتھر جواہرات کے۔ اس جزیرے میں ایک مندر ہی جہاں آسمان سے فرشتے اُترتے ہیں۔ بادشاہ نے سُنتے ہی چاہا کہ جس طرح بن پڑے اُس پر قبضہ کرنا چاہیئے اُس نے وہاں پہنچنے کا ارادہ کیا مگر اُس کے پاس اس قدر جہاز کہاں تھے جو اتنے بڑے لشکر کو اُتار سکتا تو اُس نے لاکھوں چھکڑے مٹی اور پتھر کے سمندر میں ڈلوانے شروع کیئے کہ مَیں سمندر ہی کو پاٹ کر اُتر جاؤں گا اور لگاتار کوشش سے یہاں تک ہوا کہ بارہ یا پندرہ لیگ تک رستہ بن گیا اور[1] بادشاہ جزیرۂ سیلاو تک پہنچ گیا۔ اس بند کو کئی سال کے بعد سمندر نے کاٹ دیا اور اسی کے باقی ماندہ حصّے میں چلاؤ کے مچھلی پکڑنے کا اُتھلا حصّہ ہی۔ جب ملک نائب (بادشاہ کے سپہ سالار) نے دیکھا کہ خواہ مخواہ اس ناممکن العمل کام پر کتنی محنت برباد ہو رہی ہی تو اُس نے دو بڑے بڑے جہاز طیار کرائے اور اُن میں سونا اور جواہرات لدوا کر جزیرے کے راجہ کے نام سے بادشاہ کے پاس بھجوائے اور راجہ کی طرف سے اطاعت و فرماں برداری کا قول و قرار کہلا بھیجا کہ کسی طرح اس بلا سے نجات ملے تب خدا خدا کر کے

[1] محمد تغلق کے حالات اور اس سے پیشتر کا پرانا قصّہ رام کے پل بنانے کا جو اُس نے بندروں کے لشکر سے بنوایا تھا دونوں قریب قریب ایک ہی معلوم ہوتے ہیں اسی پل کو مسلمان لوگ "آدم کا پل" بھی کہتے ہیں ۱۲۔

بادشاہ نے اپنا ارادہ ملتوی کیا +

تاریخِ فرشتہ میں لکھا ہو کہ "اُس زمانے کے ہم عصر لکھتے ہیں کہ محمد تغلق ایک نادرِ روزگار شخص تھا وہ بڑا فیّاض اور حاتم دل تھا خصوصًا اہلِ ہُنر کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اس نے مریضوں کے لیئے جا بجا شفاخانے اور بیواؤں اور یتیموں کے لیئے خیرات خانے کھول دیئے تھے۔ اپنے زمانے کا بڑا فصیح البیان اور لائق بادشاہ تھا۔ اس کو بہت سے علوم میں دستگاہ تھی منطق۔ علمِ ہیئت ریاضیات۔ فلسفۂ یونان۔ سب میں ماہر تھا اور اپنے مذہبی فرائض کا سختی سے پابند تھا۔ لیکن با ایں ہمہ صفاتِ حسنہ اُس کے دل میں رحم نام کو نہ تھا نہ کسی کا پاسِ خاطر تھا۔ سزا دینے میں بہت ہی سخت بلکہ سنگدل تھا اور اکثر بے انصافی کر بیٹھتا تھا۔ بندگانِ خدا کا خون بہانا اُس کے نزدیک کچھ بات نہ تھی اور جب کبھی اس پر تُل جاتا تھا تو ایسا معلوم دیتا تھا کہ اب نسلِ انسان کو دنیا سے نیست و نابود کر دے گا۔ کوئی ہفتہ خالی نہ جاتا تھا کہ ایک نہ ایک عالم یا مقدس شخص یا اُس کے معتمدین اور مصاحبین میں سے کسی کی گردن نہ ماری جاتی ہو۔ اگر کوئی ذرا سی بات بھی اُس کی مرضی کے خلاف ہو جاتی تھی تو فورًا اُس کی طبیعت ہاتھ سے جاتی رہتی تھی اور بھڑک اُٹھتا تھا اور پھر جو دل میں آتا تھا کر بیٹھتا تھا۔ اس کا مزاج بالکل وہمی تھا اور اپنے خیال کا وہمی بندہ تھا۔ اُمرا کو بہت داد و دہش بھی کرتا تھا یہاں تک کہ بعض دفعہ ایک ایک دن میں ساڑھے سات لاکھ روپے تک دے دیئے ہیں۔ مغلوں نے جب چڑھائی کی تھی تو اس بادشاہ نے اُن سے لڑائی نہیں کی بلکہ بے شمار دولت دے کر اُن کو ہموار کر لیا۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد فارس پر چڑھائی کے لیئے تین لاکھ ستر ہزار سواروں کا لشکر طیار کیا۔ لیکن نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ ہوا کہ اُن لوگوں کو تنخواہ نہ ملنے سے اُنھوں نے لوٹ مار شروع کی اور مُلک کو لوٹ ڈالا پھر چین پر حملے کا ارادہ کیا اور ایک لاکھ فوج کوہ ہمالیہ کی طرف بھیج دی جہاں سب کے سب ہلاک ہو گئے جو اس مُہم سے بچ کر آئے اُنہیں بادشاہ نے مروا ڈالا +

اس کی یادگار میں محمد تغلق نے اُس جگہ پر ایک بڑا مندر بنوا دیا جو اب تک وہاں موجود ہے اور جاترا کا ایک بڑا مقام شمار کیا جاتا ہی۔

محمد تغلق نے ملکِ گجرات فتح کر لیا۔ بنگال میں بھی لڑائی کی۔ اور ترکوں سے

شیخ اسمٰعیل[۱] یعنی ملکِ فارس سے لڑائی ہوئی۔ محمدؐ تغلق کے اوائلِ زمانۂ سلطنت میں مغلوں کی ایک کثیر جماعت نے پنجاب پر حملہ کیا اور بڑھتے بڑھتے دہلی تک پہونچ گئے۔ بادشاہِ دہلی نے اُن کو بہت سا روپیہ دے کر ہموار کر لیا۔ بنگال کے متعلق یہ ہی کہ محمدؐ تغلق کی سلطنت سے پہلے ہی وہ فتح ہو گیا تھا لیکن پھر کچھ سرکشی کی تھی اور دوبارہ مغلوب کیا گیا تھا اس کے زمانے میں غیاث الدین بہادر نے جو بادشاہِ دہلی کا صوبہ تھا پھر اِسے فتح کیا جو تھوڑے ہی دنوں بعد خود مختار بن گیا اور بہادر شاہ کا خطاب لے کر اپنا سکّہ جاری کر دیا سنہ ۱۳۲۷ء م سنہ ۷۲۸ھ کے سکّوں میں مُلکِ بنگال کا بادشاہِ دہلی کے تحت میں ہونا درج ہی مگر دو ہی سال بعد خود مختار بادشاہ کا سکّہ چلا دیا لیکن پھر سنہ ۱۳۳۳ء میں محمدؐ تغلق نے اپنا سکّہ ملکِ بنگال میں جاری کیا اور باغی سردار پر چڑھائی کی۔ بادشاہ نے اُسے شکست دے کر گرفتار کر لیا اور زندہ کھال کھچوا کر اُس میں بھُس بھروا کر سارے صوبے میں پھروایا تاکہ ایسے خودسر صوبہ داروں کا انجام معلوم ہو کہ جو خود مالک بن بیٹھتے ہیں سنہ ۱۳۴۷ء میں محمدؐ تغلق نے گجرات کو فتح کیا۔ پھر دکن کا قصد کیا اور دوارا سمدرم۔ ملیبار اور آناگُنڈی کو جس کا نام کمپیلا تھا اور ورنگل کو فتح کر لیا۔ اِس بادشاہ نے دولت جمع کرنے کی غرض سے ایک کم قیمت سکّہ تانبے کا بعوض سونے کے ملک میں رواج دیا تھا لیکن اِس سے ساکھ جاتی رہی اور تجارت بالکل ڈوب گئی۔ جب اِس طریقے میں ناکامیابی ہوئی تو خزانہ بھرنے کے لیے اُس نے بڑے بڑے بھاری محصول لگا کر زراعت کو برباد کیا۔ کاشتکار زراعت کا کاروبار چھوڑ کر لُوٹ مار پر پل پڑے جس سے ملک تباہ و ویران ہو گیا اور رعایا برایا تمام مفلس و قلّاش ہو گئی اور بھوکوں مرنے لگی۔ بادشاہ نے انسان کی اِتنی بھی پروا نہ کی جتنی کہ کیڑے کی کرتے ہیں اور رہے سہے لوگوں کو بھی اُجاڑ دیا۔ جب کسی حصّۂ مُلک کی رعایا نے سخت اور جابرانہ مطالباتِ شاہی کے دینے سے اپنا عجز ظاہر کیا تو فوراً بادشاہ اُن پر فوج کو اِس طرح بھیج دیتا تھا جیسے کوئی شکار پر جاتا ہی۔ وہ لوگ حلقہ ڈال کر جانوروں

[۱] شیخ اسمٰعیل کا عروج مُلکِ فارس میں سولھویں صدی کے اوائل میں ہوا ہی۔ باربوسا نے جو سنہ ۱۵۱۴ء میں ہندوستان میں تھا اور جس نے اپنے وقائع سنہ ۱۵۱۶ء میں لکھے ہیں اُس کو اپنا ہم عصر لکھا ہی۔ اُس نے مشرقی حصّۂ مُلکِ فارس کا فتح کر کے مذہب شیعہ کی بُنیاد ڈالی تھی وہ مُسلمان اور نوعمر شخص تھا مگر خاندانِ شاہی سے نہ تھا + ۱۲+

کی طرح آدمیوں کو چاروں طرف سے گھیر لیتے تھے اور پھر سب کو بلا استثنا از احد سے تہ تیغ کرڈالتے تھے ایسے واقعات ایک دفعہ نہیں بارہا پیش آئے اور ایک دفعہ اُس نے ہنود کے قدیم شہر قنوج میں قتل عام کروادیا جس کی وجہ سے قحط پڑگیا اور بے چارے ہنود کو ناگفتہ بہ مصائب کا سامنا ہوا جس کے تصور سے دل کانپ جاتا ہی۔ جب بادشاہ دیوگیری (دولت آباد) سے پلٹا تو اُس کا ایک دانت گر گیا تھا جس کے لیئے اُس نے ایک مقبرہ بیڑ مقام پر بنوادیا جو اب تک موجود ہی۔ لیکن سب سے زیادہ مظالم کی مثال قتل باشندگانِ دہلی کی ہی۔ بادشاہ نے بجاے دہلی کے دیوگیری کو پایہ تخت مقرر کرنا چاہا اور اسی نے اس مقام کا نام دولت[ف] آباد رکھا۔ اِن دونوں مقاموں میں چھ

[ف] اورنگ آباد سے بجانب غرب (۸) میل پر واقع ہی اور گوداوری ویلی ریلوے کا اسٹیشن ہی۔ بستی اسٹیشن سے ایک میل ہی۔ یہاں کا قلعہ عجائباتِ روزگار سے ہی جو ایک بلند پہاڑ کو کمال صنعت کے ساتھ اطراف سے تراش کر بنایا گیا ہے اور ایسی کاریگری صرف کی گئی ہی کہ سواے ایک مخصوص رستے کے کسی دوسری طرف سے گزر ہونا محال ہی۔ اس کا دَور تخمیناً چھ ہزار گز کا ہوگا سنگ تراشوں اور کاریگروں کی صناعی دیکھ کر قدرتِ خدا یاد آتی ہی۔ قلعے کے گرداگرد کئی مستحکم فصیلیں اور عریض وعمیق خندقیں ہیں۔ قلعے کا صدر دروازہ بہت عالی شان ہی۔ قلعے کے اندر ایک عالی شان مینار علاء الدین خلجی کا بنایا ہوا ہی۔ جو اب شکستہ حالت میں ہی۔ اس مینار کے قریب پتھر کی ایک شاندار مسجد ویران حالت میں ہی۔ طرز عمارت اور لوگوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہی کہ بہت بڑے جَینی مندر کو توڑ کر مسجد بنائی گئی ہی۔ ؎

ہمیں کرامتِ بُت خانۂ مرا ای شیخ　　　که چوں خراب شود خانۂ خدا گردد

اس کے قریب چینی محل کے کچھ کھنڈر کھڑے ہوے ہیں۔ اب سے دو سو تیئیس برس پہلے یعنی ۱۶۸۷ء میں شہنشاہ اورنگ زیب نے سلطان ابوالحسن بادشاہ کو جو سلطنتِ قطب شاہیہ کا آخری تاجدار تھا قید کیا تھا۔ یہ وہی بادشاہ ہی جس کی نسبت شاہ جہاں نے لکھا تھا ؎

ابنہ فرستاد بما بوالحسن
انبتہم اللہ نباتاً حسن

عمارت کی وضع قطع اور چینی کے باقی ماندہ کام سے پایا جاتا ہی کہ یہ عمارت کسی زمانے میں نہایت نفیس اور خوش نُما ہوگی۔ یہیں قریب میں ایک بڑا حوض ہاتھی حوض کے نام سے مشہور ہی یہ حوض بہت بڑا ہی اور اس قدر عمیق ہی کہ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

سوسیل کا فصل ہی بادشاہ نے ایک حکم عام دے دیا کہ سب باشندے دہلی سے دیوگیری چلے جائیں اور

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۳) اس میں ہاتھی ڈوب جاتا تھا لیکن اب خشک ہی۔ قلعے کے اندر متعدد تہ خانے اور کوٹھے ہیں جو بند ہیں مگر معلوم ہوتا ہی کہ بعض میں ہتیار گولے اور بارود ہی۔ بعض میں اجناس ہیں۔ چنانچہ اُس زمانے کی بارود گو منجمد ہوگئی ہی مگر اب بھی کام آتی ہی اور اجناس کے کوٹھوں میں گھی کے علاوہ اور اشیاء تماکو وغیرہ بھرا ہوا ہی۔ گھی تو موم کی طرح کا لاجکٹ ہوگیا ہی اور تماکو قریب مٹی کے ہی۔ قلعے پر چڑھنے کے لیئے ایک نہایت پیچ دار رستہ بنایا گیا ہی جس میں دو اندھیریاں بھی ہیں ایک چھوٹی اور ایک بڑی ان میں دن کے وقت بھی اندھیرا گھُپ رہتا ہی اور مشعل کے بدون کچھ دکھائی نہیں دیتا یہ اندھیریاں پہاڑ میں کاٹ کر بنائی گئی ہیں اور اس قدر وسیع اور بلند ہیں کہ بے تکلف گھوڑے سوار جاسکتے ہیں اور ان اندھیریوں میں سے بذریعہ سُرنگ قلعے سے دور نکل جانے کے رستے بنے ہوے ہیں۔ اندھیری کے ختم پر ایک بہت بڑا آہنی توا رکھا ہوا ہی۔ اوّل تو غنیم یہاں تک پونہچ ہی نہیں سکتا لیکن اگر پونہچ بھی جاسے تو رستے کے مُنہ پر توا ڈھنک کر آگ دہکا دی جائے تو گرمی کی تپش سے دم گھُٹ کر مرجاسے۔ قلعے میں داخل ہونے کے لیئے بڑا مستحکم پھاٹک بنایا گیا ہی اور رستہ کچھ اس خوبی سے نکالا ہی کہ ایک آدمی کے سوا دو مل کر جا ہی نہیں سکتے۔ قلعے کی چوٹی پر پونہچتے پونہچتے آدمی تھک جاتا ہی اور پسینے میں شرابور ہوجاتا ہی لیکن قلعے کی پختہ اور سنگین عمارتوں میں قدم رکھتے ہی سرد سرد ہوا کے جھونکے قلب میں بے انتہا فرحت پیدا کرتے ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہی کہ گویا کرۂ نار سے کرۂ زمہریر میں رسائی ہوگئی جس سے تکان اور کوفت جاتی رہتی ہی۔ یہاں ایک عالی شان بارہ دری اورنگ زیب کی بنوائی ہوئی قابل دید ہی جس کی بلندی پر سے سارے مقامات ہتیلی پر معلوم دیتے ہیں اور گھنٹوں سیر کرنے کے بعد بھی دل نہیں بھرتا اس کے کمروں میں شاہزادگاں اور ویسرایاں ٹھیر کر چاے نوشی اور بریکفاسٹ کرتے ہیں۔ لیڈیاں کرسیوں پر بٹھا کر اوپر پونہچائی جاتی ہیں جو جھپان کی وضع کی خاص اسی غرض سے بنائی گئی ہیں۔ بارہ دری کے اوپر بالا حصار پر ایک بہت بڑی عالی شان توپ رکھی ہی حیرت ہی کہ اس قدر بلندی پر کیسے پونہچی ہوگی۔ یہ توپ بیجاپور کی مُلک میدان نامے سے کسی طرح کم نہیں ہی۔ قلعے کے بالائی حصے پر دو تین چشمے ہیں جن میں ہر موسم میں پانی رہتا ہی۔ ایک چشمہ "کوڑی ٹانکے" کے نام سے موسوم ہی جس کا پانی اس قدر صاف اور شفاف ہی کہ کوڑی ڈالو تو تہ میں نظر آتی ہی اور پانی اس قدر شیریں اور خنک ہی کہ برف کو مات کرتا ہی۔ دولت آباد کی آب و ہوا نہایت خوش گوار اور زندگی بخش ہی۔ یہاں انجیر۔ انگور۔ امرود کے باغ کثرت سے ہیں۔ تمام میوہ جات تر و تازہ اور بالیدہ ہوتے ہیں اتنا بڑا تازہ اور شاداب انجیر شاید کہیں اور ہوتا ہو۔ انگور پہلے تو بے انتہا پیدا ہوتا تھا (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

لوگوں کے جلاوطن ہونے سے پہلے تمام بڑے بڑے درخت اُکھڑوا کر اس نئے رستے پر اس

اب بھی کثرت سے ہوتا ہی۔ فصیلِ شہر کے باہر بعض دل فریب اور قدرتی مناظر خوش نما تالاب اور جھیلیں اور دل کش مرغزار ہیں جن کے نظارے سے دل باغ باغ ہوجاتا ہی اور آنکھوں میں تراوت آتی ہی۔ یہاں سے قریب ہی خلد آباد ہی جہاں علاوہ بہت سے اولیاے کرام کے مزاراتِ مبارک کے اورنگ زیب بھی مدفون ہی جس کی قبر بالکل خام اور سادی ہی۔ خلد آباد کے نواح میں حوض قتلغ جو سلطان محمد تغلق شاہ کے اُستاد قتلغ خاں صوبہ دار خلد آباد نے بنوایا تھا قابلِ دید ہی جو حقیقت میں ایک وسیع تالاب ہی۔ تین طرف پہاڑیاں ہیں اور ایک طرف پختہ دیوار ہی۔ اِس حوض کا پانی درۂ آب پاش سے گزرتا ہوا قلعۂ دولت آباد کے ہاتھی حوض میں پونہچتا ہی۔ یہاں قتلغ خاں کا دو منزلہ مکان اُس کی یادگار رہی اُوپر کا حصّہ گر گیا ہی نیچے کا حصّہ کچھ باقی ہی اب کثرتِ استعمال سے "قتلو کا حوض" مشہور ہی۔ حوض مذکور کے جنوب اور دولت آباد کی شمالی گھاٹی کے دامن میں وسیع اور عمیق "درۂ آب پاش ہی" یہ جگہ قدرتاً ایک مثلّث متساوی الساقین ہی۔ شرقاً اور غرباً دونوں طرف دو پہاڑیاں اور جنوب یعنی قاعدے کی طرف چونے اور پتھر سے چوڑی دیوار بنائی گئی ہی۔ یہ مرغزار دل برداشتہ اور وحشت زدہ کے واسطے فرحت افزا اور ازحد دل کشا ہی۔ دلچسپی اور نظارۂ قدرتِ الٰہی کے لیئے اِس سے بہتر مقام نہیں ہو سکتا۔ مختصر یہ کہ جس طرح ملکِ دکن میں خلد آباد بے نظیر ہی اسی طرح شاہ خاکسار صاحب کے پہاڑوں سے حوض قتلغ اور درۂ آب پاش باعتبارِ لطافتِ آب و ہوا اور نیز بغرضِ تفریحِ طبع و سیر و شکار یہ مقامات بے مثل ہیں اور خلد آباد سے یہ مقامات بالکل قریب ہیں۔ یہ تمام کوہستان ہر فصل میں خزاں سے پاک سرسبز اور شاداب رہتا ہی خصوصاً موسمِ بارش میں بلاشبہہ نمونۂ جنت نظر آتا ہی۔ حاجی محمد خاں قدسی کہتے ہیں

در ایّام خورداد و اردی بہشت	زند دولت آباد دم از بہشت
زدوہا صبا رفتہ گرد ملال	ہواے بہشت است یا برشکال
درو باغش از سبزہ فیروزہ فام	حصارش ز سنگِ زبرجد تمام
ندیدہ کسے جُز دریں مرغزار	بقلب الاسد ابتداے بہار
نہ از سیلِ دیوار باغش خراب	نہ برنخل موش ستم زافتاب
جو اشند پیرانِ ایں سرزمیں	نہ سرما نہ گرما بہشت است ایں
ز رشحِ ہوا پاے صحت بگل	طبیباں ز بے کاری ایں جا خجل

(باقی برصفحۂ آیندہ)

سرے سے اُس سرے تک لگوا دیئے۔ حکم حاکم مرگ مفاجات۔ سب کو دلّی چھوڑنی پڑی۔ سنگ آمد وسخت آمد۔ اِس زمانے میں سڑکیں نہ تھیں اور رستہ کوہ بندھیاچل اور گھنے جنگلوں میں سے تھا۔ جہاں غذا اور پانی میسّر نہ ہوتا تھا نہ اُن لوگوں کے لیے جو وہاں پُونہچ چکے تھے نئے شہر میں رہنے کے مکانات موجود تھے۔ بہت سے آدمی بڈّھے اور عورتیں اور بچے تو رستے کی صعوبت کی تاب نہ لاکر وہاں پُونہچنے بھی نہ پائے تھے کہ مر گئے۔ آخرکار بادشاہ نے اُن لوگوں کو جو گرتے پڑتے وہاں پُونہچ گئے تھے دہلی واپس چلے جانے کی اجازت دے دی +

(بقیہ صفحہ ۳۴)

حصارش کند بر سر چرخ ناز	کہ طاؤس عرش است پر کردہ باز
مرایں قطع را بود یاد ریساں	کہ رفت از زمین سبزہ بر آسماں
دریں ملک مردم خوش آسودہ اند	ہوائیست گوئی کہ فرسودہ اند
نیایند برگے دریں بوستاں	کہ گردد زبانش بنام خزاں
گلے غنچہ نگزاشت فیض سحاب	دریں بوستاں جز گلِ آفتاب
گر از گریہ خالی کند ابر دل	عجب گر رود پائے مورے بگِل
ببارد اگر ابر سالے تمام	دریں خاک گل را نداند نام
بہار از پئے زینتِ ہر چمن	برو مایہ از برشگالِ دکن
زنم گشتہ بازارہا سبز پوش	دکانہا دُکانِ زبرجد فروش
ہوا اش بخوبی از اں ست فرد	کہ ہرگز کسے را تصرّف نہ کرد
زمینِ دکن سر نیارد فرود	ز فیروزہ زنگی بہ چرخِ کبود

دولت آباد سے چار میل خلد آباد کے پہاڑ کے نیچے مشہور غارہائے ایلورہ ہیں۔ جو پہاڑ کو تراش کر اندر ہی اندر وسیع اور عمدہ مکانات اور تصاویر اور نقش ونگار بنائے ہیں۔ یہ صناعی بہت قدیم ہزار سال پیشتر کی ہے ہنود کی قوم بودھ اور جین لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ اِن غاروں کی تعداد چھوٹے بڑے ملا کر تیس ہے جس میں کیلاش تین تال (یعنی سہ منزلہ) متارد (طرسیٔ) کی جھونپڑی۔ بہت مشہور اور عجائبات روزگار میں۔ بلا دیکھے اِن کی کیفیت سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اِن کے تفصیلی بیان کو ایک جداگانہ کتاب چاہیئے۔ چنانچہ انگریزی میں ایک مبسوط کتاب خاص ایلورہ کے متعلق موجود ہے ۱۲

ابنِ بطوطہ اِس قیامت نما واقعے کے وقت موجود تھا اور اُس نے چشم دید یہ واقعات لکھے ہیں۔ "بادشاہ نے تمام باشندگانِ دہلی کو شہر چھوڑ دینے کا حکم دیا لیکن جب معلوم ہوا کہ لوگ پس و پیش کر رہے ہیں تو مُنادی کرا دی کہ اگر کوئی شخص شہر میں مکانات میں یا گلیوں میں ملے گا تو اُسے سخت سزا دی جائے گی۔ اِس حکم پر سب نکل کھڑے ہوئے لیکن جاسوسوں نے آکر دیکھا تو صرف ایک اندھا آدمی اور ایک فریش مریض دو مکانوں میں نظر پڑے۔ بادشاہ نے بیمار کو تو سُولی چڑھوا دی اور اندھے کو حکم دیا کہ اِس کو اِس کے پاؤں سے گھسیٹتے ہوئے دولت آباد لے جاؤ اِس بے چارے کو گھسیٹتے ہوئے لے گئے جابجا اس کے ہاتھ پاؤں زخمی ہو کر جھڑ گئے۔ صرف ایک ٹانگ دولت آباد تک پُہنچی کیوں کہ حکم یہی تھا کہ دولت آباد پُہنچاؤ اور اُس کی تعمیل ضرور تھی۔ جب ابنِ بطوطہ دہلی پُہنچا تو وہاں کوئی متنفس باقی نہ تھا اور بالکل سناٹا اور ویرانہ تھا"

اِس بادشاہ کا کچھ عجیب وہمی مزاج تھا تھوڑے دنوں کے بعد اُس نے دوسرے مقامات کے لوگوں کو حکم دیا کہ دلّی میں جا کر بسیں لیکن ایک دفعہ شہر اُجڑ چکا تھا پھر پنپ نہ سکا۔ ابنِ بطوطہ لکھتا ہے کہ جب بادشاہ شہر کو اُجاڑ چکا تو اُس نے اپنے محل کے کوٹھے پر چڑھ کر دیکھا تو سارا شہر خالی پڑا بھائیں بھائیں کر رہا تھا آگ یا دھوئیں کا کہیں نام نہ تھا تب بادشاہ نے کہا۔ "ہاں اب میرے دل کو اطمینان ہوا اور میری خواہش پوری ہوئی"۔ ابنِ بطوطہ اس دربار کا ایک ممبر تھا اور اُسے بہت سے حالات دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ لکھتا ہے کہ "سلطان محمد تغلق کی دو عادتیں بہت راسخ تھیں۔ ایک تو داد و دہش اور دوسری خوں ریزی۔ دربار میں روز دیکھا جاتا تھا کہ فقیر جس کو چیتھڑے لگے ہوئے تھے آن کی آن میں امیر بن گیا یا یہ کہ کسی بدنصیب کے قتل کا حکم ہوا۔ بادشاہی فیاضی اور بہادری اور مجرموں کے ساتھ اُس کی بے رحمی اور سنگ دلی کے افسانے زبان زدِ خاص و عام تھے۔ قطعِ نظر ان اُمور کے وہ بہت منکسر المزاج اور نصفت پسند تھا ادائے فرائضِ مذہبی اور نماز کا سختی سے پابند تھا اور تارک الصلوٰۃ کو سخت سزا دیتا تھا۔ اُس کی تمام عادات میں فیاضی سب سے بڑھی ہوئی صفت تھی۔ جو قتل کیا جاتا تھا اُس کی نعش محلِ شاہی کے دروازے پر رکھی رہتی تھی۔ ایک دن محل کی طرف گیا تو میرا گھوڑا بدک گیا مَیں نے دیکھا تو میرے سامنے ہی زمین پر ایک سفید ڈھیر پڑا تھا۔ مَیں نے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے تو لوگوں نے کہا کہ آدمی کی نعش ہے جس کے

تین ٹکڑے کر دیئے گئے تھے۔ دربارِ عام میں ہر روز سیکڑوں آدمی پا بہ زنجیر سامنے لائے جاتے تھے
اُن کے ہاتھ اُن کی گردنوں میں جکڑے رہتے تھے اور دونوں پاؤں بھی بندھے ہوتے تھے بعضوں
کو قتل کیا جاتا تھا اور بعضوں پر مار پڑتی تھی اور طرح طرح کے عذاب دیئے جاتے تھے۔" یہ شخص
متضاد صفات کا آدمی تھا کہ خیرات اور داد و دہش اور پابندیٔ مذہب کے ساتھ اس میں خون ریزی
کی عادتِ بد اور آدمیوں کے مروا ڈالنے کی خواہش ایک عجیب و غریب ترکیب تھی جو کچھ سمجھ میں
نہیں آتی اِسی لیئے ہنود اِسے انسان فوق العادت سمجھتے تھے کہ بظاہر ولی تھا مگر دل شیطان کا
رکھتا تھا یا ایک شیطانِ مجسّم تھا مگر ولی کی روح اُس میں حلول کر گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سُلطان
محمد تغلق کے متعلق زمانۂ مابعد میں انواع و اقسام کے خرقِ عادات مشہور ہو گئے ہیں اور جب
دیکھو ایک نئی روایت اُس کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ اِس بادشاہ کو ہندوؤں سے سخت
نفرت تھی۔ تمام فوجی اور سول کے عہدے افغانوں کو دے رکھے تھے جو ہندوؤں کی زبان نہ
جاننے کے علاوہ اُن سے نفرت بھی کرتے تھے۔ خاندانِ تغلق کی سلطنت ۱۳۲۰ء سے
۱۵۲۶ء تک رہی۔ اِس میں آٹھ بادشاہ ہوئے۔ محمد تغلق نے ۱۳۲۵ء سے ۱۳۵۱ء تک
بادشاہت کی۔ اِس بادشاہ نے ۲؍ شوال ۷۱۶ھ میں انتقال فرمایا۔

باب دوسرا

سلطنتِ بیجانگر کی ابتدا

۱۳۳۶ء

سلطان محمد تغلق کا کمپلی اور آناگُندی کو فتح کرنا ۱۳۳۴ء

شہر بیجانگر کی بُنیاد ۱۳۳۶ء میں پڑی جیسا کہ پتھر کے کتبوں اور ابنِ بُطُوطہ کے سفرنامے سے معلوم ہوتا ہی ابنِ بُطُوطہ نے لکھا ہی کہ سلطان محمد تغلق نے اپنے باغی بھتیجے بہار الدین گستاسپ کے مقابلے میں فوج کشی کی جو بھاگ کر راے کمبیلا کی پناہ میں تھا۔ تاریخ فرشتہ میں اِسی مقام کو کمپیلا لکھا ہی جو ایک محصور مقام ہی اور یہ حال کا قصبہ کمپلی ہی جو ضلع بلھاری میں دریاے تُنگ بھدرا کے کنارے واقع ہی۔ یہ مقام آناگُندی سے (۸) میل کے فاصلے پر جانبِ مشرق میں ہی اور یہاں ایک قدیم گڑھی بھی ہی۔ عجب نہیں کہ جب سُلطان حملہ آور ہوا ہو تو راے کمپیلا نے آناگُندی جیسے محفوظ اور مصئون مقام میں جو قدرتی طور پر پہاڑوں سے گھرا ہوا ہی پناہ لی ہو جہاں کہ وہ بہ نسبت کمپلی کے زیادہ محفوظ رہ سکتا تھا اور مقابلے کے لیئے بھی یہی جگہ بہ مقابلہ کمپلی کے زیادہ موزوں تھی۔ ابنِ بُطُوطہ نے لکھا ہی کہ راے موصوف نے سلطان محمد تغلق کی چڑھائی کی خبر پاتے ہی بہار الدین کو تو میسور کے علاقے میں اپنے قریب ہی دیور سمدرم کے راجہ ہوئیسالا بلّالا کے پاس بھگا دیا جو اُس زمانے میں ۲۱ نور مقام میں رہتا تھا اور خود ایک بہت بڑی آگ جلوائی جس میں اُس نے اپنی اور اپنے اُمرا کی بیویوں۔ وزرار اور بڑے بڑے لوگوں سب کو قربان کر دیا۔ اِس کے بعد وہ باقی ماندہ لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر حملہ آور ہو

کے مقابلے کو نکلا اور مارا گیا۔ شہر پر بادشاہ کا قبضہ ہو گیا۔ راے کے گیارہ بیٹے پکڑ کر بادشاہ کے حضور میں حاضر کیے گئے جن سب نے مذہب اسلام قبول کر لیا۔ بادشاہ نے بھی اِن لوگوں کی شرافت خاندانی اور اُن کے والد کی ہمت اور جواں مردی کے لحاظ سے بہت کچھ عزت و توقیر کی اور اِن کو اپنے مصاحبوں میں شریک کر لیا۔ نیو نز نے جو ہنود کی روایت نقل کی ہے اُس میں اور ابنِ بطوطہ کے بیان میں دو امور میں اختلاف ہے۔ ہندوؤں کا کہنا یہ ہے کہ بادشاہ نے صرف بہ طمعِ زر یہ حملہ کیا تھا لیکن مسلمانوں کا بیان ہے کہ صرف باغی کا تعاقب محرک تھا۔ ہندو کہتے ہیں کہ راے کے خاندان میں سے ایک متنفس بھی آگ کے جلنے سے نہ بچا تھا اور ابنِ بطوطہ برخلاف اِس کے راے کے گیارہ لڑکوں کا زندہ گرفتار ہونا کہتا ہے۔ دونوں واقعہ نگاروں نے ایک ہی واقعے کو دو مختلف پیرایوں سے لکھا ہے ممکن ہے کہ راے کے گیارہ لڑکوں نے چوں کہ اِسلام قبول کر لیا تھا اہلِ ہنود کے نزدیک وہ مردہ تصور کر لیے گئے ہوں +

محمد تغلق کے بھتیجے بہار الدین کی گرفتاری اور موت

آنا گُندی کی فتح کے بعد سلطان نے بہار الدین کا تعاقب کیا اور بالآخر اُسے جہاں وہ پناہ گزیں تھا جا پکڑا وہاں کے راجہ نے بھی مصلحت نہ دیکھی کہ کچھ پس و پیش کرے اور بہار الدین کو حوالے کر دیا۔ نیو نز لکھتا ہے کہ "بادشاہ نے پہلے تو اُسے زنانے میں بھجوایا جہاں سب نے اُسے لعنت ملامت کی اور اُس کے مُنہ پر تھُوکا۔ تب بادشاہ نے زندہ کی کھال کھچوائی اور اُس کے گوشت میں چاول ڈال کر پکوائے اور تھوڑا سا اُس کے بیوی بچّوں کو بھیج دیا باقی ہاتھیوں کے کونڈوں میں ڈلوا دیا لیکن ہاتھیوں نے سُونگھ کر چھوڑ دیا بادشاہ نے کھال میں بھُس بھروا کر غیاث الدین بہادر شاہ بنگالے کے پاس رکھوا دیا تاکہ مُلک کے سارے لوگ دیکھیں اور عبرت پکڑیں"۔

ملک نائب بطور گورنر آنا گُندی اور مُلک کی بدامنی

۱۳۳۴ء میں آنا گُندی کے فتح ہونے کے بعد بادشاہ نے ملک نائب کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور خود مراجعت کی۔ بادشاہ کے جاتے ہی پھر مُلک میں بدامنی پھیل گئی +

ہریہر دیو راؤ آناگندی کا راجہ بنایا گیا

چند روز کے بعد سلطان نے دیو راؤ وزیرِ سابق ہی کو وہاں کا حاکم مقرّر کر دیا جس نے سات سال سلطنت کی +

شہرِ بیجانگر کی بنا ۱۳۳۶ء

ایک دن کا ذکر ہی کہ دیو راؤ شکاری کتّوں کے ساتھ شکار کو نکلا تھا اور دریاے تُنگ بھدرا کے جنوبی کنارے پر پہاڑوں میں شکار کھیل رہا تھا کہ ایک خرگوش نکلا کتّوں نے اُس کا پیچھا کیا مگر تعجّب تو یہ ہی کہ خرگوش ہی نے اُلٹا کتّوں پر حملہ کر کے زخمی[1] کیا۔ راے کو خرگوش کی اِس غیر معمولی جرأت پر تعجّب ہوا اور اِسی سوچ میں سرگرداں واپس آ رہا تھا کہ دریا کے کنارے پر ایک بُزرگ سنیاسی مادھواچاری نامی سے ملاقات ہوئی جس کا عرف ودیارانیا یعنی علم کا جنگل تھا۔ اُس نے راے کو صلاح دی کہ ایسے مقام پر جہاں کے جانور ایسے جری ہیں ایک شہر بنانا چاہیئے راے نے سنیاسی کے کہنے پر عمل کیا اور اُسی دن سے شہر کی تعمیر شروع ہو گئی اور شہر کی فصیل بنائی گئی فصیل طیار ہوتے ہی راجہ نے آناگندی چھوڑ کر اِسی شہر میں اپنی سکونت اختیار کی اور اُس کے ساتھ ہی ساتھ شہر کی آبادی بڑھتی چلی اور سنیاسی کی مناسبت سے اِس شہر کا نام ودّیا[2] جنا رکھا گیا اور یوں ۱۳۳۶ء میں اِس شہر کی بُنیاد پڑی جو آگے چل کر اِس قدر مشہور اور عظیم الشّان شہر ہو گیا +

ہمپی کے دیول کی بنا

راے نے سنیاسی کے نام پر ایک بہت بڑا مندر شہر میں بنایا اور یہ دیول اب تک دریا کے کنارے واقع ہی جو بہت عظیم الشّان ہی اور ہمپی کے دیول کے نام سے مشہور ہی کیونکہ اِسی نام کا ایک چھوٹا گاؤں دیول کے پاس بسا ہوا ہی۔ اِسی جگہ قریب میں پہاڑ پر ایک اَور قدیم چھوٹا سا دیول ہی جو جینیوں کے مابعد زمانے کے بنائے ہوئے مندروں کے نزدیک ہی اِس دیول کی دیواریں اور چھت سب پتھر کی ہیں طرزِ عمارت سے معلوم ہوتا ہی کہ اِس قلعے میں جس قدر دیول ہیں اُن سب میں یہ بہت

---

[1] اِسی قسم کی روایت بہت سی نئی سلطنتوں اور نئے شہروں کی بنا کے متعلق مشہور ہی ۱۲

[2] بیجانگر کی وجہِ تسمیہ اکثر یہی بیان کی جاتی ہی لیکن یہ صحیح نہیں ہی۔ دیجانگر کا نام شہرِ فتح و ظفر تھا نہ کہ شہرِ علم کیوں کہ جایا نگر نام تھا نہ کہ ودیانگر۔ ودّیا جنا غالباً ودّیا ارجنا تھا ۱۲

پُرانا ہے لیکن اِس کی تعمیر کی صحیح تاریخ کا پتہ نہیں چلتا۔ اِس کی وضع قطع سے تو ساتویں صدی کا بنایا ہوا معلوم ہوتا ہے اور ایسے سنیاسیوں کے رہنے کا مقام تھا جو جنگل اور تنہائی میں یادِ خدا کیا کرتے ہیں اور فی الواقع عبادت کے لیے اِس سے بہتر کوئی مقام نہیں ہو سکتا جہاں سوائے نیچر کے پُرفضا نظاروں کے اَور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اب یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اُس زمانے میں کون رشی یہاں رہتا تھا بعض کہتے ہیں کہ مادھوا چاری ہی رہتا تھا بعض کہتے ہیں کہ وہ سرنگری میں رہتا تھا اور یہاں کوئی اَور رہا کرتا تھا +

شہر بیجانگر کی بنا کے متعلق مختلف روایات

ویجانگر کی بنا کے متعلق اَور بھی مختلف روایتیں ہیں -

(۱) اس زمانے میں دو بھائی تھے بکّا اور ہریہر۔ دونوں راجۂ ورنگل کے پاس نوکر تھے جب ۱۳۲۳ء میں وہ سلطنت مسلمانوں کے ہاتھ سے تباہ ہوئی تو یہ دونوں بھائی چند سواروں کے ساتھ بھاگ کر آناگُندی آئے اِن کے ساتھ برہمن مادھو (جس کا دوسرا نام مادھواچاری ودّیا رانیا تھا) بھی تھا اور نہیں معلوم کس طرح اس حصۂ ملک کے راجہ بن گئے اور اُنھوں ہی نے اِس شہر کو آباد کیا -

(۲) مسلمانوں نے جب پہلی دفعہ ۱۳۰۹ء میں ورنگل کو فتح کیا تو اُن کے ہاں دو بھائی ملازم تھے ملک کافور نے جب ۱۳۱۰ء میں ہوئیسالا بلّالا پر لشکر کشی کی تو یہ دونوں بھائی بھی اُس کے ساتھ تھے دوارا سمدرم دار السلطنت کو مسلمانوں نے فتح کر لیا لیکن لشکر کے اُس حصّے نے جس پر یہ دونوں بھائی تھے شکست کھائی اور وہ آناگُندی کے کوہستانی حصّے میں بھاگ گئے۔ یہاں اِن کو مقدس مادھو ملا جو تارک الدنیا تھا اور اِسی کی مدد سے اِنھوں نے شہر بیجانگر کی بنا ڈالی -

(۳) دونوں بھائی کسی خاص وجہ سے ورنگل سے بھاگ کر آناگُندی چلے آئے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ پہلے پہل تو اُنھوں نے مسلمانوں کی نوکری کر لی لیکن بعد میں اپنے مذہبی جوش کی وجہ سے چھوڑ چھاڑ آناگُندی آ گئے +

(۴) سنیاسی مادھو کو ایک پوشیدہ خزانہ مل گیا تھا اور اِسی نے اس شہر کو بسایا تھا اور خود ہی حکومت کرتا رہا اور اپنے انتقال کے وقت کروبا کے خاندان کے لیے سلطنت چھوڑ گیا جنھوں نے ایک جدید خاندان کی بنیاد ڈالی +

(۵) کوٹو نے لکھا ہے کہ اِس شہر کی بنا ۱۲۲۰ء میں پڑی اور یوں سلسلۂ واقعات لکھتا ہے کہ جب مادھو پہاڑوں اور جنگلوں میں فقیرانہ زندگی بسر کرتا تھا تو ایک غریب گڈریئے کا لڑکا بکّا نامی اُس کو دُدّی پہونچایا کرتا تھا۔ ایک دن اُس برہمن نے اِس چھوکرے سے کہا کہ " تو تمام ہندوستان کا بادشاہ ہو جائے گا "، جب یہ خبر دوسرے گڈریوں کو معلوم ہوئی تو وہ اُس کی تعظیم کرنے لگے اور اُس کو اپنے گروہ کا سردار بنا لیا اور رفتہ رفتہ راجہ کہلانے لگا اور ساتھی ساتھ اُس نے اطراف و جوانب کے پانچ مُلکوں پر بھی قبضہ کر لیا یعنی کرناٹک۔ تلنگانہ۔ کنگوئی۔ وَروُ (کنجیورم انگاپٹاؤ (تنگا پاٹم) اور اپنا ملک جو بڑگاس کہلاتا تھا اور اِس طرح وہ راجہ بن گیا اور بکّا راؤ کہلانے لگا۔ اِس پر دہلی کے بادشاہ نے چڑھائی کی لیکن بادشاہ کو شکست ہوئی اور واپس گیا تب بکّا راؤ نے ایک نیا شہر بسایا جس کا نام اُس نے " وساجا نگر "، رکھا جو آگے چل کر بگڑ بگڑا کر " بسنگا " کہلانے لگا اور پھر وہاں کے لوگ تمام ملک کو بسنگا کہنے لگے اور بعض کرناٹک بھی کہتے تھے۔

(۶) بکّا اور ہر یہر دونوں ہوئیسالا بلّالا کے خراج گزار علاقے دار تھے۔ اُسی سیّاح نکیٹین نے جو ۱۴۲۰ء میں ہندوستان میں آیا تھا لکھا ہے کہ یہ دونوں بھائی قدیم خاندان " کدمبا بنواسی " کے تھے چنانچہ " ہندو راجہ کدم " کے نام سے لکھا ہے جو بیجانگر میں رہتے تھے۔

(۷) بکانن صاحب نے اپنی کتاب " حالاتِ میسور " جلد سوم صفحہ (۱۱۰) میں لکھا ہے کہ جب وہ ملک میسور میں بیدور مقام پر ۱۸۰۱ء میں گئے تو اُن کو رامپّا واریکا نے ایک سنسکرت کی کتاب دکھلائی جس کا نام ودّیارانیا رسکا تھا۔ اُس میں لکھا تھا کہ ویجانگر کے بانی ہکّا اور بکّا تھے جو پرتاب رُدر راجہ ورنگل کے خزانچی تھے۔ یہ دونوں بھائی ایک گُرو کے پاس گئے جس کا نام ودّیارانیا تھا اور جو سرنگیری کا جگت گُرو تھا اُس نے اِن کے واسطے یہ شہر بنا دیا۔ یہ واقعہ ۱۳۳۶ء میں ہوا اور ہکّا پہلا راجہ ہوا لیکن اس سے یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک نئے ملک میں ایک نئی حکومت اُن کو جو کہ ورنگل سے بھاگے ہوئے تھے اور ورنگل مُسلمانوں کے قبضے میں بھی آچکا تھا کیوں کر مل گئی اور پھر اس طرح جھٹ پٹ ایک نئے شہر کی بِنا کیسے پڑ گئی۔ اِن سب سے معتبر اور قابلِ وثوق روایت جس کی تائید تاریخ سے بھی ہوتی ہے یہ ہے کہ کروبا ذات کے دو ہندو بھائی تھے جو اپنے مذہب کے بڑے پابند تھے

بادشاہِ ورنگل کے مُلازم تھے۔ جب ۱۳۲۳ء میں ورنگل تباہ ہوا اور وہاں کی سلطنت ٹوٹی تو یہ دونوں بھائی بھاگ کر آناگُندی آئے اور یہاں اُنھوں نے نوکری کرلی۔ دونوں بھائیوں کو ورنگل کی ریاست کی تباہی کا قلق تھا اور مُسلمانوں کی جا برانہ فتح کی چوٹ اُن کے دلوں پر تھی۔ اِن دونوں نے عہد کرلیا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے مُلک اور اپنے مذہب کی حمایت کریں۔ دونوں بھائی بڑھتے بڑھتے آناگُندی میں وزیر اور خزانچی کے عہدوں پر پہونچ گئے ۱۳۲۴ء میں راجہ نے بہاءالدین کو پناہ دی جس پر سُلطان محمّد تغلق نے حملہ کیا آناگندی فتح ہوگئی۔ بادشاہ نے مَلک نبی کو اپنا نائب مقرّر کیا لیکن مُلک سنبھل نہ سکا۔ بدامنی پھیلتی گئی۔ آخرکار بادشاہ نے مُلک پھر ہندوؤں کو واپس دے دیا اور اِن دونوں بھائیوں میں سے ایک کو راجہ اور دوسرے کو وزیر مقرّر کردیا یہی دونوں ہریہر اوّل اور بکّا اوّل تھے +

باب تیسرا

راجگان خاندانِ اوّل من ابتدائے

سنہ ۱۳۳۶ء تا سنہ ۱۳۷۹ء

مقبوضات کی توسیع شہرِ بیجانگر کی بُنیاد کے پڑنے کے بعد تمام ہندو جن کے قدم مُسلمانوں کے نرغے سے شمالی ہند کی طرف سے اُکھڑ گئے تھے یہاں آکر جمے۔ بیجانگر کے پہلے حکم رانوں کو خطابِ شاہی لینے کی جرأت نہ پڑی نہ برہمنوں نے اُن کو راجہ کا لقب دیا۔ چنانچہ کتبوں میں بھی ہر یہر کو ہریپا "وُدّیا" لکھّا ہی کیوں کہ ہر یہر سے ہریپا زیادہ تعظیم کا نام تھا اور وڈیا کے معنی صرف سردار کے تھے اور خطاب اُس کا مہا منڈلیسور تھا جس کے معنی سنسکرت میں بڑے سردار کے ہیں نہ کہ بادشاہ کے۔ اور یہی حال ہر یہر کے جانشین بکّا کا تھا جیساکہ دو کتبوں میں موجود ہی جن میں ایک کتبہ سنہ ۱۳۵۲ء کا ہی۔ سنہ ۱۳۴۰ء میں ہر یہر اوّل کے تحتِ حکومت بہت بڑا ملک آگیا تھا اور شمالی حد ضلع کلادگی تک وہی راجہ سمجھا جاتا تھا یہ وہی حصۂ ملک ہی جس پر سلطان محمد تغلق نے بھی چڑھائی کی تھی اور جو مال پربھا کے شمال میں واقع ہے یہ صرف زبانی جمع و خرچ نہ تھا بلکہ اس کا بیّن ثبوت یہ ہی کہ اسی سال میں ہر یہر کی اجازت سے یہ مقام بدامی[1]

---

[1] ضلع بیجاپور کا تعلقہ اور سدرن مرہٹہ ریلوے کا اسٹیشن ہی۔ یہاں کے مندر جو جینوں کے زمانے میں سنہ ۶۵۰ء میں بنے تھے مشہور ہیں اس کے علاوہ برہمنوں کے قدیم ترمشہدہ تین غار ہیں جنکے کتبے سے سنہ ۵۷۹ء کے بنے ہوئے معلوم دیتے ہیں۔ نرسنہوا ان کا اوتار۔ (وشنو کی مورت) جو پانچ سروں کے سانپ انتنا پر بیٹھا ہوا ہی اور اسی قسم کی طرح طرح کی مورتیں ہیں۔ ایک غار کے ستونوں پر مردانی اور زنانی تصویریں نہایت خوبصورتی سے تراشی ہوئی ہیں ان میں بڑی صناعی دکھائی گئی ہی۔ اس کے علاوہ (۹) میل کے فاصلے پر ایک بہت بڑا دیول دیوی سری بانا سنکری کا ہی جسکی جاترا ہر سال جنوری کے مہینے میں ہوتی ہے اور بہت لوگ جمع ہوتے ہیں۱۲

ایک قلعہ تعمیر کیا گیا - اور اسی سے معلوم ہوتا ہی کہ خاندان بیجانگر کے پہلے ہی حکمراں نے بلا کسی قسم کی جنگ و لشکر کشی کے چُپ چُپاتے اِس قدر عروج حاصل کر لیا اور اپنے مقبوضات کو بہت بڑی وسعت دی

اِس سلطنت کو ایسی جلدی اور غیر معمولی ترقی ہوئی کہ بکّا نے جو ہریہر دوم کا جانشین ہوا راج دھیراج یعنی شاہِ شاہاں گویا شاہنشاہ کا خطاب لیا +

زمانِ سلطنت ہریہر اوّل

پہلے راجہ ہریہر (جسے دیوراؤ یا دیورایا بھی کہتے تھے) نے سات برس سلطنت کی اور سوائے امن و امان کے کوئی واقعہ اِس کے عہد میں پیش نہیں آیا - اِس نے ملک کو سکون کی حالت میں چھوڑا ۱۳۴۳ء میں اِس کا انتقال ہوا - اِسی نے اُس برہمن سنیاسی کی یادگار میں جس نے اِسے اس عروج پر پہونچایا تھا ہمپی کا عظیم الشان مشہور دیول دریا کے پاس بنوایا جو اب تک اچھی حالت میں ہی اور جہاں اب تک برابر پوجا پاٹ جاری ہی - باقی سارے دیولوں کو مسلمانوں نے ۱۵۶۵ء میں تباہ اور مسمار کر دیا +

مُسلمانوں کی مداخلت کی روک تھام

۱۳۱۴ء میں ورنگل کے راجہ پرتاب رُدرا کے بیٹے کرشنا نے بیجانگر میں آکر پناہ لی اور بہ مشاورتِ راجۂ بیجانگر اور پس ماندگانِ راجہ گان خاندان بلّالا دیور اسمدرم مسلمانوں کو پسپا کیا اور اُن سے جنوبی حصۂ ملک دکن کو چھڑا لیا (اور پھر دہلی کی سلطنت کے نیست و نابود کرنے کے لیئے بندھیاچل پہاڑوں کے جنوبی طرف رستہ صاف کیا -

کہا جاتا ہی کہ ہریہر کے دور میں کسی قسم کی لڑائی نہیں ہوئی لیکن اُس کے مخالف سمجھا دم سے زمانہ ۱۳۵۶ء کا ایک کندہ ایک عطیہ کے متعلق ہی جس میں ہریہر اوّل نے بادشاہ کو شکست دینے کا تذکرہ کیا ہی - سلطان محمد تغلق نے جو اِس ملک کا قبضہ چھوڑ دیا تھا غالباً یہ اُسی کی طرف اشارہ ہی جس کو شکست سے تعبیر کیا ہی +

زمانۂ سلطنتِ بکّا اوّل

اِس سلسلے کا دوسرا راجہ بکّا اوّل یا بکّا راؤ ہریہر کا بھائی تھا جس نے (۳۶) سال حکومت کی اور اپنے عہد میں تمام ریاست ہائے دکن کو مطیع کر لیا حتّیٰ کہ اُڑیسہ بھی فتح کر لیا - ان فتوحات میں زیادہ خوں ریزی یا جنگ آزمائی نہیں کرنی پڑی - کُل نہیں تو اکثر حصۂ جنوبی ہند کا مسلمانوں کی خود مختاری کی وجہ سے اُن کی رعایا

بن کر رہنا پسند نہ کرتا تھا اور اُن کی دلی خواہش تھی کہ ہندوؤں کا راج جو اُن کے ہم مذہب تھے قائم رہے اِس وجہ سے وہ لوگ خود بہ خود بیجانگر کی سلطنت[1] کے تابع ہو گئے ◆

کمپا اور سگم کے حالات

بکا اول نے سنہ ۱۳۸۱ع میں انتقال کیا اُس کا زمانہ سلطنت کتبوں کی رُو سے سن ابتدا سے ۱۳۴۳ع تا ۱۳۷۹ع قرار پاتا ہی اور ہریہر دوم کے زمانے کا پہلا کتبہ سنہ ۱۳۷۹ع[2] کا ہی - کلکٹر صاحب نلور کی کچہری میں تانبے کے پتر پر کندہ کیا ہوا ایک کتبہ رکھا ہوا ہی جس کو مسٹر کشن شاستری نے بغور پڑھا ہی جس سے بکا اول کا (جو ایک جنگ جو آدمی تھا) تخت پر غاصبانہ قبضہ کرنا پایا جاتا ہی - اِس میں یہ بھی درج ہی کہ ہریہر اوّل کا باپ جس کا نام سگم تھا اُس کے پانچ بیٹے تھے - سب سے بڑا خود ہریہر تھا اور فرزند دوم کمپا اور سوم بکا تھا - اب ہم کو دیکھنا یہ ہی کہ ہریہر کا جانشین کون ہوا - بکا کے زمانہ سلطنت کا ایک کتبہ سنہ ۱۳۵۲ع کا موجود ہی لیکن یہ نلور والا کتبہ سنہ ۱۳۵۶ع کا ہی - کتبہ آخر الذکر ایک دور مقام کا ہی جس میں لکھا ہی کہ ہریہر کے بعد کمپا جانشین ہوا اور اُس کے بعد کمپا کا بیٹا سگم دوم جس نے ضلع نلور میں برہمنوں کو ایک گاؤں جاگیر دیا تھا جس کی تاریخ عیسوی سے مطابقت کی جاے تو ۳ رسی سنہ ۱۳۵۵ع ہوتی ہی - اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ سگم اپنے باپ کی جگہ پر اِس گاؤں کے عطا کرنے سے ایک سال پیشتر تخت نشین ہوا تھا اور اِس سے صاف ظاہر ہی کہ کمپا نے ۱۳۴۳ع سے ۱۳۵۵ع تک سلطنت کی - اِس بارے میں اِس سے زیادہ حالات اَور کچھ معلوم نہیں ہوتے سوا اِس کے ایک اَور فرمان بھی ہی جو کمپا یا سگم کے زمانے میں لکھا گیا ہی - مسٹر کشن شاستری نے اِس کا ذکر کیا ہی کہ سائن چاری جو مادھو چاری کا سوتیلا بھائی تھا وہ کمپا پسر سگم کا وزیر تھا اِن بیانات سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہی کہ ہریہر کی جانشینی کے واسطے کچھ جھگڑا پڑا ہوگا اور کسی

---

[1] گتی ضلع اننتاپور مدراس پریزیڈنسی میں ایک قلعہ ہی یہ مقام بیجانگر سے (۷۰) میل جانب مشرق واقع ہی - اور اب مدراس ریلوے کا اسٹیشن ہی - کہا جاتا ہی کہ یہ قلعہ بھی راجہ بکا کا تھا چنانچہ ایک کتبہ بلا تاریخ قلعے کے پاس ایک بلند پہاڑی پر اِسی مضمون کا لگا ہوا ہی ۱۲-

[2] ایک کتبہ ۱۳۶۹ و ۱۳۷۰ع مطابق سکے سنہ ۱۲۹۱ع سال کلاکا کا موجود ہی جس سے اِس زمانے تک مادھو چاری ودّیا رانیا کا زندہ ہونا پایا جاتا ہی ۱۲-

نے کسی طرح سنہ ۱۳۵۴ء میں بکّا بازی لے گیا اور راجہ بن گیا اور پھر اِس بات کا دعویٰ کرنے لگا کہ وہ ہریہر کا جانشین قرار پایا ہے۔ اُس زمانے میں جب ایک راجہ مرجاتا تھا تو دوسرے کی تخت نشینی میں ہمیشہ انقلاب عظیم ہوتا تھا اور کئی کئی سال تک لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں لوگ مارے جاتے تھے اور جس کی چل جاتی تھی وہی آخر کار کامیاب ہوجاتا تھا +

قیامِ سلطنتِ بہمنیہ سنہ ۱۳۴۷ء

اب دیکھنا یہ ہے کہ اِس زمانے میں راجۂ بیجانگر کے جو رودِ کرشنا کے جانبِ شمال حکمراں تھا شاہانِ اسلام سے کیسے تعلقات تھے۔ بکّا کی تخت نشینی کے بعد مُسلمانوں پر ہندوؤں نے لشکرکشی کی۔ تاریخ فرشتہ میں اس جنگ کا حال حسبِ ذیل درج ہے کہ سنہ ۷۴۴ھ میں جو سنہ ۱۳۴۳و۱۳۴۴ء کے مطابق ہے کرشنا نایک فرزند رُدر دیو نایک فرزند راجۂ ورنگل بلال دیو کے پاس گیا اور خواہش کی کہ سب ہندو مل کر لشکر فراہم کریں تاکہ مُسلمانوں کو مُلکِ دکن سے ہٹا دیں۔ دونوں نے اِس رائے سے اتّفاق کیا اور ملکِ تلنگان کے ہنود کو جمع کرکے بکّا نے لشکرکشی کی۔ جنگ شروع ہوئی ورنگل جو اِس زمانے میں مُسلمانوں کے پاس تھا اُن کے قبضے سے نکل گیا۔ عماد الملک مُسلمانوں کا گورنر قلعۂ دولت آباد میں پناہ گزیں ہوا۔ اِن دونوں نے اپنے ساتھ راجہ گان ملیبار اور کنارا کو بھی شامل کرلیا اور سب نے مل کر مُسلمانوں کو مُلکِ دکن سے پس پا کیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ سُلطان محمّد تغلق کے پاس مُلکِ دکن میں سوائے قلعۂ دولت آباد کے اَور کچھ نہ رہا۔ ہندوؤں کی یہ فتح بالکل چند روزہ اور عارضی تھی کیوں کہ مُسلمان دکن سے نیست و نابود نہیں ہوئے تھے بلکہ جابجا موجود تھے۔ اِس جنگ کے بعد ہی ہندو خود بخود رودِ کشنا کے جنوب میں پیچھے ہٹ گئے اور ملک میں طوائف الملوکی اور بدنظمی گھر پکڑ گئی۔ اگرچہ بادشاہِ دہلی کی حکومت مُلکِ دکن سے اُٹھ گئی تھی مگر تین ہی سال کے بعد ۲۴ ربیع الآخر سنہ ۷۴۸ھ مطابق ۳ اگست سنہ ۱۳۴۷ء میں مُلکِ دکن میں بہ مقام گلبرگہ علاء الدین حسن گانگوی بہمنی بادشاہ بن بیٹھا[۱]

---

[۱] دار الخلافت دہلی میں حسن نامی ایک شخص تھا جو گانگوی برہمن منجم کے پاس ملازم تھا یہ منجم شاہزادہ محمد تغلق کا مصاحب تھا حسن بالکل مفلوک الحال تھا تنگیٔ معاش سے عاجز آکر ایک دن اُس نے برہمن مذکور سے درخواست کی کہ میرے واسطے کوئی مشغلہ یا خدمت ایسی نکال دیجیے کہ میں اِس تکلیف سے نجات پاؤں۔ برہمن مذکور نے ایک جوڑی بیل اور دو مزدور اور جوالی دہلی میں ایک کھیت اُس کو دے دیا کہ زراعت کرو اور کھاؤ پیو۔ چوں کہ حسن کی حالت (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

اور اُس سے ایک نئے خاندانِ بہمنیہ کی بنیاد پڑی جنھوں نے تقریباً ایک سو چالیس سال تک سلطنت کی

سلطان علاء الدین کا کرناٹک پر حملہ

اِس کے چند ہی سال کے بعد سلطان علاء الدین نے ملکِ کرناٹک پر ایک کامیاب حملہ کیا اور لشکرِ اسلام کو بہت کچھ لوٹ کا مال ملا لیکن فرشتہ کے خیال میں مسلمانوں کو کامل فتح نصیب نہیں ہوئی تاہم

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷) بہت تباہ تھی اُس نے منظور کر لیا اور قلبہ رانی کرنے لگا۔ ایک دن ہل زمین میں اٹک گیا مزدور نے حسن کو خبر کی حسن نے آکر کھودنا شروع کیا دیکھا تو ہل کا پھل ایک زنجیر میں اٹک گیا تھا۔ بغور دیکھا تو زنجیر ایک برتن کے گلے میں لپٹی ہوئی تھی برتن کو نکالا تو وہ اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا۔ حسن نے اُس برتن کو ایک چادر میں لپیٹ لیا اور رات کے وقت برہمن کے پاس لے جاکر حقیقتِ حال بیان کی برہمن نے اس کی دیانت اور امانت پر آفریں کہی اور علی الصباح اس واقعۂ عجیب کو شاہزادے سے عرض کیا۔ شہزادہ حسن کی کامل دیانت اور علوّ ہمتی سے متعجب ہوا اور اُسے اپنے سامنے بلایا اور اپنے والد بادشاہ غیاث الدین تغلق کو خبر پہونچائی۔ بادشاہ نے بہ مرحمتِ خسروانہ اُس کو اُمرائے سلطنت میں شامل کیا ایک دن برہمن نے حسن سے کہا کہ مجھ کو تمھارے زائچے سے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ تم صاحبِ اقبال ہو اور عن قریب مراتبِ اعلیٰ پر پونچو گے لیکن شرط یہ ہی کہ مجھ سے اس بات کا عہد کرو کہ اگر تم صاحبِ دولت و ثروت ہو جاؤ تو میرے نام کو اپنے نام کا جزو بنا نا تاکہ تمھارے نام کے ساتھ میرا نام بھی مشہور ہو جائے حسن نے اس بات کو قبول کر لیا اور اُسی وقت سے اپنی مُہر میں اپنا نام حسن گانگوی کندہ کرایا۔ ایک روایت یہ بھی ہی کہ ایک دن حضرت شیخ نظام الدین اولیا قدس سرہ نے دہلی میں ایک عام دعوت دی تھی جس میں شہزادہ محمد تغلق بھی حاضر ہوا تھا ختمِ دعوت کے بعد حسن بھی بہ غرضِ شرفِ ملازمتِ حضرت خانقاہ میں حاضر ہوا حضرت نے عالمِ کشف میں احوال دریافت فرمالیا اور ارشاد فرمایا کہ "سلطانے رفت و سلطانے آمد" ابھی اس کی اطلاع بھی حضرت کی خدمت میں نہیں کی گئی تھی کہ آپ نے خادم کو فرمایا کہ ایک شخص جس کے چہرے سے آثارِ شرافت و نجابت ظاہر ہیں دروازے کے باہر کھڑا ہی اُسے بلا لاؤ۔ خادم اُس کو بلانے باہر گیا تو اُس کے ظاہری لباس کی سادگی سے پہچان نہ سکا اور واپس آکر عرض کیا کہ ایسا تو کوئی شخص باہر نہیں ہی۔ شیخ نے ارشاد فرمایا کہ اچھی طرح دیکھو ضرور ہو گا خادم نے عرض کیا کہ ایک مجہول سا شخص بیٹھا ہوا ہی حضرت نے فرمایا کہ اُسی کو بُلا لاؤ کہ بظاہر وہ حقیر ہی اور بہ معنی بادشاہ اُس کے حاضر ہونے کے بعد شیخ نے بہت التفات سے اُسکے حالات پوچھے اور چونکہ دسترخوان اُٹھ چکا تھا حضرت نے افطار کے واسطے ایک نان حجرے کے طاقچے میں رکھی ہوئی تھی اُس کو اپنی انگلی کی پور پر رکھ کر حسن کو دی اور فرمایا کہ یہ چتر شاہی ہی جو مدت دراز اور محنت دیر پا کے بعد تجھ کو دکن میں نصیب ہو گا۔ ۱۲

سلطان مذکور نے جنوبی ساحل دریائے تُنگ بھدرا تک اپنے مقبوضات کو وسعت دی اور قلعہ[۱] ادھونی تک پہونچ گیا +

سلطان علاء الدین کا انتقال اور محمد شاہ کی تخت نشینی ۱۳۵۸ع

سلطان علاء الدین نے (۶۷) سال کی عمر میں ۲ فروری[۲] ۱۳۵۸ع کو اتوار کے دن انتقال کیا اور محمد شاہ تخت نشین ہوا۔ راے بیجانگر نے سلطان علاء الدین کو ایک بیش قیمت لعل نذر دیا تھا جس کو بادشاہ نے اپنے تخت کے شامیانے میں لگایا تھا اور بعض اِس کے برخلاف روایت کرتے ہیں کہ سلطان محمد شاہ نے راجہ کو ایک لعل دیا تھا جو اُس نے اپنے چتر میں لگا لیا تھا۔

محمد شاہ کی ورنگل پر پہلی چڑھائی

محمد شاہ کی اوائل سلطنت میں معلوم ہوا کہ سلاطینِ بہمنیہ کے طلائی اور نقرئی سکّوں کو اہل ہنود بیجانگر اور ورنگل میں بہت گلا رہے ہیں اور بہت سے سوداگروں کو مار بھی ڈالا ہے۔ اسی زمانے میں کنّا اول نے بہ امداد اپنے پُرانے دوست راجہ ورنگل کے بادشاہ سے اُن علاقہ جات کی واپسی چاہی جن پر مُسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا لیکن بادشاہ اِس وقت جنگ کے لیئے طیّار نہ تھا اُس نے ڈیڑھ سال تک راے بیجانگر کے ایلچیوں کو اپنے دربار میں اٹکار رکھا اور

---

[۱] مدراس ریلوے کا سٹیشن ہے دریائے تُنگ بھدرا سے چھبیس ۲۶ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مردم شماری (۱۶۱۴۳۰) روئی کے بیوپار کی بڑی منڈی ہے متعدد روئی کے صاف کرنے اور گٹھے باندھنے کے پیچ ہیں۔ ادھونی کی وسیع جاگیر جس میں بلھاری بھی شامل تھی امیرالاُمرا سید محمد شریف خاں بہادر شجاع الملک بصالت جنگ فرزندِ نجبی نواب میر نظام علی خاں بہادر مغفرت مکاں کے زیر حکومت تھی اب قلعے کا کچھ ٹوٹا پھوٹا حصّہ باقی ہے مگر کوئی کتبے نہیں ہیں مسجد میں ایک ہی پتھر سے تراشی ہوئی زنجیریں دیکھنے کے قابل ہیں ۱۲

[۲] تاریخ فرشتہ میں غرۂ ربیع الاول ۷۵۹ھ تاریخ وفات لکھی ہے لیکن برہان مآثر میں ۷۶۱ھ م ۱۳۵۹ع درج ہے اور مدّتِ سلطنت علاء الدین تیرہ سال دس مہینے ستائیس دن لکھی ہے جس کی رُو سے تاریخ وفات ۲۴ ربیع الاول ۷۶۲ھ م ۳۱ جنوری ۱۳۶۱ع ہوتی ہے جو غلط معلوم ہوتی ہے۔ فرشتہ نے صاف طور پر مدّتِ سلطنت گیارہ سال دو ماہ سات دن لکھی ہے یہی مُرجّح اور صحیح ہے ۱۲

اور راے بیجانگر کی طمانیت کے لیے اپنے ایلچی کو دربار بیجانگر میں بھیج دیا - اس اثنار میں بادشاہ بھی جنگ کے لیے طیار ہو گیا اور ادھر سے بھی جواب ترکی بہ ترکی دیا گیا اور ہنود سے مطالبات کیے گئے - راجہ بجا اور ورنگل دونوں کی افواج مل گئیں اور محمد شاہ نے ورنگل پر چڑھائی کی اور تمام ملک کو دار السلطنت بیجانگر تک تاراج کردیا اور ایک بہت بھاری زرِ خطیر ہرجانہ لے کر مراجعت کی - اس کے بعد تھوڑے دنوں تک مسلمانوں کی طرف سے کچھ چھیڑ چھاڑ نہیں ہوئی لیکن ورنگل پر بادشاہ کا دانت تھا اور ورنگل سے ناکام واپس ہونے کا غبار بادشاہ کو تھا اور وہ راجۂ ورنگل کی طرف سے بے دل تھا +

ورنگل پر محمد شاہ کی دوبارہ چڑھائی اور ناگدیو کا مارا جانا

بادشاہ نے پھر ورنگل کے شہر ولن پٹن[1] پر چڑھائی کی - شہر پر قبضہ کرلیا - باشندگان شہر کو بڑی بے رحمی سے تہ تیغ کیا اور وہاں کے راجہ زادے ونایک[2] دیو کو جسے ناگدیو بھی کہتے تھے گرفتار کرلیا - بادشاہ نے گڑھی کے سامنے لکڑیوں کا بڑا انبار لگانے کا حکم دیا اور آگ جلوائی اور ناگدیو کو اس میں پھنکوا دیا جہاں وہ جل کر بھسم ہو گیا - چند دن آرام لے کر بادشاہ پلٹا - لیکن ہندوؤں کے ایک بہت بڑے لشکر نے اس کا پیچھا کیا اور بہت کچھ کشت و خون ہوا - مسلمانوں کے لشکر کی بہت تباہی ہوئی صرف پندرہ سو آدمیوں کے ساتھ بادشاہ گلبرگہ واپس آیا اور اسی معرکے میں بادشاہ کے بازو پر بھی ایک سخت زخم لگا -

ورنگل پر محمد شاہ کی سہ بارہ چڑھائی

اس کے بعد بھی ہندو نچلے نہ بیٹھے اور بجا راجۂ بیجانگر اور راجۂ ورنگل دونوں نے مل کر بادشاہ دہلی کے پاس اپنا ایلچی روانہ کیا اور درخواست کی کہ اگر آپ پھر دکن پر تسلط کرنے کی غرض سے لشکر کشی فرمائیں تو ہم دونوں آپ کی مدد کو بسر و چشم حاضر ہیں لیکن فیروز[3] شاہ کو اپنے ہی جھگڑوں سے فرصت

---

[1] برہانِ مآثر نے فلام پٹن لکھا ہے ۱۲-

[2] مسٹر رائس نے لکھا ہے کہ کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بجا کے لشکر کے سردار کا نام نٹری گنٹہ ملینا تھہ پسر نٹری گنٹہ ساینا تھا - کتبوں میں سنہ ۵۶-۱۳۵۵ء و سنہ ۵۷-۱۳۵۶ء درج ہیں ۱۲

[3] ملک فیروز باربک سلطان غیاث الدین تغلق کا بھتیجا تھا - سلطان محمد تغلق نے اسے اپنا ولی عہد مقرر کیا (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

نہ تھی اُس نے اِن کی درخواست پر کوئی توجہ نہ کی۔ محمد شاہ یہ خبر سُن کر آگ بگولا ہو گیا اور لشکر جمع کر کے دو حصے کیئے کچھ لشکر ورنگل کی طرف بھیجا اور کچھ گولکنڈہ کو۔ اِس لڑائی میں راجۂ ورنگل کو شکست ہوئی اور بہ مشکل معتدّ بہ خزانہ اور ایک بیش قیمت اور مرصّع تخت جس کی قیمت کا اندازہ چالیس لاکھ روپیہ ہوتا ہے نذر کرنے کے علاوہ قلعۂ گولکنڈہ بھی بادشاہ کو بلا جب کہیں صلح ہوئی۔ آخر کار ورنگل کا قلعہ ۱۴۲۴ء میں فتح ہو گیا اور پوری طرح سلطنتِ بہمنیہ میں شامل کر لیا گیا۔ اور اِس طرح مسلمانوں کا قبضہ دریاے کرشنا کے کنارے کنارے سب مقامات پر سواے ایک تھوڑے سے حصے کے جو مشرقی کنارے کے قریب تھا ہو گیا۔ اب بجّا کی سلطنت اور بیجانگر کا حال سُنیئے۔ ۱۳۶۵ء سے تاریخ بیجانگر میں دلچسپ واقعات شروع ہو جاتے ہیں اور دو صدی تک سلطنتِ ہنود کے حالات کے دریافت کرنے میں کچھ زیادہ دقت پیش نہیں آتی +

بیجانگر کی سب سے پہلی بڑی بھاری لڑائی ۱۳۶۶ء

اوائلِ ۱۳۶۶ء میں سلطان محمد شاہ بہمنی اور بیجانگر کے فرماں رواؤں میں پہلی باقاعدہ لڑائی شروع ہوئی۔ بات تو کچھ ایسی نہ تھی کھانے کے بعد ہنسی مذاق میں لڑائی ٹھن گئی اور ہنسی میں پھنسی ہو گئی جس کا انجام ایسا قتلِ عام ہوا کہ حسبِ بیانِ فرشتہ صرف ہندوؤں کی طرف کے پانچ لاکھ آدمی مارے گئے۔ اِس لڑائی کا چشم دید حال مُلّا داؤد بیدری نے جس کے پاس سلطان محمد شاہ کی مُہر رہا کرتی تھی حسبِ ذیل بیان کیا ہے۔

"ایک روز شام کو جب محمد شاہ بادشاہ محفلِ عیش و نشاط میں مسرور تھا چند قوّالوں نے بادشاہ اور جلسۂ رقص و سرود کی تعریف میں دو شعر امیر خسرو کے گاے۔ بادشاہ اِن اشعار

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۰) اور اپنی رحلت کے وقت یہ شعر پڑھا۔

تو سرسبز باشی بہ شاہنشہی　　　　کہ من کردہ ام سر ز بالیں تہی

اُس نے نوّے برس بلکہ کچھ زیادہ ہی عمر پاکر ۱۳ رمضان ۷۹۰ھ میں قریب قریب چالیس سال سلطنت کر کے انتقال کیا۔ یہ بادشاہ بڑا فاضل و عادل و کریم و رحیم و حلیم و رعایا و سپاہ پرور تھا۔ "وفاتِ فیروز" تاریخِ وفات ہے جس سے ۷۹۰ھ نکلتے ہیں ۱۲۔

کو سُن کر بے انتہا خوش ہوا اور ملک سیف الدین غوری وزیر کو حکم دیا کہ اِن گویّوں کے لیئے جن کی تعداد تین سو تھی راجۂ بیجانگر کے نام ایک برات انعام دینے کے لیئے لکھ دی جائے۔ بہ تعمیل حکم بادشاہ وزیر مذکور نے اُسی وقت حکم تو لکھ دیا لیکن اِس خیال سے کہ بادشاہ اپنی حالت میں نہ تھا روانہ نہیں کیا۔ لیکن بادشاہ اِس بات کو تاڑ گیا اور دوسرے ہی دن وزیر سے پوچھا کہ "تم نے فرمان روانہ کر دیا"؟ وزیر نے عرض کیا کہ "ابھی نہیں"۔ بادشاہ کو اِس عدولِ حکمی پر غصہ آیا اور فرمایا کہ "کیا تُو خیال کرتا ہی کہ کوئی مہمل اور لغو حکم ما بدولت کی زبان سے نکل سکتا ہی؟ ہم نے نشے کی حالت میں حکم نہیں دیا بلکہ جو کچھ ہم نے کہا ہی سمجھ بُوجھ کر ہی کہا ہی"۔ یہ سُنتے ہی وزیر نے فوراً برات پر شاہی مُہر ثبت کر دی اور ایک معتبر قاصد کے ہاتھ اُسی وقت بیجانگر بھیج دی۔ راے بیجانگر کو اپنی حکومت کا نشہ ایسا چڑھا ہوا تھا کہ وہ اپنے آپ کو خود مختار سمجھتا تھا بادشاہ کی اُس کے سامنے کیا حقیقت تھی۔ جو قاصد فرمان لے کر پہونچا تھا اُس کی بڑی تہتک اور فضیحت کی اُسے گدھے پر سوار کر کے تمام شہر بیجانگر میں پھرایا اور تشہیر کی۔ اِس کے بعد قاصد کو نہایت ذلیل کر کے نکلوا دیا۔ اِس کے ساتھ ہی رایا نے افواج اور لشکر جمع کرنے کا حکم دیا اور مملکتِ بہمنیّہ پر چڑھائی کے اِرادے سے نکلا اور تیس ہزار سوار تین ہزار ہاتھی اور نو لاکھ پیدل لے کر قلعۂ ادھونی کے قریب پہونچ گیا اور وہاں ٹھیر کر سلطنتِ بہمنیّہ کے مُلک میں لُوٹ مار کرنے کے لیئے اپنی فوج کو پھیلا دیا۔[۱] اگرچہ یہ موسم بارش کا تھا تاہم راے بیجانگر مُدگل[۲] تک جو رایچور دوآبہ میں

[۱] اب اِس کی حیثیت شہر کی نہیں رہی البتہ ایک بڑا قصبہ ہی۔ سات ہزار کی آبادی ہی۔ قلعہ شکستہ حالت میں موجود ہی۔ قلعۂ مدگل کی تعمیر مسمی مُدتا ریڈی نے کی تھی جو سرکار مدگل کا زمیندار تھا۔ یہ تعمیر یا دمعور اور راجہ کے چھٹے سالِ جلوس میں یعنی سنہ شالی واہن ۱۰۵۲ میں ہوئی تھی جس کو اب ۷۰۹ سال کا عرصہ ہوا۔ اِس کے بعد قلعے کی توسیع اور درستی راجگانِ بیجانگر نے کی تھی ابھی کام اتمام کو نہیں پہونچا تھا کہ سلاطینِ خاندانِ عادل شاہیہ بیجاپور نے اِس قلعے پر قبضہ کر لیا ابھی سلطنتِ بیجاپور کی طرف سے قلعے کی درستی و اصلاح ختم نہیں ہوئی تھی کہ اورنگ زیب نے قبضہ کر لیا۔ اورنگ زیب نے اِس قلعے کے بُرجوں کی تعمیر اپنے متفرق عہدہ داروں کے سپرد کی (بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

ایک بڑا شہر تھا پونہچ گیا۔ رایچور دوآبہ وہ ملک ہی کہ دریاے کرشنا اور تُنگ بھدرا کے درمیان واقع ہی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۲) اور ہر ایک بُرج کو اُن عہدہ داروں کے نام سے موسوم کیا۔ بیجانگر کے راجہ کے زمانے میں قلعہ مُدگل کا زمیندار بسپّا نایک تھا جس کے پاس ہزار سوار اور دس ہزار پیدل اور پچاس ہاتھی رہتے تھے اور وہ راجۂ بیجانگر کو سالانہ ڈیڑھ لاکھ پیگوڈا خراج دیتا تھا۔ ایک پیگوڈا ساڑھے تین روپے کے مساوی ہی۔

۱۲۴۹ء و ۱۲۵۰ء میں مُدگل دیوگیری کے یادھو راجگان کے صوبے کا مستقر تھا۔ راجگانِ یادھو کے بعد مُدگل پر راجگان ورنگل نے قبضہ کیا۔ چودھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں یہ وہ زمانہ ہی جب کہ سلطان محمد تغلق کے صوبہ دار نے ملکِ دکن کو لوٹا اور اپنی سلطنت قائم کی اِس زمانے میں یہ عالی شان قلعہ سلطنتِ بہمنیہ کا ایک سرحدی قلعہ قرار پایا اور یہاں بہت سی فوج رہتی تھی۔ پھر عادل شاہیوں کا قبضہ رہا ۱۶۹۱ء کے قریب ایک صدی تک مُدگل میر کلاں خاں نواب کلیانی کی جاگیر رہا بعد ازاں اُن کو ایک فرزند امتیاز الدولہ پیدا ہونے سے پرگنہ مُسکی دُودھ دہی میں جاگیر دیا گیا اور اُن کے فرزند امتیاز الدولہ کی جاگیر رہا ۱۶۸۶ء میں سلطنتِ بیجاپور پر اورنگ زیب نے قبضہ کیا ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کا انتقال ہوا ۱۷۰۷ء سے ۱۷۲۳ء تک سلطنتِ دکن بہادر شاہ۔ جہاں دار شاہ۔ فرخ سیر۔ محمد شاہ کے قبضے میں رہی۔ محمد شاہ کی سلطنت کے زمانے میں بہ تاریخ ۳۱ ر اکتوبر ۱۷۲۳ء نظام الملک آصف جاہ صوبہ داریِ دکن پر واپس ہوے اور اُس زمانے سے آج تک بفضلِ خدا سلطنتِ آصفیہ قائم ہی جس کے مالک وقت اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی متعالی مدظلہ العالی نواب میر محبوب علی خاں بہادر نظام الملک آصف جاہ خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ ہیں۔

بروے عہد نامہ ۲۱ ر مئی ۱۸۵۳ء فی مابین آنریبل دی انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب نظام الملک آصف جاہ بہادر ملک دوآبہ رایچور واسطے ادائے تنخواہ جمعیت کنٹنجنٹ کرنل لو صاحب بہادر رزیڈنٹ سرکار عظمت مدار کے سپرد ہوا جس میں مُدگل بھی شامل تھا۔

بروے ضمیمہ عہد نامہ فی مابین ہز مجسٹی کوئین وکٹوریا و ہز ہائنس نواب افضل الدولہ نظام الملک آصف جاہ بہادر مورخہ ۲۶ ر دسمبر ۱۸۶۰ء بزمانۂ کرنل ڈیوڈسن بہادر رزیڈنٹ حیدرآباد ملکِ دوآبہ سرکارِ عالی کو مسترد ہوا۔

یہاں کے قلعے کی فصیل۔ خندق۔ برج۔ پھاٹک اب تک درست حالت میں ہیں۔ قلعے کے اندر عماراتِ ذیل موجود ہیں

مسجدِ دیندار خاں | یہ مسجد قریب قلعہ دروازۂ دیندار خاں سردار کی بنوائی ہوئی ہی۔ اِس میں وہ عَلَم جو کربلاے معلےٰ سے علی عادل شاہ کی فوج کے ساتھ آے تھے چند روز رکھے گئے تھے اس کے بعد جُدا گانہ عاشور خانہ بنا کر وہاں منتقل کیے گئے اِس مسجد کی دیوار پر کتبۂ ذیل ہی جو ناموزوں ہی۔

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

اور اِس علاقے کی بابت ہندو اور مسلمانوں میں اب سے لے کر آیندہ دو سو برس تک برابر جنگ رہی ہی

	غازیِ آں سلطاں مراتاج و نگیں	کفّار سر نگوں شد قوّت گرفت دیں	
	درعہد ابو المظفر علی عادل شاہ	بنا کرد ایں مسجد دیں دار خاں کمتر درگاہ	

جامع مسجد | بیرونِ فتح دروازہ علی عادل شاہ کی بنائی ہوئی ہی کوئی کتبہ نہیں ہی۔

چاؤڑی | بیرونِ فتح دروازہ - اِس میں تین سو عرب ایک چاؤش کے تحت میں رہتے تھے یہ جمعیت قلعے کی حفاظت پر مامور تھی +

فتح دروازہ | اِس دروازے کا نام "چھپن اِکسی" تھا - علی عادل شاہ چھ مہینے تک قلعۂ مُدگل پر لڑا مگر اندر داخل نہ ہو سکا آخر کار رَمّیا پٹواری کے پوتے سر یتپا نے اپنے زنانے کو قلعہ دکھانے کے لیے اجازت چاہی اور اِس بہانے سے بچاس میانوں میں فی میانہ دو دو آدمی پٹھانوں کو چھپا کر اِس دروازے سے قلعے میں داخل کر دیئے - پٹھانوں نے ساٹھ مشاہیرِ قلعہ کو قتل کر کے دروازہ کھول دیا - بادشاہ بھی اِسی دروازے سے ۱۲ ذی قعدہ ۹۸۰ھ کو داخلِ قلعہ ہوا - اِس لیے اِس کا نام فتح دروازہ رکھا گیا +

فتح بُرج | چوں کہ ۱۲ ذی قعدہ ۹۸۰ھ کو جب بادشاہ (عادل شاہ) قلعے کے اندر داخل ہوا اُس وقت اِس بُرج کی توپوں وغیرہ پر قبضہ ہوا اِس لیئے اِس کا نام فتح بُرج رکھا گیا - جس پر یہ کتبہ ہی -

بنائے بُرجِ فتح جنگ در زمان السلطان العادل الکامل السلطنۃ محمد ابو المظفر شاہ عالی جاہ

عالم پناہ علی عادل شاہ غازی خلّد اللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ۔

درکار کرد کتبہ الفقیر الحقیر دیانت خاں نا غیبت قلعہ مُدگل بتاریخ عشر شہر رجب المرجب سنہ

تسعین و تسعمائۃ المصطفویہ

۹۹۰ھ

حسینی عَلَم کی درگاہ | علی عادل شاہ کی فوج کے آگے وہ عَلَم جو کربلائے معلّٰی سے لائے گئے تھے بجائے نشان کے تھے - جب قلعہ فتح ہو گیا تو باروت کوٹھے میں چند روز وہ علم رکھے گئے بعدہ وہ رائچور مسجد میں رکھے گئے اور بالا خر مُدرنگ دیول اور گرام دیول تک کل دیولوں کو مسمار کر کے عاشور خانہ بنایا وہ عاشور خانہ درگاہِ حسینی عَلَم کے نام سے موسوم ہی اور اب بطورِ جدید اس کی ترمیم ہوئی ہی - محرّم میں بہت دھوم دھام ہوتی ہی اور بہت سی نذر و نیاز چڑھتی ہی اور ایک کمیٹی من جانب سرکار یہاں کے آمد و خرچ کے حساب کے لیئے مقرر ہی -

ڈھگرانی | یہ ایک بہت بڑی وسیع اور عمیق باؤلی ہی جو تالاب معلوم ہوتا ہی - چاروں طرف اُس کے (بقیہ نوٹ برصفحہ آیندہ)

راجہ نے مُدگل پر چڑھائی کی اور بے انتہا سعی و کوشش کی کہ جس کا بیان قوّتِ بشری سے خارج ہی۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۴) سیڑھیاں ہیں یہ بھی قلعے کے ساتھ بنی ہی۔ اِس کا طول ۶۴ فٹ عرض ۱۱۳ فٹ عمق ۴۲ فٹ ہی۔

آثار شریف — شاہانِ بیجاپور نے حسینی عَلَم تو مُدگل میں چھوڑ دیے تھے بعدہ تبرّکات (موے مبارک وغیرہ) بھی یہاں بھیج دیے اُس وقت سے اب تک یہ تبرّکات یہاں موجود ہیں۔ جس عمارت میں یہ تبرّکات رکھے ہیں وہ ایک سنگین پختہ عاشور خانہ ہی اور آثار شریف کے نام سے مشہور ہی۔ ہر دوازدہم ماہِ ربیع الاوّل کو ان تبرّکات کی زیارت کے لیے ایک مجمع کثیر ہوتا ہی۔

باروت کوٹھہ — علی عادل شاہ ثانی کے وقت کا بنا ہوا ہی سنہ ۱۰۹۰ھ میں جب علی عادل شاہ یہاں آیا تو موجودہ باروت کوٹھہ کی عمارت میں ترمیم کرکے حسینی عَلَم جو اُس کے ساتھ آے تھے پہلے یہاں رکھے گئے تھے۔ اب اِس میں سرکاری مدرسہ ہی یہ مکان لداؤ کا ہی۔

علی بُرج — یہ بُرج پہلے کسی نام سے موسوم نہ تھا علی عادل شاہ نے سنہ ۹۸۰ھ میں فتح کرکے اُس کا نام علی بُرج رکھا۔ اِس پر یہ کتبہ ہی جس کے اشعار ناموزوں ہیں اور اِسی بُرج کے پاس "چار محل" نامی ایک جگہ ہی جہاں کسی زمانے میں چار محل ہوں گے اب تو سپاٹ میدان ہی اور زراعت ہوتی ہی البتہ ایک باؤلی قدیم ہی جو چار محل کی باؤلی کہلاتی ہی۔

در ایامیکہ سلطان جہاں دار	سمیّ شیرِ یزداں شیر کردار
باقبال و ظفر و ضربِ شمشیر	گرفت او کوٹ تبکاپور کفّار
زہجرت نہ صد و ہشتاد و دو بود	کمینہ کردم اینجا تیشہ درکار
چو از اقبالِ سلطاں شد مرتّب	الٰہی تا ابد پائندہ اش دار

بکارکرد حکیم

کتبہ متّصل بُرج حوضِ ڈھگرانی

بعہدِ سلطنتِ شاہِ عادل ابراہیم	کہ باد سلطنتش متّصل برستاخیز
بدورِ آصفِ صاحب قراں دلاور خاں	کہ در حکومتِ او شد زمانہ بے ستیز
ز نسلِ شاہِ ولایت بلند مرتبہ	سمیّ احمدِ مرسل شہ سپہ انگیز
بوقتِ سعد و ہمایوں بہ طالعِ مسعود	کہ خور بہ برجِ شرف بود و مشتری ہم تیز
(یہ مصرع پتھر پر کندہ نہیں ہی)	کہ مثلِ آں نہ بود در عراق و در تبریز
نشستہ بودم و از بہرِ فکرِ تاریخش	زغیب ہاتفے آواز داد و گفت کہ خیز

(بقیہ بر صفحۂ آیندہ)

۹۵ ۲ ۶۷

قلعۂ مُدگل میں آٹھ سو جوان جنگی قلعے کے محافظ تھے وہ ہر طور سے مقابلہ کرتے رہے۔ داروغۂ قلعہ

بالاحصار اس کا قدیم نام "دو تاسن بٹا" یعنی گھنٹے کا پہاڑ تھا۔ کسی زمانے میں اس پر گھنٹا بجایا جاتا تھا۔ علی عادل شاہ نے بعد فتح قلعے کے اوپر چڑھ کر دیکھا کہ وہاں ایک فصیل سکے ۵۲۵ اچتر بھانو نام سمچھر کی بنی ہوئی موجود تھی اور ایک بُرج بھی ایسا بلند زیر طیّاری تھا جس پر سے کرشنا ندی کا نظارہ ہو سکے وہ بنتا بنتا ادھورا رہ گیا۔ محمد عادل شاہ نے بالاحصار پر گگن محل بنوایا تھا جس کی اب صرف دیواریں اور کمانیں کھڑی ہیں اس پر جو کتبہ تھا وہ اب خاں صاحب کے باغ میں رکھا ہوا ہے۔ لیکن اشعار غیر موزوں ہیں۔

اللہ ۔ محمد ۔ علی

درزمانِ بادشاہ عادل روے زمیں	خسروآفاق سلطانِ محمد شاہ دیں
بنا کرد محل گگن بازیب بالاے کوہ	کہ در حسن وخوبی نباشد خوباں ازو
محل منوّر کہ از سنگ مرمربستہ	نمایاں زمشرق بہ مغرب چوماہ خجستہ
کوہے کہ ہیچوں کوہ قاف نیست	بلند ونکوتر در آفاق نیست
الٰہی پائیدار ایں صفیں باصفا	بحرمتِ سیدِ کونین مُصطفےٰ
کمینۂ بندہ درگاہ راگوسدو	کہ در مردانگی از شیر برتر است او

ہنومان دیول رائچور دروازے کے پاس ہی دیول کے عقب میں۔ بخط کنٹری ایک کندہ دیوار پر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "خدا سلامت رکھے" مبارک اور عروج کرنے والے سالیواہن سکے ۱۴۸۲ اُردری سمچھر بیساکھ سدھ ۵ (اس لفظ کے معنی سمجھ میں نہیں آتے) راجا جمیع الاوصاف راجۂ راجگاں سب راجوں کا شیر الیا رام کشکیندر کمار کرشنا راج یادھو مہاراج مبارک قدم خدا کا فرماں بردار خدا کے نافرمانوں کا سرکوبی کرنے والا فوج جمع کرنے والا مرد میدان و ننگلیا نایک کا طیّار کرایا ہوا دروازہ سلامت رہے۔

مُل اُکسی دروازے کا کتبہ یہ قلعے کا پہلا دروازہ ہے جو جانب لنگ گو رہی مُل اُکسی کنٹری ہے۔ مُل یعنی خار اور اُکسی دروازۂ کلاں۔ اس دروازے کے پٹوں پر بڑی بڑی کیلیں لگی ہوئی ہیں جو اس غرض سے لگائی جاتی تھیں کہ ہاتھیوں کی ٹکر سے دروازے نہ ٹوٹ سکیں۔ یہ کتبہ کنٹری میں دروازے کے لکڑی کے پٹ پر کندہ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

مُلک نائب سیف الدین غوری کا ایک عزیز تھا وہ بڑا سخت گیر تھا جس کی وجہ سے فوج میں اختلاف پڑ گیا تھا اس آپس کی پھوٹ کی وجہ سے حاسین قلعہ میں دودلی ہوگئی اور قلعہ فتح ہوگیا۔

(ترجمہ عبارت ۵)

"خدا سلامت رکھے سالیو اہن سکے ۱۴۱۲ اُردری سمچھر جیسا کہ سدھ (۵) میں ونگلپا نایک کا بنایا ہوا دروازہ"

اسی دروازے کے دوسرے پٹ پر ایک لوہے کی چادر پر کتبۂ ذیل کندہ کرکے کیلوں سے جڑ دیا گیا ہے۔

درکار کرد غلام مرتضیٰ شاہ یار بیگ بن شاہ سلیمان

غرض نقشیست کز ما یاد ماند — کہ ہستی را نمی بینم بقاے

گرجا یہاں رومن کیتھولک فرقہ سینٹ زیویر کا بہت قدیم گرجا ہے جو ۱۵۴۵ء میں بنا ہے جس کو علی عادل شاہ نے ۱۵۵۵ء میں گرانٹ دیا تھا اور اب سرکارِ عالی نظام سے گرانٹ ملتا ہے اب تک پادری رہتے ہیں جن کے تابع نیچ کی قوم کے لوگ عیسائی ہیں۔

کالی مسجد جو غالباً کلاں مسجد ہوگی بیرونِ قلعہ ابراہیم پور پیٹ میں ہے اور مسجد نظام الدین اولیاء کے نام سے مشہور ہے۔ دروازے کے اندر کے رُخ پر یہ کتبہ ہے۔

ساخت ایں مسجد برائے ثواب	کہ بہ آساں دہد سوال وجواب
شہر سیراں نظام سرخابی	کہ دہد حیدرش ز کوثر آب

سنہ ۹۹۱ھ

کاتب الحروف (نام نہیں پڑھا جاتا)

باؤلی پُرانی پیٹ اس باؤلی میں حسینی عَلَم کو عشرۂ محرم کے دن غسل دے کر رکھ دیتے ہیں یہ باؤلی ونگلپا نایک نے سکے ۱۴۱۲ مطابق سنہ ۹۷۸ھ میں بنائی ہے۔

شاہ پور پیٹ اسے پُرانا پیٹ بھی کہتے ہیں۔ یہ پیٹ یوگلپا نایک نے (جو ریاستِ آناگُندی کا ایک سردار تھا) بنوانا شروع کیا تھا مگر صرف ایک باؤلی ہی بنانے پایا تھا کہ کسی سبب سے ملتوی ہوگیا بعدہ علی عادل شاہ نے اس پیٹ کو بنوایا اور شاہ پور پیٹ نام رکھا۔ ابراہیم پور پیٹ بھی اسی بادشاہ کا بنوایا ہوا ہے۔

جس زمانے میں قلعۂ مُدگل تحتِ حکومتِ سرکارِ انگریزی تھا کئی توپیں قلعے کی لے گئے جو بہت بڑی بڑی تھیں باقی حیدرآباد اور رایچور میں منگالی گئیں اب دو ایک چھوٹے چھوٹے ریکلے (چھوٹی پتلی اور لمبی چھری توپیں) پڑے ہوئے ہیں۔ ۱۲

افواجِ راجہ بیجانگر نے تمامی باشندگانِ شہر زن و مرد حتیٰ کہ بچوں تک کو قتل کر ڈالا۔ صرف ایک مسلمان
کسی کونے میں چھپ گیا تھا رات کو وہ تغیرِ لباس کرکے راجہ کے پیادوں کے ساتھ قلعے کے باہر
نکل آیا۔ اور اُس نے گلبرگہ پہنچ کر اس کشت و خون کی خبر کی۔" محمد شاہ بادشاہ نے جب یہ خبر
سُنی تو آگ بگولا ہو گیا اور حکم دیا کہ جو شخص یہ خبر لایا ہی اُسے بھی فوراً تہ تیغ کیا جاے۔ بادشاہ
نے کہا کہ میں ایسی منحوس اور بزدل صورت کو دیکھ نہیں سکتا جو تمام بہادروں کو مرتے کٹتے دیکھ
کر خود جان بچاکر نکل بھاگا "۔ اُسی دن بماہ جمادی الاوّلیٰ ۷۶۷ھ م ۱۳۶۶ء " بادشاہ نے قسم
کھائی کہ جب تک میں آٹھ سو مسلمانوں کے بدلے ایک لاکھ ہندوؤں کو قتل نہ کروں گا تب تک
تلوار کو نیام نہ کروں گا نہ کشت و خون سے ہاتھ روکوں گا اور لڑائی پر نکل کھڑا ہوا۔ جب رود
کرشنا پر پہونچا تو اُس نے اپنے خالق کی جس نے اُسے رتبۂ شاہی پر پہونچایا تھا مغلظہ قسم کھائی
کہ جب تک میں دریا کو عبور کرکے خداوندِ کریم کی مدد سے لشکرِ کفار کو نیست و نابود نہ کروں اور
جب تک مسلمانانِ مُدگل کے خون کا بدلہ قاتلوں سے لے کر اپنا دل ٹھنڈا نہ کروں مجھے آب
و خور اور نیند حرام ہی۔ اُسی وقت بادشاہ نے اپنے بیٹے مجاہد شاہ کو اپنا جانشین اور ملک
سیف الدین کو نائب السلطنت مقرر کیا۔ بادشاہ نے صرف بیس ہاتھی خاصے کے رکھ لیے
باقی مجاہد شاہ کو دے دیئے اور وصیت کرکے اُسے فوراً گلبرگہ روانہ کر دیا۔ اور اِدھر خود نو ہزار
منتخب اور جرّار سواروں کے ساتھ فوراً کرشنا کے پار اُتر آیا۔ یہ دیکھ کر راے بیجانگر کے ہوش
باختہ ہوگئے اور ایسا گھبرایا کہ اُس نے اپنا تمام خزانہ اور مال و اسباب اور ہاتھیوں کو بیجانگر
روانہ کر دیا اور دل میں ٹھان لی کہ کل صبح تک یا تو لڑائی شروع ہو جاے گی یا میں بھاگ
نکلوں گا جیسا موقع و وقت ہوگا کروں گا۔ رات بھر طوفان رہا اور سخت بارش تھی رستے
میں ہاتھی اور دوسرے مواشی بار برداری کے کیچڑ میں پھنس گئے اور رات بھر میں مشکل سے
چار میل چل سکے۔ محمد شاہ کو غنیم کے آنے کی خبر لگ گئی کہ راتوں رات چلا آرہا ہی اُسی وقت
بادشاہ لشکر کو ویسا ہی چھوڑ چھاڑ گھوڑے پر سوار ہو کر مختصر سی فوج لے چل کھڑا ہوا اور
صبح نہیں ہونے پائی تھی کہ راے بیجانگر کے لشکر میں جا دھمکا۔ اس کے پہونچتے ہی ایسی اُودھم
مچی کہ ہندوؤں کی ساری فوج اپنا کُل سامان و اسباب چھوڑ چھاڑ قلعۂ ادھونی کی طرف

بھاگی۔ تاہم جو لوگ بچ رہے تھے اُن کا قتلِ عام کیا گیا اور ستر ہزار زن و مرد و بچے مارے گئے۔ تحفۃ الصالحین میں لکھا ہی کہ دو ہزار ہاتھی اور تین ہزار توپیں و بنادیق سات سو عربی گھوڑے اور ایک عدد سنگاسن (پالکی) مرصع مالِ غنیمت داخل سرکار ہوا۔ باقی لوٹ اُمرا اور لشکریوں کو ملی۔ محمد شاہ نے ساری گرمیاں اور کچھ دن موسم برسات کے مُدگل ہی میں بسر کیے اور جب خان محمد خاں فوج کی مدد دارالسلطنت سے لے کر پہونچ گیا تو بادشاہ قلعۂ ادھونی کی طرف روانہ ہوا۔ راے بیجانگر اپنے علاقے میں دریاے تُنگ بھدرا پار ہو کر قلعۂ ادھونی کے باہر مُقیم تھا اور قلعے کی سپہ سالاری اپنے بھانجے کو دے کر اپنے علاقے میں واپس آکر خود یہاں ٹھیر کر بہت بڑی فوج جمع کرلی اور بیجانگر سے ہاتھی اور تمام سامان و لوازم شاہی منگوا لیے۔ بادشاہ نے محمد خاں کی صلاح سے تسخیرِ قلعہ کا ارادہ چندے ملتوی کیا اور اپنے تمام قلعوں اور ممالکِ محروسہ میں فرامین بھیج کر توپیں اور بندوقیں منگوالیں اور ایک کارخانہ آتش بازی کا کہ جس کا رواج اِس سے پیشتر دکن میں جاری نہ تھا طیار کرا کے مقرب خاں سیستانی کو جو اُمراے معتمد سے تھا تفویض کیا اور تمام رومیوں اور فرنگیوں کو جو ملازم بادشاہی تھے اُس کی ماتحتی میں دے دیا اور اِس طرح ایک عظیم الشان توپ خانہ طیار کیا گیا۔ بادشاہ تھوڑے عرصے میں دریاے تُنگ بھدرا کے پار ہو کر سلطنتِ بیجانگر میں داخل ہو گیا یہ پہلا موقع تھا کہ ریاست بیجانگر پر ایک مسلمان بادشاہ نے بالذات چڑھائی کی تھی۔ فرشتہ کا یہ قول اِس وجہ سے صحیح ہی کہ بادشاہِ دہلی نے جب آناگُندی پر حملہ کیا تو وہ دریاے تُنگ بھدرا کے اِسی پار تھا۔ تاریخ فرشتہ میں راجۂ بیجانگر کا نام کشن راے لکھا ہی لیکن اُس کا اصلی نام بکا تھا۔ چوں کہ تاریخ فرشتہ اِن واقعات کے دو سو برس کے بعد لکھی گئی ہی اکثر جگہ ہندو راجاؤں کے ناموں میں مغالطہ ہو گیا ہی۔ محمد شاہ نے یہاں سے ادھونی کی راہ لی جو دریاے تُنگ بھدرا سے تخمیناً پچیس میل کے فاصلے پر واقع ہی اور قصبۂ مُدگُنیہ[1] کے قریب کسی مقام سے دریا پار ہوا۔ کیوں کہ اِس مقام پر دریا کی سطح پہاڑی ہی اور ہر موسم میں پانی کم رہتا ہی۔ راے بیجانگر اپنی فوج لے کر رستے میں حائل ہوا اور بہ مقام یاکل کوتال ایک وسیع میدان میں جنگ شروع ہوئی۔ مورخ فرشتہ

[1] ضلع بلھاری میں ایک قصبہ ہی ۱۲۔

نے اس جنگ کا حال یوں لکھا ہی کہ "راے کشن راے (بجا) کو جب یہ خبر پونہچی کہ محمد شاہ دریا کے پار اُتر آیا ہی تو اُس نے اپنے دربار کے تمام اُمرا کو جمع کر کے صلاح مشورہ کیا کہ لشکرِ اسلام کو روکنے کی سب سے بہتر تدبیر کیا ہی۔ سب نے متفق ہو کر یہ صلاح دی کہ بھوج مل جو راے بیجانگر کا رشتہ دار تھا اس جنگ کا سپہ سالار مقرر کیا جاے۔ بھوج مل اِس غیر معمولی عزّت و افتخار سے پھول گیا اور بڑے گھمنڈ سے عرض کی کہ "مہاراج کا کیا حکم ہوتا ہی آیا بادشاہ کو زندہ قید کر کے حاضر کروں یا اُس کا سر کاٹ کر نیزے پر لگا کر لاؤں؟" کشن راے نے جواب دیا کہ "زندہ دشمن تو ہر حال میں خطرناک ہی بہتر تو یہ ہی کہ جب تم اُس کو پکڑ لو تو اُسی وقت مار ڈالو" یہ سُنتے ہی بھوج مل چالیس ہزار سوار اور پانچ لاکھ پیدل لے کر محمد شاہ کے مقابلے کو چلا۔ بھوج مل نے برہمنوں کو تاکید کر دی تھی کہ وہ روزانہ لشکر میں مسلمانوں کے مظالم کا بیان کیا کریں جو وہ ہنود کے ساتھ آے دن کرتے رہتے ہیں تاکہ اُن کے دلوں میں جوشِ مذہبی مَوج زن ہو۔ اتنا اشارہ پانا تھا کہ برہمنوں نے اِس قسم کے وعظ شروع کیے کہ "دیکھو بھائیو یہ مسلمان ہماری مقدس گئو ماتا کو کس بے رحمی اور سفاکی سے ذبح کرتے اور اُس کا گوشت کھاتے ہیں۔ ہمارے مذہبی متبرک عبادت خانوں کو جب موقع ملتا ہی جڑ بُنیاد سے ڈھا دیتے ہیں۔ ہماری متبرک دیوتاؤں کی مورتوں کو توڑ پھوڑ کر نیست و نابود کرتے اور طرح طرح کی بے ادبی کرتے ہیں اور اُن کی تذلیل کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے۔ غرض مسلمان ہمارے جانی دشمن ہیں اُن کا مار ڈالنا ہمارے واسطے دُنیا اور دین دونوں کی بہبودی اور نجات ابدی کا باعث ہی۔ جہاں تک ممکن ہو اِن کا تخم باقی نہ چھوڑیں" ایسے وعظوں سے لامحالہ ہندوؤں کے دِلوں میں تازہ جوش پیدا ہو گیا اور مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ محمد شاہ کو جب خبر ملی کہ غنیم کی فوج پندرہ کوس کے فاصلے پر آن پونہچی ہی تو اُس نے اپنے سپہ سالار خان محمد کو افواج کے جمع کرنے کا حکم دیا جن کی تعداد پندرہ ہزار سوار اور پچاس ہزار پیدل تھی۔ دس ہزار سوار اور تیس ہزار پیدل اور توپ خانے لے کر خان محمد آگے بڑھا۔ ۱۴ ذی قعدہ ۷۶۷ھ یوم پنجشنبہ مطابق ۲۳ جولائی ۱۳۶۶ء کو اسلام اور ہنود کے لشکر کا مُقابلہ ہوا صبح سویرے سے دِن ڈھلے تک دونوں فوجیں آپس میں گُتھی رہیں گویا سمندر کی دو بڑی مہیب موجیں

آپس میں ٹکرا رہی تھیں اور جانبین کے بے شمار آدمی مارے گئے۔ موسیٰ خاں اور عیسیٰ خاں جو میمنہ اور میسرہ کی کمان پر تھے دونوں ضرب بندوق سے شہید ہوئے اور اُن کی فوجیں منتشر ہو گئیں اور قریب تھا کہ شاہی لشکر میں اِس صدمے سے بھاگڑ پڑ جائے کہ عین ایسے وقت پر بادشاہ خود تین ہزار تازہ دم سوار لے کر میدانِ جنگ میں پہنچ گیا۔ بادشاہ کو دیکھ کر خان محمد کی ہمت بندھی اور منتشر شدہ فوج میں جان آگئی پھر سب نے سمٹ کر حملہ کیا۔ مقرب خاں توپ خانہ لے کر بڑی بہادری سے آگے بڑھا اور دشمنوں کے سوار اور پیدلوں میں ایک تہلکہ ڈال دیا خان محمد خاں نے اپنے ہاں کے چیدہ بہادروں کو اُس کی مدد کو دیا۔ اِس لشکر نے ایسی سرعت سے دھاوا کیا کہ ہندوؤں کی فوج کو اتنی مہلت نہ ملی کہ وہ اپنی توپوں سے کام لے سکتے بلکہ دست بدست تلوار اور خنجروں سے لڑائی ہونے لگی۔

چکا چاک خنجر ز میدانِ کیں
ہفتم فلک شد ز روے زمیں

اِس معرکے میں خان محمد خاں کا ہاتھی جس کا نام شیر شکار تھا بگڑ گیا اور مہاوت کے حکم میں نہ رہا بلکہ ایک دم دشمنوں کے لشکر کے قلب میں گھس گیا۔ بھوج مل کے ہاتھیوں نے اس کو روکا اور مہاوت مارا گیا۔ خان محمد خاں نے جب یہ دیکھا کہ ہاتھی بدل گیا ہے تو وہ پانچ ہزار سوار لے کر دشمنوں پر جا پڑا۔ طرفہ ماجرا یہ ہے کہ "شیر شکار" ہاتھی فیل بان کے مارے جانے سے خالی رہ گیا لیکن جوں ہی اُس نے خان محمد خان کو دیکھا دشمن کی فوج کی طرف سیدھا ہو لیا اور دشمنوں کی صفوں کو برہم کر دیا۔ غرض ہندوؤں کے لشکر میں ایک ہل چل پڑ گئی۔ بھوج مل کو ایک کاری زخم لگا اور وہ بھاگا اُس کے ساتھ ہی ساری فوج میں بھاگڑ پڑ گئی اور جب ہندوؤں کی فوج نے دیکھا کہ اُن کا سردار بھاگ گیا اور قلب لشکر کے پاؤں اُکھڑ گئے تو باقی ماندہ فوج تتر بتر ہو گئی۔ ابھی مسلمانوں کی تلواریں نیام نہیں کی گئی تھیں اور قتلِ عام ہو ہی رہا تھا کہ چترِ شاہی نظر آیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ہاں کفار کے قتل میں ڈھیل نہ ہو۔ پھر کیا دیکھنا تھا ایسا کُشت و خون ہوا کہ الاماں الاماں حاملہ عورتیں اور دودھ پیتے بچے بھی تلوار سے بچ نہ سکے۔ محمد شاہ میدانِ جنگ میں ایک ہفتہ مقیم رہا اور

اِس فتح کی خبر دارالسلطنت کو روانہ کی۔ بادشاہ کا غصہ ابھی فرو نہ ہوا تھا جو اُس نے قسم کھائی تھی اُس کے پورا کرنے کے لیئے پھر وہ کشن راے کی فوج کی طرف بڑھا۔ کشن رلے بادشاہ کے حملے کی خبر سُن کر باوجودے کہ اب بھی اُس کے پاس بہت سا لشکر تھا گھبرا کر بھاگا اور پہاڑوں اور جنگلوں میں جا چھُپا لیکن بادشاہ نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا اور جہاں جہاں وہ گیا بادشاہ اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اِسی طرح برابر تین مہینے تک آگے آگے راجہ اور پیچھے پیچھے بادشاہ رہا اور جس مقام پر سے گزرا وہیں قتلِ عام کرتا چلا گیا۔ بالآخر راجہ کو دباتا ہوا شہر بیجانگر کے قریب تک پہُنچ گیا۔ بادشاہ ایک مہینے تک شہر بیجانگر کا محاصرہ کیئے پڑا رہا مگر کوئی باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی البتہ شب میں ہنود کے گروہ لشکر میں آکر چھیڑ چھاڑ کرتے گالیاں دیتے اور چھوٹی موٹی جھڑپ ہو جاتی تھی۔ اِس وقت بادشاہ ایک چال چلا کہ بسترِ بیماری پر پڑ گیا اور اطراف و اکناف میں بادشاہ کی بیماری کی شہرت ہو گئی لیکن اصلی حال سے سواے خان محمد اور مقرب خاں کے کوئی واقف نہ تھا۔ بادشاہ نے حکم واپسی کا دے دیا۔ راے بیجانگر نے جب یہ خبر سنی تو بہت خوش ہوا اور سمجھا کہ مسلمانوں کے پانوں اُکھڑ گئے اور شکست کھا کر بھاگے۔ راجہ تھوڑی فوج لے کر بادشاہ کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ ہر مقام پر روز چھوٹی موٹی جھڑپ ہو جاتی تھی۔ ہندو کہتے تھے کہ بادشاہ تو نیم مردہ ہی ہمارے برہمنوں کی دعا قبول ہو گئی ہم تم میں سے ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے کہ تم اپنے وطن کو واپس جا سکو۔ کوچ کے وقت بادشاہ سنگاسن میں سوار ہو کر اُوپر سے ایک چادر اوڑھ لیتا تھا لشکر کے لوگ بہت پریشان تھے کہ خدا جانے بادشاہ زندہ بھی ہے یا نہیں مگر خان محمد اور مقرب خاں تشفی اور دلاسا دیتے دلاتے منزل بہ منزل کوچ مقام کرتے ہوے آخر دریاے تُنگ بھدرا کے پار ہو کر ایک کھُلے میدان میں بادشاہ کا لشکر اُترا وہاں سے قریب تین چار کوس ہٹ کر راجۂ بیجانگر نے بھی اپنے ڈیرے ڈال دیئے راجۂ بیجانگر نے یہ سمجھا کہ یہ لوگ بھاگم بھاگ واپس چلے جا رہے ہیں مگر بادشاہ کی چال دوسری ہی تھی غنیم کو اس دھوکے سے کھینچ بلایا۔ راجۂ بیجانگر دھوکے میں آن کر بلا طیاری جنگ آن پہُنچا۔ منتر خوب چل گیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ اب اچھا موقع ہے ایک دن اپنے لشکر کے

اطمینانِ خاطر کے لیئے بوقتِ عصر دربارِ عام کیا تھوڑی دیر کے لیئے برآمد ہوا اور ضعف کا عذر کرکے دربار برخاست کر دیا۔ شب میں سب اُمرا کو خلوت میں طلب کیا اور حکم دیا کہ سپاہ کو مسلح اور مستعدِ جنگ کریں اور فلاں مقام پر جا کر اکھٹا کریں اور میرے آنے کے منتظر رہیں اُدھر لشکر میں طیاریاں ہونے لگیں اِدھر بادشاہ لباسِ جنگ زیبِ تن کرکے برابر نصف شب کو سوار ہو کر اُسی جگہ پونہچا جہاں کہ لشکر منتظرِ قدومِ میمنت لزوم کھڑا تھا۔ لشکر کو جا بہ جا مناسب مقامات پر تقسیم کرکے ایسے وقت یکایک شب خون مارا کہ ہندوؤں کے لشکر میں اس بات کا وہم وگمان بھی نہ تھا۔ ہندو خوابِ خرگوش میں تھے وہ اس خیال میں مگن تھے کہ اب مسلمانوں میں دم کیا رہا ہے۔ راے بیجانگر وارکانِ دولت بالکل بے خبر تھے لہو ولعب اور شراب کے نشے میں چور۔ رقص وسرود کی محفل کے مزے لے رہے تھے۔ اُن کو اُس وقت تک کانوں کان خبر نہ ہوئی جب تک مسلمان سر پر نہیں چڑھ آے اور پکڑ دھکڑ اور قتلِ عام کا بازار گرم نہ ہوا اور لشکر میں واویلا اور شور وغل بپا نہ ہوا۔

محمد شاہ کا قتلِ عام راے بیجانگر تو اپنی جان بچا کر بھاگا لیکن اُس کی فوج کے دس ہزار آدمی مارے گئے۔ تب بھی بادشاہ کی آتشِ غضب فرو نہیں ہوئی اور بیجانگر کے اطراف میں چالیس کوس تک تمام بستیوں میں قتلِ عام کیا گیا۔ معتبرین وعمائدینِ شہرِ بیجانگر نے کشن راے کی شوریدہ سری پر ملامت اور سرزنش کی اور کہا کہ تیری حکومت رانی تو ہمارے لیئے بڑی منحوس ہوئی مال وناموس دونوں برباد ہوے اور دس ہزار برہمن قتل ہو گئے رعایا کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ کشن راے نے کہا کہ میں نے کوئی کام تم لوگوں کے بغیر صلاح ومشورہ نہیں کیا ہاں مقدر سے ناچار ہوں یہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

خدا کے ہاتھ ہے فتح وظفر وسلے ای میر
مُقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

اب آیندہ جو تم سب کی صلاح ہو میں حاضر ہوں۔ اُمرا نے کہا کہ جس طرح تمھارے باپ نے مسلمانوں کی جنگ سے دست کشی کرکے علاء الدین سے صلح کر لی تھی تم کو بھی چاہیئے کہ اُن سے مصالحت کر لو۔ کشن راے نے اس بات کو قبول کیا اور اُسی وقت محمد شاہ کے پاس

ایلچی روانہ کیئے اور اپنے کیئے پر بہت ندامت و پشیمانی کا اظہار کرکے خواہان عفوِ تقصیر ہوا مگر بادشاہ نے صاف انکار کر دیا۔ بادشاہ کی خدمت میں جو اُمرا اُس وقت حاضر تھے اُن میں سے ایک شخص کو بادشاہ کے مزاج میں بہت دخل رہتا اُس نے عرض کی کہ حضرت نے قسم کھائی تھی کہ آٹھ سو مسلمانوں کے بدلے ایک لاکھ ہندوؤں کو قتل کروں گا وہ تو بہ اقبالِ خداوندی پوری ہو چکی جہاں پناہ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ روے زمین پر کسی ہندو کا تخم باقی نہ چھوڑوں گا۔ بادشاہ ہنسا اور کہا کہ ہاں تمھارا کہنا سچ ہی ایک لاکھ کیا کئی لاکھ ہندوؤں کا قتل ہو چکا لیکن میں اپنی اُسی بات پر اڑا ہوا ہوں جب تک راے بیجانگر ہمارے حکم کے مطابق قوالوں کو رقم نہ دے گا میں کبھی اُس کی خطا سے درگزر نہ کروں گا نہ اُس کی رعایا کے قتل سے ہاتھ کھینچوں گا۔ اس بات پر بیجانگر کے ایلچی جو راے کی طرف سے پورے مختار و مجاز تھے بخوشی رضامند ہو گئے اور اُسی وقت قوالوں کا روپیہ ادا کر دیا۔ تب محمد شاہ نے کہا "میں نہیں چاہتا کہ میری زبان سے کوئی ایسا لغو وحشو حکم نکلے کہ اُس کی تعمیل نہ ہو سکے اور آگے چل کر میری سبکی ہو اور ہنسی اُڑے الحمد للہ کہ میرا قول پورا ہوا اور میرے حکم کی تعمیل ہوئی" اس میں شک نہیں کہ سخن پروری کی ایسی مثال بادشاہان سابق ولاحق میں دیکھی کیا سُنی بھی نہیں گئی اور ناظرین پر مخفی نہ ہوگا کہ بادشاہ اپنے قول کا کیسا دھنی تھا۔ جان جاے مگر آن بان نہ جاے۔ ذراسی بات کا بتنگڑ بن گیا اور کچھ کا کچھ ہو گیا +

امثالِ ایں غرائب و زیں غریب تر
بسیار کرد دولت ایں شاہ دادگر

ایلچیوں نے بادشاہ کو خوش وقت پاکر عرض کی کہ جہاں پناہ نے ہم غلاموں پر بڑی سرفرازی فرمائی اور عزت و آبرو رکھ لی اگر جان بخشی ہو اور حکم عالی ہو تو دو کلمۂ اخلاص عرض کریں۔ بادشاہ نے کہا اچھا کہو۔ ایلچیوں نے عرض کی کہ کسی مذہب و ملت میں روا نہیں ہی کہ گناہ گار کے عوض کسی بے گناہ کو قتل کیا جاے خصوصاً عورتوں اور بچوں کو۔ اس میں شک نہیں کہ کشن راے نے مسلمانانِ قلعۂ مدگل سے بے جا سلوک کیا جو جیسا کرے ویسا بھرے گا لیکن اس میں ان غریبوں کا کیا قصور ہی؟ بادشاہ نے فرمایا حکمِ قضا و قدر یوں ہی تھا اس میں میرا کچھ اختیار نہ تھا۔

ایلچیوں نے عرض کی کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو بادشاہ ملک دکن بنایا ہی اور آپ کے قرب وجوار میں ملک کرناٹک واقع ہی ہم بھی آپ ہی کے زیر سایہ ہیں ہمارا آپ کا چولی دامن کا ساتھ ہی۔ خدا نے چاہا تو جہاں پناہ اور حضرت کی اولاد و احفاد سالہا سال مدت دراز تک حکمراں رہیں گے اور ہم بھی آپ کے دامن دولت سے وابستہ ہیں ایک کو دوسرے سے سابقہ پڑتا ہی رہتا ہی اب کچھ ایسی صورت ہو کہ طرفین میں امن چین ہو جاے خیر اندیشی وصلاح حال یہی ہی کہ کشت وخون موقوف ہو جاے۔ محمد شاہ اِس واجبی گفتگو سے متاثر ہوا اور کہا کہ میں نے خداے تعالےٰ سے عہد کرلیا ہی کہ آیندہ کبھی فتح کے بعد کسی کو قتل نہ کروں گا اور میرے جانشین بھی اِن شاء اللہ تعالےٰ اسی طریقے پر چلیں گے اور اِس کے بعد چند سال تک البتہ ایسا ہوا بھی کہ لڑائی کے بعد جو زندہ گرفتار ہوے وہ قتل نہیں کیے گئے اور بے سبب قتلِ عام رعایا اور ضعفا کا موقوف رہا مگر پھر دوسرے بادشاہوں نے ہموں آش درکاسہ قتلِ عام شروع کر دیا۔ اِس کے بعد بادشاہ گلبرگہ واپس چلا آیا اور اِس جنگ عظیم الشان کا یوں خاتمہ ہوا۔ اور پھر چند سال تک اِن دونوں میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ فرشتہ نے لکھا ہی کہ محمد شاہ کے عہد میں پانچ لاکھ ہندو مارے گئے اور ملک کرناٹک ایسا تباہ اور ایسا برباد ہوا کہ مدتوں وہ سنبھل نہ سکا اور نہ اُس کی آبادی پہنچی۔

محمد شاہ کا انتقال اور مجاہد شاہ کی تخت نشینی

محمد شاہ نے ۱۹ ذی قعدہ ۷۷۶ھ م ۲۱ اپریل ۱۳۷۵ء کو انتقال کیا اور اُس کا بیٹا مجاہد شاہ جو ملک سیف الدین غوری کا نواسہ تھا۔ اُنیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ مجاہد شاہ نے اپنی تخت نشینی

سلہ برہان مآثر میں ۷۷۵ھ لکھا ہی ۱۱۔

سلہ مجاہد شاہ بڑا قوی ہیکل خوش رو اور سڈول جوان تھا۔ بڑا بہادر اور جری تھا۔ زبان ترکی خوب جانتا تھا۔ اُس کی صحبت ہمیشہ ترکی اور فارسی زباں دانوں کی رہی شمشیر و نیزہ و خنجر و تیر و کمان کا بے انتہا شوق تھا۔ بہمن نامے میں لکھا ہی سہ

زگہوارہ چوں پاے بیروں نہاد		بہ تیر و کماں دست و بازو گشاد	
بسے تند گردن کشش و پیل زور		کہ نشنید گفتن سے کسے وقتِ شور	
چناں بر سر کنگرہ سمے دوید		کہ انگشت حیرت فلک می گزید	

کے چند روز بعد بکا راے کو لکھا کہ چند قلعے اور اضلاع جو درمیانِ رودِ کرشنا اور تنگ بھدرا کے واقع ہیں وہ ہم تم دونوں میں مشترک ہیں جس کی وجہ سے اکثر جھگڑے برپا ہوتے رہتے ہیں تم کو چاہیئے کہ آیندہ اپنی حدود دریاے تنگ بھدرا کو مقرر کر لو۔ سیت بند رامیسور کے اُس طرف تمہارے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶۵) مجاہد شاہ نے بچپنے میں باپ کا خزانہ توڑ کر چند بدرے روپیہ اشرفیوں کے لے جاکر اپنے ہم عمر دوستوں کو بانٹ دیئے تھے خزانچی کو جب خبر ہوئی تو اُس نے سلطان محمد شاہ سے عرض کی۔ بادشاہ اِس جسارت اور بیباکی سے بہت برآشفتہ ہوا اور مبارک تنبول دار خاصے کو بھیجا کر شاہزادے کو بلوایا۔ شاہزادے نے دیکھا تو بادشاہ غصے میں بھرا بیٹھا تھا شاہزادے نے سواے اعترافِ قصور کے چارۂ کار نہ دیکھا۔ بادشاہ نے اُسے خوب چابک مارے اور کوٹھڑی میں ڈال دیئے۔ مجاہد شاہ نے اپنی ماں سے تنبول دار کی شکایت کی اور کہا کہ اگر وہ مجھ سے کہہ دیتا تو میں آپ سے سفارش کراتا اور غصہ فرو ہونے کے بعد بادشاہ کے حضور میں جاتا۔ ماں نے کہا اُس بےچارے کا کیا قصور ہی بادشاہ نے جو تم کو تنبیہ کی وہ بالکل درست اور واجب تھی۔ مجاہد شاہ اُس وقت تو چپ ہو گیا بات گئی گزری ہوئی مبارک سے بھی بظاہر صاف ہو گیا بلکہ اُس سے میل جول بڑھا لیا۔ ایک ہفتے کے بعد آن جان ہو کر ایک جلسے میں مبارک سے پوچھا کہ میں سُنتا ہوں کہ تم بڑے پہلوان ہو اور کُشتی خوب لڑتے ہو اور بڑے بڑے پہلوانوں کو تُم نے پچھاڑ دیا ہی۔ بھلا ہماری تمھاری کُشتی ہو جائیں۔ مبارک کو خبر نہ تھی کہ شاہزادے کے دل میں کینہ ہی دل میں سمجھا کہ میرا اِس کا کیا جوڑ ہی یہ چودہ برس کا لڑکا اور میں تیس سال کا جوان۔ غرض کُشتی بدلی۔ شاہزادے نے اُٹھا کر ایسا پٹکا کہ اُس بےچارے کی گردن ہی ٹوٹ گئی اور تھوڑی دیر میں رخصت ہوا ۱۲۔

سلہ فرشتہ اب تک راجہ بیجانگر کو کشن راے ہی لکھا جاتا ہی بُرہان مآثر میں راجہ کا نام "کپرا" لکھا ہی میجر کنگ نے لکھا ہی کہ صاحب بُرہان مآثر نے نقطے بھی دیئے ہیں اور اِس نام کی نسبت کسی طرح کا شک نہ ہونا لکھا ہی سیول صاحب یہ قیاس دوڑاتے ہیں کہ یہ نام شاید "پکرا" ہو تو ہو جو "بکا شاہ" کے ہم مخرج ہی۔ لیکن راجگان بیجانگر میں سے کسی کا نام "کپرا" تو نہ تھا ۱۲۔

سلہ جزیرۂ شہر رامیسرم زمینداری رام ناد ضلع مدرا صوبۂ مدراس میں واقع ہی یہ شہر گیارہ میل طول میں اور چھ میل عرض میں ہی اور کسی زمانے میں برِ اعظم سے ملا ہوا تھا۔ رامیسرم میں تمام ہندوستان میں ہندوؤں کا سب سے زیادہ متبرک مندر ہی جو بیان کیا جاتا ہی کہ خود رام کا بنایا ہوا ہی اور جب کہ رام چندرجی اپنی بی بی سیتا کی تلاش میں لنکا کی طرف جا رہے تھے جب بنایا ہی اِس مندر کا ذکر متعدد جگہ راماین میں ہی صدہا سال سے تمامی حصۂ ملک ہند کے (بقیہ نوٹ برصفحۂ آیندہ)

علاقے میں رہے اور اس طرف شرقاً و غرباً ہمارے قبضے میں علاوہ اِس کے قلعۂ بنکاپور اور چند دوسرے قلعے و مقامات کو ہمارے تفویض کرو تاکہ ہمیشہ کے لیئے یہ نزاع مٹ جاے سلاطین دکن کا دانت ہمیشہ قلعۂ بنکاپور پر لگا ہوا تھا کیوں کہ وہ بیجانگر اور سمندر کے شارع عام پر واقع تھا اُس کے قبضے سے ہندوؤں کی تجارت بالکل قابو میں آجاتی تھی - راے بیجانگر نے اُلٹا مطالبہ کیا کہ خود بادشاہ کو تمام ملکِ دوآبہ پر سے اپنا قبضہ اُٹھالینا چاہیئے کیوں کہ ہمیشہ سے رایچور اور مُدگل اور دیگر مقامات تاکنارِ رودِ کرشنا ہمارے رہے ہیں - بکّا نے اصلی حدِ فاصل سلطنتِ ہنود و اسلام کی دریاے کرشنا قرار دی اور یہ بھی لکھا کہ جو ہاتھی آپ کے والدِ ماجد اُمراے کرناٹک سے چھین لے گئے ہیں وہ بھی واپس کردیجیئے -

ادھونی کی لڑائی ۱۳۶۶ع

یہ جواب سن کر بادشاہ بہت خشم ناک ہوا اور جنگ کا اعلان کردیا اور پایۂ تخت اور جمیع ممالکِ محروسہ ملک نائب سیف الدین غوری کو جو بادشاہ کا نانا تھا سپرد کرکے خود جنگ کے لیئے آمادہ ہوگیا گلبرگہ میں جب لشکر دولت آباد - بیدر[۵۲] و برار کا جمع ہوگیا تو بادشاہ پانسو ہاتھی کوہ پیکر اور خزانے اپنے

(بقیۂ نوٹ صفحہ ۶۸) ہزاروں زائرین یہاں آتے ہیں - یہ نہایت عظیم الشان مندر جزیرے کے شمالی حصّے میں ایک بلند حصّۂ زمین پر واقع ہی اُس کا احاطہ ایک ہزار فٹ لمبا اور ۶۵۷ فٹ چوڑا ہی - اِس کا صدر دروازہ سو فٹ بلند ہی - مندر کی بلندی (۱۲۰) فٹ ہی - اِس کے قُبّے بہت بلند اور شان دار ہیں - تمام دیواروں پر نقاشی کا عمدہ کام ہی سب سے زیادہ قابلِ دید بات اِس مندر کی بڑی بھاری اور وسیع عمارت اور مندر کے چاروں طرف بڑے بڑے ہال ستونوں پر کھڑے ہوے ہیں اِس مندر کا دیو "لنگم" خود رام چندر جی نے اپنے ہاتھ سے بٹھایا تھا - دیو کو ہمیشہ گنگا جی کے پانی سے اشنان کرایا جاتا ہی - اِس مندر کے متعلق متعدد چھترم یعنی مسافر خانے ہیں جہاں سدا برت جاری ہی اور جو لوگ تیرتھ کو آتے ہیں اُن کو مُفت آباد جاتا ہی اور مفت کھانا بھی ملتا ہی ۱۲ -

(نوٹ صفحہ ہٰذا) [۵۱] اِس کا نام ایک مشہور قلعہ دھاروا ڑکے جنوب میں واقع ہی ۱۲

[۵۲] حیدر آباد سے چالیس کوس ہی - قریب ترین ریلوے اسٹیشن دھاروا ہی وہاں سے بھی (بقیۂ نوٹ برصفحہ آیندہ)

ہمراہ لے کر عازمِ سفرِ بیجا نگر ہوا - کرشنا اور تنگ بھدرا دریاؤں کو عبور کر کے قلعۂ ادھونی پر

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶۷) چوبیس کوس ہے - یہ بڑا تاریخی مقام ہے جہاں سلطنت بہمنیہ اور بریدشاہیہ مدتوں قائم رہی - منجور پربت پہاڑ پر سطح سمندر سے ۲۳۳۰ فٹ بلندی پر آباد ہے - آب و ہوا یہاں کی نہایت خوشگوار ہے - پانی میں قدرتاً فولاد کی آمیزش ہے کیوں کہ یہاں کی پتھر کی چٹانوں میں فولاد کے ذرّے پائے جاتے ہیں - شہر کی آبادی بارہ ہزار ہے - بیدر کنڑی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی بانس کے ہیں - بیان کیا جاتا ہے کہ قدیم زمانے میں شہر کے گرد بانس کی گھنی جھاڑی تھی اس وجہ سے یہ نام پڑ گیا - رامائن اور مہابھارت میں اِس کا قدیم نام وِدُربھا لکھا ہے - یہاں کے قدیم راجہ کا نام بھدور تھا جو راجہ پانڈ کا بیٹا تھا - مالوہ کے راجہ نَل کی معشوقہ دمن بھیمسین راجہ بیدر کی لڑکی تھی - پہلے راجگان بیدر پر قابض تھے بعد کو سلاطین خلجی کا قبضہ رہا اور ۱۳۲۲ء میں سلطان محمد تغلق نے فتح کیا اِس کے بعد سلاطینِ گلبرگہ قابض رہے - سلطان احمد شاہ بہمنی نے سرزمین و آب و ہوائے بیدر کو پسند کر کے ۸۳۲ھ میں بجائے گلبرگہ کے بیدر کو اپنا دارالحکومت قرار دیا ۹۸۸ھ میں بعد زوالِ خاندانِ بہمنیہ بریدی خاندان کے بادشاہوں کی حکومت رہی - بہت سے بادشاہوں کے عالی شان اور قابلِ دید مقابر یہاں ہیں یہاں کا قلعہ بہت بڑا خوش نما اور قابلِ دید ہے جس کا دَور (۴۵۰۰) گز اور بلندی فصیل کی پندرہ گز ہے قلعے کے گرد تین عمیق اور چوڑی خندقیں ہیں - سلطان احمد شاہ نے مشہور کاریگروں سنگ تراشوں اور معماروں کو ہندوستان و دیگر بلاد سے بلا کر چار سال میں قلعہ تعمیر کرایا ۹۲۲ھ میں علی برید بادشاہ سوم خاندان بریدیہ نے قلعے کی پُرانی عمارتوں کو ڈھا کر از سرِ نو چھ میل کے دَور میں فصیل بنوائی جس میں (۳۵) برج اور (۱۳) دروازے ہیں - وسطِ قلعے میں علاوہ دیگر محلات کے سلطان احمد شاہ نے ایک عالی شان محل شاہی جس کا نام "تخت محل" ہے اپنے قیام کے لیے طیار کرایا جو ٹوٹا پھوٹا اب بھی موجود ہے - جس کی تعریف میں شیخ آذری نے یہ رباعی لکھ کر بادشاہ کی نذر کی اور بہت سا انعام پایا -

چنانکہ قصرِ مشید کہ ز فرطِ عظمت
آسماں سدہ از پایۂ ایں درگاہ است
آسماں ہم نتواں گفت کہ ترکِ ادب است
قصرِ سلطانِ جہاں احمدِ بہمن شاہ است

محمد شاہ لشکری نے ترکش محل - گگن محل - چینی محل - نگینہ محل اور حمام وغیرہ بنوائے - اور علی برید نے رنگین محل تعمیر کرایا - اِس میں جابجا چینی کا کام کیا ہوا ہے اور خاص شہ نشین اعلیٰ درجے کی سنگِ موسیٰ کی بنی ہوئی ہے - جس میں صدف کا نہایت عمدہ نقش و نگار بنا ہوا ہے اور صدفی تحریر سے خطِ عربی طغرا اور (بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

پہونچ گیا جب بادشاہ کو معلوم ہوا کہ راے بیجا نگر دریاے تنگ بھدرا کے کنارے سے پرگنہ گنگاوتی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶۸) فارسی کے کتبات کھود کے بٹھاے گئے ہیں جو اب تک جگمگا رہے ہیں شہ نشین کی دہلیز پر سیپ کی پچیکاری سے یہ شعر لکھا ہوا ہی

شاہ نشین چشم من تکیہ گہ خیال ما

جاے دعاست شاہ من بے تو مباد جاے تو

محل کے اندر سیپ سے یہ لکھا ہوا ہی۔

یا کافی المہمات - یا رافع الدرجات

وی کردہ چو در دُرّ صدف سینہ وطن	ای منتظر دیدہ از جمالت روشن
کز بہرِ تو آراستہ شد ایں منزل	بخرام بر شہ نشینِ خلوت گہِ دل

اعلی اللہ تعالیٰ شانہ یا مفتح الابواب - المستنصر بنصر اللہ الملک المالک المجلس المکرم والہمایون الاکرم علی بریدالمالک +

از بہرِ نثار در گہت دارد عشق	ہر دُر کہ ہیں کہ در صدف دارد عشق
گویا بدر و بام تو می بارد عشق	عاشق شہود از دیدنِ رویت زانکہ

کتبہ بالاخانہ رنگین محل بخط طغرا بجانب مغرب

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ هٰذَا الْقَصْرَ الرَّفِيْعَ مَنْزِلًا مُّبَارَكًا وَّمَكَانًا عَالِيًا وَّاتَّخِذْ بِحُرْمَةِ مُحَمَّدٍ نَّبِيًّا مَقَامًا مَّحْمُوْدًا مُّخَلَّدًا مَّرْضِيًّا

قلعے کے اندر ایک بہت بڑی عالی شان زنانی مسجد موجود ہی جس کو سولہ کھم کی مسجد کہتے ہیں - اس کے درمیانی بڑے قبّے کی مرمت بعہدِ مولوی اکرام الدین خاں صاحب کاکوروی تعلقہ دارِ ضلع نہایت عمدگی سے کرائی گئی ہی - بعض بعض چھوٹے چھوٹے قبّے اس کے گر گئے ہیں اب صرف بیچ کے بڑے گنبد میں جو فی نفسہ ایک بڑی مسجد کے برابر ہی نماز ہوتی ہی - قلعے کے اندر ایک بہت بڑی توپ جانب مشرق ایک بلند برج پر رکھی ہوئی ہی جو دولت آباد کی توپ اور بیجاپور کی مشہور توپ ملک میدان سے ہم پلہ ہی - اس پر حسب ذیل عبارت طلائی حروف میں کندہ ہی -

"یکے از غرائب علامات کارخانہ الہی توپ شاہی وضع خاصہ حضرت ہمایون اکرم علی برید شاہی"

تمت فی التاریخ ۹۔۸ ہجرۃ النبویۃ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

میں مقیم ہی تو اُس نے صفدر خاں سیستانی کو برار کا لشکر دے کر قلعے کے محاصرے کے لیئے بھیج دیا اور دوسرا لشکر امیر الامرا بہادر خاں اور اعظم ہمایوں کی سرکردگی میں بیجانگر روانہ کیا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶۹)

کندۂ دیگر

" غلولہ دوازدہ من و نیم دراد دومن و نیم اگر خواہد کہ زیادہ
بریں اضافہ کند ازدہ یازدہ سیر بر اندازد "

اس کے علاوہ اور بہت سے بزرگانِ دین کی درگاہیں یہاں موجود ہیں چنانچہ اندرونِ آبادی حضرت شیخ ملتانی بادشاہ کی درگاہِ شریف ہی جس پر یہ تاریخ کندہ ہی۔

بعلم معرفت در اہلِ عرفاں — محمد شاہ ملتانیِ کامل
بجستم سالِ تاریخِ وفاتش — ندا آمد بمولیٰ گشت واصل
۹۳۵ھ

درگاہ حضرت شاہ ابوالفیض نبیرۂ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز۔

حبذا گنبدِ عالی کہ آسودہ درو — شاہِ فردوس مکاں شاہِ علی رہبرِ دیں
سالِ تاریخ بنایش زخرد جستم و گفت — ہاتف از غیب کہ شد گنبدِ فردوس بریں
۹۹۲ھ

حضرت خلیل اللہ بت شکن کی چوکھنڈی۔ حضرت غفران منزل نواب ناصر الدولہ بہادر کی حویلی۔ باروت کا کوٹھا جس کی باروت اب تک کام آتی ہی۔ جامع مسجد۔ قلعے کا عاشور خانہ۔ سرائے عالمگیری۔ مکانِ مدرسۂ صوفیہ۔ محبوب گنج۔ عثمان گنج۔ شاہ گنج۔ چوبارہ۔ سنگھار باغ۔ علی باغ۔ چیتا خانہ۔ خاص محل۔ بیرونِ شہر حضرت سید السادات کا جھرا۔ لال باغ۔ حسینی باغ۔ حضرت باغ۔ فرح باغ وغیرہ سب مقامات قابلِ دید ہیں اِن کا تفصیلی حال لکھنے کو ایک جداگانہ کتاب درکار ہی مسلمانوں کے عہد میں اس شہر کا نام پہلے احمد آباد بیدر رہا بعد کو محمد آباد بیدر رہا یہاں کی صناعی بیدری برتنوں کی مشہور ہی جو اب تک نہایت عمدہ بنتے ہیں ۱۲

(نوٹ صفحہ ۶۹) ؎ گنگاوتی دریائے تُنگ بھدرا سے (۵) میل کے فاصلے پر ایک بڑا قصبہ مستقر تحصیل ہی ۱۲

اور خود بہ سمتِ شمال و مغرب دریا کی جانب آہستہ آہستہ مقام کرتا ہوا بڑی پیش بندی سے روانہ ہوا۔

بکّا کا بھاگ جانا

رائے بیجانگر نے اوّل تو مقابلے کی طیّاری کر لی لیکن خدا جانے کیا واقعہ[1] پیش آیا کہ اُس کا جی چھوٹ گیا اور سنڈور کے جنگلوں میں جا کر چھپ گیا جو بیجانگر سے بہ جانب جنوب واقع ہیں۔ بیجانگر کو آباد ہوے اِس وقت تک چالیس سال ہونے آے تھے۔ مجاہد شاہ نے اِس شہر کی خوب صورتی کی بہت تعریف سُنی تھی اِس پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا لیکن جب معلوم ہوا کہ وہ بہت مضبوطی سے محفوظ ہی اور اُس کا محاصرہ کرنا کچھ آسان بات نہیں ہی تب بادشاہ نے جنگل کی طرف رُخ کیا جہاں رائے بیجانگر چھپا تھا۔

مجاہد شاہ کا ساحلِ ملیبار کی طرف جانا

بادشاہ کی چڑھائی کی خبر سُن کر رائے بیجانگر جنگلوں اور پہاڑوں میں بہ جانب سیت بندر رامیسر بھاگ گیا۔

---

[1] بکّا کی ہمت چھوٹ جانے کے متعلق تاریخِ فرشتہ میں ذیل کا واقعہ لکھا ہی

مجاہد شاہ لشکر کے ساتھ کوچ مقام کرتا ہوا چلا آ رہا تھا کہ اُس کو ایک آدم خوار شیر کی خبر ملی جس نے اطراف و اکناف میں ہل چل ڈال دی تھی۔ مجاہد شاہ صرف سات پیادے ساتھ لے کر پونہچا اور تاک کر ایک تیر ایسا مارا کہ جو ٹھیک اُس کے دل میں جا کر گڑ گیا۔

کماں از کمیں گاہِ بازو کشید	بیک تیر پہلوش از ہم درید
سران سپہ از یسار و یمیں	زبان بر کشادند بر آفریں
کہ گیتی ندیدہ چو تو شہریار	پس از رستم و بعد اسفندیار

یہ خبر سُن کر ہندوؤں نے بد شگونی سمجھی اور ڈر گئے۔ ادھونی اور بیجانگر کے درمیان اِس زمانے میں شیر تو نہیں ہیں [illegible]تہ بور بچے کثرت سے ہیں لیکن ممکن ہی کہ اُس زمانے میں جنگل بھی ہو اور شیر بھی ہوں۔ سیول صاحب نے فرشتہ کی اِس روایت کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہی کہ اتنی سی بات بکّا کی پست ہمتی کے لیے کافی نہ تھی لیکن ہمارے خیال میں یہ بات بعید از قیاس نہیں ہی۔ اکثر لوگ شگون لینے کے خوگر ہوتے ہیں خصوصاً اہلِ ہنود جو فال شگون اور مہورت کو بہت مانتے ہیں اور ایک ذرا سی بات اگر ہو جاے تو اُس کا بہت بڑا خیال کرتے ہیں ۱۲۔

لیکن بادشاہ نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ جنگل ایسا گھنا تھا کہ رستہ نہیں ملتا تھا۔ بادشاہ نے اُس میں رستے کٹوائے۔ اِسی طرح راے برابر چھ مہینے تک خانہ بدوش پھرتا رہا۔ آج یہاں ہی تو کل وہاں۔ لیکن اُس کی ہمت نہ پڑی کہ جنگل سے باہر نکل کر مقابلے پر آتا۔ مصاحبین نے بادشاہ سے بارہا عرض کی کہ راے کا تعاقب کرنا بالکل بے سود ہی اور مُفت میں فوج تباہ ہو رہی ہی لیکن بادشاہ نے ایک نہ سُنی۔ آخرِ کار اچھے دن آے راجہ بچا اور اُس کے امرا جنگلوں کی ردی آب و ہوا سے بیمار ہو گئے جنھوں نے صلاح دی کہ جنگلوں کی سکونت چھوڑ دیں مجبورًا ایک خُفیہ رستے سے راجہ بیجا نگر پہنچ گیا بادشاہ نے اُس کے پیچھے ہی ایک لشکر روانہ کیا اور خود امیر الامرا بہادر خاں اور پانچ ہزار فوج لے کر تفریحِ طبع کے لیے سیت بندر رامیسر کی سیر کو چلا گیا سُلطان علاء الدین خلجی کے کامداروں نے اِس مقام پر ایک مسجد بنائی تھی جو بالکل بے مرمت تھی بادشاہ نے اُس کو درست کرا دیا۔ بہت سے مندر توڑ ڈالے ملک کو لُوٹ لیا۔ اِس کے بعد بہت تیزی سے بیجانگر پہنچا۔ واقع میں مُلک کافور نے ۱۳۱۰ء میں ایک مسجد ساحلِ سمندر پر بنائی تھی۔ لیکن رامیسرم میں کسی مسجد بنانے کا پتہ نہیں چلتا۔ رامیسرم جزیرہ نماے ہند کے مشرقی انتہاے ساحل پر سراندیپ کے محاذی واقع ہی یہ بات قریب قریب ناممکن سے ہی کہ چودھویں صدی میں بادشاہِ اسلام ایک تھوڑی سی فوج کے ساتھ اتنی دُور پہنچا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر قدم پر لاکھوں ہندو سدِ راہ ہوتے۔ اگرچہ ہندو مسلمانوں کی شکل سے کانپ جاتے تھے تاہم صرف پانچ ہزار فوج کے ساتھ ایک ہزار میل کے جنگل اور پہاڑوں کو بلا کُشت و خون کے طی کرنا سمجھ میں نہیں آتا کیوں کہ رامیسرم سے بیجانگر پورے پانسو میل کا فاصلہ ہی۔ ملک کافور نے بعدِ فتح بلال راجہ دو ہر ا سمدرم واقع ملک میسور حملہ کیا تھا اور جب ہی ساحلِ ملیبار پر مسجد تعمیر کی تھی لیکن رامیسرم کے قریب مسجد کا بنانا پایا نہیں جاتا۔ کرنل برگز نے لکھا ہی کہ جس جاے کا حوالہ دیا جاتا ہی وہ سدا سیو گڈھ ہی جو مغربی ساحل پر گوآ کے جنوب میں واقع ہی جو نقشے[1] میں کیپ راس کے نام سے موسوم ہی

[1] مسٹر ڈیوز کے نقشہ مطبوعہ ۱۸۵۱ء میں یہ مقام — C. de Ramos: درج ہی لیکن حال کے نقشوں میں یہ مقام موجود نہیں ہی ۱۲۔

اگرچہ رائیسرم میں ایک مسجد کا ہونا وہ بیان کرتے ہیں لیکن اُس کی تعمیر کی تاریخ متحقق نہیں ہوتی پس اِس بات کو اسی حالت پر چھوڑ کر اب ہم بکّا راے کے حالات بیان کرتے ہیں۔

محاصرۂ شہر بیجانگر

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہو کہ بیجانگر کے دو رستے تھے ایک ایسا تھا کہ جس پر سے لشکر گزر سکتا تھا اور دوسرا تنگ اور ناہموار تھا جس کو سودھ کہتے تھے۔ بڑے رستے پر جا بجا کمین گاہیں تھیں اِس لیئے چھوٹے رستے سے مجاہد شاہ منتخب فوج لے کر گزرا اور آسانی سے بیجانگر پہونچ گیا۔ مجاہد شاہ ساحلِ ملیبار سے ان دونوں رستوں میں سے کسی ایک پر آیا ہوگا اور معمولی رستہ چھوڑ کر سنڈور کے پہاڑوں میں سے ہوتا ہوا بیجانگر اُس رستے سے جہاں اب بلھاری اور بیجانگر کی سڑک واقع ہی پہونچ گیا۔ راجہ بکّا کو بادشاہ کے آنے کی جب خبر معلوم ہوئی تو اُس کی ہمّت و استقلال پر متعجب ہوا اور اپنی بے شمار رعایا کو شہر کی حفاظت کے لیئے متعین کیا۔ بادشاہ نے اِن سب کو پسپا کیا اور بڑھتے بڑھتے یہاں تک پونہچا کہ قلعۂ بیجانگر اور بادشاہ کے مقام میں صرف ایک جھیل حائل رہ گئی۔ اِس جھیل کے پاس ایک ٹیکری پر ایک مندر تھا جس کا نام سری رنگ تھا اور جس میں بے انتہا سونے چاندی کے زیورات اور جواہرات تھے ہندو اِس دیول کا بہت احترام کرتے تھے اور اپنی زبان میں اِس کو ٹمپک کہتے تھے۔ بادشاہ اس کی بربادی کو عین اپنا مذہبی فرض سمجھ کر پہاڑی پر چڑھ گیا اور مندر کو بالکل مسمار کر دیا اور جو کچھ مال و متاع اُس میں تھا لوٹ لیا۔ جس جھیل کا حوالہ دیا جاتا ہی یہ وہی جھیل ہی جو موضعِ کاملا پور میں اب تک موجود ہی لیکن یہ مندر جسے مجاہد شاہ نے لوٹا کونسا تھا کچھ معلوم نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس جگہ اور کئی مندر ہیں۔ ہم کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ بادشاہ شہر کے اس قدر قریب کیوں کر پونہچ گیا کیوں کہ شہر کی متعدد فصیلیں تھیں۔ عبد الرزاق نے ۱۴۴۳ء میں لکھا ہی کہ اُس زمانے میں شہر کی سات فصیلیں تھیں۔ البتہ یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ بکّا کے زمانے میں شہر کی کتنی فصیلیں تھیں۔ ہندوؤں نے جب دیکھا کہ اُن کے مقدّس مندر کو مجاہد شاہ نے تباہ کر دیا تو اُن کی واویلا آسمان تک پونہچی اُنھوں نے اپنے راجہ کو انتقام لینے کے لیئے مجبور کیا اور ایک بہت عظیم الشان لشکر مقابلے کو چلا۔

مجاہد شاہ کا غنیم کے نرغے میں گھر جانا

مجاہد شاہ کو جیسے خبر ملی تو اُس نے اپنا چتر اُتار ڈالا اور صرف محمود نامی ایک افغان سلحدار کو اپنے ساتھ لے کر ایک چھوٹا سا نالہ پار ہو کر ہندوؤں کی نقل و حرکت اور تعداد کو دیکھنے گیا۔ ایک ہندو نے بادشاہ کو اُس کے سواری کے گھوڑے سے جس کا نام "شب رنگ" تھا پہچان لیا اور اپنے دیوتاؤں اور ملک کی بربادی کا انتقام لے کر ابدی شہرت حاصل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور خفیہ طور پر نالے کے کنارے کنارے نشیب زمین میں دبتا ہوا میدان میں پہنچ گیا اور بادشاہ پر ایک دم وار کرنا چاہتا تھا کہ خوش نصیبی سے مجاہد شاہ مطلع ہو گیا بادشاہ نے محمود افغان کو اشارہ کیا اُس نے فوراً ہندو پر حملہ کیا لیکن سوءِ اتفاق سے محمود کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور محمود گر پڑا۔ دشمن کو یہ موقع اچھا ہاتھ لگا اور قریب تھا کہ محمود کا کام تمام کر ڈالے کہ بجلی کی طرح مجاہد شاہ بڑھا۔ دشمن نے محمود کو چھوڑ کر بادشاہ پر حملہ کیا اور ایک فتح کا نعرہ ایسا مارا کہ لوگوں نے سمجھا کہ اُس کا وار کارگر ہوا حسنِ اتفاق سے خود کی وجہ سے بادشاہ کا سر بچ گیا بادشاہ نے اُلٹ کر ایک ایسا تلوار کا ہاتھ ہندو کو مارا کہ شانے سے ناف تک دو ٹکڑے ہو گئے جو پشتِ زین سے بے جان گرا۔ بادشاہ نے محمود کو پھر گھوڑے پر سوار کرایا اور اپنے لشکر میں جو نالے کے اِس پار تھا صحیح سلامت پہنچ گیا۔

مجاہد شاہ کی لڑائی ۱۳۷۵ء

کشن راے اپنی فوج کے ساتھ جھیل کے اُس پار کھڑا تھا اُس کی فوج پانی میں سے اُتر رہی تھی بادشاہ نے امیر الامرا اور اعظم خاں کو جن کے سپرد لشکر کا میمنہ اور میسرہ تھا جنگ کرنے کا حکم دیا۔ مقرب خاں سیستانی جو آتش خانے کا افسر تھا توپیں لے کر بڑھا اور جنگ شروع ہو گئی آخر کار اِس لڑائی میں ہندو مغلوب رہے۔ اِس فتح کے بعد مسلمان ابھی چین سے بیٹھنے نہ پائے تھے کہ راے بیجانگر کا بھائی مُدپا آٹھ ہزار سوار اور چھ لاکھ پیدل[1] لے کر

---

[1] اِس زمانے میں سلطنت کی تقسیم صوبوں میں کی گئی تھی اور ہر صوبے پر اُمرا اِس شرط سے حاکم مقرر کیے جاتے تھے کہ کافی مقدار فوج کی اپنے پاس طیار رکھیں جو وقت جنگ کام آسکے ۱۲

پونہچ گیا۔ جنگ پھر تُندی سے شروع ہوگئی۔ طرفین کے بے شمار آدمی قتل ہوئے چنانچہ مقرب خاں اسی میں مارا گیا۔ مجاہد شاہ بہ نفسِ نفیس اِس جنگ میں شریک تھا اور دشمنوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرتا تھا۔

جہاں پہلواں خسرِو شیر دل	ہمی ساخت از خونِ شاں خاکِ گِل
بشب رنگ اَنگہ کہ دادے عناں	ہمی کشتے ہندو بزخمِ سناں

داؤد خاں نے (بادشاہ کا چچا) جو دہنہ سودرہ[۵] میں مقیم تھا جب سُنا کہ صبح سے دوپہر تک دو طرفہ جنگ رہی مگر ہندو مغلوب نہیں ہوئے اور لحظہ بہ لحظہ اُن کی مدد کو تازہ لشکر پونہچا جاتا ہی۔ بےتاب ہوگیا اور ناعاقبت اندیشی سے دہنہ کو خالی چھوڑ کر سات ہزار سوار لے کر میدانِ جنگ میں پونہچ گیا اور خود بڑی بہادری اور جواں مردی سے لڑا کہ تین مرتبہ اس کا گھوڑا زخمی ہونے سے سوار سے پیادہ ہوگیا تیر و نیزہ و تلوار سے لڑتا رہا کہ اِتنے میں بادشاہ کی نظر داؤد خاں کے عَلَم پر پڑی لیکن اُس وقت تامّل کیا اور کچھ نہ کہا بالآخر مسلمانوں کی فتح ہوئی اُس وقت داؤد خاں کو بُلا کر بادشاہ بہت سخت ناراض ہوا اور بہت کچھ بُرا بھلا کہا اور کہا کہ یہ تُونے کیا غضب کیا کہ دہنہ کو خالی چھوڑ کر چلا آیا اگر خدانخواستہ ہندو اُس پر قابض ہوگئے تو یاد رکھو کہ ایک مُسلمان بھی یہاں سے صحیح سلامت نہ جاسکے گا۔ مجاہد شاہ نے چند اُمرا کو دہنہ کی حفاظت کے لیئے دوڑایا لیکن ہندوؤں کے ہاتھ اچھا موقع لگ گیا تھا ابھی اُمرا پونہچنے بھی نہ پائے تھے کہ اُنھوں نے دہنہ کو جو ایک تنگ سُرنگ تھی

---

[۵] سیول صاحب نے لکھا ہی کہ دہنہ سودرہ غالبًا ایک جھیل یا تالاب ہی جو بیجانگر کے مشرقی میدان کے پہاڑوں کے آخر میں اُس بلند پہاڑ کے متّصل واقع ہی کہ جو گورنمنٹ کی پیمایشِ اراضی بذریعۂ مثلث کے نقشے میں دمانِ سدرم کے نام سے بتایا گیا ہی جو غالبًا دھرما سمدرم ہوگا۔ اِس پہاڑ پر ایک ستون پیمایش کا بنا ہوا ہی۔ یہ پہاڑ پانسو فٹ بلند ہی اور رحدود موضع کنوی تماپور میں واقع ہی۔ یہ مقام شہر بیجانگر سے جو فوج نکلے اُس کو رستے میں پڑتا ہی اور اُس کے دامن میں سے چکر کاٹ کر جانا پڑتا ہی پہاڑ کی آڑ پکڑ کر اگر اِس رستے کو روک دیا جائے تو پھر غنیم کو نکلنے کا کوئی رستہ باقی نہیں رہتا اِس سے اندازہ کیا جاسکتا ہی کہ مسلمانوں کے لیئے اِس رستے کو اپنے قبضے میں رکھنا کتنا ضروری تھا۔ فرشتہ نے اِس مقام کو ایک بہت بڑی گھاٹی لکھا ہی"

خالی پاکر فوراً قبضہ کرلیا۔ اُمرا نے بادشاہ کو خبر دی مجاہد شاہ نے (جس نے چالیس ہزار سوار و پیادہ ہنود کے اُسی دن قتل کیے تھے اور اِدھر مسلمانوں کے لشکر کے بھی بے شمار آدمی کام آئے تھے) توقف مناسب نہ سمجھا اور ویسے ہی یلغار دھنہ سودرہ پر پہونچا۔ اِس کے آنے کی خبر سُنتے ہی ہنود بھاگ گئے۔ اور جب تک سارا لشکر نہ گزر گیا بادشاہ گھاٹی پر سے نہ ٹلا۔ القصہ جب بادشاہ نے دیکھ لیا کہ بیجانگر کا فتح کرنا کوئی آسان کام نہیں ہی تو وہاں سے کوچ کر دیا۔ جو عہد کہ سلطان محمد شاہ بہمنی نے کیا تھا کہ بعد فتح رعایا کو قتل نہ کروں گا اُس پر عمل نہ کیا اور قریب ساٹھ ستّر ہزار عورتیں اور بچّے قید کرلیے اور چوں کہ بادشاہ کی فوج قلعۂ ادھونی کو محاصرہ کیے ہوے پڑی تھی اُس طرف روانہ ہوا وہاں نو مہینے تک محاصرہ کیے پڑا رہا۔ موسم گرمی کا آگیا تھا اور اُمید بھی کہ اب قلعہ فتح ہوجاے گا کیونکہ محصورین کو پانی کی سخت تکلیف تھی لیکن غیر معمولی بارش ہونے سے یہ بات بھی جاتی رہی۔ بادشاہ کے لشکر میں آثارِ قحط نمایاں ہوے اور اسہال وہیضہ اِس شدّت سے ہوئی کہ لوگ تنگ آکر خواہانِ مراجعت ہوے۔ ملک نائب سیف الدین غوری کو جب یہ خبر پہونچی تو بادشاہ کی خدمت میں یہ معروضہ لکھا کہ افواہِ خاص و عام سے ادھونی کی تعریف بہت سُنتا ہوں اگر فرمانِ خداوندی ہو تو فوج لے کر حاضر ہوں۔ بادشاہ نے اِس درخواست کو منظور فرمالیا چنانچہ سیف الدین بہت جلد آن پہونچا اور آتے ہی بادشاہ سے عرض کی کہ یہ ایسا قلعہ ہی کہ پندرہ قلعے اِس کے گرد ہیں اور ایک بہت بڑے بلند اور وسیع پہاڑ پر واقع ہی جلد اِس کا فتح ہونا مشکل ہی۔ شرطِ کشور کشائی یہ ہی کہ اوّل قلعہ جات و مقامات مابین دوآبہ بندر گوآ و بلگاؤں سے بنکاپور تک فتح فرمایئے اُس کے بعد اِس قلعے کو لے لینا آسان ہی۔ بات معقول تھی بادشاہ کی سمجھ میں آگئی اور واپسی پر راضی ہوگیا۔ سیف الدین نے راے بیجانگر سے صلح کا پیغام چھیڑ دیا اور یوں بادشاہ گلبرگہ واپس ہوا اور اِس جنگ کا خاتمہ ہوا۔ تاریخ فرشتہ میں سلطنتِ بیجانگر کا جو حال ۱۰۱۵ء؁ میں تھا حسب ذیل لکھا ہی۔

"ولایتِ کرناٹک کا طول شمالاً اور جنوباً کرشنا سے سیت بن رامیسر تک چھ سو کوس تھا اور عرض غرباً و شرقاً دریاے عمان سے تا سرحدِ ملکتِ تلنگانہ ڈیڑھ سو کوس تھا اِس میں بڑے بڑے جنگل اور متعدد قلعے تھے اِس ملک کی زبان کنٹری اور تلنگی ہی اور اکثر لوگ

ایسے بہادر اور مردانہ ہیں کہ لڑائی کے وقت ناچتے کودتے اپنی عورتوں کو بھی میدان جنگ میں
لے آتے ہیں باایں ہمہ شوکتِ سپاہِ اسلام کا دبدبہ اِن کے دلوں پر ایسا تھا کہ سلاطین بہمنیہ
نے باوجود قلتِ سپاہ بھی ہمیشہ اِن پر فتح پائی ہی ورنہ بہ لحاظِ وسعتِ مُلک اور فوج کے
راے بیجانگر بدرجہا اِن سے بڑھا ہوا تھا خصوصاً مجاہد شاہ کے زمانے میں کہ سارا ملک تلنگانہ
ہنود کے قبضے میں تھا۔ بندر گوآ و قلعۂ بلگاؤں اور تلنگانہ کا اکثر حصہ بھی بیجانگر کے قبضے
میں تھا علاوہ اِس کے راجگانِ سیلان و ملیبار اور دوسرے بندروں اور جزائر کے
فرماں روا اِن کے تابع تھے اور ہمیشہ خراج اور پیش کش دیا کرتے تھے اور اِن کے ایلچی ہمیشہ
تحفہ تحائف لے کر راجہ کے دربار میں حاضر رہتے تھے۔ آباو اجداد کشن راے سات سو برس
سے بادشاہت کرتے چلے آتے تھے اُن کا اندوختہ بے انتہا تھا کیوں کہ اِن لوگوں کو خرچ کرنے
کی عادت نہ تھی اور مدتوں سے کوئی جنگ بھی پیش نہیں آئی تھی اِن وجوہ سے راجگانِ بیجانگر
کے خزائن بے شمار تھے تمام دُنیا کے بادشاہوں کو اگر ملا لیا جائے تو وہ سب ایک طرف اور
یہ اکیلے ایک طرف۔ علاء الدین خلجی کے زمانے میں کشن راے کا دادا جو بانیِٔ سلطنتِ
بیجانگر تھا اُس نے اپنے آبا و اجداد کے جمع کیے ہوے بے شمار خزانے بہ نیتِ ثوابِ آخرت
زمین میں گاڑ کر اُوپر سے بُت خانے بنادیے تھے چنانچہ سیت بن رامیسر میں علاء الدین کو
اِسی قسم کا مدفون بے شمار خزانہ مل گیا تھا" دریاے تُنگ بھدرا پار ہو کر بادشاہ حوالیِ مدگل میں
پُہنچا بادشاہ لشکر مدگل میں چھوڑ کر چند مصاحبوں اور اربابِ عشرت کو کہ جن کی تعداد قریب
چار سو کے ہوگی شکار کو گیا داؤد خاں و مسند عالی خاں محمد و صفدر خاں سیستانی و اعظم ہمایوں
ہمراہ تھے بادشاہ شکار کھیلتا کھیلتا قلعۂ رایچور کے قریب تک پہُنچ گیا۔ صفدر خاں اور اعظم
ہمایوں بادشاہ کی بے باکی اور بے پروائی خوب جانتے تھے اور ہمیشہ اُس کی جان کی محافظت

سلہ سیناروپس نے لکھا ہی کہ اُس نے ۱۵۳۲ء میں طاریڈ و ٹومبو کے گزشتہ زمانے کے تاریخی
کاغذات میں بہ مقام لشبن عطیات کا ایک تانبے کا پتر دیکھا ہی جو گوآ میں ۱۳۹۱ء میں کندہ کیا
گیا تھا اُس میں گوآ کے حاکم کا نام "ویرا ہر یہر" راجۂ بیجانگر لکھا ہی۔ یہ ویرا ہر یہر دوم تھا ۱۲-

کرتے رہتے تھے کیوں کہ بادشاہ تمام دن شکار کھیل کر جنگل اور پہاڑوں میں جہاں رات ہو جاتی تھی۔ بے تکلفانہ اُتر پڑتا تھا۔ داؤد خاں بادشاہ کی دشنام ہی سے آزردہ خاطر تھا اور بادشاہ کی جان لینے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔ خان محمد دولت آباد کی امارت سے معزول کیا گیا تھا اور اُس کی جگہ اعظم ہمایوں مقرر ہوا تھا اور مسعود خاں ولد مبارک خاں تنبول بردار خاصہ کے سینے میں کینہ اپنے باپ کے مارے جانے کا تھا یہ سب داؤد خاں کے ہم داستان ہو گئے اور شکارگاہ ہی میں چاہتے تھے کہ بادشاہ کو مار ڈالیں مگر صفدر خاں اور اعظم ہمایوں ہر وقت بادشاہ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے اُن کو موقع نہ ملا لیکن حکمِ قضا و قدر ٹلتا نہیں شکار سے فارغ ہو کر بادشاہ نے صفدر خاں کو برار اور اعظم ہمایوں کو دولت آباد اپنے اپنے مقامات پر چلے جانے کی اجازت دے دی یہ دونوں مجبوراً بہ تعمیلِ حکم بادشاہ چلے گئے۔ بادشاہ لشکر میں واپس نہیں گیا بلکہ اُسی منتخب جماعت کے ساتھ شکار کرتا ہوا اکلبرگہ کی طرف چلا اور دریاے کرشنا پار ہو کر اُس کے کنارے پر مقام کیا اور مچھلی کا شکار کیا۔

مجاہد شاہ کا قتل اور داؤد شاہ کی تخت نشینی ۷۸۰ھ ۱۳۷۸ء

اتفاقاً اُس روز بادشاہ کو آشوبِ چشم ہو گیا شب کے وقت آرام کے لیے سراپردے میں گیا۔ داؤد خاں اور مسعود خاں مع چند جوانوں کے جو اِس سازش میں شریک تھے نشست کے بہانے سے سراپردے کے پاس بیٹھ گئے دو پہر رات جب گزر گئی اور سب لوگ اپنی اپنی جگہ سو سُلا گئے اور اِن کے سوا کوئی باقی نہ رہا تب داؤد خاں مستعد ہو گیا۔ خان محمد اور چند آدمیوں کو باہر کھڑا کیا اور خود دو آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر ڈیرے کے اندر گھسا دیکھا بادشاہ پلنگ پر آرام کر رہا تھا آنکھ لگ گئی تھی ایک خواجہ سرا اور ایک حبشی غلام پاؤں دبا رہے تھے جوں ہی اُنھوں نے داؤد خاں کے ہاتھ میں خنجر دیکھا فوراً تاڑ گئے کہ دال میں کچھ کالا ہے اور شور و غل کرنے لگے۔ بادشاہ جاگ اُٹھا اور آنکھیں ملنے لگا اور ہر چند چاہتا تھا کہ آنکھ کھولے لیکن آشوبِ چشم کے سبب سے آنکھ نہ کھُل سکی داؤد خاں جفاکار نے فرصت پا کر خواجہ سرا کے پیٹ میں خنجر بھونک دیا کہ اُس کی انتڑیاں نکل پڑیں۔ بادشاہ نے باوجود آشوبِ چشم کے بڑی بہادری سے داؤد خاں کا ہاتھ پکڑ کر خنجر سمیت اپنی طرف گھسیٹا

حبشی غلام کے پاس کوئی ہتیار نہ تھا وہ مسعود خاں کو لپٹ گیا مسعود خاں نے ایک تلوار ایسی ماری کہ بیچارہ غلام ختم ہوگیا اور اُسی تلوار سے بادشاہ کے سر پر ایک ضرب ایسی لگائی کہ اُسی وقت بادشاہ دُنیا سے رُخصت ہوا - یہ واقعہ ۱۷ ذی الحجہ ۷۹۹ھ م ۱۶ اپریل ۱۳۷۸ء یوم جمعہ کی شب میں ہوا تھا -

اجل خانۂ تن بپرداختش	پس از تخت بر تختہ انداختش
جہاں کار زیں گونہ بسیار کرد	زمانہ نخستیں چنیں کار کرد
یکے را از زر بر سر افسر نہد	یکے را بہ خاکِ سیہ در نہد

داؤد خاں بادشاہ کا کام تمام کرکے باہر آیا اور اُسی دن سب اُمرا کو بُلا کر اپنی سلطنت کی دعوت دی - مجاہد شاہ کے کوئی اولاد نہ تھی داؤد خاں کے سوائے کوئی وارث نہ تھا - سب نے اطاعت قبول کی اور سرِ تسلیم خم کیا - داؤد خاں نے علی الصباح اپنے بھتیجے کے جنازے کو گلبرگہ بھجوا دیا اور خود دو تین روز مدگل سے لشکر آنے کے انتظار میں وہیں ٹھیرا رہا - مجاہد شاہ نے صرف تین سال سلطنت کی - بادشاہ کے قتل سے چاروں طرف مُلک میں فتنہ وفساد شروع ہوگیا صفدر خاں اور اعظم ہمایوں دونوں حوالی بیجاپور تک گئے لیکن آپس میں صلاح کرکے ادائے رسمِ تہنیت کے لیئے گلبرگہ نہ گئے بلکہ بادشاہی ہاتھی اور گھوڑے جو بیجاپور میں تھے وہ لے کر ایلیچ پور اور دولت آباد کو واپس چلے گئے اور داؤد شاہ کو

سلہ کرنل میڈوز ٹیلر نے اپنی تاریخ ہند کے صفحہ ۱۶۲ میں لکھا ہی کہ بیجانگر کے حملے میں ایک مرتبہ مجاہد شاہ ایک بڑے مندر میں گھس گیا اور برہمنوں کو جو دیول کی حفاظت کر رہے تھے اور دیو کو بچانا چاہتے تھے منتشر کردیا اور ہنومان کے بُت مشہور پر ایک ضربِ شمشیر ایسی ماری کہ اُس کا چہرہ کٹ گیا - ایک برہمن نے جو بُت کے قدموں پر جان توڑ رہا تھا بادشاہ کو بددعا دی اور کہا کہ اِس بے ادبی کی سزا تجھ کو ایسی ملے گی کہ تُو اپنی دارالسلطنت کو پہونچنے بھی نہ پاے گا کہ مرجاے گا - یہ پیشین گوئی بالکل پوری ہوئی - یہ بُت جو ایک بڑے پتھر سے تراشا گیا ہی اب بھی موجود ہی اور اُس پر بادشاہ کی ضرب کا نشان بھی ہی ۱۲

لکھ دیا کہ لشکر اور جانوروں کے آرام کے خیال سے ہم اپنے اپنے مقامات پر چلے گئے ہیں اگر درگاہِ فلکِ بارگاہ سے یاد ہوگی تو فوراً حاضر ہوں گے۔ بیجا نگر میں جب مجاہد شاہ کے قتل کی خبر پونہچی تو خوش حالی اور شادمانی پھیل گئی یہ لوگ ملک کو لوٹتے ہوے رایچور تک آے اور قلعہ فتح کر لیا۔ گلبرگہ میں دو فرقے ہو گئے بعض داؤد شاہ کی طرف اور بعض سلطان علاء الدین کے چھوٹے بیٹے محمود شاہ کی طرف۔ آخر کار ملک سیف الدین جو عاقل و جہاں دیدہ تھا اُس نے کہا کہ ایسے اختلافات سے تو زوالِ سلطنت کا اندیشہ ہی اب کہ داؤد شاہ نے تاجِ شاہی زیبِ سر کر لیا ہی مناسب یہی ہی کہ ہم سب بھی اطاعت قبول کریں۔ چوں کہ ملک سیف الدین رکنِ اعظم سلطنت کا تھا سب نے حتیٰ کہ خواتینِ حرم نے بھی اُس کی بات سُنی اور ناچار اِس امر کو قبول کر لیا۔ لیکن بادشاہ کی حقیقی بہن نے کہ سیف الدین کی نواسی ہوتی تھی۔ بہت لعنت ملامت کی اور اپنے بھائی کے قتل سے بہت مضطرب اور بے تاب تھی۔ آخر کار سب نے مل کر داؤد شاہ کا خطبہ پڑھا اور اُس کو بہت شان و شوکت و اہتمام سے استقبال کر کے شہر میں لاے اور تخت پر بٹھا دیا۔ اِس کے بعد سیف الدین نے منصبِ وکالت سے استعفار دے دیا۔ بادشاہ نے ہرچند اصرار کیا لیکن سیف الدین اپنی راے پر اڑا رہا ناچار بادشاہ نے بھی منظور کر لیا۔ الغرض سب نے تو اطاعت اور فرماں برداری قبول کر لی لیکن مجاہد شاہ کی بہن کہ جس کا نام روح پرور آغا تھا وہ بالکل منحرف رہی حتیٰ کہ تخت نشینی کی مبارک باد بھی نہ کہلا بھیجی۔ داؤد شاہ نے ہرچند خوشامد درآمد کی لیکن وہ اِس کی کچھ حقیقت نہ سمجھتی تھی کیوں کہ محمد شاہ کے وقت میں اِس بیگم کی بڑی عزت تھی اور تمام محلاتِ شاہی میں اِسی کو تفوق تھا۔ داؤد شاہ ہمیشہ اِس کی بہت عزت اور احترام کیا کرتا تھا اور مجال نہ تھی کہ اِس کے سامنے زبان ہلا سکتا۔

داؤد شاہ کا قتل اور محمود شاہ کی تخت نشینی ۷۸۰ھ ۱۳۷۸ء

باکہ نامی ایک جوان تھا جو مجاہد شاہ کا بڑا خیرخواہ اور مقرب تھا اور اِس وجہ سے اعلیٰ مرتبے پر پونہچ گیا تھا روح پرور آغا نے اُس کو بھڑکایا۔ وہ اپنے آقاے ولی نعمت کے خون کے بدلہ لینے پر مستعد ہو گیا اور جان سے ہاتھ دھو کر موقع اور وقت

کا منتظر رہا۔ ۲۱ محرم ۷۸۰ھ یوم جمعہ کو جب کہ داؤد شاہ اور اُس کے ساتھ مسند عالی خاں محمد ادائے نمازِ جمعہ کے واسطے جامع مسجد کو گئے تھے باکہ بھی داؤد شاہ کے پیچھے کی صف میں جا بیٹھا اور جب بادشاہ سجدے میں گیا تو چستی اور چالاکی سے اِس طرح کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ ایک ہاتھ تلوار کا ایسا مارا کہ داؤد شاہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ مسند عالی خان محمد اپنے چچیرے بھائی کو مُردہ دیکھ کر جھپٹا اور قاتل مسجد کے باہر بھی نہ بھاگنے پایا تھا کہ اُس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ داؤد شاہ کے لیئے یہ مثل صادق آئی "چاہ کُن را چاہ درپیش" داؤد شاہ نے ایک مہینے پانچ دن سلطنت کی۔ علاء الدین کا چھوٹا بیٹا محمود[1] شاہ اوّل داؤد شاہ کا جانشین ہوا۔ مجاہد شاہ کی ہمشیر رُوح پرور آغا نے داؤد شاہ کے بڑے بیٹے محمد سنجر کی جس کی عمر (۸) سال کی تھی پہلے ہی آنکھیں نکلوا دی تھیں تاکہ تخت نشینی کا جھگڑا نہ پیش آسے محمود شاہ کو سب فریقوں نے بہ خوشی اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا حتیٰ کہ راسے بیجانگر نے بھی اپنا محاصرہ رائچور پر سے اُٹھا لیا اور جو خراج محمد شاہ کے زمانے میں دیا کرتا تھا اُس کے دینے کا اقرار کر لیا۔

سلطان محمود کا انتقال ۱۳۹۷ء

سلطان محمود نے اُنّیس سال نَو مہینے بیس روز سلطنت کی یہ زمانہ بالکل امن و امان سے گزرا اور ۲۱ رجب ۷۹۹ھ مطابق ۲۰ اپریل ۱۳۹۷ء کو بہ مرضِ تپ محرقہ دُنیا سے رخصت ہوا۔

جواں شہ بدولت جہاں بر گرفت	بشاہنشہی چتر بر سر گرفت
بسے سالہا در جہاں کام یافت	براو رنگ بے رزم آرام یافت

[1] تاریخ فرشتہ میں اِس بادشاہ کا نام محمود لکھا ہے لیکن ڈاکٹر کاڈرنگٹن جو سکّہ شناسی کے ماہر ہیں لکھتے ہیں کہ سکّوں پر اِس بادشاہ کا نام محمد تھا نہ کہ محمود اور برہانِ مآثر میں بھی یہی لکھا ہے اور میجر کنگ نے بھی یہی لکھا ہے لیکن ہم نے تاریخ فرشتہ پر ہی عمل کیا ہے ۱۲۔

باب چوتھا

توسیعِ سلطنت من ابتدائے سنہ ۱۳۷۹ء تا سنہ ۱۴۰۶ء

زمانِ سلطنتِ ہرہیہرِ دوم بکّا اول کی جگہ اُس کا بیٹا ہریہر دوم جو اُس کی بیوی گوُرِی کے بطن سے تھا تخت نشین ہوا۔ کتبوں کے لحاظ سے ہریہر دوم نے بیس سال سلطنت کی نیونزنے نئے راجہ کا نام پرہوری دیورائو لکھّا ہی جو اصل میں ہریہر ہوگا پرتگالی زبان میں بگاڑدیا ہی علاوہ اِس کے ھ اور پ دونوں لفظ تلنگی اور کنٹری زبان میں قریب المخرج بھی ہیں۔ یہ پہلا راجہ تھا جس نے شاہی خطاب " مہاراج ادھیراج " کا لیا۔ اِس کے عہد میں دیولوں کو بہت سے عطیّات دیئے گئے اور سلطنت کو جنوبی حصّۂ ہند میں بہت مستحکم کیا۔ سایَن[1] برادر مادھواچاری جس طرح سنگم دوم کا وزیر تھا اس کا بھی وزیرِ اعظم رہا۔ سنہ ۱۳۷۹ء و سنہ ۱۳۸۲ء کے دو کتبوں سے معلوم ہوتا ہی کہ اس زمانے میں سپہ سالارِ فوج مُدّا نامی شخص تھا اور ایک دوسرے فوج کے سردار کا نام اِیروگا تھا جو بکّا دوم کے وزیر چیچا کا بیٹا تھا جس کا نام کاملاپور کے جینوں کے مندر کے ستون پر کندہ ہی اور سال سنہ ۱۳۸۵ء درج ہی اور ایک سردار کا نام گُنڈا تھا لیکن اِس کا سنہ نہیں ملتا۔ ایک دوسرے کتبے سے معلوم ہوتا ہی کہ ہریہر نے اپنے سلطنت کے اوائلِ زمانہ میں مسلمانوں کو بندرگوآ سے بے دخل کردیا تھا۔ اور اِس کی سلطنت کا آخری کتبہ جواب تک دریافت ہوا ہی (جس میں بادشاہ کا نام " مہامنڈلیسور پسر ویرابکّا اُدی یار مالک ہر چہار سمندر " درج ہی) اس سے

[1] پروفیسر آزیجپٹ نے لکھا ہی کہ ساین سنہ ۱۳۸۰ء میں انتقال کیا ۱۲۔

معلوم ہوتا ہی کہ بندر گوا پر بکنا اُدیپا رگورنر تھا۔ راجہ کی بڑی رانی کا نام مُلّا دیوی یا مُلّنیکا تھا جو سب میں ممتاز اور سر بر آوردہ تھی۔ اِس راجہ کے وقت میں سلطنت کو اس قدر وسعت ہوئی کہ دُور دراز مقامات مثل میسور۔ دھارواڑ۔ کنجیورم۔ جنگل پیٹ اور ترچناپلی میں بھی اس کے نام کے کتبے موجود ہیں۔ راجہ سیوا اور ویرپاکشا دیو کی پوجا کرتا تھا لیکن دوسرے مذاہب سے اُسے تعصب نہ تھا۔ کتبوں کے رُو سے سب سے آخر تاریخ اِس کی سلطنت کی ۱۵ ار اکتوبر ۱۳۹۹ء قرار پاتی ہی۔

سلطان غیاث الدین کی تخت نشینی ۱۳۹۷ء

سلطان محمود کے بعد اُس کا بیٹا سلطان غیاث الدین سترہ سال کی عمر میں تختِ گلبرگہ پر بیٹھا۔ اِسی زمانے میں صفدر خاں سیستانی کے مرنے کی خبر ایلچپور سے پُہنچی بادشاہ نے اُس کے بیٹے صلابت خاں کو جو بادشاہ کا ہمباز اور ہم مکتب تھا مجلسِ عالی کا خطاب دے کر اُس کے باپ کی جگہ مقرر کر دیا۔ احمد بیگ قزوینی کو عہدۂ پیشوائی اور محمد خاں ولد اعظم ہمایوں کو خدمتِ سرنوبتی سے سرفراز فرمایا۔

تغلچین کی سازش سے غیاث الدین کا مکحول ہونا ۱۳۹۷ء

یہ بات تغلچین کو جو سلطان محمود شاہ کا ایک غلام تھا ناگوار ہوئی کیوں کہ وہ یہ چاہتا تھا کہ منصب وکالت اُسے اور اُس کے بیٹے حسین خاں کو سرنوبتی ملے لیکن اِن دونوں خواہشوں میں وہ ناکام رہا اور اسی وجہ سے اُس کے دِل میں کدورت تھی۔ بادشاہ اکثر کہا کرتا تھا کہ یہ بات بہت نامناسب ہی کہ غلاموں کو خلق اللہ پر حاکم مقرر کر دیا جائے جن میں کثرت سے معزّزین حتیٰ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد بھی ہیں۔ تغلچین بھی ایک امیر کبیر تھا اُس کے ساتھ بھی اُس کے بہت سے ہم درد تھے۔ تغلچین کے دل میں گرہ پڑ گئی اور اُس کی تمام تر کوشش اِسی بات کی تھی کہ کسی نہ کسی طرح بادشاہ کو تخت سے اُتار دے۔ تغلچین کی ایک لڑکی حُسن و جمال میں شہرۂ آفاق اور بے مثل تھی وہ فنِ موسیقی میں بھی مشہور تھی۔ بادشاہ اُس کی طرف راغب تھا اور اُس کی محبت کا دم بھرتا تھا۔ اِن ہی دِنوں میں تغلچین نے

اپنے مکان میں ضیافت کا سامان اعلیٰ درجے پر کیا اور بادشاہ کے قدوم میمنت لزوم اپنے غریب خانے تک قدم رنجہ فرمانے کی خواہش کی۔ بادشاہ نے سمجھا کہ شاید یہ اپنی لڑکی کو پیش کرے گا خوشی خوشی اُس کے گھر گیا۔ تغلچین نے بڑی دھوم دھام سے دعوت کی اور مجلسِ بزم آراستہ کی جب بادشاہ مخمور ہوگیا تغلچین نے چاہا کہ تخلیہ ہو کر مجلس نامحرموں سے خالی ہو جائے۔ بادشاہ کو وصالِ معشوق کی دُھن تھی اُس پر شراب کا نشہ کچھ نہ سُوجھا محفل کو خالی کرا دیا اور سب کو باہر چلے جانے کا حکم دیا۔ تغلچین کے پاس ایک قدیم غلام خواجہ سرا تھا جس کا نام طرب تھا اُس کو بادشاہ کا ساقی بنایا اور اشارہ کردیا کہ ہاں خوب دَور پر دَور دے کہ بادشاہ بالکل بے ہوش ہوجائے اور خود اپنی بیٹی کو لانے کے بہانے باہر چلا گیا اور تھوڑی دیر میں خنجر برہنہ لے کر واپس آیا۔ بادشاہ کو نشے کی حالت میں جب بھی خبر نہ ہوئی۔ اگرچہ بادشاہ کے پاس کوئی ہتیار نہ تھا لیکن پھر بھی تغلچین کے وار کو روکا اور کھڑا ہوگیا لیکن نشے کے سبب سے پاؤں ٹک نہ سکتے تھے لڑکھڑایا اور گر پڑا اور زینے کی طرف بھاگا کہ باہر کُود جائے لیکن تغلچین نے جھپٹ کر بادشاہ کو آخری سیڑھی پر پکڑ لیا اور اُس کے سر کے بال پکڑ کر نیچے گھسیٹ لایا۔ خواجہ سرا اور اُس نے دونوں نے مل کر بادشاہ کی مُشکیں کس دیں اور خنجر سے فوراً اُس کی دونوں آنکھیں نکال لیں۔ تغلچین نے اپنے دو تین آدمیوں کو مسلح کھڑا کر رکھا تھا طرب کو بار بار باہر بھیجتا تھا اور بادشاہ کے نام سے ایک ایک امیر کو اندر بُلاتا تھا اور قتل کر ڈالتا تھا۔ اس طرح چوبیس امیروں کو قتل کیا اور اُمراے دولت میں سے کسی بڑے شخص کو باقی نہ چھوڑا۔ سب سے آخر بادشاہ کے چھوٹے بھائی شمس الدین کو بُلوایا جب وہ قریب آیا تو تغلچین زشت آئین بطریقِ پیشوائی مع اپنے جوانانِ خاصہ کے آگے بڑھا اور مبارک بادِ سلطنت کی دی اور قلعے میں لے جا کر تخت فیروزہ پر بٹھلایا۔ غیاث الدین کو قلعہ سگر میں لے جا کر مقید کر دیا۔ یہ واقعہ ۷ ار رمضان المبارک ۷۹۹ھ م ۱۴ ار جون ۱۳۹۷ء میں ہوا۔ اس بدنصیب بادشاہ کی سلطنت صرف ایک مہینے بیس دن رہی۔

سلطان شمس الدین کی تخت نشینی ۱۳۹۷ء	اِس کے بعد اس کا چھوٹا بھائی شمس الدین

پندرہ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ اس نے تغلچین کو خطاب ملک نائب و منصب امیر جلگی عطا کیا۔ شمس الدین نے اپنی والدہ کو جو سلطان غیاث الدین کی والدہ کی لونڈی تھی مخدومۂ جہاں کا خطاب دیا۔ وہ تغلچین کی بڑی خاطر کرتی تھی اور اپنے بیٹے کو ہمیشہ نصیحت کرتی تھی کہ اسی کی بدولت تم کو بادشاہت ملی ہے یہ تمہارا سچا خیر خواہ ہے اس کے مقابلے میں کسی اہل غرض کی بات نہ سننا۔ تغلچین نے بھی مخدومۂ جہاں کو خوشامد درآمد کر کے خوب گانٹھ لیا تھا۔ داؤد شاہ کے تین بیٹے تھے بڑے بیٹے محمد سنجر کی آنکھیں پہلے ہی نکلوا ڈالی گئی تھیں جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ دوسرا بیٹا فیروز خاں اور تیسرا احمد خاں یہ دونوں ایک ماں کے پیٹ سے تھے اور اپنے باپ کے قتل کے وقت ان کی عمر چھ سات سال سے زیادہ نہ تھی ان کے چچا سلطان محمود شاہ نے ان کی تعلیم و تربیت بہت عمدگی سے کی تھی۔ میر فضل اللہ انجو کہ جو شیراز کا عظیم المرتبہ سید تھا اور ملا سعد الدین تفتازانی کا شاگرد تھا ان لڑکوں کا استاد تھا۔ اس وقت تک سلطان محمود شاہ کے ہاں کوئی لڑکا نہ تھا اس نے ان دونوں بھتیجوں کو اپنی بیٹیاں منسوب کر دی تھیں اور بعض وقت کہتا تھا کہ فیروز خاں میرا ولی عہد ہے اور اس کو تخت پر بھی اپنے برابر بٹھاتا تھا لیکن بعد میں اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو گیا اور اس نے اپنے بیٹے غیاث الدین کو ولی عہد مقرر کیا اور اپنی وفات کے وقت اپنے بھتیجوں کو اطاعت و فرماں برداری غیاث الدین کی وصیت کی جس پر انھوں نے پورے طور سے عمل کیا اور ہر طرح سے غیاث الدین کی اطاعت اور فرماں برداری کی۔

تغلچین کی بدولت سلطان شمس الدین سے فیروز خاں اور احمد خاں کی ان بن

جب تغلچین نے سلطان غیاث الدین کو اندھا کر دیا تو فیروز خاں اور احمد خاں کی بیگمات نے جو غیاث الدین کی بہنیں تھیں اپنے شوہروں کو ترغیب و تحریص دی کہ تم دونوں بھائی تغلچین سے اس کا بدلہ لو ان دونوں نے اقرار کر لیا اور تاک میں رہے۔ تغلچین بھی یہ بات سمجھ گیا اور سلطان شمس الدین سے ان کی شکایت کی اور بدگوئی کرنے لگا اور اس کوشش میں لگا رہا کہ بادشاہ کو ناخوش کر کے ان دونوں کو قید کرا دے لیکن سلطان شمس الدین نے باوجود صغر سنی کے تغلچین کی شکایتوں پر اعتبار نہ کیا

تغلچین نے اب یہ چال چلی کہ مخدومۂ جہاں کو بھڑکایا اور کہا کہ اگر دو تین دن میں ان دونوں بھائیوں کا قرار واقعی بندوبست نہ کیا جائے گا تو یہ دونوں انواع واقسام کا فساد برپا کرکے بادشاہ کو اور تم کو نکلوا دیں گے۔ القصہ مخدومۂ جہاں نے شمس الدین کے خوب کان بھرے اور اُس کو ان دونوں کے قتل پر آمادہ کرلیا۔ فیروز خاں اور احمد خاں کو بھی خبر لگ گئی وہ دونوں سگر بھاگ گئے۔ سگر کا حاکم سِدھو اِس خاندان کا غلام تھا وہ اِن کی مدد کے لیئے مستعد ہوگیا ۔

چنیں گفت سِدھو بہ فیروز خاں		ندارم دریغ از تو مالے وجاں	
بہ کوشم کہ اورنگِ کیخسروی		زفرِّ کلاہِ تو گردد قوی	

اِن دونوں بھائیوں نے پہلے شمس الدین کو لکھا کہ ہمارا مقصود صرف یہ ہی کہ تغلچین کو نکال دیا جائے کہ جس نے بہت سے اعمالِ ناشائستہ جن سے سلطنت کی ناموس میں خلل پڑا ہی کیئے ہیں مثلاً سلطان غیاث الدین کا اندھا کرنا اگر آپ اُس کو سزا دیں تو ہم بدستور آپ کے مطیع ہیں ورنہ ہم سے جو کچھ ہو سکے گا اُس میں ہم کمی نہ کریں گے۔

حوالیِ گلبرگہ میں فیروز خاں اور احمد خاں سے ایک جنگ

شمس الدین نے تغلچین اور مخدومۂ جہاں کی وساطت سے اُلٹا جواب بھجوایا کہ جس سے دشمنی اَور بڑھ گئی۔ دونوں بھائی سِدھو سے تین ہزار سوار اور پیادے لے کر گلبرگہ پہونچے اور خیال کیا کہ بادشاہی لشکر بھی اُن کے ساتھ ہو جائے گا لیکن جب دریاے بھٹورہ کے پار ہوے تو دیکھا کہ دار الخلافت سے کوئی شخص اُن کے پاس نہیں آیا اِس لیئے اُسی جگہ ٹھیر گئے اور ارادہ کیا کہ معقول انتظام کرکے آگے بڑھنا چاہیئے۔ اِن لوگوں نے چترِ شاہی فیروز خاں پر لگایا احمد خاں کو امیر الامرا اور سِدھو کو سرنوبت اور میر فضل اللہ انجو کو وکالت کی خدمات دیں۔ الغرض اپنے آپس میں تمام خدمات اور مناصب کو تقسیم کرکے آگے بڑھے جب گلبرگہ چار کوس رہ گیا تو تغلچین فوج لے کر مقابلے کو پہونچا

سلہ تعلقہ شاہ پور ضلعِ گلبرگہ میں ایک مقام ہی ۱۲۔

سلہ اِس نام کا کوئی دریا اب حوالیِ گلبرگہ میں نہیں ہی ایک ندی البتہ ہی جس کا نام بنی تُھرا ہی جو بھُورسے ملتا جلتا ہی ۱۲۔

اور حوالیٔ قصبہ مرتولؔ[1] میں بہت بڑی جنگ ہوئی جس میں فیروز خاں اور احمد خاں کو شکست ہونے سے وہ دونوں پھر سگر کو واپس چلے گئے۔ مخدومۂ جہاں اور تغلچین کو اب اَور زور ہو گیا +

فیروز خاں کا گلبرگہ واپس آکر تغلچین کو قتل کرنا اور شمس الدین کو مکحول کر کے خود تخت پر بیٹھنا ۱۳۹۷ء

عامۂ خلائق تغلچین سے متنفر تھی اور سب فیروز خاں کو چاہتے تھے۔ اِن لوگوں نے فیروز خاں کو صلاح دی کہ بہتر یہ ہی کہ سلطان شمس الدین سے عہدنامہ کرکے تم گلبرگہ چلے آؤ آنے کے بعد حسب موقع و صوابدید تمھارا مقصد حاصل ہو سکتا ہی۔ جب فیروز خاں نے دیکھا کہ گلبرگہ کے لوگ اُس کی حمایت پر ہیں تو اُس نے میر غیاث الدین ولد فضل اللہ انجو اور سید کمال الدین اور دوسرے سادات اور علمار کو مخدومۂ جہاں اور تغلچین کے پاس بھیجا کہ ہم لوگ بعض لوگوں کے کہنے سُننے سے اِن حرکات کے مرتکب ہوے تھے اب ہم اپنے کیئے پر نادم و شرمسار ہیں اگر بادشاہ ہم کو امان دے تو ہم دونوں بھائی بادشاہ کے ظلِّ عاطفت میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ مخدومۂ جہاں اور تغلچین اِس بات سے خوش ہوے اور اُن کو آنے کی اجازت دی۔ یہ دونوں بھائی گلبرگہ جانے کے لیئے اپنے کوٹھے پر متفکر بیٹھے تھے کہ گلبرگہ سے ایک دیوانہ کشمیری آیا اور غل شور کرتے لگا کہ اے فیروز خاں میں تجھ کو گلبرگہ لے جانے کے واسطے "روزافزوں" آیا ہوں (یعنی بہت جلد) تاکہ تجھے بادشاہ بناؤں۔ اِن دونوں نے دیوانے کی بات کو فالِ نیک سمجھا اور گلبرگہ آگئے۔ لیکن تغلچین اور فیروز خاں ایک دوسرے سے کھٹکے ہوے تھے اور اپنی اپنی جگہ ہُشیار تھے۔ اِن لوگوں کو آے ہوے دو ہفتے گزرے تھے کہ ۲۳ صفر ۸۰۰ھ یوم پنجشنبہ کو فیروز خاں بارہ سلاح داروں کے ساتھ دربار میں حاضر ہوا اور پیچھے تین سو جوان ایک ایک دو دو کرکے قلعے میں اکٹھے ہو گئے بعد کو احمد خاں بھی آگیا۔ فیروز خاں نے تغلچین سے کہا کہ میرے خویشوں میں سے دو تین شخص ہمارے ملک سے آے ہیں اور بادشاہ کے قدمبوس ہونا چاہتے ہیں اگر آپ کا حکم ہو تو بادشاہ کے سلام سے مشرف ہو جائیں

---

[1] اب یہ موضع مرتور کے نام سے مشہور ہی اور گلبرگہ سے چار کوس ہی اور ریل کا اسٹیشن ہی ۱۲۔

تغلچین نے کہا اچھا اور بادشاہ سے عرض کیا اُس نے حکم دیا کہ فیروز خاں جس کو لاسے پردہ دار مزاحم نہ ہوں۔ فیروز خان نے تغلچین کو اِدھر باتوں میں لگا لیا اور احمد خاں کو کہا کہ اُن لوگوں کو بُلالاؤ احمد خاں بارہ سلاح داروں کو جو اُن کے ساتھ آئے تھے دروازے کے پاس لایا لیکن اُن کو مسلح دیکھ کر پردہ داروں نے روک دیا۔ احمد خاں نے دیکھا کہ کام بگڑ گیا اور بھید کھل جائے گا اِن لوگوں نے فوراً ہتیار کھینچ لیئے اور چند پردہ داروں کو مار کر اندر گھس آئے۔ اندر آکر تغلچین کے بیٹوں کو پکڑ لیا۔ جو لوگ فیروز خاں سے باتیں کر رہے تھے وہ سب بھاگ گئے اور حجروں میں چھپ گئے سلطان شمس الدین نے جب یہ حالت دیکھی تو وہ بھی بھاگ کر تہ خانے میں چھپ گیا۔ اتنے میں تین سو لشکری جو باہر تھے وہ بھی اندر گھس آئے اور تغلچین کے تمام متعلقین کو جو دیوان خانے میں تھے قتل کر ڈالا۔ اِن لوگوں نے فیروز خاں کے حکم سے شمس الدین اور تغلچین کو پابہ زنجیر کر کے اُسی تہ خانے میں قید کر دیا۔ اُسی وقت فیروز خاں بہ اتفاقِ ارکانِ دولت دیوان خانے میں آیا اور برسرِ دربار تخت پر بیٹھ گیا۔ جو بات کشمیری دیوانے نے کہی تھی وہ پوری ہو گئی اِسی وجہ سے بادشاہ نے روز افزوں شاہ کا خطاب لیا سلطانِ شمس الدین کی آنکھیں نکلوا کر قلعۂ بیدر کو بھیج دیا اور سُلطان غیاث الدین کو سگر سے لاکر تغلچین کو اُس کے حوالے کیا کہ اپنا بدلہ اِس سے لے۔ سلطان غیاث الدین نے باوجود اندھے ہونے کے تغلچین کو اپنے سامنے بٹھا کر ایک ضربِ شمشیر سے ہلاک کیا۔ مخدومۂ جہاں اور سلطان شمس الدین ہر دو فیروز شاہ سے اجازت لے کر مکۂ معظمہ کو چلے گئے اور جب تک وہاں زندہ رہے ہر سال پانچ ہزار اشرفیاں اور تحفہ تحائف ہندوستان سے اُن کے پاس بھیجے جاتے تھے۔ شمس الدین نے ۸۱۶ھ میں مدینۂ منورہ میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوا اس کی مدتِ سلطنت (۵۷) روز تھی۔ اِس کے بعد ۲۳ ؍ صفر ۸۰۰ھ م ۱۵ ؍ نومبر ۱۳۹۷ء کو فیروز شاہ تخت نشین ہوا کیونکہ اسی کو اِس خاندان میں بڑے ہونے کا حق حاصل تھا اور آگے چل کر اس خاندان میں یہی سب سے مشہور بادشاہ ہوا۔ فرشتہ نے ۱۴۱۹ء میں بادشاہ کو بڈھا لکھا ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ جب وہ تخت پر بیٹھا تو معمر و مُسن تھا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہی کہ دیورائے بیجانگر ۸۰۰ھ کے اخیر میں (مہینے کی صراحت نہیں ہی م ۱۳۹۷ء و ۱۳۹۹ء) تیس ہزار سوار اور (۹) لاکھ

پیدل لے کر بغرضِ تسخیر قلعۂ مدگل ورایچور وملکِ دوآبہ متوجہ ہوا - یہ زمانہ آخر اگست ۱۳۹۹ء کا ہونا
ہی اس حساب سے ضرور ہی کہ لشکرِ ہنود غالباً اوائل موسمِ سرما دسمبر ۱۳۹۸ء میں روانہ ہوا ہوگا جب
تمام میدان تقریباً ریگر[1] کی زمینوں کا (جس میں سے لشکر کا رستہ تھا) زراعت سے خالی ہوتا
ہی اور طی مسافت میں آسانی ہوتی ہی - ہر یہر دوم ایک صلح پسند اور بڑی عمر کا راجہ تھا یہ ناممکن
ہی کہ بدون کسی وجہِ وجیہ کے وہ یکایک آمادۂ جنگ ہوگیا ہو اور خود جنگ میں ساتھ رہا ہو
اغلب ہی کہ یہ جنگ اُس کے بیٹے کے جوش کا نتیجہ تھی اگرچہ وہ راجہ کی اجازت ہی سے ہوئی ہو -

زمانۂ سلطنتِ بکّا دوم

حسب بیان نیونز و فرشتہ و بلحاظ کتبوں کے متفقاً یہ نتیجہ نکلتا
ہی کہ ہر یہر دوم نے آخر ۱۳۹۹ء میں انتقال کیا اُس کی جگہ اُس
کا بیٹا بکّا دوم تخت پر بیٹھا اور یہ بھی اوسط العمر کا ہوگا کیوں کہ تخت نشینی سے اوّل ہی اُس کے
خود ایک جوان لڑکا موجود تھا جو اُس کے ساتھ تخت نشینی سے پہلے جنگ میں شریک تھا
ہر یہر دوم کے جانشین بکّا دوم نے شہرِ بیجانگر کو بہت ترقی دی اور اُس کی توسیع کی اور فصیلیں
بنوائیں - اُس کی سلطنت کا سب سے بڑا کام وہ عظیم الشّان بند ہی جو اُس نے دریاے تُنگ
بھدرا پر باندھا ہی اور وہاں سے شہر تک ایک نہر لایا ہی جس کا طول (۱۵) میل ہی یہ نہر
آبپاشی کا ایک نہایت عجیب و غریب کام ہی کہ جو آج تک موجود ہی اور جس سے اب بھی زراعت
کی آبیاری کی جاتی ہی - یہ نہر مُسلسل کئی میلوں تک پہاڑوں کو کاٹ کر نکالی گئی ہی اور اِس
وقت بھی ہندوستان کے کارہاے آبپاشی میں نہایت مشہور ہی - اِس کے عہدِ سلطنت
میں جو لڑائیاں ہوئیں اُن کی تفصیل نہیں ملتی سواے اِس کے کہ مُسلمانوں سے مُقابلہ کرکے
اِس نے بندرگوآ[2] - چال اور دابُل کو فتح کرلیا اور جزیرہ نماے ہند کے ساحل کارومنڈل کو

[1] ملکِ دکن میں کالی مٹی کی زمین کو ریگر کہتے ہیں اِس قسم کی زمین میں پیداوار خوب ہوتی ہی اور
موسمِ بارش میں پانی بہت جذب کرنے کی وجہ سے اِس قدر کیچڑ ہوجاتی ہی کہ رستہ چلنا مشکل ہوجاتا ہی اور
سواری دلدل کی طرح پھنس جاتی ہی ۱۲ -

[2] بندر گوآ بلگاؤں کے پاس ہی اور مغربی ساحل ہند پر متصل سلسلۂ مغربی گھاٹوں کے واقع ہی اور ملک
کوکن میں دابُل اور چال یہ دو بندر بھی ہیں جو بمبئی کے پاس ہیں ۱۲ -

فتح کرکے اپنی سلطنت میں ملالیا - تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ بکا دوم کے عہد میں اُس کے باپ ہر یہر کے عین حیات دسمبر ۱۳۹۸ء میں پہلی جنگ ہوئی جس کا ذکر ہم اوپر لکھ آئے ہیں -

رودِ کشنا پر راے بیجانگر اور فیروز شاہ بہمنی کی لڑائی ۸۰۱ھ م ۱۳۹۸ء

یہ جنگ موسم سرما میں ہوئی جب کہ میدان زراعت سے خالی تھا کیوں کہ استنے بڑے لشکر کو موسم بارش میں ریگڑی زمین پر سے گزرنا ناممکن تھا اس جنگ میں بکا اپنے باپ کے ساتھ تھا اور ملک دوآبہ خصوصاً قلعہ جات مُدگل و رایچور پر چڑھائی کی گئی تھی جو اُس زمانے میں سلاطین بہمنی کے قبضے میں تھے - فیروز شاہ گلبرگہ سے بارہ ہزار سوار لے کر سگر پونہچا اور ہندوؤں کے مقابلے کو بڑھا رستے میں اُس نے ایک بڑے ہندو زمیندار کو جو ہمیشہ بغاوت کرتا رہتا تھا قتل کیا اور اُس کے ساتھ سات آٹھ ہزار آدمی مارے گئے راجہ بیجانگر شمالی ساحل رودِ کرشنا تک پونہچ گیا تھا جو اُس زمانے میں طغیانی پر تھی اُس کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا جو دریا کا گھاٹ روکے پڑا تھا - جب فیروز شاہ دریا کے پاس پونہچا تو اُس نے اپنے اُمرا و وزرا کا ایک دربار منعقد کیا اور اُن سے صلاح و مشورہ لیا لیکن اُن لوگوں میں سے کسی نے کوئی ٹھکانے کی بات نہ کہی -

قاضی سراج کی کارستانی

بادشاہ کو ملول دیکھ کر قاضی سراج نامی ایک امیر نے عرض کیا کہ اگر بادشاہ کی اجازت ہو تو میں اپنے بھروسے کے چند رُفقا لے کر دریا پار اُتر جاتا ہوں اور دیول راے یا اُس کے بیٹے کا جیسا موقع ملے خنجر اور کٹار سے کام تمام کر دیتا ہوں جب لشکر ہنود میں شور و غوغا ہونے لگے تو ہماری طرف کے چار پانچ ہزار سوار فوراً گھاٹ پر قبضہ کر کے ندی پار اتر جائیں پھر حضرت بھی اطمینان سے تشریف فرما ہوں - یہ بات بادشاہ کو پسند آئی - تھوڑی دیر میں چالیس چمڑے[۱] کے ٹوکرے فوج کو پار کرنے کے لیئے تیار کر لیئے گئے - قاضی سراج اپنے ساتھ سات دوستوں

---

[۱] ملک دکن میں اب تک بھی چھاؤ کے بڑے بڑے ٹوکرے بنا کر چمڑے سے مڑھ دیتے ہیں جس میں سو ڈیڑھ سو آدمی تک بیٹھ جاتے ہیں اور گاڑیاں بھی اُس میں رکھ کر پار کر دیتے ہیں چنانچہ ۱۸۱۲ء میں انگریزی توپخانہ دریاے تُنگ بھدرا سے ان ہی ٹوکروں میں پار ہوا - کشتیوں کا یہاں بہت کم رواج ہے -

کو فقیروں کا بھیس بدل راے بیجانگر کے کیمپ میں لے پُونہچا۔ رایانِ بیجانگر کے لشکر کے ساتھ ہمیشہ بہت سی طوائف رہا کرتی تھیں اُن کے پاس ہی جا اُترا۔ قاضی صاحب نے ایک طوائف سے تعشّق کا جال بچھایا اور اُسے دیکھتے ہی بسمل ہو گئے اور اُس کے عشق میں دیوانے بن گئے۔ اتفاقاً اُسی دن شام کو اِس طوائف کو دربار میں جانا تھا۔ شام کے وقت اُس نے بناؤ سنگھار شروع کیا زیورات اور عمدہ پوشاک سے آراستہ ہوئی قاضی صاحب لوٹ پوٹ ہو کر اُس کے پاؤں پر گر پڑے اور بہت منت سماجت سے گڑگڑا کر کہنے لگے کہ خدارا تم نہ جاؤ اور اگر جاتی ہو تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو تمھاری جدائی مجھے ایک منٹ کے لیئے بھی ہرگز گوارا نہیں ہی۔ طوائف نے کہا کہ راجہ کے صاحب زادے نے ایک بڑا جلسہ کیا ہی اور مجھے یاد فرمایا ہی بھلا یہ کیسے ممکن ہی کہ سرکاری حکم میں ٹال دوں اور نہ جاؤں قاضی صاحب نے بہت کچھ اپنا تعشّق جتلایا اور کہا کہ خیر اگر تم جاتی ہی ہو تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ طوائف نے کہا کہ وہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا اور سوا ے گویوں اور سازندوں کے دوسروں کا وہاں گزر ہونا ناممکن ہی اور تم اس فن سے کورے ہو۔ قاضی صاحب نے کہا کہ نغمہ اور ساز جو تم جانتی ہو میں بھی جانتا ہوں اِس کے علاوہ اَور بھی عجیب و غریب تماشے اور کرتب ایسے جانتا ہوں کہ جن کو دیکھ کر راجہ کے صاحب زادے بہت محظوظ ہوں گے طوائف نے خیال کیا کہ یہ قاضی صاحب نے ایک گپ لگائی ہی اور جھٹ ستار اُن کے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ بسم اللہ شروع کیجیئے۔ قاضی صاحب نے ستار چھیڑا تو اِس غضب کا بجایا کہ وہ دنگ رہ گئی تب قاضی صاحب نے یہ پٹّی پڑھائی کہ اگر تُو مجھے ساتھ لے چلے گی تو سب طائفوں میں تیرا ہی نمبر اوّل رہے گا اور صاحب زادے صاحب خوش ہو کر تجھے انعام و اکرام سے نہال کر دیں گے۔ طوائف دم میں آ گئی قاضی صاحب اور اُن کے ساتھی اُس کے ساتھ جلسے میں پہنچ گئے۔

بہ یدند بزمے چو باغ بہشت	سراپردۂ پرنیانی سرشت
ہماں راے زادہ بزاورنگ زر	سراسر برآمودہ دُرّو گہر
ز سر تا قدم زیور شہ وہی	بہ جمشید او چشمہا را نوی

زہر دو طرف مہتران کفر	بزیور درخشاں کمر در کمر

ملکِ دکن میں لونڈے۔ بھانڈ اور رنڈیوں کے طائفے ناچتے گاتے ہیں یہ سب وہاں جمع تھے اور باری باری سے اِن کا مجرا ہو رہا تھا اور ہر شخص اپنا کمال دکھا رہا تھا۔ راے زادے نے کھیل تماشہ کرنے والے سانگ بھرنے والے اور نقالوں کی یاد کی اِس طوائف نے راے زادے سے اجازت چاہی کہ اُس کے ساتھ ایک طائفہ اَور آیا ہی جو بہت عمدہ ناچتا گاتا اور تماشے کرتا ہی راے زادے نے کہا اچھا بلا لو۔ قاضی صاحب اوّل ہی سے زنانے لباس سے آراستہ و پیراستہ تھے بڑے انداز سے ہنستے مسکراتے آے اِن کا گانا بجانا ناچ تماشے اور نقلیں کچھ اِس غضب کی تھیں کہ راے زادہ بالکل محو ہو گیا۔ ملکِ دکن میں کہروے کے ناچ میں جمبیہ کٹار کی کثرت ہوتی ہی اور دو شخص مل کر ناچتے ہیں۔ اِن لوگوں نے بھی کٹاریں نکال لیں اور کٹارے کر ناچنے لگے اُس میں سیکڑوں طرح کے اُلٹ پھیر ہوتے ہیں ناچتے ناچتے ایک دم دو شخص راے زادے کے اوپر جا پڑے اور دونوں نے اُس کی چھاتی اور پیٹ میں کٹاریں بھونک دیں اور پھر اُن کے ہمراہیوں کی خبر لی۔ قاضی صاحب کے باقی پانچ چھ آدمی ڈیرے کے باہر تاک میں لگے ہوے بیٹھے تھے شور و غل کی آواز سن کر قنات پھاڑ کر اندر گھس آے۔ یہاں تو سب لوگ نشے میں سرشار تھے اِن کا مار لینا کونسی بڑی بات تھی قاضی صاحب اور اُس کے ہمراہیوں نے روشنی خاموش کر دی اور مجمعِ عام میں مِل کر نکل بھاگے اور دریا کے کنارے پہونچ کر لشکرِ سلطانی کا انتظار کرنے لگے۔

جواں مرد قاضی چو غرندہ شیر	سوے راے زادہ در آمد دلیر
ور اکشت بر دیگراں حملہ کرد	دمار از ہنوداں برآورد گرد

راجہ کے کیمپ میں ایک اودھم پڑ گئی اور چو طرف بلوہ اور ہنگامہ ہو گیا یہ گڑ بڑ دیکھ کر بعضوں نے خیال کیا کہ بادشاہ دریا اُتر آیا ہی اور لشکر پر شب خون مار رہا ہی۔ بعضوں کا خیال ہوا کہ بادشاہ کی طرف سے لشکر آگیا ہی اور راے بیجانگر اور اُس کے بیٹے کو قتل کر ڈالا ہی۔ رات بالکل اندھیری تھی اور لشکر برابر پندرہ میل تک پڑا ہوا تھا ہر شخص کے مونھ سے ایک نئی بات نکلتی تھی مختلف رؤسا و اُمرا حیران تھے اصلی سبب اِس ہنگامے کا کسی کو معلوم نہ تھا

اُن لوگوں نے اپنی اپنی جگہ ہتھیار سنبھال لیے اور طیار رہو کر اپنے اپنے خیموں میں بیٹھ گئے۔ اِسی اثنا میں چار ہزار فوجِ سلطانی جو اسی انتظار میں طیار بیٹھی ہوئی تھی ٹوکروں میں پار ہو کر آن پونہچی راے بیجانگر کی فوج جو مسلمانوں کا رستہ روکے ہوے پڑی ہوئی تھی وہ اِس شور و شغب سے خوف زدہ ہوگئی اور یکایک اُن پر فوجِ سلطانی آن پڑی وہ کچھ ایسے سٹ پٹائے کر جنگ و جدال کی نوبت بھی نہ آنے پائی کہ اپنی جان بچا کر بھاگ نکلے۔ صبح نہ ہونے پائی تھی کہ بادشاہ مع اپنے تمام لشکر کے دریا کے اِس پار آن پونہچا اور ابھی جھٹ پٹا ہی تھا کہ بڑے زور و شور سے حملہ آور ہوا۔ دیول راے اپنے بیٹے کے اچانک مارے جانے سے سخت رنجیدہ اور پریشان تھا اوپر سے یہ بلا نازل ہوئی اِس لیے بہ حالتِ دل شکستگی مقابلہ نہ کر سکا ابھی آفتاب کی کرن نہیں نکلنے پائی تھی کہ اپنے بیٹے کی نعش لے مع لشکر فرار ہو گیا۔ اِس جنگ میں بادشاہ کو بے انتہا لوٹ کا مال ملا۔ بادشاہ نے بیجانگر تک راجہ کا تعاقب کیا۔ رستے میں کئی چھوٹی موٹی لڑائیاں ہوئیں لیکن سب میں بادشاہ کامیاب رہا۔ ہنود کے کُشتوں کے پُشتے رستوں پر لگ گئے۔ بَجا کسی نہ کسی طرح جان بچا کر صحیح سلامت بیجانگر پونہچا اور قلعے کے اندر پناہ لی۔ بادشاہ نے اپنے بھائی احمد کو (جو آیندہ سلطان احمد شاہ کے نام سے مشہور ہوا اور جس کا خطاب خانِ خاناں تھا) اور میر فضل اللہ انجو شیرازی کو شہر کے جنوب میں جو زرخیز ملک تھا اُس کے لوٹنے کو بھیج دیا۔ اِن دونوں نے خوب لوٹ مار کی اور دو ہزار قیدی جن میں اکثر برہمنوں کی عورتیں اور بچے تھے پکڑ لاے۔ اِن لوگوں کے رشتے داروں نے راے بیجانگر ہرہر دوم سے جو اب تک زندہ تھا اور بہت بڈھا ہو گیا تھا عاجزی کی کہ جتنا ہو خون بہا دے کر اِن لوگوں کی گلو خلاصی کرائی جاے آخرکار بہت ردّ و قدح کے بعد دس لاکھ ہُن (یعنی ساٹھ لاکھ روپے) پر فضل اللہ نے صلح ٹھیرائی۔ چھ لاکھ ہن رعایا نے تاوان دیا اور پانچ لاکھ ہُن راجہ نے۔ اِس کے علاوہ ایک لاکھ ہُن فضل اللہ صاحب کے حق السعی کے نذر ہوے جب کہیں جا کر صلح ہوئی۔ اِس صلح نامے کی رُو سے (جو سنہ ۸۰۱ھ کے اختتام سے چند ماہ پیشتر ہوا اور جس کی تاریخ ۳ ستمبر ۱۳۹۹ء کے چند مہینے پہلے ہوتی ہے) ہر دو سلطنتوں کی حدود وہی قرار پائیں جو اِس جنگ کے اوّل تھیں

اور معاہدہ یہ ہوگیا کہ دونوں آیندہ سے جنگ نہ کریں - اِس جنگ سے بادشاہ کو کچھ بڑا فائدہ نہیں ہوا کیوں کہ ہمیشہ سے اِن دونوں سلطنتوں میں حدود کی ہی نزاع تھی - اِس جنگ کے تھوڑے دنوں بعد ۱۵ اکتوبر ۱۳۹۹ء کے قریب ہریہر دوم کا انتقال ہوا اور اُس کا بیٹا بکا دوم جانشین ہوا - بکّا نے گجرات - مالوا - خاندیس کے رؤسا کی اغوا سے فیروز شاہ کو خراج دینا بند کردیا - چنانچہ ۸۰۱ھ میں چار سال کا خراج باقی تھا لیکن بادشاہ نے سکوت اختیار کیا اور ایک موقع مناسب کا منتظر رہا - بکّا کے بعد تختِ بیجا نگر پر اُس کا بھائی دیو رایا اول تخت نشین ہوا اِس کی تخت نشینی کی تاریخ ایک پتھر پر جو ہاسن ضلع میسور میں ہی ۵ نومبر ۱۴۰۶ء کندہ ہی *

باب پانچواں

دیورایا اوّل من ابتداے

سنہ ۱۴۰۶ع تا سنہ ۱۴۱۹ع

پرتھال کا حال سنہ ۱۴۰۶ع کے اخیر میں دیوراے کے زمانے کا ایک واقعہ تاریخ فرشتہ میں حسب ذیل منقول ہے۔

مُدگل میں ایک غریب زرگر کی لڑکی بہت خوب صورت تھی۔

پری پیکرِ نگارے سرو قدّے — کہ حُسن از روے وے سرمایہ بُردے
زعکسِ عارضش رضواں بہ جنّت — زبہر حوریاں پیرایہ بُردے

راے پر یہ خبط سوار ہوا کہ کسی نہ کسی طرح اُس کو اپنے قبضے میں لاے۔ راے کے سر پر عشق کا جن ایسا سوار تھا کہ اِس لڑکی کے حاصل کرنے کے لیئے اُس نے اُس خطّۂ زمین پر جو بہ جانب شمال دریاے تُنگ بھدرا مابہ النزاع تھا لشکر کشی کی۔ اِس اجمال کی تفصیل یہ ہی کہ شہر مُدگل میں ایک غریب سُنار تھا جس کی ایک لڑکی مسمّاۃ پرتھال ایسی حسین تھی کہ اللہ تعالےٰ نے گویا اُسے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا اور خلاقِ عالم نے اُس میں کُوٹ کُوٹ کر حُسن بھر دیا تھا اور اُس کو اپنی قدرتِ کاملہ کا ایک پورا نمونہ بنایا تھا۔

لبِ لعلش نگینِ خاتمِ جسم — دہاں از حلقۂ انگشتری کم
زرنگِ عارضش روے ہوا لعل — ز زلفش در آتش کردہ صد نعل

دہانش آرزوے تنگ دستاں		عذارش قبلۂ آتش پرستاں	

حسبِ رسم و رواج زمانہ اُس کے والدین کی یہ خواہش ہوئی کہ صغرسنی میں اپنی ذات برادری میں ایک لڑکے سے اُس کی شادی کردیں لیکن پرتھال نے انکار کیا اور کہا کہ ہرچند مجھ پر والدین کی اطاعت واجب و لازم ہی لیکن والدین کو بھی اِس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ میری اُس کی کیا مناسبت اُس کا میرا کیا جوڑ۔ مناسب یہ ہی کہ تن بہ تقدیر اِس بات کو چھوڑ دو مشیت ایزدی جو ہوگی وہ ہو رہے گا۔ ماں باپ یہ سُن کر خاموش ہو گئے۔ بات گئی گزری ہوئی۔ اِس اثنا میں ایک دانشمند برہمن کہن سال جو بیجانگر سے بنارس جاکر واپس آرہا تھا حُسنِ اتفاق سے اِس موضع میں پونہچا اور اِن ہی کے گھر اُترا۔ سوائے اِس لڑکی کے گھر والے سب آکر برہمن کے قدمبوس ہوے اور خاطر مدارات و مہماں نوازی کرنے لگے۔ اِس برہمن کو متبرک دیکھ کر لڑکی کے ماں باپ نے کہا کہ آپ ہماری لڑکی کے حق میں دُعاے خیر کیجیے۔ برہمن نے پوچھا کہ لڑکی کہاں ہی؟ ماں باپ نے جواب دیا کہ وہ سب سے پردہ کرتی ہی۔ برہمن کو یہ سُن کر تعجب ہوا کیوں کہ اراذلِ ہنود میں پردے کا رواج نہیں ہی اور خصوصًا برہمنوں سے جو مذہبی پیشوا ہیں کوئی بھی پردہ نہیں کرتا۔ برہمن نے پردے کا سبب پوچھا اُس کے ماں باپ نے بالتفصیل سب حال اُس لڑکی کا اور اپنا دردِ دل بیان کیا کہ وہ لڑکی شادی کرنے پر کسی طرح راضی نہیں ہوتی۔ برہمن یہ حال سُن کر اُس کے دیکھنے کا مشتاق ہوا لڑکی بھی وہیں پردے کے پیچھے تھی برہمن نے پکار کر کہا کہ تُو تو میری بیٹی ہی مجھ بڈّھے سے کیوں پردہ کرتی ہی۔ الغرض بہت اصرار کرنے پر لڑکی سامنے آئی اور برہمن کے پاؤں پڑی۔

اشعار

نگز اشستہ درجہاں شکیبے		جادو نگہِ صنم فریبے	
در بُت کدہ بُت بہ بُت شکستہ		صد برہمنش بہ خوں نشستہ	
شورے بہ نمک فگندہ در قند		گلقند لبے بہ ہر شکر خند	
در سحر نمک نبات کردہ		بر خندہ نمک برات کردہ	
شیریں تر از آں تبسّم او		شیریں نمکیں تکلّم او	

شمشاد قدے بناز رستہ / صد رہ بمی و گلاب شستہ

در پردۂ دیدہ جلوہ گاہش / درخانۂ ُو پا بفرق ماہش

الماس نژاد غمزہ اش تیز / ہم دشنہ فشاں وہم نمک ریز

مالیدہ چو گُل بجاے غازہ / صد صندلِ تر بخون تازہ

پیچیدہ بہ جعد عنبریں تار / از ہر خم مو ہزار زنّار

واں طرّہ وآں عذارِ مہوشش / موئیں دامے بدست آتشش

آں راکہ بزخم غمزہ دل سوخت / زابریشم طُرّہ زخم او دوخت

چشمش کہ چو فتنہ مست خفتہ / صد دشنہ در آستیں نہفتہ

از شرم فگندہ پردہ درپیش / در روز نہ دیدہ سایۂ خویش

در پردہ بصد ہزار بازی / در پردہ دری و پردہ سازی

جز آئینہ کس ندیدہ دستش / جز سرمہ ندید چشم مستش

پیشانیٔ غمزہ ناز در ناز / ابرو بہ کرشمہ راز در راز

بودند قبیلہ و تبارش / حیرت زدگانِ کاروبارش

برہمن سراپاے پربھال کو دیکھ کر دنگ رہ گیا اور کہا کہ ای بیٹی فی الحقیقت تیرا حُسن حیرت بخش ہی۔ تیرے حسن و اخلاق و اطوارِ خوب سے ظاہر ہوتا ہی کہ تُو بڑی خوش قسمت اور صاحبِ اقبال ہی۔

می شنیدم کہ جانِ جانانی
چوں بدیدم ہزار چندانی

برہمن کو علمِ موسیقی میں بڑا دخل تھا اور اکثر ساز خوب بجاتا تھا لڑکی کو اپنے پاس بٹھلا کر جنتر اور سرمنڈل بجایا کرتا تھا۔ چوں کہ پربھال کو اس فن سے رغبتِ تامّہ تھی اُس کو حظّ آنے لگا اور برہمن سے اجنبیت رفع ہوگئی۔ برہمن برابر ایک سال تک اِن کے مکان میں رہا اور پربھال کو علمِ موسیقی جی توڑ کر سکھایا۔ پربھال کو خود شوق تھا اُس نے ازروے اخلاص وعقیدت برہمن سے کسبِ ہنر کیا ع شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے درکار نیست۔

چند روز میں پر بھال علمِ موسیقی میں صاحبِ کمال ہو گئی آخرِ کار برہمن بیجانگر کو روانہ ہوا۔ برہمن نے اس کے بے نظیر حسن و جمال کے لحاظ سے پہلے ہی دل میں ٹھان لی تھی کہ یہ سونے کی چڑیا تو محلاتِ راے بیجانگر میں رہنے کے لائق ہی نہ کہ اس کلبۂ احزان میں۔ پربھال کیا ہے گدڑی کا لعل ہے برہمن دوہری دوہری منزلیں طے کر جس قدر جلد ممکن تھا بیجانگر پونہچا اور جاتے ہی پربھال کے حسن و جمال قابلیت و کمال کی بے انتہا تعریف کا ذکر ہر آے گئے کے سامنے کرنے لگا۔ شدہ شدہ یہ خبر راجہ کے کانوں تک بھی پونہچی راجہ نے فوراً برہمن کو بلا بھیجا اور بے تاب ہو کر حال اس پری جمال کا پوچھا۔ برہمن نے تا بہ امکان جو دیکھا تھا بیان کیا مگر ہم کہتے ہیں کہ جو دیکھا تھا اُس کا عُشرِ عشیر بھی زبان سے نہ نکلا ہوگا کیوں کہ زبان میں وہ طاقت کہاں کہ اُس کا نقشۂ حسن و عشق بیان کر سکے جتنا کہتا تھوڑا تھا۔ راجہ سُنتے ہی فریفتہ ہو گیا اور عشق کا کاری خنجر اُس کے سینے میں گڑ گیا۔ برہمن کو مالا مال اور خوش حال کر دیا اور اُس کے ساتھ ایک بیش قیمت مرصّع ہار اور بہت کچھ نقد و جواہر دے کر خفیہ طور پر جانے کی تاکید کی اور کہا کہ جس طرح ممکن ہو اُس کے ماں باپ کو سمجھا بجھا کر دے دلا کر ہموار کرے اور پربھال کو خطاب رانی و عزت و بلندیِ مرتبے کی طمع دلا کر زر و جواہر اُسے دے اور ہارِ مرصّع اُس کے زیبِ گلو کرے اور معابدِ بیجانگر کے دور و دراز متبرک مشہور ہیں اُن کی تیرتھ کے بہانے سے لے آے۔ برہمن کو مُنہ مانگی مُراد ملی آیندہ کی توقعات پر پھول گیا دل میں کہنے لگا کہ ادنے اِستارنی راجہ کا نام سُنتے ہی لٹّو ہو جاے گی ایسے اُس کے نصیب کہاں کہ راجہ کے گھر آے اور رانی کہلاے اُس کو تو چار چاند لگ جائیں گے۔ غرض ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر مُدگل پونہچا رستے میں منصوبے گانٹھتا چلا جاتا تھا کہ یوں کروں گا اور دوں کروں گا سیدھا وہیں پونہچا۔ پہلے تو یہی کہا کہ میرا دل تم لوگوں کے دیکھنے کو بہت چاہتا تھا اس لیئے آیا ہوں دو تین دن تک یوں ہی خاموش اور منتظرِ موقعِ مناسب رہا الغرض آمدم بر سرِ مطلب ایک دن پربھال کے ماں باپ سے راجہ با اقبال کا پیغام پونہچایا۔ اور بہت سی چکنی چپڑی باتیں کیں کہ میں نہ کہتا تھا کہ یہ لڑکی ہونہار رہی۔

بالاے سرش ز ہوش مندی		می تافت ستارۂ بلندی	

دونوں اِس مژدے سے پھول گئے زمانے کا جَور و ستم بھول گئے۔ دل میں اُمنگ اور طرح طرح کی امیدیں کرنے لگے۔ برہمن نے جھٹ سامان کھول کر ہیک مرصّع نکالا دیکھتے ہی سُنار کی آنکھیں کُھل گئیں ع زر بر سرِ فولاد نہی نرم شود۔ ماں باپ نے زر و جواہرات اور بیش قیمت تحائف لے جاکر اپنی بیٹی کے سامنے رکھ دیئے اور بہت خوشی سے اُس کی خوش نصیبی پر مبارک باد دی کہ اُس کی تقدیر کیسی اونچی جگہ لڑی ہی کہ وہ ایک بڑے جلیل القدر راجہ سے بیاہی جائے گی۔ اور چاہا کہ اُس کے گلے میں ہار بطور ادائے رسم کے ڈال دیں کہ بات پکّی ہو جائے لڑکی یہ باتیں سُن کر بہت متعجّب ہوئی اور چیں بجبیں ہو کر گردن موڑلی اور ہار کے پہننے سے صاف انکار کیا اور کہا کہ راجہ گانِ بیجانگر کا یہ شیوہ ہی کہ جو بدنصیب اُن کے محل میں داخل ہوئی وہ زندہ درگور ہوئی پھر قیامت تک وہ ماں باپ اور عزیز و قریب کی صورت تک نہیں دیکھنے دیتے۔ اگر تم مجھ سے بے زار ہو اور حقیر دولت کے عوض مجھے بیچتے ہو تو میں تو تم سے بے زار نہیں ہوں کہ اُن کے محل میں جاکر قیدی بن جاؤں اور مدّۃ العمر تمھاری صورتوں کو ترسوں پھڑکوں اور جیتے جی تم سے چھوٹ جاؤں۔ تم کو دولت عزیز ہی مگر میرے سامنے تو تمھارے مُقابلے میں راے بیجانگر کی تمام دولت بھی ہیچ ہی اور میں ہرگز اِس بات کو پسند نہیں کرتی اور نہ اِس پر راضی ہوں۔ یہ باتیں وہ اِس درد سے کہہ رہی تھی اور بے اختیار زار و قطار آنسو بہا رہی تھی کہ اُس کے والدین کا کلیجہ پگھل گیا تاہم انھوں نے اپنی بیٹی کو اُونچ نیچ بہت کچھ سمجھایا اور منّت سماجت کی لیکن جوں جوں اُن کا اصرار بڑھتا تھا اُس کا اِنکار بڑھتا جاتا تھا۔ پرمھال نے جب دیکھا کہ وہ کبیدہ خاطر ہوتے ہیں تو ناچار اُس نے سچ سچ بات کہدی کہ مَیں نے خواب دیکھا ہی کہ میری خوش وقتی سے بے سعی و مشقّت میں فائز المرام ہوں گی اور چندہی دنوں میں ایّامِ عُسرت عشرت سے بدل جائیں گے۔ تم کو چاہیئے کہ صبر کرو اور تن بہ تقدیر صابر رہو۔

کارِ سازِ ما بہ فکرِ کارِ ما
فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

برہمن نہایت ملول اور نااُمّید ہو کر بیجانگر واپس گیا۔ جب برہمن بیجانگر کو پہنچا اور اُس نے

اپنی ناکامیابی کا حال راے سے بیان کیا کہ لڑکی کے ماں باپ تو راضی ہیں مگر وہ خود ناراض ہی۔ یہ سُن کر راجہ کی آتش غضب مشتعل ہوئی اور اُس نے اپنے دل میں ٹھان لیا کہ جب راستی سے یہ کام نہ بنا تو جس طرح ممکن ہو گا جابرانہ طور سے ہی اپنا مقصد حاصل کروں گا اگرچہ وہ جانتا تھا کہ یہ سونے کی چڑیا اُس کی حدودِ حکومت میں نہیں رہتی بلکہ یہ بیش بہا تحفہ سلطنت فیروزشاہ میں بہ مقام مُدگل ہی اور مُدگل ایسا مقام تھا کہ ہمیشہ اِن دونوں سلطنتوں میں مابہ النزاع رہا ہی۔ لیکن خیر ع ہرچہ بادا باد ماکشتی در آب انداختیم۔

پرتھال کے لیئے دیول راے اوّل راے بیجانگر کی چڑھائی مُدگل پر

نکلا تو راجہ پرتھال ہی کے ارادے سے تھا لیکن مشہور یہ کیا کہ اپنے علاقے میں دَورے کو جارہا ہوں اور ایک بہت بڑا لشکر اپنے ساتھ لیا۔ کوچ مقام کرتا ہوا دریاے تُنگ بھدرا کے کنارے پُہنچ گیا۔ اپنی فوج میں سے پانچ ہزار سواروں کو منتخب کیا اور عشق کی باگ اُن کے ہاتھوں میں دی خود اُن کا سرکردہ بنا اور اگرچہ ہرچند اس کے بہی خواہوں نے اِسے سمجھایا بُجھایا مگر آتش عشق نے اندھا کر رکھا تھا

در عشق بجز گداختن نیست	ایں سوختن است ساختن نیست
ایں عشق کہ ہست بے خود از خویش	نہ شاہ شناسد و نہ درویش
باہیست بعد بلند وپستی	ہاں پاے ملغزدت زمستی

اِس مقام سے مُدگل (۴۰) میل شمال میں واقع تھا راجہ رات دن چل کر بہت جلد مُدگل پُہنچا اور اِس شہر کا جہاں وہ مہ جبین جس کا نام پرتھال اور برگ صاحب لکھتے ہیں کہ اُس کا نام نہال تھا ہستی تھی محاصرہ کر لیا اور حکم دیا کہ اُس معشوقہ کو مع اُسکے خاندان کے گرفتار کر لائیں لیکن کسی قسم کی اذیت نہ پُہنچائیں۔ لیکن خوبیٔ تقدیر دیکھیئے کہ جس بات کی امید نہ تھی وہ واقعہ پیش آیا۔ راجہ بیجانگر سے بڑی چُوک ہوئی کہ اُس نے پرتھال کے گھر والوں کو اِس کی خبر پہلے سے نہ کی اور جب مُدگل میں بیجانگر کی بڑی بھاری فوج کے آنے کی خبر پُہنچی تو ساری بستی کے لوگ اپنی جان بچا کر بھاگے اُسی ہلّڑ میں یہ سونے کی چڑیا مع اپنے گھر والوں کے اُڑ گئی۔

ایں ست زبخت بد نمونہ
فریاد زبخت واژگونہ

فوج خالی ہاتھ واپس آئی لیکن شہر و قصبات کو خوب لوٹا اور خاک سیاہ کیا۔ مدگل میں جو فوج تھی اُس سے مقابلہ ہوا اور دو ہزار آدمی مارے گئے۔ یہ واقعہ آیندہ کی لڑائی کے واسطے ایک بنا ہوئی۔

فیروز شاہ بہمنی اور راجۂ بیجانگر کی لڑائی بیجانگر پر ۸۰۹ھ م ۱۴۰۶ء

جب فیروز شاہ کو یہ خبر پہونچی تو وہ اوائل موسم سرما ۸۰۹ھ م ۱۴۰۶ء میں ایک بہت بڑا لشکر لے کر بیجانگر کے قریب پہونچ گیا۔

رہے بگرفتہ از مہ تا بماہی
سپاہ دولت فیروز شاہی

دیول رائے قلعے میں گھس کر بیٹھ گیا تھا شہر پر حملہ ہوا اور چند محلے فتح کر لیے گئے لیکن کرناٹکیوں نے ایسا پیچھا لیا کہ ہٹنا پڑا۔ دیول رائے کو اپنی اِس کامیابی سے بڑی ہمّت ہوئی اُس نے اپنی فوج کو شہر کے حصار کے پاس ڈال دیا اور مسلمانوں کے لشکر سے چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ بیجانگر کے اطراف تمام پہاڑ اور ایسی ناہموار زمین ہی کہ مسلمانوں کے گھوڑے دَوڑ نہ سکتے تھے اِس لیئے وہ بالکل مجبور تھے اُدھر سے برابر تیروں کا مینہ برس رہا تھا کہ ناگاہ سلطان فیروز شاہ کے ہاتھ میں ایک تیر لگ کر وہ زخمی ہوا لیکن گھوڑے پر سے جب بھی نہ اُترا اور تیر نکال کر پھینک دیا اور زخم پر ایک کپڑا باندھ لیا۔ آخر کار احمد خاں خانِ خاناں کی حکمتِ عملی اور بہادری سے دشمن پس پا ہوے اور بادشاہ کی فوج کے واسطے رستہ کھلا وہ شہر سے دُور ایک مناسب میدان (یہ میدان غالباً قصبہ ہوس پیٹھ کے قریب جانب جنوب واقع ہی) میں فروکش ہوا اور وہاں چند روز اِس غرض سے ٹھیرا رہا کہ جو لوگ زخمی ہو گئے تھے چنگے ہو جائیں۔ اُدھر راجۂ بیجانگر اپنی دار السلطنت کے اندر بند بیٹھا تھا اِدھر مسلمانوں کا لشکر تسخیر بیجانگر سے قطع نظر کر کے امیر الامرا احمد خاں خانِ خاناں اور میاں سدھو سرنوبت دس ہزار سوار کے ساتھ ممالکِ جنوبی بیجانگر کو تباہ کر رہا تھا اور امیر الامرا فضل اللہ

انجو شیرازی نے ملک برار کا لشکر لے کر قلعۂ بنکا پور جو ملک کرناٹک کا مشہور قلعہ ہے حملہ کیا اور بادشاہ خود دیو رائے کے مقابلے کے لیئے رہ گیا - اس عرصے میں علاوہ اس جنگ عظیم کے آٹھ چھوٹی موٹی لڑائیاں ہوئیں اور سب میں فیروز شاہ کو فتح ہوئی - ان وجوہ سے دیو رائے نے بادشاہان گجرات کے پاس ایلچی بھیج کر مدد طلب کی - بادشاہ چار مہینے محاصرہ کیئے پڑا رہا - خان خاناں نے کرناٹک کے ملک کو خوب لوٹا اور میر فضل اللہ نے قلعۂ بنکا پور اور اور مقامات کو فتح کرکے سدھو کو سپرد کرکے خود بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو گیا - خان خاناں علاوہ بے شمار مال غنیمت کے ساٹھ ہزار عورتیں اور بچے ہندوؤں کے قید کرکے حضوری میں حاضر ہو گیا - ایک دن بادشاہ نے ان فتوح کی خوشی میں ایک بہت بڑا جشن کیا اور یہ بات قرار پائی کہ خان خاناں کو دیو رائے کے مقابلے کے لیئے چھوڑ کر بادشاہ اور میر فضل اللہ قلعۂ ادھونی پر جو رایان بیجانگر کا سب سے مستحکم قلعہ تھا حملہ کریں - جب اس ارادے کی خبر وحشت اثر دیو رائے کو پہونچی اور شاہان گجرات و مالوہ و خاندیس سے امداد بھی نہ ملی تو رائے بیجانگر نے حسب صلاح و مشورۂ ارکان دولت فیروز شاہ کے ادھونی جانے سے پہلے اپنے معتمدین کی ایک جماعت بادشاہ کی خدمت میں بھیجنا چاہی لیکن باریابی کی اجازت نہ ملی -

دیو رائے راجۂ بیجانگر کی لڑکی کی شادی فیروز شاہ بہمنی سے

آخر کار بوساطت میر فضل اللہ معتمدین کو آنے کی اس شرط پر اجازت دی گئی کہ دیو رائے اپنی بیٹی کو بادشاہ کے عقد میں دے علاوہ اس کے دس لاکھ ہن اور پانچ من موتی اور پچاس ہاتھی اور دو ہزار لونڈی غلام پیش کرے اور اگرچہ قلعہ بنکا پور اس وقت مسلمانوں کے قبضے میں تھا مگر وہ بھی دو اُما جہیز میں دیا جائے آج تک کبھی رایان بیجانگر کی لڑکی سوا اپنی ذات برادری کے دوسروں میں نہیں بیاہی گئی تھی اور غیر جگہ بیٹی دینا بڑی ذلت کی بات سمجھی جاتی تھی لیکن مجبوری سب کچھ کراتی ہے - دیو رائے نے ناچار اس بات کو منظور کر لیا - دونوں طرف شادی کی طیاریاں دھوم دھام سے ہونے لگیں - اور چالیس دن تک بیجانگر سے بادشاہ کے لشکر تک کہ (۱۴) میل کا فاصلہ تھا دو طرفہ رستے پر دکانیں لگائی گئی تھیں جن میں ہر قسم کا سامان موجود تھا - ناٹک کے تماشے گاروڑی

ناچنے گانے والے۔ قوال۔ بھانڈ۔ طوائف اپنے اپنے تماشوں اورگانے بجانے سے لوگوں کا دل خوش کرتے تھے۔ خان خاناں اور میر فضل اللہ دولھا کی طرف سے چڑھاوا لے کر بیجانگر پہونچے اور بعد ایک ہفتے کے بڑے بھاری جہیز کے ساتھ دُلہن کو وداع کرا لائے۔ دیورائے نے جب دیکھا کہ اب خصوصیت واتحاد قائم ہوگیا تو اُس نے بادشاہ کی ملاقات کی تمنا ظاہر کی۔ بادشاہ بھی راضی ہوگیا اور خان خاناں کو لشکر سپرد کرکے مع اپنی دلہن کے بیجانگر گیا۔

فیروزشاہ کا راجہ کی ملاقات کی غرض سے بیجانگر جانا

دیورائے نے بڑی دھوم دھام سے بادشاہ کا استقبال کیا اور شہر کے دروازے سے لے کر اپنے محل تک کہ (۶) میل کا فاصلہ تھا سڑک پر مخمل و اطلس اور مشجر اور بیش بہا کپڑوں کا فرش کرایا۔ بادشاہ اور دیول رائے دونوں برابر گھوڑوں پر سوار تھے گرداگرد خوب صورت لڑکے اور لڑکیاں سونے چاندی کے پھول خوشبو اور عطریات نچھاور کرکے لُٹا رہے تھے۔ شہر کے باشندوں نے بھی اپنے اپنے مرتبے کے موافق خیر خیرات کی۔ جب یہ لوگ وسط شہر میں چوراہے پر پہونچے تو دیول رائے کے رشتے دار جن کا ٹھٹ کا ٹھٹ لگا ہوا تھا آداب بجالائے اور صدقے رستے اُتارے اور سواری کے جلوس کے آگے آگے پا پیادہ ہو لیے۔ محل کے دروازے پر پہونچ کر بادشاہ اور رائے گھوڑوں پر سے اُتر پڑے اور شان دار مرصع پالکیوں میں جو جواہرات سے جگمگا رہی تھیں سوار ہوئے اور اُس مقام تک جو کہ دُولھا دُلہن کے لیئے آراستہ کیا گیا تھا گئے وہاں پہونچ کر دیول رائے رخصت ہوا اور اپنے محل کو واپس آیا۔ بادشاہ تین روز تک مہمان رہا اُس کی آؤ بھگت اور مہمان داری شاہانہ طور پر بڑے تکلف سے کی گئی رخصت ہوتے وقت راجہ نے اس قدر تحفے و تحائف بادشاہ کی نذر کیئے جو پہلے سے بھی زیادہ تھے اور آٹھ میل تک پہونچا کر پلٹ گیا۔ لیکن بادشاہ کو یہ بات ناپسند ہوئی اور میر فضل اللہ سے کہا کہ دیول رائے کو چاہیئے تھا کہ ہم کو ہمارے مقام تک پہونچاتا نہ یہ کہ اُدھر میں چھوڑ کر چل دیا۔ اچھا خیر ان شاء اللہ اس کا بدلا اُس سے ضرور لوں گا۔ راجہ کو بھی اس بات کی خبر پہونچ گئی وہ بھی اوندھی سیدھی باتیں کرنے لگا غرض طرفین سے کشیدگی ہوگئی۔

پرتھال کا فیروز شاہ کے حضور میں بمقام گلبرگہ حاضر ہونا اور حسن خاں ولی عہد سے شادی ہونا

بادشاہ فیروز آباد چلا گیا اور حکم دیا کہ مُدگل کو چند لوگ جاکر پرتھال اور اُس کے ماں باپ کو لاکر ہمارے حضور میں حاضر کریں جب وہ حاضر ہوئی تو اُس کو دیکھ کر بے اختیار تعریف کرنے لگا اور خدا کی قدرت یاد آئی۔

مراز دیدن حُسن بتاں غرض این است
کہ نقش مینم و نقاش در نظر دارم

جو کچھ لوگوں نے اس لڑکی کے حُسن و جمال کا حال بیان کیا تھا بادشاہ نے اُس سے صدہا بلکہ ہزارہا گونا زیادہ پایا۔

ترا دیدہ و یوسف را شنیدہ
شنیدہ کے بود مانند دیدہ

بادشاہ نے کہا کہ مَیں تو بڈھا ہو گیا مناسب یہ ہے کہ اس لڑکی کی شادی میرے بڑے لڑکے حسن خاں سے جس کا عنفوان شباب تھا کی جاے اور پرتھال کے والدین کو بہت کچھ نقد و جاگیر دے کر خوش کیا اور لڑکی کو اپنی چچی کے سپرد کیا اور کہا کہ شادی کی طیاری کی جاے اور جس طرح بادشاہوں کی لڑکیوں کی شادی ہوتی ہے بڑی دھوم دھام اور شاہانہ تزک و احتشام سے اُس کی شادی حسن خاں سے سرانجام پائی۔ فرشتہ نے حسن خاں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مُخنی اور آوارہ منش شخص تھا۔ گو وہ وارث تخت و تاج تھا۔ لیکن احمد خاں خانِ خاناں نے اپنی ہمت اور قابلیت سے اُس کو کاروبارِ سلطنت سے بالکل بے دخل کر رکھا تھا۔ ولی عہد چُپ چاپ فیروز آباد میں بالکل لہو و لعب اور آرام طلبی میں رہا کرتا تھا جب اُس کے چچا احمد شاہ اول نے تخت پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تب اُس نے حسن خاں کے ساتھ اتنا سلوک البتہ کیا کہ فیروز آباد میں اُس کو رہنے کی اجازت دی اور بہت سی جاگیریں دے دیں اور یہ بھی اجازت دی کہ اپنے محل سے (۸) میل کے اندر ہی اندر جہاں چاہے سیر و شکار کرے اور کسی قسم کی پابندی وقت وغیرہ کی نہ تھی۔ حسن نے اِس کو بھی غنیمت سمجھا اور عیاشی میں مزے اُڑاتا رہا سلطنت کی اُسے کچھ پروا نہ تھی وہ

اپنے اسی حال میں مگن تھا جب تک حسن خاں کا چچا زندہ رہا اس کی آرام و آسائش میں بسر ہوتی رہی اور چچا بھتیجے میں کبھی سوءِ مزاجی نہیں ہوئی اس کے بعد تو پھر اس بیچارے کی آنکھیں نکلوا ڈالی گئیں اور محلِ فیروزآباد میں قید کر دیا گیا یہ واقعہ ۱۴۲۳ء کے بعد ہونا پایا جاتا ہے۔

دیورائے اوّل کا انتقال

دیورائے اوّل کم سے کم ۱۴۱۲ء تک زندہ رہا اور اس کے بعد اُس کا بیٹا ویروجایا تخت نشین ہوا جس نے (۶) برس سلطنت کی۔ دیورائے اوّل کی سلطنت کے اخیر کتبے پر ۱۴۱۲ء و ۱۴۱۳ء کندہ ہے اور ویروجایا کی سلطنت کے پہلے کتبے پر ۱۴۱۳ء و ۱۴۱۴ء موجود ہے۔ وجایا کی سلطنت کا اخیر کتبہ ۱۴۱۶ء و ۱۴۱۷ء کا ہے۔ دیورائے دوم جو وجایا کا بڑا بیٹا اور اُس کا جانشین تھا اُس کے عہد کے سب سے پہلے کتبے میں روزِ دوشنبہ ۲۶ رجون ۱۴۲۴ و ۱۴۲۵ء ہے۔ نیونز نے دیورائے دوم کی سلطنت کا زمانہ پچیس سال بتلایا ہے۔ دیورائے دوم کی سلطنت کا زمانہ ۱۴۱۹ء میں شروع ہونا ان وُجوہ سے قرینِ قیاس ہے کہ نیونز نے لکھا ہے کہ وجایا کے زمانے میں کوئی امرِ اہم واقع ہی نہیں ہوا البتہ اُس کے بعد دیورائے دوم کے عہد میں متواتر لڑائیاں ہوتی رہیں۔

قلعۂ پانگل کا محاصرہ بعہد فیروز شاہ ۸۲۰ھ م ۱۴۱۷ء

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ۸۲۰ھ مطابق ۱۴۱۷ء میں فیروز شاہ بادشاہِ گلبرگہ نے ایک بڑی جنگ ہنود ملک تلنگانہ سے کی اور قلعہ پانگل پر (جو ادھونی سے شمال و مشرق کی جانب (۷۰) میل کے فاصلے پر ہے) اگرچہ دو سال تک محاصرہ کیے پڑا رہا لیکن آدمیوں اور جانوروں میں ایسی وبا پھیلی کہ بہت سے لوگ مر گئے۔ بہت سے لشکری اور اُمرا میدانِ جنگ چھوڑ کر اپنی اپنی جاگیروں کو چلے گئے۔

شہنشہ دراں ناحیہ چند سال	تہی کرد گنجینہ از زرّ و مال
ز آب و ہوایش دراں سال و ماہ	چہ اسپ و چہ آدم بسے شد تباہ
ز دشواریِ رنج آں کارزار	پراگندہ شد لشکرِ شہریار

مسلمانوں کی فوج کا اِس طرح تتر بتر ہو جانا دیکھ کر دیول رائے نے اپنی فوج جمع کی اور اپنے متصلہ علاقوں سے امداد حاصل کی حتیٰ کہ راجۂ ورنگل بھی شریک ہو گیا اور اِس طرح ایک

بڑا بھاری لشکر سواروں اور پیدل کا جمع کر کے بادشاہ کے مقابلے کو چلا۔ حساب سے یہ واقعہ سنہ ۱۴۱۹ء میں ہونا پایا جاتا ہی اور اتنی فوج کا جمع کرنا اور ایسی مردانگی کا کام کرنا وجایا جیسے مجہول شخص سے جس نے سارے دَورِ حکومت میں کوئی اہم کام نہیں کیا کیسے ممکن ہو سکتا ہی پس ضرور ہی کہ یہ واقعہ دیو رائے دوم کے تخت نشین ہوتے ہی ہوا ہوگا۔ اگرچہ دیو رائے دوم بہت[1] کم سنی میں حکمراں ہوا لیکن درباری اُمرا مسلمانوں سے جلے بھنے بیٹھے تھے اُنھوں نے فوج کو بھڑکا کر ایک دم اپنے مُلک کے قدیم دشمن مسلمانوں سے جنگ شروع کی ہوگی۔ اگر یہ بات صحیح مان لی جائے تو دیو رائے دوم جس کی مدّتِ سلطنت نیونز پچیس سال تبلاتا ہی سنہ ۱۴۴۴ء میں ختم ہو جانی چاہیئے۔

راجۂ بیجانگر کا خنجر سے زخمی ہونا

نیونز نے یہ واقعہ بھی لکھا ہی کہ دیو رائے کے بیٹے اور جانشین پتّا راؤ (پتّا بہ معنی خورد) کو اُس کے بھتیجے نے زہر میں بجھے ہوئے خنجر سے زخمی کیا تھا جس کے اثر سے وہ چھے مہینے کے بعد مر گیا۔ نیونز کے بیان سے زیادہ عبد الرزاق کا بیان قابلِ اعتبار ہی کہ وہ نہ صرف اِس زمانے کا ہم عصر تھا بلکہ خود بیجانگر میں اُس وقت موجود تھا۔ اُس نے اِس واقعے کو دیو رائے دوم سے منسوب کیا ہی اور لکھا ہی کہ بادشاہ کے بھائی نے خود اُسے زخمی کیا اور اِس واقعے کی صحیح تاریخ بتلائی ہی جو نومبر سنہ ۱۴۴۲ء اور اپریل سنہ ۱۴۴۳ء کے درمیان کسی دن ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہی جب کہ عبد الرزاق کالی کوٹ گیا ہوا تھا اور اُس کے غیاب میں یہ سانحہ ہوا۔ لیکن عبد الرزاق نے یہ نہیں لکھا کہ راجہ کو کاری زخم لگا تھا اور وہ اُس کے صدمے سے مر گیا بلکہ عبد الرزاق جب دسمبر سنہ ۱۴۴۳ء میں اِس شہر سے چلا جب تک بھی راجہ زندہ تھا پس نیونز نے جو مدّت چھے مہینے

[1] دیو رائے دوم کے دادا دیو رائے اوّل نے جب سنہ ۱۴۰۶ء میں سلطنت شروع کی تو وہ جواں عمر تھا اُس کے عہد میں اِس قسم کی عاشقانہ جنگ اور پیچ در پیچ معاملات ہونا قرینِ قیاس ہی اور اِس کی سلطنت کا زمانہ بھی زیادہ سے زیادہ سات سال کا رہا ہی۔ اُس کے بیٹے اور جانشین وجایا نے بھی صرف چھے سال سلطنت کی پس اغلب یہ ہی کہ وجایا کا بیٹا دیو رائے دوم جب سنہ ۱۴۱۹ء میں تخت نشین ہوا بالکل لڑکا تھا ۱۲۔

کی لکھی ہی وہ صحیح نہیں معلوم دیتی البتّہ یہ قیاس کیا جا سکتا ہی کہ ماہ اپریل سنہ ۱۴۴۳ء کے لگ بھگ یہ حملہ ہوا اور اوائل سنہ ۱۴۴۶ء میں دیو راؤ دوم مرگیا۔ لیکن اِس سال میں بھی ایک دِقّت آن پڑی ہی کہ سنہ ۱۴۴۹ء تک کے کتبوں میں دیو راے کا نام موجود ہی لیکن ممکن ہی کہ اِسی نام کا کوئی اَور دوسرا راجہ ہو گزرا ہو۔ اِن سب واقعات پر غور کرنے سے دیو راے دوم کی پچیس سالہ سلطنت کی مدّت سنہ ۱۴۱۹ء و سنہ ۱۴۴۴ء کے مابین قرار پاتی ہی۔

دیورائے دوم من ابتدائے سنہ ۱۴۱۹ع لغایۃ سنہ ۱۴۴۴ع یا سنہ ۱۴۴۹ع

صراحتِ بالا سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ سنہ ۱۴۱۹ع میں جو جنگ فیروز شاہ بادشاہ گلبرگہ اور راجۂ بیجانگر سے ہوئی تھی وہ راجہ دیورائے دوم ہی تھا۔ قلعۂ ورنگل و پانگل کے حملوں میں بادشاہ کی ناکامیابی کی وجہ سے بیجانگر کی افواج کو جرأت ہو گئی اور اُن کے سوار پیدل اور ہاتھی بادشاہ پر بڑھے۔ فیروز شاہ نے اگرچہ راجہ کی فوج کو بہ مقابلہ اپنے لشکر کے کم پایا تاہم ارادہ جنگ کا چھوڑ دیا۔ تاریخ فرشتہ میں اس لڑائی کا حال حسب تفصیلِ ذیل لکھا ہے مگر کہیں یہ نہیں بتلایا کہ یہ لڑائی کس مقام پر ہوئی۔

دیورائے دوم اور فیروز شاہ کی لڑائی سنہ ۸۲۲ھ م سنہ ۱۴۱۹ع

میر فضل اللہ جو اِس لشکر کا کمانڈنگ تھا اُس نے بڑی جواں مردی اور بہادری سے ہنود پر حملہ کیا اور قلب لشکر کو تاراج کر کے پھر میمنہ پر جا پڑا اور قریب تھا کہ فتح ہو جائے لیکن سوءِ اتفاق سے خود اِن ہی کے طرف کے ایک کنٹری سردار نے جو میر فضل اللہ کا قدیم نمک خوار تھا مگر در پردہ راجہ سے مل گیا تھا دغا دی۔ دیورائے نے اُسے بڑھاوے چڑھاوے دے کر اُدھر سے توڑ لیا تھا۔ اُس نے میر فضل اللہ کے سر پر ایک ایسی کاری تلوار ماری کہ فوراً ہی ملکِ عدم کو راہی ہوا۔ میر فضل اللہ کا مارا جانا تھا کہ لڑائی کی حالت بدل گئی اور اس کے علاوہ اور بہت سے اُمرا بھی مارے گئے۔ آخرِ کار بجائے فتح کے مسلمانوں کو شکست

ہوئی اور نہایت مُشکل اور بڑی حکمتِ عملی سے بادشاہ جان بچاکر بھاگا۔ پھر تو ہندوؤں نے مُسلمانوں کا قتلِ عام کیا اور میدانِ جنگ میں مُسلمان مقتولین کے سروں کا ایک چبوترہ بنایا۔ ہندوؤں نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ مُسلمانوں کے لشکر کا تعاقب خود اُن کے مُلک میں کرتے ہوئے چلے گئے اور جہاں پُہنچے برابر خوں ریزی کرتے اور بستیوں کو آگ لگاتے گئے اور بہت سے مقامات پر قبضہ کرلیا بہت سی مسجدوں اور متبرک مقامات کو مسمار کرڈالا مسلمانوں کو بڑی بے رحمی سے قتل کیا جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ مدّتوں کی دبی ہوئی آتشِ دشمنی اب نکالی جارہی ہے۔ سلطان فیروز شاہ نے بحالتِ مجبوری بادشاہِ گجرات سے امداد چاہی لیکن وہ بے چارہ نیا نیا تخت پر بیٹھا تھا کچھ مدد نہ کرسکا۔ آخر کب تک مُسلمانوں کی باری بھی آئی اور کئی معرکوں کے بعد بادشاہ کے بھائی خانِ خاناں نے خدا خدا کرکے ہنود کو اپنے ملک سے بدر تو کیا لیکن اِس شکست کا صدمہ ضعیف العمر بادشاہ کے دل پر ایسا ہوا کہ اُس کا دل ٹوٹ گیا اور ہمّت ہار دی۔

بسے غصّہ می خورد شوریدہ وار	بہ پیچید بر خویشتن چوں روزگار
بہ تدبیرِ آن بود شاہِ جہاں	کہ تا بر کشد کینہ از ہندواں
پس از چند گاہ آن کیانی نژاد	زخستہ دلی سر بہ بالیں نہاد

اِسی رنج و ملال سے بادشاہ زیادہ بیمار رہنے لگا اُس نے سلطنت کا کُل کاروبار ہشیار عین الملک اور بیدار نظام الملک دو معتمد غلاموں کے سپرد کردیا اور خود امورِ مملکت میں دلچسپی لینی چھوڑ دی۔ رفتہ رفتہ یہ دونوں غلام قوت پکڑ گئے لیکن اِن لوگوں نے بھانپ لیا کہ خانِ خاناں بہت کچھ دخیلِ کار ہوتا جاتا ہے اور آگے چل کر ضرور سلطنت کو دبا بیٹھے گا۔

حضرت بندہ نواز گیسو دراز کا حال

بادشاہ نے حسن خاں کو ۸۱۰ھ میں ولی عہد مقرر کیا اور رسوم ادا کرنے کے بعد اُس کو حضرت میر سید محمد گیسو دراز کی خدمت میں بھجوا کر عرض کرائی کہ اِس کے لیئے آپ دعائے خیر کیجیئے آپ نے فرمایا کہ "بادشاہی تو تم دے چکے اب دعا کی کیا حاجت رہی" دوبارہ بادشاہ نے اصرار سے کہلا بھیجا تو آپ نے فرمایا کہ "عالمِ بالا سے تمھارے بعد تاجِ شاہی تمھارے بھائی احمد خاں خانِ خاناں کے نامزد ہوچکا ہے اب اِس کے خلاف کوشش کرنا بے فائدہ ہے" بادشاہ اس بات سے

رنجیدہ ہوا اور پیغام بھیجا کہ تمھاری خانقاہ ہمارے قلعے کے پاس ہی اور ازدحامِ خلقت کا ہوتا ہی اس لیئے تم شہر کے باہر چلے جاؤ۔ سید محمد گیسو دراز مجبور ہو گئے اور اپنے اہل و عیال سمیت شہر گلبرگہ سے نکل کر بیرونِ شہر ایک مقام پر اُتر گئے جہاں اُن کے معتقدین نے مکانات بنوا دیئے یہ وہی جگہ ہی جہاں اب درگاہ شریف ہی۔

فیروز شاہ اور احمد شاہ خانِ خاناں کی لڑائیاں

امورِ سلطنت میں خانِ خاناں کی دخل درمعقولات دیکھ کر بادشاہ کو حضرت گیسو دراز کا ارشاد یاد آیا اور لوگوں نے صلاح دی کہ مصلحت یہی ہی کہ احمد خاں کو اندھا کر دیا جائے تاکہ وہ حسن خاں کی تخت نشینی میں حائل نہ ہو۔ احمد خاں کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ راتوں رات اپنے بیٹے علاء الدین کے ساتھ سید محمد گیسو دراز کے پاس بھاگ گیا۔ آپ نے اُس کے حالات سُنے اور اپنی پگڑی کے دو ٹکڑے کیئے ایک حصّہ باپ کے سر پر لپیٹ دیا اور دوسرا بیٹے کے اور دونوں کو بادشاہت کی خوش خبری دے کر فاتحہ پڑھی اور ان دونوں کو اپنے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانا کھلایا۔ احمد خاں نے اپنے مکان پہنچ کر رات بھر تیاری کی اور علی الصباح چار سو جوانانِ مسلح کے ساتھ باہر نکلا۔ اثنائے راہ میں شہر کے دروازے کے باہر خلف حسن بصری سوداگر جو خانِ خاناں کا قدیم ملاقاتی تھا ملا۔ اُس نے بہت جُھک کر اس طرح سلام کیا کہ جیسے بادشاہوں کو کرتے ہیں۔ احمد خاں نے اس کو فالِ نیک سمجھا اور کہا کہ تم فوراً اپنے مکان کو واپس چلے جاؤ ایسا نہ ہو کہ میری دوستی کی وجہ سے تم کو گزند پہنچے۔ حسن بصری نے کہا کہ آسائش و فراغت کے وقت تو میں آپ کا ندیم و جلیس رہا اور تکلیف کے وقت بے وفائی کروں یہ شیوۂ شرافت نہیں ہی۔ جب تک تن میں جان ہی حاشا و کلّا آپ کے قدموں سے دُور نہ ہوں گا۔

سرے کہ از تو بہ پیچد بُریدہ باد چو زلف   دلے کہ از تو بگردد سیاہ باد چو خال

حسن بصری نے کہا کہ آپ مجھے اپنے ملازمانِ حقیر میں شامل کر لیجئے کیوں کہ بعض وقت سوئی وُہ کام دے جاتی ہی کہ نیزے سے بھی نہیں ہو سکتا اور چاقو تلوار سے بڑھ کر کاٹ کر جاتا ہی۔

من ہمچو خاک و خارم و تو آفتاب و ابر   گل ہا و لالہ ہا ہمہ را تربیت کنی

خانِ خاناں نے اِس کو گرویدہ دیکھ کر اپنے ساتھ لے لیا اور کہا کہ اگر میں بادشاہ ہو جاؤں گا تو تم کو بڑے رُتبے پر پہنچاؤں گا۔ اُس دن اِن کا مقام خاناں پور میں ہوا۔ احمد خاں نے یہ مَنّت مانی کہ اگر میں بادشاہ ہو جاؤں گا تو اِس گاؤں کا نام رسول آباد رکھ کر ساداتِ مکّہ و مدینہ و کربلائے معلّٰی و نجفِ اشرف کو وقف کروں گا۔ جب ہُشیار عین الملک اور بیدار نظام الملک خوابِ غفلت سے چونکے اور احمد خاں کے بھاگ جانے کی خبر سُنی تو بہت پریشان ہوئے اور بادشاہ کو اطّلاع کر کے اُس کے تعاقب میں تین چار ہزار سوار اور کچھ جنگی ہاتھی لے کر دَوڑے۔ احمد خاں کے پاس تھوڑے سے لوگ تھے اور دشمن بہت تھے اُس نے شہر کو واپس جانے کا ارادہ کیا کہ شہر میں رہ کر اُمرا کو اپنے سے ہموار کروں گا۔ خلف حسن بصری نے روکا اور گلبرگہ۔ بیدر اور کلیانی[۱] میں لوگوں کو بھیج کر کچھ اوباش اور بے کار لوگوں کو آیندہ کے وعدے دلا کر جمع کر لیا۔ اور احمد خاں حوالیِ گلبرگہ میں مختلف مقامات پر بھٹکتا پھرا اِس اثنا میں عین الملک اور نظام الملک کو فوج کی مدد گلبرگہ سے آگئی تھی اُنھوں نے احمد خاں پر چاروں طرف سے ہجوم کر لیا۔ سُلطانی فوج آٹھ ہزار تھی اور احمد خاں کے پاس صرف ایک ہزار آدمی تھے۔ اُس وقت بنجاروں کا ایک ٹانڈہ کہ جس میں دو ہزار بیل تھے اِس رستے سے گزرا اور لاہور کے سوداگر بھی تین ہزار گھوڑے بیچنے کو لے جا رہے تھے۔ حسن بصری نے چاہا کہ گھوڑے تو ہم خرید لیں اور بنجاروں سے بیل مستعار لے کر ایک فوج بنا لیں اور بادشاہی لشکر کا مُقابلہ کریں۔ احمد خاں نے کہا کہ یہ سب باتیں فضول ڈھکوسلے ہیں اور ہرگز راضی نہ ہوا۔ احمد خاں بہ حالتِ پریشانی ایک درخت کے سایے میں بیٹھ گیا اور وہیں اُس کی آنکھ لگ گئی اُس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص فقیری لباس میں تاجِ شاہی ہاتھ پر رکھے ہوئے اِس کی طرف چلا آ رہا ہی اور اُس نے آتے ہی وہ تاج اِس کو پہنا دیا اور کہا کہ یہ تاجِ شاہی ایک مشائخ گوشہ نشین نے تمھارے لیے بھیجا ہی احمد خاں نے یہ خواب حسن بصری سے بیان کیا اور کہا کہ مجھے یہ بشارت ہوئی ہی تم نے جو تدبیر سوچی تھی وہ اب کرو۔ حسن بصری فوراً کلیانی پہنچا اور اپنی حکمتِ عملی اور شیریں زبانی سے گھوڑے اور بیل لے کر واپس آیا اور راتوں رات رنگ برنگ کی جھنڈیاں طیّار کر لیں۔

[۱] کلیانی گلبرگہ سے اٹھارہ کوس ہی ۱۲۔

اور دوسرے دن علی الصباح افواجِ شاہی کے مقابلے کو روانہ ہوا اور یہ خبر پھیلا دی کہ فلاں فلاں بڑے بڑے امیر احمد خاں کی طرف ہو گئے ہیں اور امداد کو چلے آرہے ہیں اب صرف دو تین کوس کے فاصلے پر ہیں۔ احمد خاں کے لوگوں کی اکڑ ہمت بندھ گئی۔ عین الملک اور نظام الملک کو بھی یہ خبر ملی لیکن اُنھوں نے کچھ پروا نہ کی اور میدانِ جنگ میں اپنی فوج لے کر آئے۔ حسن بصری اپنے سوار اور افواج لے کر ایک جانب سے کہ صحرائے مسطح تھا یکایک نکلا عین الملک اور نظام الملک سمجھے کہ یہ مقدمہ ہے اس کے پیچھے اُمرا کی فوج بھی ہو گی۔ اِس خیال سے وہ گھبرا گئے۔ اِتنے میں دوسری طرف سے احمد خاں ہزار جوانوں کے ساتھ پونہچا اور قلبِ لشکر پر حملہ کیا جس میں عین الملک اور نظام الملک تھے اُنھوں نے جب دیکھا کہ اُمرائے میمنہ اور میسرہ بھاگ گئے تو یہ بھی بھاگے۔

چو شد رو برو ہر دو قلبِ سپاہ	کشیدند شمشیر در رزم گاہ
دو لشکر درآمیخت با تیغ و تیر	بہ گردوں بر آمد زگیتی نفیر
چو فیروز شد خانِ خاناں بہ جنگ	زشادی بہ رخسارہ آوردہ رنگ

خانِ خاناں کو اِس تھوڑی سی فوج سے محض بخت و اتفاق سے فتح نصیب ہوئی شاہی بھگوڑے لشکر کا اُس نے پیچھا کیا۔ گھوڑے ہاتھی مال اسباب خوب لوٹ میں ملا۔ احمد خاں گلبرگہ سے چند میل کے فاصلے پر ٹھیر گیا۔ وہاں پونہچنے کے بعد گلبرگہ کا بہت سا لشکر اُس سے آن ملا۔ فیروز شاہ نے باوجود ضعف اور بیماری کے عین الملک اور نظام الملک کے ذریعے سے حسن خاں پر چترِ شاہی لگوایا اور قلعہ معتمدین کے سپرد کر کے خود تین چار ہزار سوار ہاتھی اور توپ خانے لے اور پالکی میں بیٹھ کر خانِ خاناں کے مقابلے کو چلا۔ خانِ خاناں بادشاہ کی تشریف آوری سُنتے ہی بڑھا اور گلبرگہ سے تین کوس پرے دونوں لشکروں میں جنگ برپا ہوئی۔ احمد خاں کی تقدیر میں تاجِ شاہی لکھا ہوا تھا عین میدانِ جنگ میں بادشاہ پر ایسا ضعف طاری ہوا کہ بے ہوش ہو گیا اور اُس کے مرنے کی خبر اُڑ گئی۔ اِس خبر کے سُنتے ہی چھوٹے بڑے سب لوگ کھلے خزانے جا کر خانِ خاناں سے مِل گئے۔ عین الملک اور نظام الملک نے جب یہ حالت دیکھی تو بادشاہ کی پالکی قلعے کی طرف لے کر بھاگے۔ جب قلعے کے

دروازے پر پونہچے تو بادشاہ کو ہوش آیا اور سمجھا کہ حکمِ الٰہی یوں ہی تھا یہ تو غنیمت ہوا کہ احمد خاں نے رعایتہً تعاقب نہیں کیا ورنہ بادشاہ کو گرفتار کر لینا کون سی بڑی بات تھی۔ الغرض بادشاہ صحیح سلامت قلعے میں داخل ہو گیا۔ پیچھے ہی پیچھے خانِ خاناں بھی قلعے کے گرد آن پونہچا عین الملک اور نظام الملک حسن خاں کو ساتھ لے کر برج پر چڑھ گئے اور خانِ خاناں پر توپیں اور بندوقیں مارنے لگے۔ اتفاق سے ایک گولہ احمد خاں کے خیمے پر پڑا جس کے صدمے سے اُس کے کئی مصاحب ضائع ہوے۔ احمد خاں ذرا اور آگے بڑھ کے قلعے کے عقب میں چلا گیا۔ جب یہ خبر بادشاہ کو پونہچی تو اُس نے حسن خاں سے کہا کہ "بادشاہت تو فوج اور لشکر کے ساتھ ہی جب عائتہ خلائق نے تیرے چچا سے اتفاق کر لیا ہے تو ایسی حالت میں مناسب یہ ہے کہ لڑائی نہ کرو جس سے سوا بربادی اور تباہی کے کچھ حاصل نہیں اور بہتر یہ ہے کہ اطاعت قبول کرو۔

دونوں بھائیوں کا میل ملاپ

اِس پر دروازہ قلعے کا کھول دیا گیا اور ایک جماعت معتمدین کی جاکر احمد خاں کو لے آئی وہ سیدھا بادشاہ کے بستر کے پاس گیا۔ احمد خاں بھائی کی یہ حالت دیکھ کر قدموں پر گر پڑا اور زار و قطار روتا جاتا تھا اور یہ دو بیتیں پڑھتا جاتا تھا۔

ازیں سر نوشتہ زسود و زیاں	فلک را بہا نہ ہم درمیاں
از ینش ستاند بآنش دہد	کُند ہرچہ خواہد بما بر نہد

فیروز شاہ بھائی کو دیکھ کر خوش ہوا اور کہا کہ "الحمد للہ کہ میں نے اپنی زندگی میں تمھیں بادشاہ دیکھ لیا اور فی الواقع بہ لحاظِ قابلیت اور استحقاق تم ہی اِس کے شایاں ہو لیکن شفقتِ پدری سے مجبور تھا کہ حسن کو ولی عہد مقرر کیا۔ اب تمھیں خدا کے سپرد کیا اور حسن کو تمھارے حوالے کیا۔ اُٹھو جاؤ اور اُمورِ سلطنت کو انجام دو۔ میں اَور چند دن کا مہمان ہوں میرے حال سے غافل نہ ہونا"۔

فیروز شاہ کا انتقال اور احمد شاہ کی تخت نشینی ۸۲۹ھ م ۱۴۲۲ء

احمد خاں اُسی دن ۵ ارشوال ۸۲۹ھ کو تخت نشین ہوا اور احمد شاہ بہمنی سے ملقب ہوا۔ فیروز شاہ ۱۵ ماہ مذکور مطابق ۱۴ [illegible] ۱۴ء یوم دوشنبہ کو دنیاے ناپائدار سے

رُخصت ہوا۔ جنازہ شاہی تزک و احتشام سے اُٹھایا گیا اور وہیں اپنے آبا و اجداد کے پاس مدفون ہوا۔ اِس کی سلطنت پچیس سال سات مہینے پندرہ دن رہی۔ بعض کتب میں یہ بھی لکھا ہی کہ احمد شاہ نے اپنے بھانجے شیر خاں کی صلاح سے فیروز شاہ کا گلا گھونٹ کر مارڈالا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احمد شاہ اور رائے بیجانگر کی جنگ رودِ تُنگ بھدرا پر ۱۴۲۳ء

نئے بادشاہ نے سب سے پہلے تو اپنی رعایا کی دل جوئی اور استمالت کی اور چند ہی مہینوں میں اپنی فوج رائے بیجانگر سے انتقام لینے کے ارادے سے ٹھیک ٹھاک کرلی۔ جب فوج آراستہ و پیراستہ ہوگئی تو پھر چالیس ہزار جرار سوار لے کر رائے بیجانگر پہ لشکر کشی کی۔ دیوراے نے بھی اپنی افواج کو جمع کیا اور ورنگل سے بھی مدد طلب کی اور دریائے تُنگ بھدرا کے کنارے دس لاکھ پیادہ توپچی وکمان دار لے کر پونہچ گیا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہی کہ ملکِ دوآبہ کو گو ہندو نے فتح کر لیا تھا مگر اُس سے بے دخل ہو گئے تھے۔ دریا کے شمالی کنارے پر ہندوؤں کے لشکر کے مُقابل بادشاہ کا لشکر بھی آن پونہچا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہی کہ بادشاہ نے اپنے لشکر کے اطراف تمام گاڑیاں۔ بنڈیاں اور چھکڑے بہ طور حصار کے حلقہ کردیئے تھے (جیساکہ تُرکوں کا دستور ہی) تاکہ غنیم شب خوں نہ مار سکے۔ بادشاہ اِس جگہ چالیس روز مُقیم رہا۔ ہمارے خیال میں یہ زمانہ اوائل ۱۴۲۳ء کے خشک موسم کا ہوگا کیونکہ اگر دریا طغیانی پر ہوتا تو رات کو دشمن کے پار اُتر آنے کا اندیشہ نہ ہوتا۔ شروع سال عیسوی میں اِس دریا میں اکثر کم پانی رہتا ہی۔ لودھی خاں و عالم خاں و دلاور خاں دس ہزار سوار کے ساتھ راتوں رات ایک چکر کے رستے سے دریا پار ہوکر دشمنوں کے لشکر کے قریب پونہچ گئے۔ اتفاق کی بات یہ ہی کہ رائے بیجانگر اِس وقت معدودے چند آدمیوں کے ساتھ ایک باغ میں سو رہا تھا جس کے پاس ہی نیشکر[1] کا ملا تھا۔ مُسلمانوں کے چند لوگ باغ میں لُوٹنے کی غرض سے یکایک گھُس گئے دیول رائے ایسا گھبرایا کہ ننگے پاؤں نیشکر کے ملے میں جا چھپا لیکن مُسلمانوں کے سپاہیوں نے اُسے پکڑ لیا اور چوں کہ وہ سوتے ہوئے ننگا بھاگا تھا اِن کو یہ خیال بھی نہ ہوا

---

[1] گنّے کا کھیت ۱۲۔

کبھی راجہ ہی بلکہ اس کو ایک عام شخص سمجھ کر اُس کے سر پر ایک گٹھا گنوں کا لدوا کر آگے آگے دوڑایا۔ دیول راے اپنے دل میں خوش ہوا کہ ان لوگوں نے اُسے پہچانا نہیں اور بلا عذر گٹھا اپنے سر پر اُٹھالیا اور خیال کیا کہ یہ اچھا موقع ہی ممکن ہی کہ یہ لوگ آگے چل کر اُسے ایک غریب آدمی سمجھ کر چھوڑ دیں یا موقع مل جاے تو رستے سے وہ خود ہی بھاگ جاے۔ یہ لوگ ابھی تھوڑی دُور گئے تھے کہ یکایک بادشاہ کے دریا پار اُتر آنے اور راے بیجانگر کے گم ہو جانے کا شور و غل پڑ گیا اور ہندو بے محابا بھاگنے لگے۔ بادشاہ ہندوؤں کے کیمپ میں پہونچ گیا۔ دیول راے کو جو سپاہی گٹھا اُٹھوا کر بطور بیگار[1] کے لے جا رہے تھے وہ اُس کو چھوڑ چھاڑ لُوٹ کی طرف متوجہ ہوے اور اپنی فوج میں جا ملے اور راجہ کو اُس کے حال پر چھوڑ دیا۔ دیول راے اپنی فوج کے ساتھ بھاگ گیا اور دوپہر کے قریب پھرتا پھراتا اپنے امرا سے جا ملا جو اُسے پہچان کر بہت خوش ہوے۔ جب لشکر میں گم شدہ راجہ کے مل جانے کی خبر پھیل گئی تو اُس کا منتشر شدہ لشکر اکٹھا ہونے لگا لیکن چوں کہ راجہ کو بیگار میں پکڑ لیا تھا اس کو اُس نے بدفالی سمجھ کر میدانِ جنگ میں آنے کا ارادہ چھوڑ دیا اور بیجانگر بھاگ گیا[2]۔ اِس وقت احمد شاہ نے بھی شہر بیجانگر کے محاصرے کا ارادہ نہیں کیا بلکہ اُس معاہدے کے خلاف جو محمد شاہ اور رایانِ بیجانگر میں ہوا تھا اطراف کے حصۂ ملک کو لُوٹنے لگا اور جہاں پہونچا عورت مرد اور بچوں کو نہایت بے رحمی سے تہ تیغ کیا حتّٰی کہ جب مقتولین کی تعداد بیس ہزار تک پہونچی تھی تو اُس مقام پر تین دن ٹھیر کر اس قتلِ عام کی خوشی میں ایک بڑا جشن کرتا تھا اور بہت سی گایوں کی قربانی کرتا تھا۔ بادشاہ نے چار روئیں بتوں کو اُکھاڑ کر گلبرگہ بھجوا دیا کہ

---

[1] اصل لفظ بے کار ہی لیکن مروج زبان زد بیگار رہی ہی ۱۲۔

[2] مورخ فرشتہ نے جو واقعات لکھے ہیں وہ قابلِ اطمینان نہیں ہیں کیونکہ راجہ بیجانگر اُس زمانے میں بالکل کم عمر اور لڑکا تھا ممکن ہی کہ فرشتہ نے ان واقعات کو دوسرے مسلمان مورخوں سے نقل کیا ہو اور اُنھوں نے راجہ کے کسی سردار فوج کو راجہ سمجھ لیا ہو۔ کیوں کہ ایسی غلطیاں اکثر مورخین سے ہو گئی ہیں اور مسلمان مورخوں نے ہندو راجاؤں کے ناموں میں بیشتر مغالطہ کھایا ہی لیکن فرشتہ نے تھوڑی دُور آگے چل کر دیول راے کے بیٹے کا ذکر کیا ہی جس سے راجہ کا جوان ہونا مستنبط ہوتا ہی۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲۔

درگاہ حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے سامنے گاڑ دیئے جائیں تاکہ لوگ اُنہیں روندیں۔ غرض بادشاہ نے علاوہ بے شمار قتل کے بہت سے مندروں اور بُت خانوں کو بھی توڑ پھوڑ کر تباہ کیا۔ جب ہندوؤں نے دیکھا کہ بادشاہ نے قتلِ عام مچا رکھا ہی تو وہ بہت برافروختہ ہوے کہ ملک کی تباہی کے سوا دیوتوں کی بربادی اور بے عزتی بھی کی جا رہی ہی۔ اس غصّے اور مایوسی کی حالت میں پانچ ہزار ہندو سوار اکٹھے ہوے اور اُنھوں نے قسم کھائی کہ وہ سب اپنی جانوں سے ہاتھ دھو کر آے ہیں اور بادشاہ کو جو تمام تر اُن کی بربادی کا اصلی سبب ہی جان سے مار ڈالیں گے۔ اِس مدعا کے حاصل کرنے کے لیئے اُنھوں نے جاسوس چھوڑ رکھے تھے تاکہ بادشاہ کی نقل و حرکت کی خبر لائیں اور جب مناسب موقع ملے تو بادشاہ کا کام تمام کیا جاے۔

احمد شاہ کا ہندوؤں کے نرغے میں گھِر جانا اور بال بال بچنا

اتّفاقاً یہ بات ہوئی کہ ایک دن بادشاہ ہرن کے شکار میں ایسا مصروف ہوگیا کہ وہ اپنے ہمراہیوں سے جُدا ہو کر لشکر سے (۱۲) میل دُور نکل گیا۔ ہندوؤں کے جاسوس اُس کی خبر میں لگے ہی ہوے تھے اُن کو یہ اچھا موقع ملا اور خبر پاتے ہی جھٹ بادشاہ کی طرف لپکے اور بادشاہ کے قریب ایسے وقت پُہنچے کہ اُس کے ساتھ صرف چالیس مُغل تھے اور وہ بھی کچھ دُور تھے۔ بادشاہ گھبرا گیا اور اپنے گھوڑے کو خیز کر کے چاہا کہ ایک چھوٹی سی کچی چار دیواری میں (جو وہیں قریب میدان میں مویشی باندھنے کے واسطے بنی ہوئی تھی) پناہ لے لیکن ہندو ہاتھ دھو کر بادشاہ کے پیچھے پڑے ہوے تھے اتّفاقاً سامنے ایک نالہ آگیا بادشاہ گھوڑا دوڑا نہ سکا اور نہ چار دیواری تک پُہنچ سکا کہ ہندوؤں نے آکر گھیر لیا۔ قریب چالیس دکھنیوں کے یہاں زخمی ہوے اور قریب تھا کہ بادشاہ بھی مارا جاے۔ حُسنِ اتّفاق سے کچھ تیر انداز جو ہانکے[ل] کو گئے ہوے تھے عین وقت پر آن پُہنچے اور بادشاہ کو اتنا موقع مل گیا کہ وہ گھوڑا دوڑا کر نکل گیا اور بڑی مشکل سے گرتا پڑتا چار دیواری کے اندر پُہنچ گیا۔ ہندوؤں نے چاہا کہ چار دیواری میں گھُس جائیں کہ اتنے میں بادشاہ کے تیر انداز بھی آن پُہنچے اور دونوں

ل بہت سے لوگ جمع ہو کر باجا گاجا بجاتے ہوے ہوائیاں چھوڑتے ہوے شور و غل مچا کر جنگل میں سے شکار کو گھیر کر سامنے لے آتے ہیں اِسے ہانکا کہتے ہیں ۱۲۔

کی خوب لڑائی ہوئی۔ بادشاہ کے ہمراہیوں نے جاں نثاری پر کمر باندھی اور اُن کو بے انتہا جوش آیا اور ہر شخص نے اپنی جان بادشاہ پر قربان کرنے کی قسم کھائی۔ سب نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا اور مرنے مارنے پر تُل گئے اور کہنے لگے کہ یہ ممکن نہیں کہ جب تک ہماری جان میں جان ہے بادشاہ کو آنچ آسکے۔ جہاں بادشاہ کا پسینہ گرے گا وہاں ہمارا خون بہے گا۔ سید حسن بدخشی۔ میر فرخ بدخشی۔ میر علی سیستانی۔ میر علی کرد۔ عبد اللہ کابلی۔ خسرو اوزبک۔ خواجہ حسین اردستانی۔ خواجہ بیگ قلندر۔ قاسم بیگ صف شکن نے اِس معرکے میں مردانگی کے بڑے جوہر دکھائے۔ ہندوؤں نے بہت سے مسلمانوں کو جو دیواروں پر چڑھے ہوئے تھے، بندوق کا نشانہ بنایا بہت سے مارے گئے کتنے ہی زخمی ہوئے آخر کار دیواریں خالی رہ گئیں تب پانچ چھ ہزار ہندو چار دیواری کے قریب آگئے اور کُدال۔ پھاوڑوں اور کلھاڑیوں سے دیوار ڈھانی شروع کی۔ بادشاہ کے پاس چند تیر انداز باقی رہ گئے تھے یہ حالت دیکھ کر بادشاہ سخت پریشان ہوا اور اُسے اپنی موت سامنے نظر آنے لگی کہ حسن اتفاق سے عبد القادر سلحدار آن پونہچا۔ جب اُس کو معلوم ہوا کہ بادشاہ شکار میں کہیں کا کہیں نکل گیا ہے اور واپسی میں بہت دیر ہوگئی تو اُس نے خیال کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کچھ سانحہ پیش آیا ہو وہ دو تین ہزار سوار لے کر بادشاہ کی تلاش میں نکلا اور عین ایسے وقت پر آن پونہچا کہ ہنود پانچ چھ گز دیوار گرا چکے تھے اور قریب تھا کہ چار دیواری میں گھس جائیں کہ عبد القادر مدد کو پونہچ گیا۔ بہت دیر تک لڑنے کے بعد ہندو پسپا ہوئے۔ ہنود کے ایک ہزار آدمی مارے گئے اور مسلمانوں کے پانچ سو۔ اللہ تعالیٰ نے عبد القادر کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ عین وقت پر جا پونہچا اور بادشاہ کی جان بچ گئی اور گویا از سرِ نو زندگی ہوئی۔

ع رسیدہ بود بلائے و لے بخیر گزشت

یہ ایک عجیب بات تھی کہ دشمنوں کی اتنی بڑی فوج میں ایسا بے موقع گھر جانے کے بعد بادشاہ صحیح سلامت نکل آیا۔ اُسی دن بادشاہ نے عبد القادر کو برادرِ جاں بخش دیارِ کارگزار اور خانِ جہاں کا خطاب دیا اور منصبِ دو ہزاری کے ساتھ سر لشکر برار کا مقرر کیا اور جو دوسرے امرار تھے سب کو خطاب و منصب سے سرفراز کیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ راجہ بیجانگر اور بادشاہ گلبرگہ ہر دو بالذات

اِس جنگ میں موجود تھے اور دونوں ناگہانی آفت میں فوج کی کمی کی وجہ سے پھنس گئے اور دونوں صحیح سلامت بچ گئے۔ اِس واقعے کے بعد احمد شاہ نے ہندوؤں کے ملک کو خوب لوٹا اور بیجانگر پر چڑھائی کی شہر کی رسد بند کردی کہ جس سے باشندگانِ شہر سخت مصیبت میں مبتلا ہوگئے۔ دیول رائے نے اپنی رعایا کو بچانے کے لیئے بادشاہ کے پاس ایلچیوں کو صلح کا پیغام دے کر بھیجا بادشاہ نے اِس شرط پر صلح منظور کرلی کہ راجہ سنینِ ماضیہ کا خراج جو باقی ہی اپنے بہترین ہاتھیوں پر بار کرکے مع نوبت نقارہ وماہی مراتب ولوازمِ لشکر کے اپنے بیٹے کو ساتھ دے کر بھیج دے۔ دیول رائے کو انکار کی گنجائش نہ تھی اُس نے ناچار ان شرطوں کو منظور کیا اور اپنے بیٹے کے ساتھ تیس عمدہ ہاتھیوں پر خزانہ اور قیمتی سامان بار کرکے بادشاہ کے لشکر میں بھیج دیا۔ بادشاہ نے اپنے اُمرا کو ان کی پیشوائی کے لیئے بھیجا۔ اور اِس پیش کش کو اپنے لشکر کے بازاروں میں گشت کراکے اپنی حضوری میں طلب کیا۔ بادشاہ دیول رائے کے بیٹے سے بغل گیر ہوا اور پائینِ تخت میں اُسے بیٹھنے کی اجازت دی اور ایک خلعتِ فاخرہ بھی مرحمت فرمایا۔ ایک تلوار جس کے قبضے پر جواہرات جڑے ہوے تھے اور (۲۰) عمدہ تُرکی وبدخشی گھوڑے پانچ ہاتھی نوشکاری کُتّے اور پانچ باز بھی دیئے۔ تب بادشاہ نواحِ بیجانگر سے روانہ ہوا اور دریاے کرشنا کے کنارے پونہچ کر راے بیجانگر کے بیٹے کو رخصت[ل] کرکے گلبرگہ کو مراجعت فرما ہوا۔ پھر فرشتہ لکھتا ہی کہ ۸۲۵ھ میں بادشاہ نے ورنگل پر چڑھائی کی۔ بدیں وجہ ظنِ غالب ہی کہ یہ لڑائی شروع سال ۱۴۲۳ء میں ہوئی تھی کیوں کہ اُس لڑائی میں لامحالہ چند مہینے تو ضرور لگے ہی ہوں گے کیوں کہ بادشاہ نے رسد بند کردی تھی اور رعایا بھوکی مرنے لگی تھی اور یہاں تک سختی ہوئی کہ راجہ مجبوراً صلح پر آمادہ ہوگیا

[ل] اِس پیشوائی سے درحقیقت راجہ کی تذلیل مدِنظر تھی کیوں کہ اُس کی فوج کو لشکرِ شاہی میں گشت کرایا گیا اگر بادشاہ کو اُن کی عزت افزائی منظور ہوتی تو راے بیجانگر کے صاحب زادے کو جو بطور قائم مقام اپنے باپ کے آیا تھا خود جا کر لاتا۔ راے بیجانگر کے بیٹے کو بادشاہ نے تخت کے پائیں میں بٹھایا اور بہت دن تک گویا قیدی کی طرح اپنے لشکر کے ساتھ لیئے لیئے پھرا اور جب کرشنا کے کنارے پونہچ گیا تو اُس کو چھوڑ دیا ۱۲۔

ان اسباب سے موسم سرما سے ۱۴۲۳ء سے پہلے اس لڑائی کا ختم ہونا قرین قیاس نہیں ہے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ اس سال جب کہ بادشاہ گلبرگہ واپس آیا ملکِ دکن میں سخت قحط تھا اور سالِ آیندہ بھی بارش نہ ہوئی دو سال متواتر قحط پڑنے سے رعایا کے دل میں باغیانہ خیالات پیدا ہو گئے یہ دونوں سال غالباً ۸۲۶ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۴۲۲ء و ۲۳ نومبر ۱۴۲۳ء ہوں گے

احمد شاہ بہمنی اور راجۂ ورنگل کی لڑائی ۸۲۸ھ مطابق ۱۴۲۴ء

چوں کہ رائے ورنگل در رائے بیجانگر کے باہمی رنجش ہو گئی تھی احمد شاہ ۸۲۸ھ م ۱۴۲۴ء میں ریاستِ ورنگل اور ملکِ تلنگانہ کو فتح کرنے کی غرض سے روانہ ہوا اور گول کنڈہ پہنچ کر خانِ اعظم عبداللطیف خاں کو مع دیگر اُمرا و لشکر آگے بھیج دیا تھوڑے دنوں بعد ورنگل کے فتح ہو جانے کی خبر پہنچی چنانچہ بادشاہ ایک مہینے بیس دن کے بعد گول کنڈہ روانہ ہوا۔ خانِ اعظم کے ورنگل کے قریب پہنچتے ہی راجہ نے اطراف و اکناف سے بہت سی فوج جمع کر لی تھی ابھی بادشاہ پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ دونوں لشکروں میں مٹھ بھیڑ ہو گئی ہندوؤں کے سات ہزار سوار و پیدل مارے گئے اور شکست ہوئی۔ ورنگل مسلمانوں کے قبضے میں آگیا بادشاہ جب یہ سب ہو ہوا چکا تھا تب پہنچا۔ اس جنگ میں خزانے اور دفینے

سلہ گلبرگہ میں بوجہ امساکِ باراں ایسا سخت قحط پڑا تھا کہ ملکِ دکن کی باؤلیاں اور نہریں خشک ہو گئی تھیں بہت سے چوپائے پانی نہ ملنے سے سقط ہو گئے بادشاہ نے غلّے کا گنج کھول دیا اور غلّہ کا انبار لگا دیا جس سے غربا اور مساکین کو غلّہ ملتا تھا۔ دوسرے سال بھی بارش نہ ہوئی بادشاہ نے علما اور مشائخ اور زُہّاد کو نمازِ استسقا کے لیے بھیجا مگر بارش نہ ہوئی تب بادشاہ ازحد پریشان ہو کر خود نماز کے لیے صحرا میں گیا اور تنہا ایک پہاڑ پر جا کر چند رکعت نماز پڑھی اور درگاہِ ربّ العزت میں بہت تضرّع اور زاری کی بہ افضالِ الٰہی اُسی وقت بارش شروع ہو گئی خوب موسلا دھار پانی برسا۔

بر آمد یکے میغ از تیغ کوہ	بغرّید غرّیدنِ با شکوہ
ببارید باراں و خندید باغ	جہاں گشت از سرِ چو روشن چراغ
ہمہ شہر ویرانہ آباد شد	دلِ شاہ از خرمی شاد شد

اُسی دن سے بادشاہ "احمد شاہ ولی بہمنی" کے نام سے مشہور ہو گیا ۱۲۔

جو راجاؤں کے آباو اجداد نے مدتوں میں جمع کیے تھے بے شمار ہاتھ آئے۔ بادشاہ نے اِس فتح کی خوشی میں خانِ اعظم کو دس بڑے ہاتھی اور بیس چھوٹے اور ایک پدک مرصّع اور چار موتیوں کی تسبیحیں اور چالیس ہزار ہُن نقد عنایت فرماکر دوسرے مقامات کو فتح کرنے کے لیے بھجوا دیا چنانچہ تین چار مہینے میں اکثر مقاماتِ مقبوضۂ تلنگانہ کو فتح کرکے خانِ اعظم پھر ورنگل واپس آکر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا اور بادشاہ نے پھر اُس کو سرفراز کیا اور نوازشات فرمائیں۔ اِس لڑائی میں مسلمانوں کو ایسی مستحکم فتح ہوئی کہ ریاستِ ورنگل ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو گئی۔ تاریخ فرشتہ میں اِس کے بعد سلطنت کا کچھ حال احمد شاہ کے بیٹے علاء الدین ثانی کے تخت نشین ہونے تک نہیں لکھا۔

احمد شاہ کا انتقال ۸۳۹ھ علاء الدین حسن ثانی کی تخت نشینی

سلطان احمد شاہ ۲۸ رجب ۸۳۹ھ روز یکشنبہ مطابق ۲۷ فروری ۱۴۳۵ء کو دُنیا سے رُخصت[۲] ہوا اور اُسی دن علاء الدین ثانی اُس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔

علاء الدین کے عہد میں راجۂ بیجانگر پر پہلی چڑھائی

راجۂ بیجانگر نے پانچ سال سے خراج نہیں دیا تھا اور بقایا دینے کے لیے صاف انکار کر دیا تھا سلطان علاء الدین نے اپنے بھائی محمد خاں کو ایک جرّار لشکر کے ساتھ بیجانگر

سلہ ورنگل کی لڑائی کی تاریخ عموماً ۱۴۲۴ء لکھی گئی ہی لیکن یہ غلطی اصل میں اُن موّرخین سے ہوئی ہی جن سے کہ نقل کی گئی ہی لیکن صحیح سال ۱۴۲۵ء معلوم ہوتا ہی۔ برگز صاحب نے بھی ۸۲۸ھ کو ۱۴۲۴ء ہی کے مطابق لکھا ہی لیکن ۸۲۸ھ عیسوی سال کے آخر ۲۳ نومبر ۱۴۲۴ء کو شروع ہوا ہی یہ لڑائی بہت جلد ختم ہو گئی اور یہ بھی ممکن ہی کہ دسمبر سنہ مذکور میں ختم ہوئی ہو ۱۲۔

سلہ برہانِ مآثر نے تاریخ انتقال ۲۲ رجب لکھی ہی۔ اِس بادشاہ نے بارہ برس دو مہینے سلطنت کی۔ اِسی کے عہد میں گلبرگہ سے بیدر پایۂ تخت قرار پایا اور شہر کا نام احمد آباد بیدر رکھا گیا۔ اِس بادشاہ کا عالی شان مقبرہ موضع اشٹور میں ہی جو مضافات بیدر میں ہی اور سالانہ عُرس ہوتا ہی ۱۲

بھیجا۔ اس لشکر نے ملک کو ایسا لوٹا کہ راے بیجانگر نے تھوڑے ہی عرصے میں بیس ہاتھی اور بڑی بھاری رقم اور دو سو لونڈیاں جو ناچ اور گانے میں مشاق تھیں علاوہ اور قیمتی تحائف کے محمد خاں کو دے کر صلح کرلی۔ محمد خاں اس فتح سے بالکل جامے سے باہر ہوگیا ایک جرار لشکر تو اُس کے پاس تھا ہی اپنے بھائی بادشاہ سے باغی ہوگیا اور خیال کیا جاتا ہی کہ اس بغاوت میں دیول راے کی بھی اشتعالک تھی۔ محمد خاں نے بادشاہ کے صوبے داروں سے مُدگل۔ رایچور۔ شولاپور۔ بیجاپور۔ نلدرگ چھین لیا۔ آگے چل کر دونوں بھائیوں میں جنگ ہوئی اور محمد خاں نے شکست پائی اور بھاگ گیا۔ چند روز کے بعد نیک دل بادشاہ نے اپنے بھائی کی خطا معاف کردی اور قلعہ رایچور مع علاقہ جات ملحقہ کے اُس کو جاگیر دیا۔ ۱۳۹۹ء کے قریب دیو راے نے اپنی سرحدی

سلہ جی۔ آئی۔ پی ریلوے کا اسٹیشن ہی۔ مستقر ضلع ہی تجارت کی بہت بڑی منڈی اور بہت گھنی آبادی کا شہر ہی۔ عادل شاہیوں کے زمانے کا بنایا ہوا قلعہ اسٹیشن کے پاس ہی جس کے اطراف خندق ہی۔ یہاں پارچہ بافی کی کئی گھرنیاں ہیں۔ شہر سے تین میل کے فاصلے پر ایک بہت بڑا تالاب مسموم بہ ہیپر گہ سات میل دور کا ہی اور بہت عمیق ہی اس کے تحت بہت سی زراعت کی جاتی ہی۔ ۱۲

سلہ نلدرگ میں ایک پرانا مشہور قلعہ ہی جس کی فصیل اور بہت سے شاہی مکانات اب بھی باقی ہیں اس کے جلال پانی محل قابل دید ہی۔ پوری ندی کو روک کر ایک بہت بھاری بند ڈالا ہی اُس کے اندر مکانات بنا دیے ہیں جس پر سے ندی بہ کر چادریں چھوٹتی ہیں۔ عجب لطف آتا ہی اس پر قطعہ ذیل کندہ ہی۔

از حضرت شاہ دیں پناہ منصور	شد میر محمد عماد الدیں مامور
در بستن ایں سدہ توفیق الٰہ	سدے شدہ چوں سد سکندر مشہور
از دیدن ایں چشم محباں روشن	می گردد چشم دشمناں گردد کور
از ہاتف کرد سوال تاریخش گفت	کیں سد بلطف شاہ ماند معمور

در عہد ابو المنصور والمظفر سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی بادشاہ والی بیجاپور تعمیر یافت

کرنل میڈوز ٹیلر مدتوں یہاں ڈپٹی کمشنر رہے ہیں اُن کی کتابوں میں یہاں کے بہت سے تاریخی حالات ہیں۔ یہ مقام ضلع عثمان آباد ملک سرکار عالی نظام میں ہی۔ شولاپور اسٹیشن سے اٹھائیس کوس کے فاصلے پر واقع ہی۔ ۱۲

سلطنتِ اسلامیہ گلبرگہ اور اپنے حالات پر غور کرنے کے لیئے اُمرا و رؤساے معتبر و برہمنان
کی ایک مجلسِ شورائے منعقد کی اور کہا کہ باوجودے کہ ہمارا ملکِ کرناٹک بہ لحاظ وسعت و آبادی
و محاصل خاندانِ بہمنیہ سے بہت بڑھا ہوا ہی اور فوج بھی ہمارے پاس اُن سے زیادہ ہی
لیکن پھر کیا وجہ ہی کہ مُسلمان ہمیشہ ہم پر فتح یاب ہوتے چلے جاتے ہیں اور ہم کو یہاں تک
مغلوب کیا ہی کہ ہم اُن کے خراج گزار بن گئے - حاضرین میں سے بعض نے عرض کی کہ مُسلمانوں
کی کامیابی کے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ ہمارے سوار کرناٹک کے ہیں جن کے گھوڑے
دُبلے اور کم زور ہیں اور مُسلمانوں کے گھوڑے قوی اور توانا ہیں اور اِس وجہ سے زیادہ بارکش
اور دھاوے کے متحمل ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے لشکر میں ہمیشہ عمدہ تیر اندازوں کی
بڑی تعداد رہتی ہی اور ہمارے لشکروں میں ایسے قادر تیر انداز بالکل کم ہیں -

دیوراے نے یہ سُن کر اپنے لشکر میں مُسلمانوں کو کثرت سے ملازم رکھا اور اُن کو
جاگیریں بھی دیں اور مُسلمانوں کی استمالت کے لیئے شہر بیجانگر میں ایک مسجد بھی بنوادی اور حکم
عام دے دیا کہ مُسلمانوں کے مذہبی اُمور میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جاے - راجہ نے اپنے
تخت کے سامنے ایک مکلف رحل پر قرآن بھی رکھوایا کہ مُسلمان جب اُس کے دربار میں آئیں
کلام الٰہی کی تعظیم کریں اور اپنی تمام فوج کو بڑے اہتمام سے تیر اندازی سکھلانی شروع کر دی
کہ تھوڑے ہی دنوں میں دس ہزار مُسلمان اور سات ہزار ہندو تیر انداز لشکر میں طیار
ہو گئے اِس کے علاوہ ستر ہزار سوار اور تین لاکھ پیدل فوج بھی طیار کر لی جو بھالے اور
برچھوں سے مسلح تھی -

راجۂ بیجانگر پر قاتلانہ حملہ سنہ ۱۴۴۲ و ۱۴۴۳ء

نومبر سنہ ۱۴۴۲ء یا اپریل سنہ ۱۴۴۳ء کے درمیان ایک دن دیوراے
کی جان پر ایک قاتلانہ حملہ اُس کے ایک قریب کے عزیز نے
کیا - عبدالرزاق کا بیان ہی کہ راجہ کے بھائی نے حملہ کیا تھا اور
نیونز لکھتا ہی کہ وہ اُس کا بھتیجا تھا لیکن اِن دونوں میں سے عبدالرزاق کا بیان زیادہ مستند
ہی کیوں کہ وہ خود یہاں موجود تھا - عبدالرزاق شاہ ایران کی طرف سے کالی کوٹ اور بیجانگر
میں ایلچی مقرر تھا اور اُس نے اِس واقعے کو حسب ذیل صراحت مع تاریخ بیان کیا ہی -

نومبر ۱۴۴۲؁ء و اپریل ۱۴۴۳؁ء میں جب کہ عبدالرزاق کالی کوٹ میں موجود تھا یہ غیر معمولی واقعہ
پیش آیا کہ راجہ کے بھائی نے ایک نیا محل اپنے لیے طیار کرایا تھا اُس کی خوشی میں اُس نے راجہ
اور اُمراے شہر کو دعوت دی۔ ہنود میں قاعدہ ہی کہ وہ سب یکجا نہیں کھاتے بلکہ ٹکڑی ٹکڑی
الگ الگ کھاتے ہیں۔ سارے مہمان ایک بڑے ہال میں جمع تھے اور باری باری سے کھانے
کے لیئے جاتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد راجہ کے بھائی نے خود آن کر کہا یا اُس نے اپنی طرف
سے کسی سے کہلا بھیجا کہ فلاں فلاں اُمرا بغرضِ تناوُلِ طعام تشریف لائیں۔ صاحب مکان
نے پہلے ہی سے انتظام کر کے نوبت و نقارے۔ ڈھول۔ تاشے۔ تُرئی۔ نفیری تمام شہر کے
باجے جمع کر لیئے تھے اِن سب کے ایک ساتھ بجنے سے ایسا شور و غل تھا کہ کان پڑی آواز نہ
سُنائی دیتی تھی۔ ایک ایک کر کے مہمان کھانے کے لیئے اندر مکان میں جانے لگے دروازے کے
دونوں طرف دو شخص خنجر لیئے چھپے کھڑے تھے جو آیا آتے ہی اُس کے خنجر بھونک کر ٹکڑے کر ڈالتے
اور فوراً اُس کی لعش کو اُٹھوا دینے کے بعد دوسرے مہمان کو بُلاتے تھے الغرض جو اس مکان
میں گیا پھر وہ زندہ باہر نہ نکلا اور یہی سلسلہ جاری رہا۔ باجوں اور آدمیوں کے شور و غل سے
کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ اندر کیا ہو رہا ہی۔ اِس طرح ایک ایک کر کے تمام نامی اور ذی
مرتبت قتل کر دیئے گئے۔ راجہ کا بھائی جو جوشِ انتقام میں بھرا ہوا تھا اور اُس کے سر پر خون
سوار تھا اِسی حالت میں وہ راجہ کو بُلانے محل میں گیا۔ وہاں جو لوگ حاضر باش اور نیز پہرے
چوکی پر متعین تھے اُن سب سے بہت عاجزی و خوشامد کے لہجے سے کہا کہ وہ بھی کھانے کے
لیئے چلیں اور سب کو بھجوا کر اُن کا بھی کام تمام کیا۔ اِس حکمتِ عملی سے سارا محل محافظین سے
خالی ہو گیا تب یہ بدمعاش راجہ کے حضور میں حاضر ہوا اور ایک تھالی میں پان اور سپیاری
رکھ کر لے گیا جس کے نیچے ایک جمبیہ چھپا ہوا تھا۔ اِس نے راجہ سے عرض کی کہ سب طیاری
ہو چکی ہی غریب خانے تک قدم رنجہ فرمائیے اب صرف حضور ہی کی تشریف آوری کا انتظار
ہی۔ عام خیال یہ ہی کہ حاکم وقت کا اللہ تعالےٰ خود محافظ و نگہبان رہتا ہی اور اِن کے دل کو پہلے
سے خبر ہو جاتی ہی۔ راجہ نے کہا کہ آج میری طبیعت اچھی نہیں ہی۔ جب اِس خوں خوار بھائی
کو راجہ کے اپنے مکان تک چلنے سے نا امیدی ہوئی تو اس نے جمبیہ نکال لیا اور کئی کاری

زخم راجہ کو پونہچاے - راجہ مجروح ہوکر اپنے تخت کے پیچھے گر پڑا - اِس نمک حرام نے یہ سمجھا کہ اُس کا کام تمام ہوگیا - اُس نے اپنے ایک معتمد کو وہاں چھوڑ دیا کہ راجہ کا سر کاٹ کر لاے اور جلدی اور گھبراہٹ میں خود محل کے باہر نکل کر ایوان محل میں آیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ مَیں نے راجہ اور اُس کے بھائیوں اور فلاں فلاں اُمرا و برہمناں و وزرا کو قتل کر ڈالا ہی اور اب مَیں ریاست کا مالک ہوں - اِسی عرصے میں اُس کا خفیہ جاسوس راجہ کے تخت کے پاس اُس کا سر کاٹنے پونہچ گیا لیکن راجہ تخت کے سہارے اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا اُس نے اِس جاسوس کی چھاتی پر ایسا ایک وار کیا کہ وہ اوندھا گرا - تب راجہ نے اپنے ایک محافظ کی مدد سے جو یہ خوفناک حالات دیکھ کر وہیں ایک کونے میں چھپ گیا تھا اِس مردود کو قتل کیا اور آپ زنانے کے رستے سے محل کے باہر نکلا - اِس کا بھائی ایوان کی سیڑھیوں پر کھڑا ہوا عامۂ رعایا میں اپنے راجہ ہونے کی مُنادی کر رہا تھا کہ عین وقت پر راجہ نے پکارا کہ مَیں صحیح و سلامت اور زندہ ہوں اِس بدمعاش کو پکڑو - اتنا کہنا تھا کہ ساری خلقت اُس بدمعاش پر ٹوٹ پڑی اور اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے - اِس قتل عام سے صرف ایک وزیر جس کا خطاب دھن نایک تھا اور جو اِس افسوس ناک واقعے کے پہلے سے سراندیپ کی طرف گیا ہوا تھا بچ گیا - راجہ نے ایک ہرکارے کے ذریعے سے اِس کُشت و خون کی خبر اُس کو کہلا بھیجی اور واپس بلوالیا - اِس سازش میں جو جو لوگ شریک تھے اُن کو راجہ نے مروا ڈالا - ہزاروں آدمیوں کی کھالیں کھنچوائی گئیں - قتل کیے گئے اور زندہ جلا دیئے گئے - اُن کے سارے خاندان جڑ سے برباد کر دیئے گئے - جو دعوتی رُقعے سے کر آیا تھا وہ بڑی تکلیف سے مارا گیا نیونز نے لکھا ہی کہ اِس واقعے کے چھ مہینے بعد راجہ مر گیا اور اُس کی جگہ اُس کا بیٹا گدی پر بیٹھا لیکن عبدالرزاق یہ بیان کرتا ہی کہ وہ خود دسمبر ۱۴۴۳ء میں دیو راے کے حضور میں حاضر ہوا تھا - نیونز نے دیو راے کے بیٹے کا نام نہیں لکھا اور نہ اُس کی مدت سلطنت بتلائی اُس نے صرف اِتنا لکھا ہی کہ اِس کے عہد میں کوئی واقعہ قابل تحریر نہیں گزرا سواے اِس کے کہ اُس نے دیولوں کو زر کثیر عنایت کیا - اِس راجہ کے بعد اُس کا بیٹا دیر پاکش گدی نشین ہوا اور نیونز نے اِسی کے زمانۂ سلطنت میں اُن جھگڑوں کا شروع ہوجانا لکھا ہی

کہ جن سے اِس خاندان کی تباہی ہوئی۔

راجۂ بیجانگر اور سلطان علاء الدین کی مُدگل پر پہلی تین لڑائیاں ۸۴۷ھ م ۱۴۴۳ء

ششش ماہی دوم ۱۴۴۳ء میں عبد الرزاق نے لکھا ہی کہ دھن نایک وزیر نے سلطنتِ گلبرگہ پر لشکر کشی کی۔ وجہ اِس حملے کی یہ بیان کی ہی کہ سُلطان علاء الدین نے جب اِس بات کی خبر سُنی کہ راجۂ بیجانگر کو مار ڈالنے کا اِرادہ کیا گیا تھا اور بہت سے اُمراء اور معززین قتل کیے گئے ایسے وقت میں بادشاہ نے ادائی خراج کے مطالبے کا پیغام بھیجا۔ دیو رائے راجۂ بیجانگر اِس پیغام کے ایسے بے موقع آنے سے بہت جھلّایا اور اُس نے بے باکانہ جواب دیا اور خود بھی لڑائی کے واسطے طیار ہو گیا دونوں طرف سے لشکر چلے اور دونوں عمل داریوں میں خوب لُوٹ مار ہوئی۔ دھن نایک نے سلطنتِ گلبرگہ کے سرحدی مقامات کو خوب لُوٹا اور بہت سے قیدی گرفتار کر کے پلٹ آیا۔ تاریخ فرشتہ میں اِس لڑائی کا حال یوں لکھا ہی کہ ۸۴۷ھ میں دیو رائے نے ناعاقبت اندیشی سے سلطنتِ بہمنیہ پر چڑھائی کی یکایک دریاے تُنگ بھدرا کو عبور کر کے قلعۂ مُدگل پر قبضہ کر لیا اور اپنے بیٹوں کو رایچور اور بنکاپور کے محاصرے کے لیے بھیج کر خود دریاے کرشنا کے کنارے ٹھیرا رہا اور اپنی فوج سے اطراف کے مُلک کی لُوٹ مار کرتا رہا تلوار اور آتش زنی سے سگر اور بیجاپور تک تباہ کر دیا۔ سلطان علاء الدین کو جب اِس حملے کی خبر ہوئی تو وہ اُس کی مدافعت کو آمادہ ہوا اور مُلک تلنگانہ دولت آباد و برار سے لشکر اکٹھا کیا اور حکم دیا کہ بلا تاخیر سب اُس کی دار السلطنت احمد آباد بیدر پر جمع ہو جائیں۔ جب فوج اکٹھی ہو گئی اور اُس نے لشکر کا ملاحظہ فرمایا تو پچاس ہزار سوار ساٹھ ہزار پیدل اور بہت سا توپخانہ موجود پایا اِس لشکر کے ساتھ وہ غنیم کے مقابلے کو بڑھا۔ دیو رائے کو جب فوج کی آمد آمد کی خبر پہنچی تو اُس نے اپنا مقام بدل دیا اور فصیل قلعۂ مُدگل کے پاس آ ٹھیرا آتے آتے ایک بڑا حصہ فوج کا سُلطانی فوج کو روکنے کے لیے چھوڑ آیا تھا۔ مُدگل سے (۱۲) میل کے فاصلے پر بادشاہ نے مقام کیا اور خلف حسن بصری ملک التجار کے ساتھ دولت آباد کی فوج دے کر دیو رائے کے بیٹوں کے مقابلے کو بھیجا اور خانِ زماں سرِ لشکرِ بیجاپور اور خانِ اعظم

سپہ سالار افواج برار و تلنگانہ کو اصل لشکر کے ساتھ غنیم کے مقابلے کے لیئے روانہ کیا۔ ملک التجار سید ھا رایچور پونہچا اور دیورائے کے بڑے بیٹے سے جنگ شروع ہوئی۔ دیورائے کا بڑا بیٹا اس لڑائی میں زخمی ہو کر بنکاپور کی طرف بھاگا۔ وہ ابھی وہاں نہیں پونہچا تھا کہ راجہ کا چھوٹا بیٹا قلعۂ بنکاپور کا محاصرہ چھوڑ کر باپ کے پاس چلا آیا۔ دو مہینے کے عرصے میں مسلمان اور ہندوؤں کے لشکر میں تین لڑائیاں مُدگل کے قریب ہوئیں جن میں طرفین کے بے شمار آدمی مارے گئے۔ پہلی لڑائی میں ہندوؤں کے غالب ہونے سے مُسلمانوں کو بڑی مُصیبتوں کا سامنا ہوا۔ باقی دو لڑائیوں میں مسلمان فتح یاب ہوے۔ آخری لڑائی میں دیورائے کے بڑے بیٹے کو جو خلف حسن بصری سے زخم کھا کر بھاگ گیا تھا خان زماں نے نیزے سے ہلاک کیا۔ اس واقعے سے ہندوؤں کے لشکر میں ایک سراسیمگی پھیل گئی اور بڑی گھبراہٹ سے رائے زادے کی نعش لے کر قلعۂ مُدگل میں گھس گئے۔ بادشاہ کے اُمرا فخر الملک دہلوی اور اُس کا بھائی ہندوؤں کے تعاقب کے لیئے کُشت و خون کرتے ہوے شہر مُدگل میں پونہچے۔ ہنود نے دیکھا کہ یہ دونوں مُسلمان بڑے جری ہیں کہ اس طرح بے باکانہ قلعے میں گھس آے اِن کو زندہ گرفتار کر لیا اور دیورائے کے پاس لے گئے۔ راجہ اپنے بیٹے کے رنج و الم میں گرفتار تھا اُس نے اِن دونوں کو قید کر دیا۔ بادشاہ نے دیورائے کو پیغام بھیجا کہ تم نے میرے دو سرداروں کو قید کر لیا ہے میں اِن کو ہزار ہزار سوار کے برابر سمجھتا ہوں۔ چوں کہ رایانِ بیجانگر اور شاہانِ بہمنیۃ میں یہ قرار ہو چکا تھا کہ ایک مسلمان کے بدلے ایک لاکھ ہندو مارے جائیں گے اگر تم اِن کو مار ڈالو گے تو یاد رہے کہ ہم اِن کے معاوضے میں دو لاکھ ہندوؤں کا قتل کریں گے اور اِس ملک سے کبھی نہ ہٹیں گے۔ دیورائے مُسلمانوں کے تعصّب کو خوب جانتا تھا اُس نے ایک جماعت معتبرین کی بادشاہ کے پاس بھیجی کہ اگر آپ اِس بات کا عہد کریں کہ آیندہ ہمارے ملک پر لشکر کشی نہ کریں گے تو میں اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ ہر سال پیش کش دیا کروں گا۔ اور آپ کے دونوں سرداروں کو بھی آپ کے سپرد کر دوں گا۔ بادشاہ نے اِس بات کو قبول کر لیا اور عہد نامہ ہو گیا۔ راجہ نے بھی فخر الملک اور اُس کے بھائی کو چالیس جنگی ہاتھی اور انواع و اقسام کے پیش کش اور باقی ماندہ خراج کے ساتھ بھیج دیا۔ بادشاہ نے بھی خلعتِ شاہانہ

اور تازی گھوڑے مع سامانِ مرصع راجہ کے پاس بھجوائے اور خود اپنے وطن کو واپس ہوا اور جب تک یہ بادشاہ زندہ رہا دیو رائے ہر سال پیش کش بھجواتا رہا اور طرفین اپنے اپنے معاہدے پر قائم رہے اور کسی قسم کی لڑائی نہیں ہوئی۔ تاریخ فرشتہ میں صاف طور پر اس لڑائی کے برپا ہونے کی وجہ نہیں لکھی لیکن عبدالرزاق کے بیان کی تصدیق صلح نامے کی شرائط سے ہوتی ہے کہ رائے بیجانگر کے زرِ معہود ادا نہ کرنے سے لڑائی چھڑی۔ یہ لڑائی ۱۴۴۲ء میں شروع ہوئی (یکم مئی ۱۴۴۲ء تا ۱۹ اپریل ۱۴۴۳ء) اور دسمبر ۱۴۴۳ء میں جب کہ عبدالرزاق بیجانگر سے روانہ ہوا ختم ہوگئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑائی تھوڑے ہی دنوں رہی۔

دیورائے دوم کی زمانِ سلطنت کے حالات

ہم بہ لحاظ واقعات ۱۴۴۳ء کے آخر تک پہنچ گئے ہیں۔ قبل اس کے کہ ہم آئندہ کے حالات لکھیں ہم چاہتے ہیں کہ دیورائے ثانی کی سلطنت کے کچھ واقعات بیان کریں۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ جب دیورائے ثانی ۱۴۱۹ء میں تخت نشین ہوا تو وہ بہت کم عمر تھا۔ ۱۴۴۳ء تک اس کی حکمرانی کو چوبیس سال ہو چکے تھے۔ عبدالرزاق نے لکھا ہے کہ اس نے دیول رائے دوم سے ۱۴۴۳ء میں ملاقات کی تھی اور انڈیا آفس میں جو کتبے و کاغذات ہیں اُن سے یہ مزید توضیح ہوتی ہے کہ اس زمانے میں دیورائے دوم بہت ہی کم سن تھا۔ ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ اس میں کون سی روایت صحیح ہے۔ لیکن اگر ہم کم عمری کو صحیح سمجھ لیں تو اس کی توجیہ یوں ممکن ہے کہ ایلچی مذکور بجائے راجہ کے کسی اور شہزادے کے حضور میں حاضر ہوا ہوگا اور خود راجہ نے عبدالرزاق کی نسبت شبہہ کیا ہوگا کہ آیا وہ فی الحقیقت شاہِ ایران کا ایلچی ہے یا جھوٹ موٹ بن گیا ہے اور اُس سے ملنے میں پہلوتہی کی۔ اس کی سلطنت کے بہت سے کتبے موجود ہیں۔ ایک کتبے میں اسی راجہ کے نام سے ایک منادی کندہ ہے۔ جس کا سال سکے ۱۳۴۸ سال وِساواسُو مطابق ۱۴۲۶ء کے ہوتا ہے۔ راجہ نے بیجانگر کے پان سپاری بازار میں ایک جینوں کا مندر بنوایا ہے اس پر بھی ایک کتبہ موجود ہے جس پر سکے ۱۳۴۹ سال پربھاوا ماہ کاتک درج ہے جو مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۴۲۶ء روز چہارشنبہ کے ہے سرکاری نقشے میں جو دیول نمبر ۳۵ ہے یہ مندر اس کے جنوب مغرب میں راجہ کے محل کے احاطے

کے اندر ہاتھیوں کے اصطبل کے قریب پچھواڑے کی طرف اب تک موجود ہی۔ اس کتبے میں راجہ کا پورا خطاب "مہاراجہ ادھیراج راجہ پرمیسور" کندہ ہی۔ اس سے بان سپیاری بازار کے حدود صاف طور پر معلوم ہوتی ہیں کہ یہ بازار اس سڑک کے دو طرفہ واقع تھا جو راجہ کے محل کے قریب ہزارہ راماسوامی کے دیول کے پاس سے ہموار خشک میدان پر سے (قلعۂ آناگندی کے دروازۂ جنوبی کے محاذی) گزر کر سیدھی دریاے تنگ بھدرا کے گھاٹ تک چلی گئی ہی۔ یہ سڑک کلّا اور رنگا سوامی کے دیولوں کے شمال سے گزرتی تھی۔ محل شاہی کی بلند دیواروں کے احاطے اور مینار۔ دیدبان۔ و اصطبل فیلاں کے بائیں طرف سے مندر جینیاں و مندر نمبر (۳۵) کے گرد ہوتی ہوئی بڑی سڑک میں جا ملتی تھی۔ اور یہی سیدھا رستہ آناگندی سے راجہ کے محل کا تھا۔

سکے ۱۳۵۴ سال سدھارنا کاتک پنچمی مطابق سنہ ۱۴۳۲ء میں راجہ نے ایک مندر کو جو ضلع تانجور کے جنوب میں واقع ہی ایک علیہ بخشا۔ عطاکنندہ کا نام ویر پرتاپ دیو راے مہاراجہ مہامنڈلیسور (یعنی چاروں سمندروں کا حکمراں) لکھا ہی۔ اسی راجہ کی سلطنت کے دو کتبے اور ہیں جو سنہ ۱۴۳۳ و ۱۴۴۴ و سنہ ۱۴۳۴ و ۱۴۳۵ء کے ہیں جو بمقام پٹراویڈ و شمال ارکاٹ میں موجود ہیں ان میں بھی راجہ کا پورا نام اور خطابات حسب صراحت بالا کندہ ہی۔ اگر نیونز کا بیان صحیح تسلیم کیا جاے کہ دیو راے دوم زخمی ہونے کے چند ماہ بعد مر گیا اور اگر واقعی عبدالرزاق سنہ ۱۴۴۳ء میں اس کے حضور میں باریاب ہوا تھا تو اس حساب سے راجۂ مذکور کا سنہ وفات سنہ ۱۴۴۴ء قرار پاتا ہی تاہم صحیح بات اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی جب تک کہ اور کتبے اور کندے اچھی طرح پڑھے نہ جائیں۔ سراون بلگوں کا ایک کتبہ مطابق سہ شنبہ ۲۴ مئی سنہ ۱۴۴۶ء جس میں پرتاپ دیو راے کے انتقال کا ذکر لکھا ہی پروفیسر کیل ہارن نے حسب ذیل نقل کیا ہی۔

"منحوس سال کشایا مہینے ویساکھ بد میں ایک مصیبت تاک سہ شنبہ کے دن اس پندھرواڑے[1] میں جو چاندی کے برعکس (یعنی ظلمت) مصیبت کا تھا چودھویں تاریخ طاقت

---

[1] یعنی ماہ ہلالی کا آخر پندھرواڑہ (کرشن پاکشا) ۱۲

وبہادری کا مخزن جس کا کوئی عدیل نہ تھا پرتاب دیوراے کو افسوس کہ موت آن پونہچی"
لیکن اس کتبے میں راجہ کے خطابات درج نہیں ہیں ممکن ہی کہ وہ راجہ کے خاندان کا کوئی اَور شخص ہو۔ تانجور میں ایک دوسرے کتبے پر بھی سنہ ۱۴۴۶ء[1] اور دیوراے کا نام کندہ ہی مگر یہاں بھی سواے لفظ "پرُوڈھا" جس کے معنی چار سمندروں کا مالک ہیں اَوْر کوئی خطابات نہیں ہیں۔
کنجیورم میں ایک کتبہ ویر پرتاب پرودھ امادی دیوراے کے عہد کا ہی جو مطابق ۲ اگست[2] سنہ ۱۴۴۹ء یوم شنبہ کے ہوتا ہی۔ بہت تعجب ہی کہ نیونز نے دیوراے دوم کے جانشین کا نام جو سولھویں صدی میں زبان زدِ خاص وعام ہوگا نہیں بتلایا جس سے ہم کو بہت مدد ملتی۔
بحالت موجودہ ایسا خیال کیا جاسکتا ہی کہ کوئی شخص دیوراے سوم سنہ ۱۴۴۴ء سے سنہ ۱۴۴۹ء تک بیجانگر کا حکمراں ہو گزرا ہی لیکن یہ بات یقینی نہیں ہی۔ مسٹر ریس لکھتے ہیں "کہ دیوراے دوم کا ایک وزیر ناگپا نامی تھا جس کو دھن نایک کا خطاب تھا جس کے معنی سپہ سالارِ افواج کے ہیں"۔

سنہ ۱ سکے ۱۳۶۸ سال کشایا یوم چہار شنبہ نکشیتر پوروا پھاگن سُدپنچمی ۱۲۔
سنہ ۲ سکے ۱۳۷۱ سال سکلا۔ یوم شنبہ تاریخ ۱۳ ماہ سمہا بروز نکشتر اُترشادھ ۱۲۔

ساتواں باب

زمانِ سلطنتِ دیورائے میں شہرِ بیجانگر کی حالت

سنہ ۱۴۲۱ء سے سنہ ۱۴۴۳ء تک

ہم کو مناسب معلوم ہوتا ہی کہ تھوڑی دیر کے لیے تاریخی حالات کو بند کرکے شہرِ بیجانگر کی کیفیت جو اِس زمانے میں تھی بیان کریں۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ سنہ ۱۳۷۶ء میں گلبرگہ کے بادشاہ مجاہد شاہ نے شہرِ بیجانگر کی خوب صورتی کی اِس قدر تعریف سُنی تھی کہ اُسے اِس کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اِس کے بعد یہ شہر دِن بدن بڑھتا اور پھیلتا گیا۔ سنہ ۱۴۲۰ء یا سنہ ۱۴۲۱ء میں شہرِ بیجانگر میں ایک شخص ملک اٹلی کا باشندہ جس کا نام نکولو کانٹی تھا بطورِ سیاحت آیا تھا ممکن ہی کہ اِس سے پہلے بھی کوئی یوروپین مسافر اِس شہر میں آیا ہو لیکن یہ امر یقینی ہی کہ سب سے پہلی یادداشت اِس شہر کے حالات کی اِسی کی لکھی ہوئی ہی۔ اگرچہ نکولو نے اِس کے متعلق کچھ نہیں لکھا مگر اغلب ہی کہ وہ دیورائے دوم کی سلطنت کے اوائلِ زمانے میں آیا تھا۔ اُس نے یہاں کے حالات بہ زبانِ لاطینی یُورپ اعظم کے لکھّے تھے جو سنہ ۱۷۲۳ء میں چھپے۔ ہندوستان پہونچ کر نکولو سب سے پہلے شہر کیمبے ملکِ گجرات میں گیا وہاں (۲۰) دن رہ کر وہ برکولا آیا وہاں سے بیجانگر آیا جس کو اُس نے بنزن گالیا لکھا ہی۔

اِن وقائع میں اِس شہر کا حال یوں لکھا ہی کہ

شہرِ بیجانگر کے حالات حسبِ بیان نکولو کانٹی سیاح سنہ ۱۴۲۱ء

یہ عظیم الشان شہر بیجانگر پہاڑوں میں واقع ہی اُس کا دور (۶۰) میل

Nicolo conte.

کا ہی اُس کی فصیلیں پہاڑوں سے جا ملی ہیں اور جو زمینیں پہاڑوں کے بیچ میں واقع ہیں اُن کو شہر میں ملا لیا ہی۔ اِس شہر میں تخمیناً نوّے ہزار مسلح آدمی ہیں" وقائع نگار نے بیجانگر کا جو پہاڑوں میں واقع ہونا لکھا ہی صحیح نہیں ہی البتہ ٹیلے اور پہاڑیاں ہیں جن میں سے بعض بہت بلند بھی ہیں۔ اُونچی اُونچی مضبوط فصیلیں پہاڑوں کی وادیوں پر سے گزرتی تھیں اور چٹیل میدان میں کوسوں تک چلی گئی ہیں۔ پہاڑوں اور دروں میں غریب لوگ رہتے تھے جا بجا اُمرا تُجّار اور معززین کے پختہ مکانات تھے جہاں راجاؤں کی بنائی ہوئی نہریں گزرتی تھیں۔ وہاں عمدہ سرسبز اور شاداب باغات دھنمڑی[51] اور نیشکر کے ملتے تھے۔ جا بجا مندر اور دیول اور معابد تھے اور بعض بعض دیولوں کے ساتھ بڑے بڑے برہمنوں کے کالج مدرسے اور تعلیم گاہیں تھیں۔ اِس شہر کے دلچسپ منظر کی نسبت ۱۸۴۵ء میں لفٹنٹ نیوبولڈ مشہور ماہر فنِ طبقات الارض نے حسب ذیل لکھا ہی۔

شہر بیجانگر کے حالات بیان لفٹنٹ نیوبولڈ ۱۸۴۵ء

" دریائے تُنگ بھدرا کے جنوبی کنارے کا وہ تمام وسیع میدان جس پر بیجانگر کے کھنڈر پھیلے پڑے ہیں اور شمالی کنارے پر آناگُندی (مضافات بیجانگر) آباد ہی۔ یہ کُل حصہ بڑے بڑے پتھر کے گنڈوں اور پتھر کے ڈھیروں سے جو گرینیٹ[52] کی قسم کے ہیں بھرا پڑا ہی۔ جا بجا تنگ اور ناہموار درے چوڑی چکلی سپاٹ چٹانیں ہیں اکثر بڑے بڑے نشیبی مَیدانوں میں دریا سے نکالی ہوئی نہروں سے آبپاشی کی جاتی ہی۔ بیجانگر اور آناگُندی کی پہاڑیوں کی نُکیلی چوٹیاں اور بلند پہاڑیاں اِن دونوں مقامات کے قدیم عمارت کے ٹوٹے پھوٹے حصّوں کے باقی ماندہ بلند دیواروں مناروں اور کھنڈروں کا جھمگٹا آسمان کے اُفق میں بہت ہی بھلا معلوم دیتا ہی اور دُور سے تمیز نہیں کی جاسکتی کہ کَون ساحصّہ قدرتی ہی اور کَون ساحصّہ حضرتِ انسان کے ہاتھ سے تباہ اور تاراج ہوا ہی" محلات۔ مندروں۔ فصیلوں۔ دروازوں کے ٹوٹے پھوٹے حصّے صرف شہرِ بیجانگرہی کے تباہ شدہ

---

[51] دھان کا کھیت ۱۲۔

[52] ایک قسم کا بھورا سخت پتھر ۱۲۔

خطے میں موجود نہیں ہیں بلکہ دریا کے جنوبی کنارے پر شہر آناگندی میں بھی جس سے شہر بیجانگر پیدا ہوا ہی پائے جاتے ہیں۔ پہلے زمانے میں بیجانگر اور آناگندی دونوں مل کر ایک ہی شہر تھا اِن کی آبادی بہت بڑی تھی اور اِن کا پھیلاؤ بھی حد سے زیادہ تھا۔ شہر بیجانگر کی انتہا جنوبی فصیل سے لے کر قصبہ ہاوس پیٹ سے اور آگے آناگندی کے آخری شمالی حصے تک (۱۲) میل کا فاصلہ ہوتا ہے۔ اخیر مغربی فصیل سے مشرق کی طرف درُوجی اور کمپلی کے پہاڑوں تک دس میل کا فاصلہ ہے۔ اب بھی اِس رقبے کے اندر گری پڑی عمارتیں موجود ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ شہر کی لمبان چوڑان اتنی تھی۔ اب کچے مکانات تو زمین کے برابر ہو گئے مگر اُن کا ملبہ گزوں زمین پر چڑھا ہوا ہے لیکن نہریں کچھ ایسی پکی اور مضبوط بنائی گئی تھیں کہ وہ نہ صرف اب تک درست حالت میں ہیں بلکہ اُن سے آبپاشی کا کام آج تک لیا جا رہا ہے۔ تری کی زراعت اِن ہی سے ہوتی ہے۔ اور جہاں جہاں سے یہ نہریں گزری ہیں علاوہ زراعت کے ہرے بھرے درخت اور شاداب باغات کے قطعات اِن ہی کی بدولت نظر آتے ہیں۔ پہاڑیوں کی چٹانوں پر مکانات اور مندروں کے کھنڈر موجود ہیں بعض بعض جگہ دیواریں بھی قائم ہیں اور بہت سی جگہ چھوٹے چھوٹے مندر بڑے بڑے پتھر کے گنڈوں کے کناروں اور بڑے بڑے کراڑوں کی چوٹیوں پر ایسے قلب مقامات پر بنائے گئے ہیں کہ سوائے پرندوں اور بندروں کے وہاں کوئی پہنچ نہیں سکتا۔ بیچ کے احاطے میں بڑی بڑی عمارات کے کچھ حصے اب بھی باقی ہیں جن کے دیکھنے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ کیسی عالی شان عمارتیں ہوں گی۔ یہ سب عمارتیں راجہ کے محلات کے اطراف میں واقع ہیں لیکن ۱۵۶۵ء میں مسلمانوں نے شہر کو نیست و نابود کر دیا اور صرف اُن ہی عمارتوں کے آج کچھ آثار دکھلائی دیتے ہیں

لے یہ مقام بھی اب سدرن مرہٹہ ریلوے کا اسٹیشن ہے اصل میں "دروازہ" کے نام سے موسوم تھا جو دیہاتیوں کی زبان پر دُرُوجا اور دُرُوجی ہو کر کثرت استعمال سے درُوجی ہو گیا۔ یہ مقام بیجانگر سے (۱۰) میل کے فاصلے پر ہے اور بزمانہ آبادی شہر بیجانگر اُس کا ایک دروازہ تھا۔ کمپلی بھی ایک قصبہ مضافاتِ بیجانگر میں رود تُنگ بھدرا کے کنارے واقع ہے ۱۲۔

جو بہت ہی بڑی اور مستحکم تھیں۔ راجہ کے محل کی ایک وسیع جگہ اب بھی موجود ہی جہاں صرف
چبوترہ ہی چبوترہ رہ گیا ہی اور جابجا ٹوٹے پھوٹے ڈھگار اور کچلے ہوئے پتھر اینٹوں اور چونے
کے انبار لگے ہوے ہیں۔ ادھر اُدھر تراشے ہوے عمدہ عمدہ پتھر بکھرے پڑے ہیں خلاصہ یہ کہ
ایک پتھر بھی اپنی جگہ پر قائم نہیں ہی اور نہ دو پتھر جُڑے ہوے ملیں گے۔ غرض مسلمانوں نے
افسوس ہی کہ ان عمارات کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ چوں کہ لارڈ کرزن ویسرائے ہند
ملاحظے کو تشریف لائے تھے اس لیئے چونے اور پتھروں کے انبار کو ہٹا کر سڑکیں بنا دی گئی
ہیں۔ اب بھی دیکھنے کے لائق بہت سے عالی شان مندر ہیں (خدا جانے وہ کیسے بچ رہے)
جس میں وٹھل سوامی اور ہمپی اور ہزارا راما سوامی کے مندر قابل دید ہیں۔ اس میں صرف
ہمپی کا دیول آباد ہی۔ گورمنٹ نے ان دیولوں کی جابجا مرمت کرا دی ہی۔ گرتی ہوئی عمارتوں
کو پتھر کے ستون لگا کر تھام لیا ہی اور جابجا ضروری مرمتیں بھی کی ہیں۔ چند عمارتوں کو خاص
طور سے محفوظ کیا ہی مثلاً ہاتھیوں کا اصطبل کہ جس میں کئی ہاتھی بلا تکلف رہ سکتے ہیں یہ بہت
بڑی عالی شان عمارت ہی ایک کونسل ہال ہی جو بہت خوشنما دو منزلہ عمارت ہی ایک مکان
"زنانہ" کہلاتا ہی یہ ایک بڑا بھاری ہال ہی۔ ان عمارتوں کی تو خاطر خواہ مرمت کی گئی ہی
اور اچھی حالت میں ہیں۔ علاوہ اس کے ایک بہت بلند دیدبان شکستہ حالت میں ہی لیکن
اب بھی اس پر چڑھ کر دُور دُور کی سیر کر سکتے ہیں یہ مینار نُما ہی۔ ایسا معلوم ہوتا ہی کہ کسی
محل کے چاروں کونوں پر ایسے ہی مینار تھے اب ایک رہ گیا ہی۔ باقی کا پتہ نہیں۔ ایک
بڑے عظیم الشان محل کی بہت بلند پختہ چار دیواری باقی ہی مگر اندر مکان ندارد۔ کاملاً پور کے
پاس ایک حمام قابل دید ہی وہ بھی دُرست حالت میں ہی بیچ میں ایک وسیع حوض ہی۔ مگر
اُس کے فوارے وغیرہ ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں۔ چاروں طرف گیلری بنی ہوئی ہی۔ کہا جاتا
ہی کہ راجہ گیلری میں بیٹھ کر رانیوں کے نہلانے دھونے کی سیر تماشے دیکھا کرتا تھا۔ چھوٹے
موٹے دیولوں اور مورتوں کی تو کچھ گنتی ہی نہیں۔ مسٹر فریڈرک سیاح نے لکھا ہی کہ "میں نے
بہت سے بادشاہوں کے دربار دیکھے لیکن راجۂ بیجانگر کے محل کے برابر میں نے کہیں
نہیں دیکھا جس کے (۹) دروازے تھے"۔ اب بیجانگر جانے کے لیئے سدرن مرہٹہ ریلوے

کا اسٹیشن ہاؤس پیٹ ہی جہاں سے بیجانگر میں (۸) میل کا فاصلہ ہی۔ کاملاپور میں ایک نہایت عمدہ مسافر بنگلہ ہی (یہ بھی ایک دیول کو توڑ پھوڑ کر بنا لیا ہی) یہاں سے سب مقامات بہ آسانی دیکھے جا سکتے ہیں کیوں کہ یہیں سے سلسلہ عمارات کا شروع ہوتا ہی۔ اب پھر نیونز کا بیان شروع کیا جاتا ہی۔

سلطنتِ بیجانگر کے مختصر حالات۔ راجہ کی رانیاں ہنود کے تہوار۔ اُگادی۔ دوالی۔ مہانومی۔ ہولی وغیرہ حسبِ بیانِ نیونز و عبدالرزاق

اِس مُلک کے لوگ اپنی مرضی کے موافق جتنی بیویاں چاہیں کر سکتے ہیں جو اُن کے شوہر کی وفات کے بعد اُسی کے ساتھ سَتی ہو جاتی ہیں۔ اِس مُلک کا راجہ ہندوستان کے تمام بادشاہوں سے زیادہ طاقتور ہی۔ ہزاروں کی تعداد میں تو راجہ کی رانیاں ہیں جن میں چار ہزار تو اُس کے ساتھ جہاں کہیں وہ جاے جاتی ہیں اور کھانے پکنے کا اہتمام بھی اِن ہی کے سپرد ہی۔ یہ لباس و زیورات سے آراستہ و پیراستہ ہو کر گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلتی ہیں باقی ماندہ پالکی نالکی وغیرہ سواریوں میں بیٹھتی ہیں جن میں سے دو تین ہزار راجہ کی خاص بیویاں کہلاتی ہیں۔ راجہ کی بیوی وہی ہو سکتی ہی جو بخوشی راجہ کے بعد سَتی ہونے کا اقرار کرے اور ظاہر ہی کہ اُس زمانے کی عورتوں کے لیے راجہ کی بیوی ہونے سے بڑھ کر کیا عزت ہو سکتی تھی۔ سال کے ایک خاص وقتِ مقرر میں ہنود کا دیو رتھوں کے بیچ میں بٹھلا کر نکالا جاتا ہی۔ رتھوں میں جوان حسین عورتیں زیوروں سے لدی ہوئی جگمگاتے لباس میں بیٹھ کر دیو کے تقدس میں بھجن گاتی ہیں۔ رتھوں کے ساتھ خلقت کا بڑا ہجوم رہتا ہی۔ بہت سے لوگ جوشِ عقیدت میں رتھ کے آگے پڑ جاتے ہیں تاکہ وہ رتھوں کے بھاری پہیوں کے نیچے کُچل جائیں اور اِس طرح کی موت کو وہ نجاتِ ابدی کا باعث سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی پسلی میں سوراخ کر کے اُس میں ایک رسّی پرو دیتے ہیں اور رتھوں میں لٹک کر نیم مردہ دم توڑتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ مذہبی عقائد کے لحاظ سے اِس قسم کی موت کو اپنی بخشائش کا ذریعہ خیال کرتے

ہیں - ہر برس میں تین دفعہ بڑے بڑے میلے ہوتے ہیں - ایک میلے میں عورت اور مرد دریا میں اشنان کرکے نئے کپڑے پہنتے ہیں اور برابر تین دن تک ناچ گانے اور عمدہ عمدہ کھانوں میں گزارتے ہیں - ایک دوسرے موقع پر یہ لوگ مندروں میں روشنی کرتے ہیں اور بے شمار چراغ روشن کرتے ہیں جو دن رات جلتے رہتے ہیں - تیسرا میلا نو دن رہتا ہی اس میں یہ لوگ بڑے بڑے رستوں پر بڑے بڑے لکڑی کے کھم جہاز کے ستونوں کی طرح کے کھڑے کرتے ہیں جس کے سرے پر بیش قیمتی زرّیں کپڑے باندھتے ہیں - اِس کھم کے سرے پر روز ایک مقدس آدمی کو بٹھلاتے ہیں جو خدا کے حضور میں دعا کرتا رہتا ہی اس شخص پر سب لوگ مل کر نارنگیاں لیموں اور دوسرے پھل پھینکتے ہیں جس کی چوٹ کو وہ شخص خوشی سے سہ لیتا ہی - اس کے علاوہ تین دن کا ایک اَور تہوار ہوتا ہی جس میں ہر رستہ چلنے والے پر خواہ وہ راجہ ہو یا رانی ہی کیوں نہ ہو زعفران کا رنگ ڈالتے ہیں جو بہت سا بنا کر پہلے سے طیار کرکے جا بجا رستوں پر رکھتے ہیں - جس شخص پر یہ رنگ ڈالا جاتا ہی وہ بہت ہی خوش ہوتا ہی" - کونٹے نے لکھا ہی کہ بیجانگر کے شمال میں پندرہ دن کے رستے پر پہاڑوں میں (جس کا نام اُس نے البینی گاراس[۲] لکھا ہی) جواہرات ملتے ہیں - اِس نے بھی الف لیلہ کے سندباد جہاز ران کا قصہ دُہرایا ہی کہ جواہرات پہاڑوں کے ایسے مشکل مقامات میں ہیں کہ جہاں انسان کا پُہنچنا بہت دشوار ہی - وہاں گوشت کے ٹکڑے پھینک دیتے ہیں جن میں جواہرات چمٹ جاتے ہیں پھر گدھیں گوشت کو پہاڑوں کی بلندی پر اُڑا لاتی ہیں تب گدھوں کو ہکا دیا جاتا ہی اور جواہرات چُن لیتے ہیں - نیو نزنے بیجانگر سے اِس مقام کو شمال میں بتلایا ہی اگر شرق میں کہتا تو دریاے کرشنا کے اُن معدنوں سے مراد لی جاسکتی تھی جن کو دوسرے سیاحوں نے معدن گولکنڈہ بتلایا ہی - سنہ ۱۲۹۰ء میں مارکو پولو نے بھی یہی روایت اِن ہی معدنوں کی لکھی ہی - جو نیو نزنے

[۱] پہلا تہوار "اگادی" کنٹری سال کا پہلا دن ہی - دوسرا "دیوالی" تیسرا "مہانومی" اور سہ روزہ تہوار ہولی ہی ۱۲-

[۲] Albeni garas

بیان کی۔ کونٹی نے لکھا ہی کہ ان لوگوں میں سال کی تقسیم بارہ مہینوں پر ہی جن کے نام منطقۃ البروج پر ہیں۔ سالوں کا حساب مختلف طریقوں پر ہوتا ہی اس کے بعد مختلف سکّہ جات رائج الوقت کا بیان کیا ہی۔ توپوں میں اکثر گول گول پتھر بجاے گولوں کے ڈالے جاتے تھے اور گولہ مارنے کے لیئے غلیل کی قسم کا ایک آلہ مروّج تھا جس میں رسّی کو خوب بل دینے سے گولہ دُور تک جاتا تھا۔ اُس زمانے میں درختوں کے پتّوں پر لکھا جاتا تھا البتہ کیمبے میں کاغذ کا استعمال ہوتا تھا۔ اِن لوگوں کے پاس متعدّد غلام رہا کرتے تھے دائن مدیون کو ہمیشہ اپنی ملک سمجھ کر غلام بنا لیتا تھا۔ اس ملک میں ہندوؤں کی تعداد کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا اِن کا لشکر دس لاکھ سے اوپر تھا۔ عبدالرزاق بھی بیجانگر میں دیورائے دوم ہی کے زمانے میں آیا تھا لیکن کونٹی سے بیش برس بعد۔ شاہِ فارس نے اُس کو اپنا ایلچی بنا کر ۱۳ جنوری ۱۴۴۲ء میں روانہ کیا اوائلِ نومبر میں وہ کالیکوٹ پُہنچا جہاں وہ شروع اپریل ۱۴۴۳ء تک رہا اس کے بعد اُس کو راجۂ بیجانگر نے طلب فرمایا جہاں وُہ آخر اپریل سے آخر دسمبر تک رہا۔ راجۂ بیجانگر نے عبدالرزاق کو کالیکوٹ کے زمورن (راجہ کالیکٹ اب تک اسی خطاب سے پکارا جاتا ہی) کے پاس ایک خریطہ بذریعۂ عبدالرزاق کے روانہ کیا اور اُس کو لکھا کہ میں خاقان شاہ فارس کے ایلچی کے ذریعے سے بھیجتا ہوں اگرچہ فرماں رواے کالیکوٹ بیجانگر کے ماتحت نہ تھا لیکن راجۂ بیجانگر اُس کا بہت احترام کرتا تھا اور ہمیشہ اُس سے خوف زدہ رہتا تھا کیونکہ اُس کی سلطنت بھی بہت وسیع تھی۔ کالی کوٹ جیسے تین سو بندر اُس کی زیرِ حکومت تھے اور اُس کا علاقہ اِس قدر وسیع تھا کہ تین مہینے کی مسافت اُس کے طے کرنے کو درکار تھی۔ بہ تعمیلِ حکم راجۂ بیجانگر عبدالرزاق براہِ سمندر کالی کوٹ روانہ ہوا اور منگلور کی طرف گیا جو سلطنتِ بیجانگر کا سرحدی مقام تھا تین چار دن وہاں ٹھیر کر آگے بڑھا اور منزل بہ منزل کوچ مقام کرتا ہوا ایک ایسے مقام پر پُہنچا کہ جہاں ایک عجیب وغریب مندر تمام پیتل کا بنا ہوا تھا اس کے بعد وہ لکھتا ہی کہ مجھے ایک ایسا بلند پہاڑ ملا کہ جس کی چوٹیاں آسمان کو لگ گئی تھیں اِس پہاڑ سے گزر کر وہ شہر بدنور میں پُہنچا جس کے

مکانات کو اُس نے لکھا ہی کہ محلّات تھے اور یہاں کی ایک مندر کے عمدہ پتھروں میں نقش ونگار کی تعریف کی ہی۔ آخر ذی حجہ سنہ ۸۴۶ھ مطابق آخر اپریل سنہ ۱۴۴۳ء کو وہ لکھتا ہی کہ بیجا نگر پونہچا راجہ نے اُس کی پیشوائی کے لیئے ایک بڑا جلوس روانہ کیا اور اُس کے رہنے کے لیئے ایک پُرتکلّف مکان مقرّر کیا۔ راجہ کی سلطنت سرحدّ سراندیپ سے گلبرگہ تک تھی یعنی راس کماری سے رودِ کرشنا تک۔ ہزاروں ہاتھی بلند قامت مثل پہاڑ کے دیوؤں کی سی ہیبت ناک شکل کے دکھلائی دیتے تھے گیارہ لاکھ فوج تھی۔ تمام ملکِ ہندوستان میں اس سے بڑھ کر کوئی سلطنت نہ تھی یہاں کا حکمراں "رایا" کہلاتا تھا۔ شہر بیجانگر ایسا ہی کہ لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ[1] اور۔ اگر فردوس بر روے زمین است ؎ ہمیں است وہمیں است ؎ روے زمین پر کوئی شہر اس کے برابر نہ ہوگا اس کی بُنیاد ایسی ہی کہ سات گڑھیاں اور سات فصیلیں ایک کے اندر ایک ہیں پہلی گڑھی کے اطراف قدِ آدم بڑے بڑے لمبے پتھر آدھے زمین کے اندر اور آدھے اوپر نکلے ہوے برابر برابر گڑے ہوے ہیں یہ اِس طرح لگاے گئے ہیں کہ سوار تو سوار پیدل بھی آسانی سے نہیں جاسکتا۔ اب یہ سات فصیلیں اور دروازے موجود نہیں ہیں ایک فصیل البتہ ہی معلوم ہوتا ہی کہ عبدالرزاق جنوب ومغرب کے رُخ سے بیجانگر آیا تھا اور پہلی فصیل اُس کو وہ ملی ہوگی جو ہوس پیٹ کے قریب دو پہاڑوں کے درمیان بنی ہوئی ہی۔ پیز نامی سیّاح نے بھی اِن فصیلوں کا ذکر لکھا ہی۔ عبدالرزاق ہوس پیٹ کے دروازے پر پہونچ کر ڈھلواں میدان میں پونہچا ہوگا جہاں کھیت۔ مکانات اور باغ ہیں یہاں دوسری فصیل شروع ہوتی ہی چوں کہ اُس زمانے میں ہوس پیٹ زیادہ آباد نہ تھا پہلی فصیل اُس کو قصبے کی شمال میں نظر پڑی ہوگی جس کو وہ تیسری فصیل سمجھا اس کے آگے بڑھ کر آبادی زیادہ گنجان ملی ہوگی اور سڑک کے دو طرفہ جو بیجانگر کو جاتی تھی دکانیں ہوں گی۔ چوتھی فصیل وہ ہی جو متّصل موضع تُلپنا گڑی[2] کے واقع ہی اور

---

[1] جسے آنکھ نے دیکھا اور نہ کان نے سُنا ۱۲۔

[2] تُلپنا کسی دیوتا کا نام ہی گڑی چھوٹے مندر کو کہتے ہیں۔ یہ موضع دیوتا کے مندر کے نام سے مشہور ہی ۱۲۔

جہاں ایک مضبوط دروازہ اور کچھ پرانی ٹوٹی ہوئی عمارتیں اور ایک خوب صورت سنگ بست باؤلی اب تک موجود ہی جو غالباً اس موضع کے کسی حاکم وقت نے بنوائی ہوں گی پانچویں فصیل موضع ملپنا گڑی کے شمال میں ہی جس میں اب تک ایک بڑا دروازہ موجود ہے لیکن یہ فصیل اب جا بجا سے ٹوٹ پھوٹ کر برباد ہو گئی ہی۔ چھٹی فصیل موضع کاملاپور کے تالاب کے جنوب میں ہی ساتویں یا سب سے اخیر بڑی فصیل اب تک اچھی حالت میں اس موضع کے شمال میں موجود ہی۔ اسی فصیل کے اندر محلات اور بادشاہی عمارتیں واقع ہیں۔ اس فصیل کا فاصلہ شمال سے جنوب تک ایک میل اور مشرق سے مغرب تک ۲½ میل ہی۔ عبد الرزاق نے لکھا ہی کہ فصیل میں بڑے بڑے پتھر گڑے ہوئے تھے یہ بات ڈومنگو پیز نے بھی ۱۵۲۰ء میں لکھی ہی لیکن اب یہ پتھر موجود نہیں ہیں۔ بیرونی کوٹ کو عبد الرزاق نے گڑھی لکھا ہی جو مدوّر شکل کی چونے اور پتھروں سے ایک بلند پہاڑ کی بلندی پر بنائی گئی تھی اس کے دروازے بہت مستحکم تھے جہاں ہر وقت پہرا رہتا تھا اور جو چیز اندر لائی جاتی تھی وہ احتیاط سے دیکھ بھال لیتے تھے یہ ذکر غالباً اس بیرونی حصار کا ہی جو قلعے کے باہر ہی وہاں جو پہرا مقرر ہوگا۔ وہ چونگی کے لیئے ہوگا کیوں کہ شہر کے دروازوں پر اس قسم کے محصولات زمانۂ سابق میں وصول کیئے جاتے تھے۔ ساتویں گڑھی جس کا ذکر عبد الرزاق نے کیا ہی شمال کی جانب واقع ہی اور اسی میں راجہ کا محل ہی۔ اس گڑھی کے آمنے سامنے کے دروازوں کے بیچ میں شمالاً اور جنوباً دو فرسنگ[1] کا فاصلہ ہی اور یہی فصیل مشرق سے مغرب تک چلی گئی ہی۔ پہلی گڑھی اور دوسری گڑھی تک اور دوسری سے تیسری گڑھی تک دریان میں کھیت باغات اور مکانات واقع ہیں تیسری گڑھی سے ساتویں تک بے شمار آبادی ہی بہت سی دکانیں اور بازار ہیں۔ راجہ کے محل کے پاس چار بازار ہیں۔ جو مثل

---

[1] دو فرسنگ قریب (۷) میل کے ہوتا ہی لیکن اگر پہلی فصیل سے جو جنوب میں ہی شمال کی طرف دریا تک ناپا جائے تو صحیح فاصلہ (۸) میل ہوتا ہی۔ عبد الرزاق نے غالباً آناگندی کے حصار کو شامل نہیں کیا جس کی شمالی دیوار اور گرد دو میل اسی سمت میں آگے بڑھی ہوئی ہی ۱۲

نقشہ حصہ درمیانی شہر بیجانگر

چوراہے کے چاروں طرف واقع ہیں۔ بجانب شمال راجہ کے محل کی ستون دار ڈیوڑھی واقع ہی۔ ہر بازار میں بلند محراب دار مکان مع برآمدے کے ہیں لیکن راجہ کا دربار ہال سب مکانوں سے بلند ہی۔ بازار بے انتہا لمبے اور چوڑے ہیں۔ عبدالرزاق نے بازاروں کا حال مجمل بیان کیا ہی لیکن ایک بازار جس کا نام پان سپیاری بازار تھا بہت لمبا تھا جو محل کے دروازے سے دروازہ آنا گندی تک دریا کے کنارے تک برابر چلا گیا تھا۔ ایک دوسری سڑک مثل چوراہے کے کاملا پور دروازے سے ہمپی کے دیول تک جاتی تھی اور ان سڑکوں کے دو رویہ دکانیں تھیں۔ ان سڑکوں کے تقاطع سے چار بازار الگ الگ ہوگئے تھے۔ مکانات اور برآمدے اگرچہ اب موجود نہیں ہیں مگر دیول ہمپی سے جو بجانب مشرق سڑک جاتی ہی وہاں اب بھی بالاخانے اور اُن کے نیچے دکانیں موجود ہیں۔ اس سڑک پر جو عمارات اس وقت موجود ہیں اُن کا سلسلہ بھی نصف میل لمبا ہی! اور موجودہ عمارت سے ان بازاروں کی طرز عمارات کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہی بازاروں میں ہر جگہ گلاب کے پھول کثرت سے فروخت ہوتے تھے کیونکہ ان لوگوں کو پوجا پاٹ کے واسطے پھولوں کی کثرت سے ضرورت ہوتی تھی اور پھول ان کے لیے شرطِ زندگی تھے۔ بازار میں ہر قسم کے بیوپاریوں کی دکانیں سلسلہ وار ایک دوسرے کے برابر برابر تھیں جوہری جواہرات سر بازار فروخت کیا کرتے تھے۔ اس شہر میں عموماً اور محلات میں خصوصاً بہت سی پختہ نہریں واقع تھیں جو ٹوٹی پھوٹی اب بھی زنانے حمام کے پاس موجود ہیں چنانچہ بڑی بڑی پتھر کی نالیاں اب بھی ہیں جن میں پانی بہتا تھا جن کے دونوں سروں پر خوب صورت حوض بنے ہوئے ہیں حوضوں میں پانی اکھٹا ہو کر گھر دار کی ضرورتوں کے کام آتا تھا۔ اس خوش منظر مقام کے علاوہ راجہ کے محل میں بھی بہت سی نہروں کے رواں ہونے کی علامتیں اب تک موجود ہیں اسی طرح جا بجا پتھر کی تراشی ہوئی چکنی ستھری نالیاں دکھلائی دیتی ہیں۔ راجہ کے ایوان کے بائیں طرف ایک بہت بڑا وسیع اور عالی شان دیوان خانہ ہی جو فی نفسہ ایک عظیم الشان محل ہی۔ اس دیوان خانے کے سامنے ایک ہال ہی جس کی بلندی قد آدم سے زیادہ طول تیس گز اور عرض دس گز ہی اس میں دفتر رکھا جاتا تھا اور اہلِ عملہ بیٹھتے تھے۔ یہ دیوان خانہ اب بھی موجود ہی جو چالیس کھمبہ ہال ہی اب اُسے زنان خانہ کہتے ہیں۔ اس کی بلند دیوار جس کی

چاروں طرف بڑے بڑے بلند برج بنے ہوے ہیں اب تک موجود ہی۔ اِس کے سامنے ایک بڑا ہال ہی جسے اب کنسرٹ ہال کہتے ہیں۔ یہ بڑا ہال غالبًا دفترخانہ تھا جس میں وزرا اجلاس کرتے تھے اور عمّال بھی بیٹھتے تھے۔ عبدالرزاق نے جو عرض وطول لکھا ہی وہ صحیح نہیں ہی بلکہ طول (۲۰) گز اور عرض (۷) گز ہی بلندی بھی قدِ آدم سے زیادہ ہی پس صحیح طور پر نہیں معلوم ہوتا کہ عبدالرزاق نے کس عمارت کا ذکر کیا ہی۔ اِس محل کے وسط میں ایک بلند چبوترے پر ایک مخنّث جس کا نام دھن نایک دیوان ہی بیٹھتا تھا۔ بائیں میں چوبدار صف بستہ کھڑے رہتے تھے۔ یہی لوگوں کے عرائض سُنتا اور فصلِ خصومات کرتا تھا اِس کے فیصلے قطعی ہوتے تھے جس کی اپیل نہ تھی۔ دربار برخاست کرنے کے بعد دھن نایک سات دروازے گزر کر راجہ کے محل میں داخل ہوتا تھا اور سب سے آخر دروازے پر پہنچ کر راجہ کے حضور میں تنہا حاضر ہو کر روزانہ کیفیت عرض کیا کرتا تھا۔ راجہ کے محل کے عقب میں دھن نایک کے مکانات اور محل ہیں اور اُس کی بائیں جانب دارالضرب ہی۔ اِس مملکت کی بہت بڑی مردم شماری ہی جس کی تعداد لکھنے کو تفصیل درکار ہی۔ محلِ شاہی میں بہت سے تہ خانے خزانوں سے بھرے ہوے تھے۔ دیوان خانے کے محاذی اصطبلِ فیلاں ہی۔ ہر ہاتھی کے لیے ایک اصطبل بنا ہوا ہی جس کی دیواریں بہت مستحکم ہیں اور چھت بہت بلند اور مضبوط لداؤ کی ہی۔ دارالضرب کے مقابل میں وزیر کا محل تھا جس کی حفاظت کے لیئے بارہ ہزار سپاہی ہر وقت تعینات رہتے تھے۔ دارالضرب کے عقب میں تین سو گز لمبا اور بیس گز چوڑا ایک بازار تھا (حقیقت میں دو سو گز طول اور پندرہ گز عرض ہی) جس کے دونوں جانب مکانات اور برآمدے تھے جن کے سامنے بلند کُرسی کے سنگ بست چبوترے تھے جن پر لوگ عمدہ عمدہ لباس پہن کر بیٹھا کرتے تھے۔ اِس بازار کے دونوں سروں پر شیر اور دوسرے جانوروں کے بُت تھے۔ بُت تو اب موجود نہیں نہ وہ مکانات ہیں لیکن قیاس چاہتا ہی کہ کاملاپور سے جو ہمپی کو سڑک جاتی ہی اُس کے دوطرفہ یہ بازار تھا۔ عبدالرزاق یکم محرم مطابق یکم مئی ۱۴۴۳ء سے بیجانگر میں ایک بلند اور عالی شان مکان میں رہتا تھا۔ بعد بیجانگر پہنچنے کے ایک دن راجہ کا چوبدار اُس کی طلبی میں آیا اور یہ حضوری

کونسل ہال۔ بیجانگر
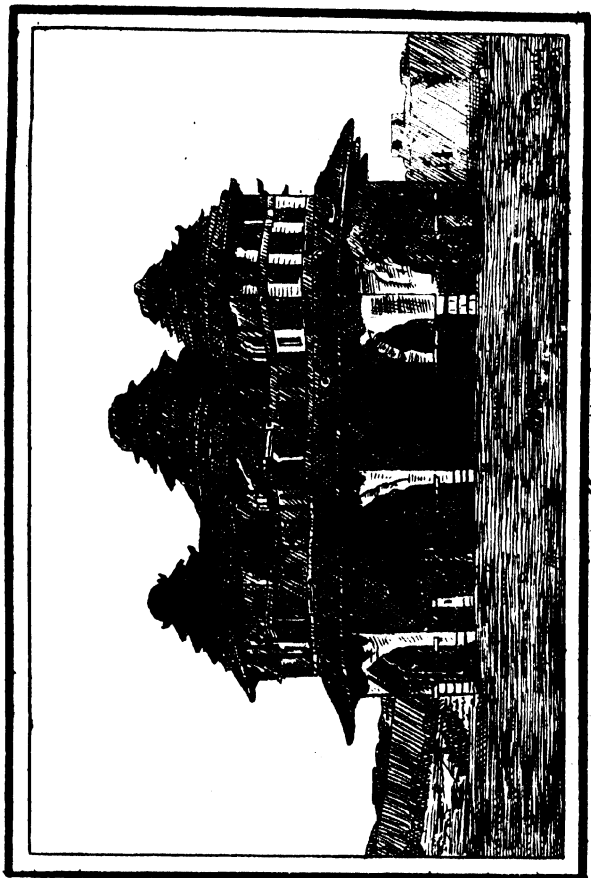
میں حاضر ہوا۔ راجہ ایک بڑے ہال میں برآمد تھا۔ دربار کا مکان سب قسم کی آرائشوں سے سجا ہوا تھا۔ اُس کے اطراف میں بہت سے درباری لوگ حلقے کیے کھڑے ہوے تھے۔ راجہ سبز اطلس کا جُبہ پہنے ہوے تھا گلے میں ایک بیش قیمت موتیوں کا کنٹھا اور دوسرے جواہرات تھے۔ راجہ کا رنگ گندمی بدن دُبلا۔ قد لمبا۔ رخساروں پر خط نمودار تھا لیکن ڈاڑھی ابھی نہیں نکلی تھی۔ اُس کا چہرہ نہایت خوش نما تھا۔ عام افواہ ہی کہ رانیاں اور راجہ کی بیبیوں کی تعداد سات سَو تھی۔ عبدالرزاق نے مہانومی کے تہوار کا حال بہت پھڑکتا ہوا لکھا ہی وہ اُن دنوں میں دارالسلطنت میں موجود تھا۔ راجۂ بیجانگر نے اپنی ریاست کے تمام اُمرار و رؤسا کے نام دعوت کے رُقعے بھیجے سب لوگ دارالسلطنت میں حاضر ہو گئے۔ اُمرار کے ہاتھیوں کی تعداد ایک ہزار ہوگی ہر امیر اپنے اپنے ہاتھیوں کو عمدہ انباری اور ہودجوں اور جگمگاتے زیورات اور ہتیاروں سے سجا کر لایا تھا۔ میدان جہاں میلا تھا بہت عمدگی سے آراستہ کیا گیا تھا اور تین دن تک برابر بڑی چہل پہل رہی اُس میدان میں یہ بڑے بڑے ہاتھی ایسے معلوم دیتے تھے کہ گویا سمندر کی بڑی بڑی اور کالی کالی موجیں لہرا رہی ہیں اور آدمیوں کی ایسی بھیڑ تھی کہ سوا ے میدانِ حشر کے ہونا ناممکن ہی۔ اُس وسیع میدان میں سیکڑوں منڈوے اور منڈپ سہ منزلہ چہار منزلہ اور پانچ منزلہ تک ڈالے گئے تھے۔ اِن منڈوؤں کو اوپر سے نیچے تک مجسّم بتوں سے

لے انڈیا آفس میں جو کاپی ہی اُس میں اتنا اَور لکھا ہوا ہی کہ راجہ بہت کم عمر تھا۔ لیکن اگر یہ صحیح سمجھا جاے تو ایلچی جس راجہ کے دربار میں حاضر ہوا تھا وہ دیو راے دوم تو ہو نہیں سکتا کیوں کہ ۱۴۲۳ء میں اُس کو تخت نشین ہو کر بیس برس ہو چکے تھے ۱۲۔

لے عبدالرزاق نے لکھا ہی کہ یہ تہوار رجب میں ہوا جو سن ابتدا ے ۲۵ اکتوبر تا ۲۳ نومبر ۱۴۴۲ء ہوتا ہی۔ ہندوؤں کا تہوار مہانومی آسون بدی یکم کو شروع ہوتا ہی لیکن ماہِ رجب ۸۴۶ھ غرۂ کارتک کے مطابق پڑتا ہی پس عبدالرزاق نے جو تہوار دیکھا ہوگا وہ سالِ نو کا ہوگا ورنہ رجب کا مہینا غلط لکھا ہی۔ ہمارے خیال میں اغلب ہی کہ یہ تہوار سالِ نو کا تھا اس لیے کہ اُس نے تین دن کا میلہ لکھا ہی اور مہانومی جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہی نو دن رہتا ہی۔ اس میں بھی ایک خرابی ہی کہ مہانومی شروع چاند میں ہوتا ہی اور عبدالرزاق نے اِس تہوار کا بہ حالتِ بدر ہونا لکھا ہی ممکن ہی کہ یہ کتابت کی غلطی ہو ۱۲۔

آراستہ کیا گیا تھا بعض مَنڈوے اِس میں اِس ترکیب سے بنائے گئے تھے کہ اُن کا رُخ بدلتا رہتا تھا۔ ہر وقت ایک نیا کمرہ یا برآمدہ چکر کھا کر سامنے آجاتا تھا۔ اِس میدان کے سامنے ایک نیا محل نو عظیم الشان اور آراستہ منڈووں کا بنایا گیا تھا۔ نویں منڈوے میں راجہ کا تخت تھا اور ساتویں منڈوے میں خود عبدالرزاق تھا باقی مقامات پر گانے ناچنے اور تماشے والے تھے۔ راجہ کے منڈوے کے مقابل ایک خوب صورت پردے کے پیچھے طوائف مغرق لباس پہنے ناچ رہی تھیں۔ گاروڑی اور دوسرے بے شمار تماشے اور کرتب والے اپنا اپنا کمال دِکھلا رہے تھے۔ اِن لوگوں نے ہاتھیوں کو خوب سَدھایا تھا جو طرح طرح کے تماشے کرتے تھے۔ طلوعِ آفتاب سے غروب تک تین دن اِسی طرح بڑی شان و شوکت کے تماشے رہے۔ آتش بازی کھیل۔ تماشے ہر قسم کا سامانِ دل چسپی موجود تھا۔ تیسرے دن عبدالرزاق راجہ کے حضور میں باریاب ہوا۔ راجہ ایک بہت بڑے تخت پر برآمد تھا جو سونے کا تھا اور اُس پر بیش بہا جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ تخت کے سامنے ایک مربع گدی رکھی ہوئی تھی جس کے اطراف میں تین قطاریں موتیوں کی ٹکی ہوئی تھیں۔ تین روز تک راجہ اسی گدی پر بیٹھتا تھا۔ جب تہوار ختم ہو گیا مغرب کی نماز کے وقت عبدالرزاق باریاب ہوا۔ یہ چبوترے دس دس گز مربع بنے ہوئے تھے اِن کے سامنے راجہ کا تخت جو خود بھی بہت بڑا تھا بچھا ہوا تھا۔ اِن حالات سے ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ پندرھویں صدی کے نصفِ اول میں دارالسلطنتِ ہنود کی شان و شوکت کیسی تھی۔ اِس کے بعد ہم پھر اپنا سلسلۂ سخن شروع کرتے ہیں +

باب آٹھواں

خاندانِ اوّل کا خاتمہ من ابتدائے ۱۴۴۹ء تا سنہ ۱۴۹۰ء

ملکارجن اور ویر پاکشا کا زمانہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ دیو رائے ثانی کی سلطنت کے بعد کا زمانہ ایسا گڈمڈ ہی کہ قابلِ اطمینان طور پر کسی واقعے کا ٹھیک ٹھیک تعین کرنا سخت مشکل ہی۔ تاریخ بیجانگر میں یہ زمانہ بالکل غلط ملط ہی جیسا کہ نیونز نے اپنے وقائع میں بالتفصیل لکھا ہی۔ آخر کتبہ جس میں دیو رائے کا نام پایا جاتا ہی سنہ ۱۴۴۹ء کا ہی ڈاکٹر ہلش اس زمانے کو دیو رائے دوم کا بتلاتے ہیں ممکن ہی کہ سنہ ۱۴۴۴ء سے سنہ ۱۴۴۹ء تک کوئی راجہ دیو رائے سوم ہو گزرا ہو۔ لیکن ہمارا خیال محتاج تصدیق ہی۔ کتبوں سے پایا جاتا ہی کہ دیو رائے ثانی کے دو بیٹے ملکارجن اور ویر پاکشا اوّل تھے ملکارجن کے نام کے کتبے سنہ ۱۴۵۲ و ۱۴۵۳ء اور سنہ ۱۴۶۴ و ۱۴۶۵ء کے اور ویر پاکشا کا سنہ ۱۴۷۰ء[1] کا موجود ہیں۔

راجہ سیکھر اور ویر پاکشا دوم کا زمانہ ملکارجن کے دو بیٹے تھے ایک راجہ سیکھر جس کے کتبے سنہ ۱۴۷۹ و ۱۴۷۸ء اور سنہ ۱۴۸۶ و ۱۴۸۷ء کے ہیں۔ دوسرا ویر پاکشا ثانی تھا جس کا ذکر سنہ ۱۴۸۳ و ۱۴۸۴ء[2] کے کتبوں میں ہی جو راجہ سیکھر کے زمانے کے

---

[1] آخری سنہ کا کتبہ کنجیورم کے ایک چھوٹے سے دیول پر ہی جس میں سکے ۱۳۸۰ سال پارتھیو درج ہی ۱۲

[2] سکے ۱۳۹۲ سال وکرتی کنجیورم کے اُسی چھوٹے دیول پر کندہ ہی جس کا ذکر اوپر کے نوٹ میں ہی ۱۲۔

آخری کتبے سے تین سال پیشتر کے ہیں۔ ڈاکٹر ہلٹش نے تیسری جلد ایپی گریفیگا انڈیکا کے صفحہ (۳۶) میں یہ سنہ درج کیے ہیں لیکن اسی کتاب کی چوتھی جلد صفحہ (۱۸۰) میں ہو کہ راجہ سیکھر کے زمانے کا ایک کتبہ آمبور ضلع شمالی ارکاٹ میں موجود ہی جس پر سکّے مطابق ۶۹-۱۴۶۸ء کندہ ہی۔ موضعِ پارنا پلی ضلع کرڑپا میں تانبے کا ایک منقوش پتّر نارائن ریڈی ساکن موضع گُدّا ما ہی تعلقہ تاڑ پتری ضلع اننتا پور کے پاس ہی جس میں سکہ ۱۳۹۸ (۷۷-۱۴۷۶ء) ہی جس میں راجہ کا نام "پرودھ دیورایا بیجانگر" کندہ ہی۔ راجہ سیکھر ثانی کے زمانے کا کتبہ غالباً اس خاندان کے معدوم ہونے سے کچھ پیشتر لکھّا گیا ہوگا کیوں کہ ۱۴۹۰ء میں اس خاندان کا خاتمہ ہوگیا اور نرسہواں نے ملک چھین لیا۔ اِن تاریخوں میں بھی خلطِ مبحث ہی ایک فرماں روا کا زمانہ دوسرے میں شامل ہوجاتا ہی لہذا ہم وقائع نیونز سے جو ۱۵۳۵ء میں لکھّے گئے ہیں مدد لیتے ہیں جس میں تاریخیں تو صاف اور مسلسل ہیں لیکن دوسرے وقائع سے البتّہ اختلاف ہی۔ نیونز کے بیان کے موافق دیوراے ثانی کے ایک لڑکا پنّا راے تھا جو اُس حملۂ قاتلانہ کے چھ مہینے کے بعد (جس کا ذکر ہم اوپر لکھ آے ہیں) مرگیا لیکن عبدالرزاق نے بالوثوق لکھّا ہی کہ جس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا وہ دیوراے ثانی خود ہی تھا اور اس واقعے کا اپریل ۱۴۴۳ء میں ہونا بیان کیا ہی۔ پنّا راے نے ایک لڑکا چھوڑا جس کا نام نہیں بتلایا گیا لیکن اس کے زمانے میں کوئی قابلِ ذکر بات بھی نہیں ہوئی اور اُس کا جانشین اُس کا دوسرا بیٹا ویرپاکشا ہوا۔ ویرپاکشا کو اُس کے بڑے بیٹے نے مار ڈالا اور ویرپاکشا کا بڑا بیٹا خود اپنے چھوٹے بھائی پڈیرراؤ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ نرسہواں نے اِسی سے سلطنت چھینی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ زمانہ بڑے انقلاب کا تھا اور نرسہواں کے سلطنت چھیننے سے چالیس سال پیشتر بدامنی۔ بغاوت۔ اور سازشیں اِس قسم کی تھیں کہ کوئی ٹِک نہ سکا جلد جلد راجاؤں کا پھیر بدل ہوتا رہا۔ نوبت باین جارسید کہ کئی راجہ جان سے مارے گئے آخر کار ۱۴۸۰ء و ۱۴۹۰ء کے درمیان کسی زمانے میں سلطنت کو نرسہواں نے غصب کرلیا۔ ہندوؤں اور پرتگالیوں کی روایات کو چھوڑکر اب دیکھنا یہ ہی کہ راجہ بیجانگر اور اُس کے قدیم دشمن

بادشاہانِ اسلام کی نسبت مسلمان مورخین نے کیا لکھا ہے۔ فرشتہ نے ۸۴۳ھ سے ۱۴۸۹ء تک کسی لڑائی کا ذکر نہیں لکھا۔

دکن میں پانچ جداگانہ سلطنتوں کی بُنیاد

سلطنتِ گلبرگہ اندرونی بغاوتوں اور بدنظمیوں میں ایسی پھنسی ہوئی تھی اور اندرونی جھگڑے اور لڑائیاں ملک دکن میں ایسی پھیلی ہوئی تھیں اور ملک کے حصّے بکھرے ہوگئے تھے کہ اُس کو بیرونی جنگ کی مُہلت نہ ملی۔ خاندانِ بہمنی تباہ ہو کر بجائے ایک سلطنت کے پھوٹ پھٹا کر مسلمانوں کی پانچ سلطنتیں ہوگئیں۔

سلطان علاءالدین بہمنی کا انتقال ۸۶۲ھ

علاءالدین نے ۸۶۲ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۴۵۸ء میں پیر کے درد سے انتقال کیا۔ اِس بادشاہ نے تیئیس ۲۳ سال نَو مہینے (۲۰) دن سلطنت کی۔ برہانِ مآثر میں بادشاہ کے انتقال کی تاریخ آخر ماہ جمادی الاولیٰ ۸۶۲ھ لکھی ہے جو اپریل ۱۴۵۸ء کے مطابق ہوتی ہے۔

ہمایوں شاہِ ظالم کا حال

علاءالدین کے بعد اُس کا بیٹا ہمایوں تخت نشین ہوا جو بڑا بدمزاج اور خوں ریز تھا چنانچہ "شاہِ ظالم" کے نام سے مشہور رہا۔ سلطان علاءالدین نے اپنی زندگی ہی میں ہمایوں کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا لیکن اُس کے مظالم سے لوگ پہلے ہی آگاہ تھے سیف خاں اور ملو خاں بریدیہ و شاہ حبیب اللہ نے جو ایک عالمِ متبحّر تھا سدِّ راہ ہو کر ہمایوں کے چھوٹے بھائی حسن خاں کو تخت پر بٹھا دیا۔ رعایا بھی ہمایوں سے برگشتہ تھی اور چاہتی تھی کہ اُس کا سر کاٹ لیں اور بہت کچھ بلوہ کیا آخرکار ہمایوں نے رعایا کی بہت کچھ تشفی کی اور اطمینان دلا کر اُن کو ہموار کر لیا۔ حسن خاں اور سیف خاں جس کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے وہاں ہمایوں جا پہنچا وہ اِس کی صورت دیکھ کر لرز گئے۔ ہمایوں نے دونوں کو پکڑوا کر ہاتھی کے پاؤں سے بندھوا کر کھنچوایا۔ ہمایوں ۸۶۲ھ میں اٹھارہ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ اُس نے خواجہ محمد گاواں کو اپنا وزیر مقرر کرکے ملک التجار کا

کا خطاب دیا۔ ملّو خاں کرناٹک کی طرف چلا گیا شاہ حبیب اللہ اور حسن دونوں قید کیے گئے لیکن یہ دونوں یوسف خاں (علاء الدین کا ایک ترکی غلام) کے ذریعے سے پہرے والوں کو رشوت دے کر بھاگ گئے۔ اِن لوگوں نے ایک ہی ہفتے میں بمقام گمٹھانہ[۱] فوج جمع کرکے شہر بیدر کا محاصرہ کر لیا لیکن قلعے کو فتح نہ کر سکے اور بیٹر[۲] کو بھاگ گئے۔ ہمایوں نے یہ خبر ورنگل میں سُنی اور ۸۶۴ھ میں بیدر واپس آ کر تین ہزار آدمیوں کو جو قلعے کی حفاظت پر مامور تھے قتل کر ڈالا قلعے دار کو ایک حجرے میں بند کرکے لٹکا دیا اور ہر روز اُس کا ایک ایک عضو کاٹا جاتا تھا۔ ہمایوں نے ساٹھ ہزار سوار اور بہت سے پیدل اپنے بھائی کی گرفتاری کے لیئے بیٹر روانہ کیئے حسن خاں سراج خاں جنیدی گورنر بیجاپور کے پاس جا کر چھپا تھا لیکن اُس نے حسن خاں اور یوسف خاں اور سات شخصوں کو جو اُن کے ہمراہ تھے پناہ دینے کے بہانے سے گرفتار کرکے ہمایوں کے پاس بیدر روانہ کر دیا ہمایوں نے آتے ہی اپنے بھائی کو ایک خونخوار شیر کے سامنے ڈال دیا جس نے فوراً چیر پھاڑ تکا بوٹی کر ڈالی۔

حسن خاں کے عزیز و قریب سات سَو آدمیوں کو بھی ہمایوں نے سخت بے رحمی سے قتل کرایا۔ یہ بادشاہ قہر الٰہی تھا اس کے مظالم میں سے ایک ادنےٰ بات یہ تھی کہ جب کسی کی شادی ہوتی پہلی رات اُس کی دُلہن کو جبراً اپنے پاس بُلا لیتا تھا۔ اہلِ دربار اور مصاحبین کی یہ حالت تھی کہ اس کے سامنے جاتے روح کانپتی تھی اور جب کبھی بادشاہ کے حضور میں جاتے تھے تو گھر سے کہا سُنا معاف کرا کے آتے تھے کیوں کہ کسی کو خبر نہ تھی کہ کب اور کس بات پر بادشاہ ناراض ہو کر قتل کرا دیتا ہے آخر کار اللہ تعالیٰ نے

---

[۱] بیدر سے چار کوس پر ایک قصبہ ہے ۱۲

[۲] صوبۂ اورنگ آباد کا ایک ضلع ہے۔ اورنگ آباد سے (۷۵) کوس ہے یہ پہاڑی مقام ہے۔ سلسلۂ بالا گھاٹ مغربی حصّے میں پھیلا ہوا ہے ایک سلسلۂ شمال میں اور ایک وسط ضلع میں مشرق سے مغرب تک چلا گیا ہے۔ شمال میں دریا گوداوری مغرب میں سینا جنوب میں مانجرا ہے ۱۲

مظلوموں کی داد فریاد سن لی سے

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

ہمایوں بیمار ہوگیا اور اُس نے جان لیا کہ اب جاں بر نہیں ہوتا اس لیئے اپنے بڑے بیٹے نظام شاہ کو کہ جس کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی ولی عہد مقرر کیا۔ خواجہ جہاں ترک کو وکیلِ شاہی۔ محمد گاواں کو وزیرِ اعظم مقرر کیا اور کہا کہ کاروبارِ سلطنت جو کچھ کرنا شہزادے کی والدہ کی راے اور مشورت سے کرنا۔ لیکن وصیت مبارک ہوئی اور ہمایوں اِس بیماری سے اچھا ہوگیا مثل مشہور ہی خانۂ ظالم خراب لیکن بعد از خرابی خانہ ہاے بسیار۔ ظلم و ستم بدستور جاری رہا۔ کسی شخص سے سواے سختی اور بدسلوکی کے پیش نہ آتا تھا حتی کہ اُس کے نوکر اور مصاحب بھی تنگ آگئے تھے۔

ہمایوں شاہ ظالم کا انتقال ۸۶۵ھ

شہاب خاں خواجہ سرا جو حرم سرا کا داروغہ تھا ایک روز چند حبشی لونڈیوں کو جمع کرکے بادشاہ کے خواب گاہ میں پونہچا دیکھا تو وہ شراب کے نشے میں بے خبر پڑا سو رہا تھا۔ ایک حبشی لونڈی نے تاک کر ایسا لٹھ بادشاہ کے سر پر رسید کیا کہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ واقعہ ۲۸ ذی قعدہ ۸۶۵ھ مطابق ۵ ستمبر ۱۴۶۱ع کو ہوا۔ مدت سلطنت اِس ظالم بادشاہ کی تین سال چھے مہینے چھے دن تھی۔ مولانا نظیری ملک الشعرا بھی حبیب اللہ شاہ کے ساتھ قید تھا اور یوسف ترک چپل کی کوشش سے خلاصی پاکر ایک کونے میں مُنہ چھپاے زندگی بسر کرتا تھا اُس نے بادشاہ کے حق میں یہ دو بیتیں کہی ہیں۔

ای ظالم از آہ دلِ شب خیز بترس مژگانِ دم آلودۂ مظلومیں بیں	وز نفسِ ہر شوم شر انگیز بترس وز خنجرِ آبدارِ خوں ریز بترس

اِسی شاعر نے یہ قطعۂ تاریخ وفات کہا ہی:۔

ہمایوں شاہ مُرد و رست عالم جہاں پُر ذوق شد تاریخ فوتش	تعالی اللہ زہے مرگِ ہمایوں ہم از "ذوقِ جہاں" آرید بیروں ۸۶۵ھ

اِس بادشاہ کا مقبرہ متصل بلدہ محمد آباد بیدر دو میل کے فاصلے پر بہ موضع اشٹور موجود ہی
اور مَیں نے خود دیکھا ہی کہ موضع اشٹور میں ایک تین کی تین بادشاہوں کے گنبدوں کی ہی

سلہ اس مقام پر بہت سے گنبد ہیں لیکن مفصلۂ ذیل مقابر معروف و مشہور ہیں۔
سلطان احمد ولی البہمنی۔ سلطان علاء الدین۔ سلطان ہمایوں شاہ۔ سلطان نظام شاہ۔ سلطان محمد شاہ لشکری۔
سلطان محمود شاہ۔ سلطان ولی اللہ۔ سلطان کلیم اللہ۔ سلطان حسن فرزند احمد شاہ۔ مخدومۂ جہاں زوجہ سلطان احمد شاہ۔
ترکش بی بی زوجۂ ہمایوں۔ اِن سب میں بڑا اور شان دار مقبرہ سلطان ولی البہمنی کا ہی جس نے ۱۴۳۲ء میں گلبرگہ سے
بیدر کو دار السلطنت قرار دیا۔ اِس مقبرے کا چبوترہ (۵۰) فٹ مربع ہی۔ دیواروں کا اُٹھار بارہ فٹ کا ہی۔ اور
ستائیس ستائیس فٹ کی بلندی کی چار کمانیں ہیں۔ قُبّہ زمین سے ۱۲۰ فٹ بلند ہی۔ تمام دیواروں اور قبّے پر مینا کاری
چینی اور سیپ کا کام اور طلائی نقش و نگار ہیں جو امتدادِ زمانے سے ماند پڑ گئے ہیں۔ گنبد کی اندرونی دیواریں تمام
نقش و نگار اور کتبوں سے پُر ہیں۔ گنبد کی چھت کا اندرونی حصّہ اپنی صنّاعی میں نظیر نہیں رکھتا۔ مشہور ہی کہ بجائے
نقطوں کے چھت میں جا بجا ہیرے جڑے ہوئے ہیں جو اب بھی چمکتے ہیں۔ اَب بھی مقبرے کے اندر چاروں طرف
یہ کتبے پڑھے جاتے ہیں۔

اندرونِ صدر دروازۂ جنوبی

رَوْضَةٌ شَرِيفَةٌ لِسُلْطَانِ السَّلَاطِيْنِ ظِلِّ اللّٰهِ وَخَلِيفَتُهُ فِي الْعَالَمِيْنَ الْوَاثِقُ بِتَائِيدِ اللّٰهِ
الْقَوِيِّ الْغَازِي شِهَابُ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ اَحْمَدُ شَاہ وَلِيُّ الْبَهْمَنِيُّ قَدَّسَ اللّٰهُ اَرْوَاحَهُ
وَضَرِيحَهُ وَنَوَّرَ مَكَانَهُ اُفَوِّضُ اِلَيْهِ اَمْرُ الْاِمَارَةِ فِي سَنَةِ خَمْسٍ وَّ عِشْرِيْنَ وَ ثَمَانَمِائَةٍ

اندرونِ دروازۂ شمالی

سُبْحَانَ مَنْ اَعْلٰى مَنْزِلَةَ اَوْلِيَائِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ وَرَفَعَ مَكَانَهُمْ فِيْ اَعْلٰى عِلِّيِّيْنَ
وَجَعَلَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ اٰمِنِيْنَ وَفِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ فَائِزِيْنَ فَاِنَّهُمْ
فِيْ رَوْضَةٍ يُحْبَرُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَرِحُوْنَ۔

اندرونِ دروازۂ شرقی

فَعَاشَ فِيْ دُنْيَاهُ حَمِيْدًا وَرَجَعَ اِلَى اللّٰهِ فِيْ لَيْلَةِ اثْنَيْنِ سَعِيْدًا مُبَارَكًا التَّاسِعَ و

ہمایوں سے پہلے بہت سے بادشاہوں کے عظیم الشان گنبد اب تک باوجودِ مرورِ زمانہ مدراز محفوظ و مستحکم موجود ہیں جن میں خصوصاً احمد شاہ ولی البہمنی کا گنبد سب سے بڑا اور شان دار ہی اور ہر سال بڑی دھوم دھام سے اب تک عُرس ہوا کرتا ہی سرکار سے ملازماں اور خدام کی معاش بھی جاری ہی لیکن ہمایوں شاہ کا گنبد جو بہت زمانے کے بعد کا ہی بالکل کھنڈر ہوگیا ہی سنہ ۱۳۳۱ھ میں (جب کہ میں بیدر میں موجود تھا) موسم بارش میں قبّے پر رات کے وقت بجلی گری جس کی وجہ سے نصف قبہ گر گیا باقی نصف اُدھر کھڑا ہی اب چار دیواری بھی سلامت نہیں رہی قبر کا نشان تک نہیں ہی اس میں فی الواقع گدھے لوٹا کرتے ہیں اور لوگ بول و براز کرتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

محاصرۂ قلعۂ دیور کنڈہ بعہدِ ہمایوں شاہ

ہمایوں نے تخت نشین ہونے کے دوسرے ہی برس ملک تلنگانہ پر چڑھائی کرکے قلعۂ دیور کنڈہ[1] کا محاصرہ کیا لیکن لوگوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور بادشاہ کے لشکر

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) العشرین من شہر الملک العلّام سنۃ تسع و ثلثین و ثمانمائۃ من ہجرۃ النبی علیہ السلام اللّٰہم اجعل شفاعتہ شاملۃ متممۃ علوّ کرامتہ علی الخلق فابقیہ دائمۃ بحق النبی و عترتہ الاحسان ط۔

اندرونِ دروازۂ غربی

اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ اَمَّا بَعْدُ فَھٰذِہٖ قُبَّۃٌ مُقَدَّسَۃٌ وَبُقْعَۃٌ مُبَارَکَۃٌ کَعْبَۃُ الْحَاجَاتِ الرَّبَّانِیَّاتِ ھِیَ جَنَّۃُ الْفِرْدَوْسِ طَابَ اَنْعُمُھَا اَمْ رَوْضَۃُ الرِّضْوَانِ فَلَاحَ شَھُّھَا مَرْقِیَّۃٌ لِلّٰہِ الْبَرَکَاتِ۔

اس کے سوائے چاروں طرف اور بھی کتبے فارسی میں ہیں جن کا چونا جھڑ گیا ہی اور مسلسل نہیں پڑھے جاتے لہذا ترک کیے گئے

سلطان احمد شاہ ولی البہمنی سے ملا ہوا سلطان علاء الدین ثانی کا بہت بڑا اور عالی شان گنبد ہی جس کے سامنے کی رُخ کی دیوار پر نہایت اعلیٰ درجے کا چینی کا کام کیا ہوا ہی اور اسی وجہ سے وہ چینی گنبد کہلاتا ہی اس کے بعد ہمایوں شاہ کا گنبد ہی جس پر ۱۳۳۱ھ میں بجلی گری اور تقریباً سہ ربع حصہ برباد ہو گیا اب ف غربی اور شمالی حصہ باقی ہی۔ اسی لین میں اور باقی گنبد سلسلہ بسلسلہ ہیں ۱۲

(نوٹ صفحہ ہذا) [1] ضلع نلگنڈہ میں ایک تحصیل کا مستقر ہی اور یہاں کا قلعہ مشہور ہی ۱۲۔

کو شکست فاش ہوئی۔ اس کے سوائے اور کوئی معرکہ اس کے عہد میں سلطنت بیجا نگر سے نہیں ہوا۔

نظام شاہ بہمنی کی تخت نشینی اور انتقال

اس زمانے میں سلطنت بیجا نگر کا راجہ ملکارجن تھا۔ ہمایوں کے مرنے ہی کے دن اس کا بیٹا نظام شاہ جس کی عمر آٹھ سال کی تھی تخت نشین ہوا یہ بہت نیک مزاج اور رعایا پر مہربان تھا۔ بادشاہ کے صغرسنی کے زمانے میں کاروبار سلطنت اس کی نہایت عقلمند ماں "مخدومۂ جہاں" خواجہ جہاں ترک اور محمد گاواں کرتے تھے ان لوگوں نے حسن انتظام سے ہمایوں کے ناگفتہ مظالم کی حتی الامکان تلافی کی۔ نظام شاہ کی والدہ نے اس کی شادی اپنے قرابت داروں کی لڑکی سے ٹھیرائی تھی بادشاہ کی بیویوں کو "ملکۂ جہاں" کا خطاب ملتا تھا۔ شہر میں بڑی بھاری طیاری شادی کے جشن کی ہوئی لیکن عجیب اتفاق ہوا کہ عین شادی کے دن جب بادشاہ اپنی دلہن کو وداع کرکے اپنے محل میں لایا آدھی رات کے وقت اسی دن ۱۳ ذی قعدہ ۸۶۷ھ کو دو سال ایک مہینے سلطنت کرنے کے بعد دفعۃً انتقال کیا ؎

گلے ناشگفتہ از کیانی درخت	یکایک فرو ریخت از بادِ سخت
خطِ حسن برگل ناانگیختہ	اجل خاک بر روے فرو ریختہ

محمد شاہ لشکری کا حال ۸۶۷ھ

نظام شاہ کے بعد اس کا بھائی محمد شاہ لشکری نو سال کی عمر میں ۱۳ ذی قعدہ ۸۶۷ھ مطابق ۳۰ جولائی ۱۴۶۳ء کو تخت نشین ہوا ۱۴۶۹ء کے وسط میں بیجا نگر پر راجہ سیکھر یا دیر پاکش اول دونوں میں سے کوئی ایک حکمران تھا۔

گوآ اور بلگاؤں کا فتح کرنا ۱۴۷۲ء

محمد شاہ کا وزیر محمود گاواں نے مغرب کی جانب خشکی اور تری دونوں راستوں سے لشکر کشی کی اور بندر گوآ جو اس زمانے میں راجہ گان بیجا نگر کی سلطنت میں تھا فتح کرلیا چونکہ ۱۴۶۹ء میں بندر گوآ میں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا تھا اسی کے انتقام میں یہ لڑائی ہوئی پائی جاتی ہے۔ اس زمانے میں ساحلِ دریا کی تمام تجارت مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی

اور ملک دکن اور بیجانگر کی افواج کے لیئے بڑی تعداد میں گھوڑوں کی درآمد کی جاتی تھی۔
راجہ گانِ بیجانگر ان وجوہ سے مسلمانوں کے ہاتھ میں پھنسے ہوئے تھے۔ ۱۴۶۹ء میں
مسلمانانِ مقیم بھٹکل نے اپنے تمام گھوڑے دکھنی مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کردیئے راجہ
بیجانگر نے اپنے باج گزار رئیس ہناور کو حکم دیا کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کو مار ڈالیں
اور جو باقی رہیں اُن کو منتشر کردیں۔ اس حکم کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک دم دس ہزار مسلمان
مارے گئے۔ جو بچ رہے تھے اُنھوں نے گوآ پہنچ کر پناہ لی اور اس طرح شہر گوآ کی بُنیاد
پڑی جو آگے چل کر ہندوستان میں پرتگالیوں کا دارالسلطنت بنا۔ اسی لڑائی کے
انتقام کے لیئے جس میں ایک بہت بڑی تعداد مسلمانوں کی قتل ہوئی تھی۔ محمود گاواں
نے حملہ کیا۔ چند روز بعد محمد شاہ کا ایک غلام (جس کا نام یوسف عادل شاہ تھا اور جو
سلطنتِ بہمنیہ کے زمانے میں بہت مقتدر ہوگیا تھا) نے بغاوت کی اور خود سلطنتِ
بیجاپور کا بادشاہ بن بیٹھا اور عادل شاہ کا خطاب لیا۔

راج مندری۔ کنڈہ پلّی اور دوسرے مقاماتِ تلنگانہ پر لڑائی

برہانِ مآثر میں لکھا ہے ۱۴۷۰ء میں عادل شاہ نے راج مندری[ف] اور کنڈہ ویڑ کو بادشاہِ اُڑیسہ سے چھین لیا موضع
کنڈہ پلّی میں ایک عمدہ اور خوب صورت قلعہ پہاڑ پر بنا ہوا ہے اُس پر اس واقعے
کی تاریخ ۱۴۷۰ء یا ۱۴۷۱ء لکھی ہوئی ہے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ۸۷۵ھ مطابق

ف دریاے گوداوری کے شمالی کنارے پر واقع ہے اور قدیم شہر ہے مگر یہاں کا کوئی خاص تاریخی واقعہ قابلِ ذکر نہیں ہے۔ بہت سے بڑے بڑے مکانات پُرانے قلعے کی فصیل پر لبِ دریا بنے ہوئے ہیں۔ دریاے گوداوری (۹۰۰) میل لمبا ہے اور وسط ہند سے گزرتا ہے ضلع ناسک بمبئی پریزیڈنسی میں موضع ترمبک سے نکل کر ملک دکن اور سلطنتِ سرکارِ عالی نظام میں گزرتا ہے۔ ریل کے پُل میں (۵۶) کمانیں (۱۲۰) فٹ چوڑی ہیں پونے دو میل پُل کی لمبائی ہے۔ ہندوستان میں یہ دوم نمبر کا پُل ہے اس سے بڑا پُل سون کا ہے جو ایسٹ انڈین ریلوے کے سٹیشن ڈھری پر واقع ہے ۱۲

سنہ ۸۷۲ھ ۱۴۶۷ و ۶۸ء میں پرکنتا[1] راے بلگاؤں راے بیجانگر کی اشتعالک سے گوآ کی طرف بڑھا تاکہ گوآ کو پھر واپس لے۔ محمد شاہ کو جب اِس کی خبر پہونچی تو اُس نے بلگاؤں کے قلعے پر (جو ایک بہت مستحکم قلعہ ہی اور جس کے اطراف میں ایک گہری خندق ہی اور جس میں داخل ہونے کے لیئے صرف ایک ہی پُل ہی جو مورچوں سے محفوظ ہی) لشکرکشی کی اِس جنگ میں بادشاہ نے بلگاؤں کو فتح کرلیا اور گلبرگہ پلٹ گیا سنہ ۱۴۷۵ء کے قریب ملکِ دکن اور تلنگان میں دو سال برابر سخت قحط رہا اِسی زمانے میں ہندو باشندگان کنڈہ پلّی نے بغاوت کرکے مسلمان حاکم کو مار ڈالا اور راجہ اُڑیسہ سے مدد طلب کی چنانچہ اُڑیسہ کے راجہ نے راج مندری کو جس کا حاکم نظام الملک تھا محاصرہ کرلیا لیکن جب امداد کے لیئے خود بادشاہ کے آنے کی خبر سُنی تو اُڑیسہ کا لشکر پلٹ گیا سنہ ۸۸۲ھ کے اخیر میں جو سنہ ۱۴۷۷ء کے مطابق ہوتا ہی محمد شاہ بادشاہ دار السلطنتِ اُڑیسہ تک جا پہونچا اور ملک کو خوب لُوٹ کر باشندوں کو بے دردی سے قتل کیا۔ ناچار راجہ نے اطاعت قبول کرلی اور کئی عمدہ ہاتھی نذر دیئے تاکہ آیندہ ایسی دست بُرد سے محفوظ رہے۔ اِس کے بعد کے واقعات میں تاریخ فرشتہ اور برہانِ مآثر میں بہت اختلافات ہیں تاریخ فرشتہ میں لکھا ہی کہ اُڑیسہ کے حملے کے بعد محمد شاہ نے کنڈہ پلی فتح کرلی اور وہاں اُس نے ایک مندر کو برباد کردیا اُس میں جو برہمن پجاری تھے اُن کو قتل کیا اور مندر کی جگہ ایک مسجد بنانے کا حکم دیا۔ بادشاہ نے خود راج مندری میں تین سال رہ کر ملکِ تلنگانہ فتح کرلیا باغی زمینداروں کو شہر بدر کردیا۔ بالآخر راے بیجانگر کا ملک فتح کرنے کا مصمم قصد کرلیا۔ نرسنگ راے کی نسبت فرشتہ نے لکھا ہی کہ "نرسنگ راے ایک طاقتور راجہ تھا جس کا ملک درمیان کرناٹک (بیجانگر) اور تلنگانہ کے تھا جو سمندر کے کنارے کنارے مچھلی پٹن تک پہونچ گیا تھا اور جس نے بہت سا علاقہ اور مضبوط قلعے بیجانگر کے فتح کرکے اپنی ملکیت میں ملا لیئے تھے"

[1] برہانِ مآثر میں راے بلگاؤں کا نام پرکنٹپا راج لکھا ہی بیجر کنگ مترجم کتاب مذکور نے مختلف طور سے پرکٹیا ۔ پرکنٹپا نام لکھے ہیں۔ برگز نے "برکن" نام بتلایا ہی لیکن اصلی نام "وکرم" تھا ۱۲۔

غالباً یہ وہی طاقتور سردار نرسہواں راے تھا جو بیجا نگر کے بادشاہ کا رشتہ دار تھا اور جو بڑے حصۂ ملک کا حاکم تھا لیکن اُس نے ایسی طاقت حاصل کی کہ رفتہ رفتہ خود مختار ہو گیا اور کم زور بادشاہ بیجا نگر کا ملک دبا لیا۔ بادشاہ کو کنڈہ پلی میں معلوم ہوا کہ وہاں سے دس منزل پر مقام کنچی (کنجی ورم جو کنڈہ پلی سے دو سو پچاس میل کے فاصلے پر ہے) میں ایک مندر ایسا ہے کہ جس کی دیواریں اور چھت سونے کے پتروں سے مڑھی ہوئی ہے اور بیش قیمت جواہرات جڑے ہوے ہیں۔ بادشاہ یہ خبر پاتے ہی یلغار چھ ہزار سوار اپنے ساتھ لے کر وہاں پہونچا اور مندر کو لوٹ ڈالا۔ برہان مآثر میں لکھا ہے کہ بادشاہ جب راج مندری پہونچا تو وہاں نرسہواں راے سات لاکھ پیدلوں کی جرار فوج اور پانسو روئین تن ہاتھی لیے ہوے موجود تھا لیکن باوجود اتنی بڑی فوج اور عظمت وشوکت کے وہ لشکرِ بادشاہِ اسلام کے آنے کی خبر سن کر ڈر کر بھاگ گیا۔ بادشاہ نے راج مندری جو ہندوؤں کے قبضے میں تھا (نہ کہ مسلمانوں کے جیسا کہ فرشتہ نے لکھا ہے) فتح کر لیا۔ رمضان ۸۸۵ھ مطابق نومبر ۱۴۸۰ء میں بادشاہ راج مندری سے کنڈہ ویڈ پر سے ہوتا ہوا بیجا نگر کی طرف روانہ ہوا۔ کنڈہ ویڑ کا قلعہ فتح کر کے بادشاہ مالور پہونچا جو نرسہواں کی حکومت میں تھا۔ نرسہواں بہ لحاظ اپنی بڑی فوج اور وسیع ملک کے تلنگانہ اور بیجا نگر والوں سے بھی بڑھا ہوا تھا جس نے اپنی سلطنت کرناٹک اور تلنگانہ کے درمیان قائم کر لی تھی اور اکثر اضلاع جو سمندر کے کنارے پر واقع تھے اور بیجا نگر کے اندرونی حصۂ ملک پر بھی قابض ہو گیا تھا۔ بادشاہ کو مالور میں رہتے ہی معلوم ہوا کہ پچاس فرسخ پر ایک مقام کنچی ہے جہاں مندر ہیں بادشاہ اُس مقام پر ۱۱ محرم ۸۸۶ھ مطابق ۱۲ مارچ ۱۴۸۱ء کو پہونچ گیا اور اُس شہر کو لوٹ مار کر واپس آ گیا اس کے بعد بادشاہ مچھلی پٹن[سلہ] گیا اور اُس پر قبضہ کر لیا اور پھر کنڈہ پلی فتح کی اِن ہی فتوحات کے سبب سے

سلہ ضلع کشنا کا مستقر ہے۔ آبادی ۰۰۰ ہم ۱۸۵۹ء میں اس شہر پر برٹش گورنمنٹ کا قبضہ ہوا اس سے پہلے پرتگالی۔ ڈچ اور فرنچ کے قبضے میں باری باری سے رہا۔ یہاں کے مندروں پر بہت سے قدیم اور عمدہ کتبے ہیں ۱۸۹۱ء میں دریا کی اِس غضب کی طغیانی ہوئی کہ تیس ہزار آدمی ضائع ہوے اس سانحہ کی یادگار میں شہر میں ایک عمارت بنائی گئی ہے۔ اس کے بعد سے یہاں سے انگریزی فوج برخاست کر دی گئی ۱۲

بادشاہ کو غازی اور لشکری کا لقب ملا۔ اوائلِ زمانۂ سلطنت میں خواجۂ جہاں اور بادشاہ کی والدہ مخدومۂ جہاں تمام کاروبار کرتے تھے۔ چودھویں سال بادشاہ کی شادی ہوئی اور بادشاہ خود کام کرنے لگا۔ بادشاہ کی والدہ نے خواجۂ جہاں کی شکایت کی کہ وہ خود مختارانہ طور پر عزل ونصب کارپردازوں کا کرتا ہی تو بادشاہ نے خواجۂ جہاں ترک کو قتل کروادیا۔

خواجۂ محمود گاواں کا حال اور اُس کا قتل ۸۸۶ھ

بادشاہ نے خواجۂ محمود گاواں کو خواجۂ جہاں کا خطاب دے کر وزارت سے سرفراز کیا۔ محمود گاواں کا رہنے والا تھا جو گیلان ملک فارس میں ہی اِس کا اصلی نام ملک شاہ محمدؐ تھا اور چنگیز خاں کی اولاد میں تھا۔ اِس کے باپ دادا گیلان کے وزرار تھے۔ محمود چالیس برس تک دُنیا کے مختلف مقامات میں سیاحت کرتا رہا اور علاءالدین بہمنی کے زمانے میں تاجرانہ حیثیت سے وارد ہوا جس نے اِس کو بیدر کا حاکم مقرر کیا۔ محمود گاواں نے علاءالدین اور محمد شاہ لشکری دونوں بادشاہوں کے زمانے میں ملک کا انتظام کیا یہ شخص بڑا لائق تھا۔ فلسفہ۔ منطق۔ ہیئت۔ ریاضی۔ طب اور جراحی سب علوم و فنون میں دستگاہِ کامل رکھتا تھا۔ اِس کے علاوہ وہ صاحب تصنیف اور شاعرؔ بھی تھا۔ خاندانِ بہمنیہ میں اِس سے بہتر اور اِس سے زیادہ بیدار مغز کوئی وزیر نہیں ہوا۔ اِس کے عہد میں سلطنتِ بہمنیہ کو بے انتہا عروج ہوا کثرت سے فتوحات ہوے اور مُلک کا رقبہ اِس قدر وسیع ہوگیا کہ بجاے چار صوبوں کے آٹھ صوبے ہوگئے دولت آباد۔ جُنیر۔ بیجاپور۔ حسن آباد گلبرگہ۔ ماہور۔ کاویل۔ ورنگل۔ راج منڈری دارالسلطنت کا نام بھی بجاے احمد آباد بیدر کے محمد آباد بیدر قرار پایا۔ (جو اب تک قائم ہی) محمود گاواں کے حسنِ انتظام سے خوش ہوکر بادشاہ نے اُسے "خواجۂ جہاں"

سلہ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن جامی نے ایک موقع پر اِس کی انشا پردازی کی نہایت تعریف کی ہو اور لکھا ہو کہ ؎

نظم و نثرش ہیں کہ پنداری د بیر چرخ کرد	عقدِ پروین در ثناے بے نہایت نقشہا
یا خود افشا دست مخزونات گنج پُر گہر	بر بساطِ ارض بعضے متصل بعضے جُدا

۱۲

کا خطاب دیا جس دن سے خطاب ملا وہ کہا کرتا تھا کہ سب سے پہلے یہ خطاب علاء الدین کے زمانے
میں خواجہ مظفر علی استرآبادی کو ملا تھا جس کے چند ہی روز کے بعد محمد شاہ نے اُسے قتل کیا
اس کے بعد خواجہ جہاں ترک کا نمبر آیا وہ بھی قتل ہوا اب تیسرا نمبر میرا ہی۔ حیرت کی بات
ہی کہ یہ بات سچ ہوئی۔ خواجہ جہاں کو ایک عرصے سے اُمورِ سلطنت میں جزو کل کا اختیار
حاصل تھا اُس نے بادشاہی حکومت کو مستحکم کرنے کے خیال سے بہت کچھ اصلاحیں کیں
اُمرا کے زور گھٹا دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود غرض اور ناعاقبت اندیش لوگ اس کی جان
کے دشمن ہوگئے اور ایک گہری سازش اس کے خلاف قائم ہوگئی جس سے وہ بے خبر نہ تھا
لیکن وہ سلطنت کی خیر خواہی میں ایسا منہمک تھا کہ اُس نے اِس کی کچھ پروا نہ کی۔ خواجہ جہاں
اور یوسف خاں دونوں میں باپ بیٹے کے سے تعلقات تھے اور نہایت اخلاص تھا۔
یوسف ہر طرح کی خبر رکھتا تھا اُس کی موجودگی میں کسی کو کچھ جرأت نہ ہوئی لیکن جب وہ
ایک مہم پر چلا گیا اور میدان خالی ہوگیا تو ظریف الملک دکنی اور مفتاح حبشی نے جو خواجہ کے
دست گرفتہ تھے ملک حسن نظام الملک بحری سے مل کر صلاح کی کہ خواجہ کو نکلوانے کے لیے
یہ اچھا موقع ہی اس وقت یوسف بھی یہاں نہیں ہی کہ روک تھام کرے گا۔ ظریف الملک اور
مفتاح حبشی اور چند غلامانِ ہندی نے خواجہ کے ایک حبشی غلام سے کہ جس کے پاس اُس
کی مُہر[1] رہتی تھی دوستی گانٹھی اور انواع و اقسام کے جواہر گھوڑے اور تحائف اور نقد وغیرہ
دے کر اُس کو اپنا گرویدہ احسان کرلیا۔ ایک دن خواجہ کے غلام کی مجلس میں شراب خوب
چل رہی تھی کہ ظریف الملک اور مفتاح حبشی اپنے ہاتھ میں ایک لپٹا ہوا سفید کاغذ لے کر گئے
اور کہا کہ یہ ہمارے فلاں دوست کی براءت ہی اس پر اکثر اُمرا کی مُہریں ہوچکی ہیں اگر تم بھی
خواجہ کی مُہر لگا دو تو ہم تمھارے بڑے مرہونِ منت ہوں گے۔ غلام نے سخت بے وقوفی کی
کہ ان کے اعتبار پر کاغذ کو کھول کر بھی نہ دیکھا اور نشے کی حالت میں جہاں اُنھوں نے بتلایا
مُہر کردی۔ ظریف الملک اور مفتاح حبشی اُسی وقت رات کو ملکِ حسن نظام الملک بحری کے مکان
پہنچے اور ان سب کی رائے سے خواجہ کی طرف سے ایک تحریر رائے اُڑیسہ کے نام اس مضمون

---

[1] اس مُہر پر "عاقبت محمود باد" کندہ تھا ۱۲

کی لکھی کہ سلطان محمد شاہ کی شراب خواری اور ظلم سے ہم تنگ آ گئے ہیں راج مندری کی طرف
کوئی حاکم نہیں ہی وہ رُخ خالی ہی تمھاری ادنےٰ توجہ سے ملک دکن فتح ہو سکتا ہی - تم بلا روک
ٹوک لشکر لا سکتے ہو - یہاں کے اکثر اُمرا ر میرے کہنے میں ہیں میں بھی چاروں طرف سے بغاوت
شروع کرتا ہوں اور بادشاہ کا خاتمہ کر دینے کے بعد ہم تم علی السویہ سلطنت کو تقسیم کر لیں گے
اس تحریر کو حسن نظام الملک نے بادشاہ کے سامنے پیش کیا - بادشاہ نے جب اُس پر خواجہ
کی مُہر دیکھی تو متحیّر ہو گیا - حسن نظام الملک نے موقع پاکر خوب کان بھرے اور بادشاہ کو ایسا
بھڑکایا کہ اُس نے اتنا بھی نہ پوچھا کہ رائے اُڑیسہ کے پاس یہ کون لے جارہا تھا تمھارے
ہاتھ یہ کاغذ کیسے لگا بلکہ خواجہ کو بُلا بھیجا - خواجہ کے ہوا خواہوں نے اُس کو اس امر کی اطلاع
کردی اور کہا کہ موقع نازک ہی اگر آج کسی بہانے سے آپ نہ جائیں تو اچھا ہی - خواجہ نے یہ بیت

پڑھی -	چوں شہیدِ عشق در دُنیا و عقبیٰ سرخ روست خوش دمے باشد کہ مارا کشتہ زیں میدان برند	

اور کہنے لگا کہ یہ ڈاڑھی جو کہ ہمایوں بادشاہ کی خدمت گزاری میں سفید ہو گئی ہی اگر اُس کے
بیٹے کے ہاتھ سے رنگین ہو جائے تو سُرخ روئی کا باعث ہی بھلا تقدیر کا لکھا کہیں ٹل سکتا
ہی اور قضا سے کوئی بچ سکتا ہی - خواجۂ جہاں سے چند اُمرائے کبار نے جو اس کے متوسّلین
میں سے تھے یہ خبرِ وحشت اثر سُن کر کہلا بھیجا کہ ہزار سوار آپ کے خاصے کے موجود ہیں اگر
خداوندِ نعمت ایسے وقت گجرات تشریف لے جائیں تو ہم ملازم فدویانہ ہم راہِ رکاب
جان و مال سے حاضر ہیں - خواجہ نے جواب دیا کہ مدّت دراز سے اِس سلطنت کا نمک خوار
ہوں اور مجھ سے اب تک کوئی تقصیر نہیں ہوئی مجھ کو اُمید نہیں ہی کہ بادشاہ دشمنوں کی
مجرّد تہمت پر بلا پوچھے گچھے یکایک الزامِ بے وفائی اِس جان نثار پر لگائے گا - ایسے
وقت ٹل جانا نمک حرامی ہی - اور اُسی وقت بادشاہ کے حضور میں بلا عذر حاضر ہو گیا بادشاہ
نے پوچھا " کہ اگر کوئی شخص اپنے ولی نعمت کے ساتھ بے وجہ نمک حرامی کرے - اور اُس کی
نمک حرامی کا یقین ہو جائے تو اُس کی کیا سزا ہی؟"
خواجۂ جہاں - ایسا بدبخت کہ جو اپنے مالک کے ساتھ نمک حرامی کرے اور اُس کا یقین ہو جائے

تو اُس کی سزا سوائے شمشیرِ آبدار کے اَور کچھ نہیں ہے۔

بادشاہ نے اُسی وقت وہ خط بتلایا۔ خواجہ نے دیکھ کر یہ آیت پڑھی

"سُبْحَانَكَ[۱] هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ" اور عرض کیا کہ اس پر مُہر تو بے شک میری ہے لیکن خط میرا نہیں ہے اور نہ مجھے اِس کی خبر ہے اور قسمیہ اس مضمون کو اِس قطعہ میں بیان کیا۔

قطعہ

بہ خدائے کہ جوہر امرِ شش کہ چو بہتانِ یوسف و گرگ ست	اہلِ معنی بخونِ دل سُفتند اُنچہ از بندِ دشمناں گفتند

ہرچند خواجہ نے عرض معروض کی اور عذرِ لاعلمی کا کیا لیکن بادشاہ شراب کے نشے میں چُور تھا اور قہر و غضب اُس کے چہرے سے ظاہر تھا ایک نہ سُنی اور خاندانِ بہمنیہ کے زوال کا وقت بھی آگیا تھا کچھ پُوچھ گچھ بھی نہ کی اور برہم ہوکر مجلس سے اُٹھ گیا اور جاتے جاتے جوہر نام حبشی کو خواجہ جہاں کے قتل کا حکم دے گیا۔ خواجہ نے عرض کی کہ مَیں تو بڈھا ہو گیا اور یوں بھی میری عمر پوری ہو چکی ہے میرا قتل آپ جیسے اولوالعزم بادشاہ کے نزدیک بالکل آسان ہے لیکن اس سے مُلک کی خرابی اور آپ کی بدنامی البتّہ ہوگی۔ بادشاہ غصّے میں اندھا ہو رہا تھا اُس نے سُنی کی اَن سُنی کر دی اور کچھ جواب نہ دے کر محل سرا میں چلا گیا۔ جوہر حبشی تلوار کھینچ کر آن پُہنچا۔ خواجہ دو زانو قبلہ رُو بیٹھ گیا اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا اور جب تلوار اُس کی گردن پر پڑی اَلْحَمْدُ[۲] لِلّٰہِ عَلٰی نِعْمَتِہِ الشَّہَادَۃِ کہتا ہوا دُنیا سے رُخصت ہوا خواجہ کی عمر ستاسی سال کی تھی۔ اس نے شہادت سے چند روز پہلے ایک قصیدہ اِسی بادشاہ کی مدح میں کہا تھا جس کی دو بیتیں یہ ہیں۔

ابیات

شد تنکّل ضربِ تیغت بر دوشِ جاں حائل تیغِ تو آبِ حیواں مردم ز حسرتِ آں	ہیکل زحرزِ سیفی وانگہ ہراس ای دل آرے بہ عہدِ من شد آبِ حیاتِ قاتل

۱؎ حاشا و کلا یہ تو بڑا (بھاری) بہتان ہے ۱۲

۲؎ شہادت کی نعمت پر اللہ کا شکر ہے ۱۲

یہ اندوہ ناک واقعہ ۵ رصفر ۸۸۶ھ کو ہوا۔ مُلا عبد الکریم ہمدانی مصنف تاریخ محمود شاہی نے جو شاگرد اور مرید خواجہ کا تھا یہ قطعہ تاریخی کہا ہے۔

قطعہ

شہید بے گناہ مخدوم مطلق وگر خواہی کہ تاریخ وفاتش	کہ عالم را زجودش بود رونق فرد خواں قصۂ قتل بہ ناحق

ایک تاریخ کسی اور نے کہی ہے ؎

سالِ فوتش گر کسے پُرسد بگوی
بے گنہ محمود گاواں شد شہید

مُلا سامعی جو خواجہ کا ندیم اور نوکر تھا اُس نے یہ قطعہ کہا ہے۔ **قطعہ**

چوں خواجۂ جہاں را ہرگز حرام خواری گشت او شہید مغفور ای سامعی بہ تحقیق	در دل نہ بود و می کرد پیوستہ جاں سپاری تاریخ کشتنِ او جو از حلال خواری

اِس واقعے کے تھوڑی دیر بعد بادشاہ کا نشہ اُتر گیا اور ہوش میں آیا اُس وقت اُس کو معلوم ہوا کہ خواجۂ جہاں بالکل بے گناہ تھا اور جن لوگوں نے اُس کے مقابلے میں یہ سازش کی تھی اُن کو بھی بادشاہ نے اُسی وقت قتل کرا دیا۔ خواجۂ جہاں کا مقبرہ اب تک شہر بیدر سے بجانبِ شمال دو میل کے فاصلے پر شربت باغ کے متصل ایک ٹیلے پر واقع ہے جہاں اُس کا بنایا ہوا ایک تالاب بھی ہے اِس کے علاوہ اُس کا بنایا ہوا ایک بہت بڑا عالی شان مدرسہ[1]

---

[1] یہ عمارت نہایت مستحکم اور رفیع الشان ہے اور ایک طرف مسجد اور اُس سے ملے ہوئے چو طرفہ دو منزلہ وسیع ہال بنے ہوئے ہیں جن میں علما اور فضلا اور طلبہ رہتے تھے۔ جو طالب العلم مدرسے میں رہتے تھے اُن کو کھانا کپڑا مفت ملتا تھا۔ مساکین اور نوواردوں کو ہر روز لنگر تقسیم ہوتا تھا۔ اِس عمارت کا طول شرقاً و غرباً (۷۵) گز اور عرض شمالاً و جنوباً (۵۵) گز ہے۔ اِس مدرسے کے سامنے دو بلند مینار تھے جن میں سے ایک اب تک قائم ہے اِن کی بلندی سو فٹ ہے اور اندر چکر دار سیڑھیاں اوپر چڑھنے کے لیے بنی ہوئی ہیں۔ اگرچہ یہ عمارت بے انتہا مضبوط تھی۔ لیکن سوءِ اتفاق سے طیار ہونے کے سوا دو سو سال بعد بجلی گرنے سے ایک مینار اور نصف حصہ مدرسے کا اُڑ گیا یہ واقعہ ۱۱ رمضان ۱۰۰۶ھ میں ہوا جب کہ کئی سو آدمی نمازِ تراویح میں مصروف تھے۔ (بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

بلدۂ بیدر میں اب تک موجود ہے جس کی عمارت عجائبات روزگار سے ہے۔ قطعہ تاریخی یہ ہے۔

این مدرسۂ رفیع محمود بنا	چوں کعبہ شد شش قبلۂ اہلِ صفا
آثارِ قبول بین کہ شد تاریخش	از آیتِ ربنا تقبل منا

۸۷۷ھ م ۱۴۷۲ء

محمد شاہ لشکری کا انتقال ۱۴۸۲ء

اس واقعہ سے اُمرائے سلطنت ایسے بزدل ہو گئے کہ سب نے بغاوت شروع کی سلطنت میں انحطاط شروع ہو گیا بادشاہ کو بھی اپنے جاں نثار وزیر کے قتل کروا ڈالنے کا ایسا صدمہ ہوا کہ اُسی دن سے وہ بیمار پڑ گیا اور بوجہ کثرتِ شراب خواری غرۂ صفر ۸۸۷ھ م ۲۱ مارچ ۱۴۸۲ء کو بیس سال سلطنت کرنے کے بعد انتقال کیا۔ قطعۂ تاریخ وفات یہ ہے۔

شہنشاہِ جہاں شاہ محمد	کہ در بحر فنا ناگہ فرو شد
دکن چوں شد خراب از رفتنِ او	خرابیِ دکن تاریخ او شد

۸۸۷ھ

(بقیۂ نوٹ صفحۂ گزشتہ) یہ بے چارے بھی سب اُڑ گئے چنانچہ اس مدرسے کے احاطے میں گنج شہیداں موجود ہے۔ اس واقعے کی تاریخ "خراب شد" ہے چوں کہ جلال الدین خاں قلعدار بیدر نے مدرسے کے ایک حصے میں باروت کا ذخیرہ رکھا تھا اس سبب سے یہ افسوس ناک واقعہ بہت سخت ہوا۔ مدرسے کے پیش میں دیوار شرق رویہ کے بلند مقام پر نیلی چینی کی زمین پر سفید چینی کے نہایت جلی حروف میں کلام مجید کے چوبیسویں پارے کے چوتھے رکوع کی یہ آیت منقوش ہے وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا تا فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۵ جو منار گر گیا ہے اُس کے گرے ہوئے ڈھگار اب تک پڑے ہوئے ہیں جو کسی کے پھوڑے پھوٹ نہیں سکتے۔ تمام مدرسے میں گنبدوں کے اندر اسی طرح مینا کاری کے کام سے سارا کلام مجید لکھا ہوا تھا۔ بہت سی جگہ کھپر کے کھپر گر گئے ہیں کچھ کچھ اب بھی باقی ہے۔ مینار پر لاجوردی اور سنہری کام کہکشاں کے مختلف رنگوں کا اس غضب کا کیا تھا کہ آج تک جب آفتاب محاذی آتا ہے تو چمکتا ہے۔ اس مکان میں اب بھی اس قدر گنجائش ہے کہ سالہا سال ضلع کا انجینیر مع عملہ و دفتر اسی میں رہتا تھا اور اب تک بھی ضلع کا مدرسہ اسی میں تھا اب چند روز سے جدید مدرسہ بن جانے سے یہ عمارت خالی پڑی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی نے اس مدرسے کے تاریخی قطعے میں "این عمارت تا قیامت پائدار" لکھا تھا۔ اسی وجہ سے یہ نتیجہ ہوا ۱۲۔

اس کے بعد خاندانِ بہمنیہ تباہ ہو کر پانچ خود مختار سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ آپ نے مرنے سے چند دن پیشتر بادشاہ نے ارادہ کیا تھا کہ بندر گوآ کو بیجانگر کے راجہ سیورائے سے چھین لے لیکن بادشاہ کے انتقال کی وجہ سے یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ سلطان محمد شاہ کی سلطنتِ گلبرگہ کے حالات ایک روسی سیاح اتھناسیئس[1] نکیٹین نے لکھے ہیں جو ہندوستان میں ۱۴۶۶ء سے ۱۴۷۲ء تک رہا ہے۔ یہ سیاح اوّل چال کو گیا وہاں سے براہِ خشکی جُنیر پونہچا وہ لکھتا ہے کہ "جُنیر میں ایک شخص اسد خاں نامی باج گزار ملک التجار کی طرف سے رہتا ہے جو کفار سے بیس سال سے جنگ کر رہا ہے بعض وقت وہ مغلوب ہوا ہے لیکن اکثر تو غالب ہی رہتا ہے" ملک التجار سے غالباً محمود گاواں وزیر مراد ہے جس کو ۱۴۵۸ء میں ملک التجار کا خطاب دربارِ سلاطینِ بہمنیہ سے ملا تھا کفار سے مراد ہندو ہیں۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ۱۴۶۹ء میں ملک التجار و رایانِ سون گیر۔ کھلنا و باغیانِ کوکن سے لڑائی ہوئی تھی اس لڑائی میں ملک التجار کی سرکردگی میں جُنیر کی افواج تھیں اسی لڑائی میں ملک التجار نے گوآ فتح کر لیا جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں اور نیز راج مندری۔ ونیوکنڈہ اور دوسرے مقامات پر ہندوؤں سے لڑائیاں ہوئی ہیں اور ایک لڑائی بلگاؤں پر بھی ۱۴۷۲ء میں ہوئی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ دولت آباد اور جُنیر کی افواج راجہ نرسہواں کے مُقابلے کے لیے مشرقی ساحل پر روانہ کی گئی تھیں۔ گلبرگہ کے حالات رُوسی مسافر نے حسبِ ذیل لکھے ہیں +

گلبرگہ کا حال ایک روسی سیّاح کی زبانی

"اقوامِ ہنود تمام ننگے اور برہنہ پا رہتے ہیں اُن کے ایک ہاتھ میں ڈھال اور دوسرے میں تلوار رہتی ہے بعض ملازمین تیر کمان سے مسلح رہتے ہیں۔ جنگ میں اکثر ہاتھیوں سے کام لیا جاتا ہے۔ ہاتھیوں کی سونڈوں اور دانتوں میں بڑی بڑی درانتیاں باندھ دیتے ہیں اور ہاتھیوں پر خوش نما بڑی بڑی فولادی ڈھالیں لگاتے ہیں۔ ہاتھیوں پر انباری ہوتی ہے جس میں بارہ مسلح آدمی بندوقیں اور تیرے کر بیٹھتے ہیں

[1] Athanasius Nikitin

ملک میں آبادی کثرت سے ہی لیکن عام دیہاتی لوگ بہت تباہ حال ہیں اُن کے برخلاف اُمرار
بہت مالدار اور عیش و آرام میں بسر کرتے ہیں جو چاندی کی پالکیوں میں نکلتے ہیں اُن کے آگے
بیس گھوڑے سُنہری ساز و سامان سے سجے سجائے رہتے ہیں - اور پیچھے تین سو سوا
اور پانسو پیدل سینگ نواز دس مشعلچی اور دس گویئے ہوتے ہیں - بادشاہ کے جلوس
میں ہزار گھوڑے طلائی ساز و سامان سے آراستہ سو اونٹ جن پر لوگ مشعلیں لے کر
بیٹھتے ہیں تین سو نجنتری اور تین سو ناچنے گانے والے رہتے ہیں - بادشاہ طلائی زین
پر سوار ہوتا ہی اُس کے لباس پر جواہرات ٹکے رہتے ہیں اور سرپیچ میں ایک بڑا
ہیرا لگا رہتا ہی وہ سُنہری زرہ جس میں جواہرات جڑے ہوے ہوتے ہیں زیب تن
کرتا ہی اور تین تلواریں جن کے قبضے سنہری ہوتے ہیں لگاتا ہی - بادشاہ کا بھائی طلائی
پالکی میں (جس کے اوپر مخمل کا شامیانہ جس میں جواہرات ٹکے ہوے رہتے ہیں لگا رہتا
ہی) نکلتا ہی - سلطان محمود بھی سونے کی پالکی میں برآمد ہوتا ہی اُس پر بھی ریشمی سُنہری
شامیانہ رہتا ہی جس کو چار گھوڑے سنہری ساز کے کھینچتے ہیں - بادشاہ کے اطراف میں
جمِّ غفیر آدمیوں کا رہتا ہی اور آگے گانے والوں اور ناچنے والوں کی تعدادِ کثیر جمع رہتی ہی
ملک التجار نے دو قصبوں کو فتح کر لیا جن کے جہاز سمندر میں چلا کرتے تھے اور سات
شہزادوں کو بھی مع خزانہ گرفتار کر لیا - اِن شہروں[۵] کا محاصرہ دو لاکھ فوج سو ہاتھی تین
سو اونٹوں سے دو برس تک کیا گیا - مرزا ملک میخ خاں اور فرحت خاں نے بھی تین شہر
فتح کیے اور بے انتہا دولت و جواہرات لُوٹ کر ملک التجار کے پاس بہ مقام بیدر تخت
نشینی کے روز لائے - بادشاہ کا بھائی جب جنگ میں جاتا تھا تو اُس کے ساتھ اُس کی والدہ
اور ہمشیرہ سُنہری پالکیوں میں اور دو ہزار عورتیں گھوڑوں پر سوار رہتی تھیں - اِس کے
علاوہ جلوس میں تین سو سوار جن کے ساز و سامان طلائی ہوتے تھے رہتے تھے ملک
التجار بیدر سے پچاس ہزار فوج لے کر نکلا اور پچاس ہزار فوج بادشاہ نے بھیجی - یہ
فوج لے کر وہ بیجانگر کو روانہ ہوا - راجہ بیجانگر کے پاس تین سو ہاتھی ایک لاکھ فوج اور

[۵] اِن شہروں سے غالباً ایک بندر گوا تھا جس کو ۱۴۶۹ء میں فتح کیا

پچاس ہزار سوار تھے" رُوسی مسافر نے سلطان محمد شاہ کے جملہ افواج کی تعداد نو لاکھ پیدل ایک لاکھ نوّے ہزار سوار پانسو پچھتر ہاتھی لکھے ہیں۔" بادشاہ گلبرگہ ملک التجار پر لشکر سے کر روانہ ہوا لیکن اس لڑائی میں کچھ زیادہ کام یابی نہیں ہوئی ہزاروں آدمی اور مال واسباب کا نقصان ہوا جب کہیں صرف ایک قلعہ بلگاؤں کا فتح ہوا۔

بیجانگر کا حال ایک رُوسی سیاح کی زبانی

ہندو بادشاہ "قدرم" ایک بہت بڑا طاقتور رئیس ہی اُس کے پاس بے انتہا فوج ہی وہ ایک پہاڑ پر بمقام بیجانگر رہتا ہی اِس عظیم الشان شہر میں تین قلعے ہیں شہر کے بیچ میں سے ایک دریا[^1] رواں ہی شہر کی ایک جانب خطرناک جنگل ہی اور دوسری طرف وادی ہی یہ مقام عجیب و غریب اور بہت بکار آمد ہی۔ ایک جانب سے شہر بالکل محفوظ ہی (یعنی اُدھر سے حملہ نہیں ہو سکتا) شہر کے بیچوں بیچ سے ایک سڑک گزرتی ہی اور چوں کہ بلند پہاڑ اور گھاٹیاں اور درے واقع ہیں شہر قدرتی طور پر دشمنوں کی دست برد سے بالکل محفوظ ہی۔ بادشاہ نے اِس شہر کا محاصرہ ایک مہینے تک کیا لیکن سامانِ رسد اور پانی کے بند ہونے سے بہت لوگ ضائع ہوے۔ اگرچہ سامنے ہی وافر پانی موجود تھا لیکن وہاں تک پونہچنا ناممکن تھا آخر کار اِس قلعے کو ملک خانِ خدا نے شبانہ روز جنگ کے بعد فتح کیا۔ فوج کا یہ حال تھا کہ بھاری بھاری توپوں سے گولہ اندازی کرتی تھی۔ اور بیس دن تک اِن لوگوں نے نہ کھانا کھایا اور نہ پانی پیا۔ بادشاہ کی فوج کے پانچ ہزار بہترین اشخاص مارے گئے۔ جب شہر فتح ہوگیا تو بیس ہزار باشندگاں عورت و مرد کے سر کاٹ لیے گئے اور بیس ہزار معمر اور جو اِن باشندوں کو قید کر لیا۔ اتنی جاں کاہی کے بعد خزانہ جو دیکھا تو خالی تھا اِس واسطے شہر کو چھوڑ دیا"۔ اوپر کا حال جو رُوسی مسافر نے محاصرے اور جنگ کا لکھا ہی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کون سی لڑائی تھی کیوں کہ اِس زمانے

[^1]: سلہ یہ دریائے تنگ بھدرا ہی جو شہر بیجانگر اور شہر آناگندی کے درمیان رواں ہی۔ پہلے زمانے میں دریا کے اِس پار اور اُس پار آبادی تھی اور دونوں ٹکڑوں کو شہر بیجانگر سے تعبیر کیا جاتا تھا اسی وجہ سے سیاح نے شہر کے بیچ سے دریا کا رواں ہونا لکھا ہی ۱۲۔

میں راے بیجانگر اور مسلمانوں سے کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ ممکن ہی کہ سیاح نے ناواقفیت سے شہر کے نام میں غلطی کی ہو اور بجاے راج مندری یا ملک تلنگانہ کے کسی مشرقی شہر کے بیجانگر لکھ دیا ہو۔

محمود شاہِ ثانی بہمنی کا حال

۸۸۷ھ مطابق ۱۴۸۲ء میں محمود شاہِ ثانی بہمنی خاندانِ بہمنیہ کا چھٹا بادشاہ تھا بارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا اُس کے زمانے میں جھگڑے ہی جھگڑے ہوتے رہے اور سلطنت کا زوال ہوگیا تمام اُمراے مُلک باغی ہوگئے اور ہر شخص نے سرکشی شروع کی اپنی اپنی جگہ سب خود مختار بن گئے سلطنت کے کَل پُرزے ڈھیلے ہوگئے اور ہر جگہ طوائف الملوکی ہوگئی۔ گورنر گوآ بھی خود مختار ہوگیا اور کئی مقامات ساحلِ سمندر پر قبضہ کرلیا دارالسلطنت میں خود آپس میں لڑائیاں پڑ گئیں ۸۹۲ھ میں محمود شاہ کے مار ڈالنے کے لیے ایک گہری سازش کی گئی جس میں حبشی اور دکھنی لوگ شریک تھے۔ یہ لوگ قلعے میں گھس گئے اور قلعے کے دروازے بند کرلیے۔ بادشاہ رات کے وقت شاہ برج نامی محل میں آرام کر رہا تھا دوسرے دن صبح کو ایک بہت بڑی لڑائی ہوئی تُرک اور مغل ایک طرف تھے اور حبشی اور دکھنی دوسری طرف دونوں فریق تین دن تک لڑتے رہے۔ لڑائی صرف اِس بات پر ہوئی کہ بادشاہ نے تُرکوں اور مغلوں کی جنبہ داری کی تھی بادشاہ نے دونوں فریقوں کو سمجھا بُجھا کر رفع دفع کردیا لیکن اِس کے بعد سب صوبے دار بدل گئے اور جو جہاں تھا مالک بن بیٹھا۔ بادشاہ کے پاس صرف شہرِ بیدر اور قریب قریب کے مقامات اور ملک تلنگانہ باقی رہ گیا۔ اب تک جو بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا ۸۸۵ھ سے وہ بھی موقوف ہوکر قاسم برید (ایلچی) کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا قاسم برید

---

[1] قاسم برید گرجی قوم کا تھا اِس کو ایامِ طفولیت میں شہاب الدین نیروی ہرات ملکِ فارس سے خرید کر لایا اور محمد شاہ لشکری کے ہاتھ فروخت کیا بادشاہ نے اِس کی بہت اچھی تربیت کی قاسم برید بہت لائق اور دانشمند تھا سلطان محمود نے اِس کو پہلے پہل بلدۂ بیدر کا کوتوال مقرر کیا رفتہ رفتہ اپنی عمدہ کارگزاری سے (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۴)

بریدنے ۸۹۷ھ میں پورا عمل دخل کرلیا۔ اور اپنی سپہ سالاری کا اعلان کردیا۔ بادشاہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۳) ۸۹۵ھ میں منصب وزارت سے سرفراز ہوا۔ وہ روز بروز سلطنت بہمنیہ کی کمزوری دیکھ کر اپنے استحکام و استقلال کی فکر میں لگا رہتا تھا دوسرے اُمرا نے اس کا غیر معمولی عُروج دیکھ کر معزول کرانے کی فکر کی وہ وزارت چھوڑ کر اپنی جاگیرات اُودگیر و اُوسہ و قندھار و کلیانی کو چلا گیا ا اُودگیر ضلع بیدر کی ایک تحصیل ہے یہ مقام سڑکِ حیدر آباد و جالنہ پر واقع ہے بیدر سے تیس کوس کا فصل ہے۔ یہاں کا قلعہ مشہور رہی جس کا حصار اور اندرونی کچھ مکانات قدیم باقی ہیں۔ قلعے کے فتح برج پر یہ کتبہ موجود ہے۔ " درعہدِ حضرت سلیمان الزمانی صاحبقرانِ ثانی شاہ جہاں بادشاہِ غازی خلد اللہ مُلکہٗ و سلطانہٗ عمدۃ الملک خاندوران بہادر نصرت جنگ بتاریخِ ہفتم شہر جمادی الاولی ۱۰۴۶ھ فتح بُرج قلعۂ اُودگیر را لقب سرائیدہ"۔ اورنگ زیب کے عہد میں یہاں کا قلعہ دار حاتم خاں تھا جس کے متعلق یہ کتبہ موجود ہے:۔

یافت در عہد شاہِ عالمگیر — قلعہ داری قلعۂ اُودگیر
کمترینِ خانہ زاد حاتم خاں — کہ پُر از اعتقاد داشت ضمیر
بود سنۂ الف و اربع و تسعین ۱۰۹۴ — کرد ایں قصرِ دل کشا تعمیر
ولدِ دوست بیگ قومِ مُغل — شدہ طیار ایں خجستہ مکان

ساختہ مرشد قلی خاں ابن دیانت خاں غرۂ محرم الحرام ۱۰۹۴ھ

قلعے کے علاوہ حُسام باغ بھی ایک عمدہ جگہ ہے جہاں اب تک عمارات دلکشا موجود ہیں۔ اور ذیل کے کتبے ہیں۔

عَلَى اللّٰهِ فِي كُلِّ اُمُوْرِيْ تَوَكُّلِيْ — وَبِالْخَمْسِ اَصْحَابِ الْعَبَاءِ تَوَسُّلِيْ
مُحَمَّدٍ نِ الْمَبْعُوْثِ وَابْنَيْهِ بَعْدَهٗ — وَفَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ وَالْمُرْتَضٰى عَلِيْ

ایضاً

صاحب قِرانِ ثانی

در زمانِ شہ آفاق ستاں — باعثِ امن و اماں شاہ جہاں
باد گیتی زسحاب فضلش — تا ابد تازہ تر از باغ جناں
ساخت باغے بفرح بخشی خلد — مظہر فیضِ حسام الدین خاں
بہر تاریخ وے از ہاتفِ غیب — باغ نو آمدہ در گوشِ واں

۱۰۵۹ھ

[illegible]

کی رہی سہی طاقت بھی سلب ہوگئی اور وہ صرف نام کا بادشاہ رہ گیا۔ بدنصیب بادشاہ

ابن نظام الدین خاں + ابن غیاث الدین علی آصف خاں

ابن آقا ملا بدیع الزماں + ابن بدرالدین حسن القزوینی

بحساب جمل باغ نویک ہزار و پنجاہ و نہ ہجری نبوی می شود و مطابق جلوس ہمایوں سنہ بست و یک

ساختم این خانہ را تا دوستے منزل کند ورنہ عاقل عمر خود کی صرف آب و گل کند

تو ان کردہ تمام عمر خود مصرف آب و گل

گر شاید یکدمے صاحب دلے در وے کند منزل

اوسہ ضلع عثمان آباد عرف نلدرگ کی تحصیل ہے۔

قندھار۔ ضلع نانديڑ میں ہے یہاں کا قلعہ بہت مشہور ہے اور تاریخی مقام ہے چنانچہ اس کی علٰحدہ تاریخ مولوی امیر حمزہ صاحب سررشتہ دار دفتر پوسٹ ماسٹر جنرل حیدرآباد نے لکھی ہے۔ کلیانی ضلع گلبرگہ میں ایک مشہور تاریخی مقام ہے اب بھی یہاں ایک نواب جاگیردار ہیں۔) خواجہ جہاں محمود گاواں کا قتل بھی قاسم برید ہی کی سازش سے ہوا جس کے بعد پھر یہ خود وزیر ہوگیا سنہ ۸۹۱ھ میں جب خاندان بہمنیہ اسی کی بدولت ختم ہوگیا تو یہ خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اس سلسلے میں حسب ذیل سات بادشاہ ہوئے۔

نشان سلسلہ	نام	سال تخت نشینی	مدت سلطنت	سال انتقال
۱	قاسم برید	سنہ ۸۹۵ھ میں وزیر اعظم ہوا	۱۵ سال	سنہ ۹۱۰ھ
۲	امیر برید	سنہ ۹۱۰ھ	۳۹ سال	سنہ ۹۴۹ھ بمقام بالاگھاٹ متصل دولت آباد (۹۰) سال کی عمر میں انتقال کیا۔
۳	علی برید	سنہ ۹۴۹ھ	۳۸ سال	سنہ ۹۸۷ھ میں بمقام رنگین محل بیدر انتقال کیا
۴	ابراہیم برید	سنہ ۹۸۷ھ	۷ سال	سنہ ۹۹۴ھ
۵	قاسم برید ثانی	سنہ ۹۹۴ھ	۴ سال	سنہ ۹۹۸ھ
۶	علی برید ثانی	سنہ ۹۹۸ھ	۱۲ سال	سنہ ۱۰۱۰ھ
۷	امیر برید ثانی	سنہ ۱۰۱۰ھ	۹ سال	سنہ ۱۰۲۰ھ اس کے بعد مرزا علی نے ۱۲ سال سنہ ۱۰۳۲ھ تک بطور نائب سلطنت کام کیا۔
			جملہ ۱۲۴ سال	

محمود شاہ ثانی عالمِ گم نامی میں زندہ رہا اور سینتیس[۳۷] سال بیس[۲۰] روز سلطنت کرنے کے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۵) بیدر سے ایک میل کے فاصلے پر بہ جانب مغرب بریدیوں کے گنبد ہیں ان میں نہایت عالی شان اور قابلِ دید گنبد علی برید شاہ کا ہی اس گنبد کے چاروں رُخ کھلے ہوے ہیں ہوا سے کوڑا کرکٹ اُڑ جاتا ہی۔ علی برید کی قبر پر ایک نہایت عمدہ سنگِ موسیٰ کے نہایت صاف پتھر کا تعویذ ہی جس کے سرہانے بہ خطِ عربی کلمہ مُنبتّت ہی۔ گنبد کے اندر چینی حروف میں اشعارِ ذیل نہایت خوش خط کندہ ہیں

ای ہم نفساں تا اجل آمد بسرِ من	اندر پاے در افتادم و خوں شد جگرِ من
وے تازہ گلے بودم اندر چمنِ باغ	امروز فرو ریخت ہمہ بال و پرِ من
یاراں و عزیزان سرِ خاکِ من آیند	از خاک بپرسند نشان و خبرِ من
گر خاکِ جہاں جملہ بہ غربال بہ بیزند	حقا کہ نیابند نشان و اثرِ من
رفتم بہ جہاں جاے کہ باز آمدنم نیست	ہم نیست امیدیکہ کس آید بسرِ من
عطار دلے دارم از درد بہ خوں غرق	حقا کہ نیاید دو جہاں در نظرِ من

***

دریغا کہ بے ما بسے روزگار	بروید گل و بشگفد نو بہار
کسانیکہ از ما بہ غیب اندر اند	بیایند و بر خاکِ ما بگزرند
تفرج کناں در ہواؤ ہوس	گزشتیم بر خاک بسیار کس
کرا جاوداں ماندن امید ماند	چو کس را نہ بینی کہ جاوید ماند

***

دامن کشاں کہ می رود امروز بر زمین	فردا غبار کالبدش بر ہوا رود
خاکت در استخواں رود ای نفس خیرہ چشم	مانند سرمہ داں کہ در و توتیا رود

***

بانی این گنبد گردوں مثال	شاہ فرخندہ برید نیکخو
مصرعۂ آخر کہ تاریخش بناست	نام گنبد قبۃ الانوار گو

کتبہ خواجگی شیرازی

بعد کثرتِ شراب خواری و عیاشی کی وجہ سے ۱۴ ذی الحجہ سنہ ۹۲۴ھ م ۲۰ دسمبر سنہ ۱۵۱۷ء کو دنیا سے

شاہِ سپہرِ مملکت دین علی برید		چوں تنگ نائے فانی دنیائے دون ہشت	
آسودہ در بہشت شد آمد ندائے غیب		تاریخ فوتش آمدہ آسودہ در بہشت ۹۸۷ھ	

خاندانِ بریدیہ کا آخر بادشاہ "امیر برید ثانی" تھا۔ اِس زمانے میں ابراہیم نظام شاہ والیِ احمد نگر کی مملکت میں انواع و اقسام کی خانہ جنگیاں اور بلوے ہو رہے تھے۔ اِن کے فرو کرنے کے لیے اُس نے امیر برید ثانی سے مدد چاہی۔ اِس کی مدد سے چند چھوٹی موٹی لڑائیوں کے بعد باغی راجہ وغیرہ دب دبا گئے اور آتشِ فتنہ و فساد فرو ہو گئی۔ اِس کے بعد امیر برید عیش و عشرت میں ایسا محو ہو گیا کہ سلطنت کے کاروبار بالکل درہم برہم ہو گئے ارکان و اعیانِ دولت نے اِس کی حرکات سے ناراض ہو کر مرزا علی نامی ایک امیر کو تخت پر بٹھا دیا امیر برید بھاگ کر بھاگ نگر میں پناہ گزیں ہوا اور آخرکار سنہ ۱۰۲۰ھ میں مرگیا۔ یہی سال خاندانِ بریدیہ کے خاتمے کا سمجھنا چاہیئے۔ مرزا علی بارہ برس تک کاروبارِ سلطنت عمدگی سے چلاتا رہا سنہ ۱۰۲۶ھ میں مرزا علی نے اپنی لڑکی بُڈھی صاحبہ کو بغرضِ استحکامِ محبت علی عادل شاہ پسر محمد عادل شاہ بادشاہِ بیجاپور کے عقد میں دیا چنانچہ شادی بڑی دھوم دھام سے شہر بیدر میں ہوئی مگر حسبِ قرارداد ضلع چِٹگوپہ لڑکی کے جہیز میں نہ دینے سے دونوں میں نفاق آگیا (چِٹگوپہ علاقہ پائیگاہ بیدر سے قریب ہی) محمد عادل شاہ نے بیدر پر فوج کشی کی اور بہ مقام گُمٹھانہ معرکہ عظیم ہوا جس میں مرزا علی اور اُس کا دوست ولی برید گرفتار ہو گئے اور بقیۃ العمر بیجاپور میں قید رہے۔ مرزا علی نے بارہ برس حکومت کی اور سنہ ۱۰۳۲ھ میں مرگیا پس خاندانِ بریدیہ کی سلطنت ۱۲۴ سال رہی اور اگر مرزا علی کا زمانہ ملا لیا جائے تو ۱۳۶ برس ہوتے ہیں سنہ ۱۰۳۲ھ کے بعد سلطنتِ بیدر خاندانِ عادل شاہیہ کے قبضے میں آگئی اور محمد عادل شاہ نے سنہ ۱۰۳۶ھ میں "سیدی ملک مرجان" کو بیدر کا صوبہ دار مقرر کیا تیس برس یہ بھی حاکم رہا سنہ ۱۰۶۶ھ میں اِس نے شاہزادہ اورنگ زیب سے دو لڑائیاں لڑیں مگر دونوں میں شکست کھائی۔ اِسی سال ایک تیسری لڑائی بھی اورنگ زیب سے ہوئی۔ لیکن جس بُرج پر ملک مرجان اُس کے بیٹے اور دوسرے عہدہ دار تھے وہ بارود سے اُڑا دیا گیا اس میں ملک مرجان نے بھی جان دی۔ یہ بُرج اِس فتح کے بعد سے "فتح بُرج" کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ اِس طرح سنہ ۱۰۶۶ھ میں بعہد شاہِ جہاں بادشاہِ دہلی بیدر کو اورنگ زیب نے فتح کیا۔ اُس وقت سے اب تک یہ شہر مسلمانوں کے قبضے میں مسلسل چلا آتا ہے۔ (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۸)

رخصت ہوا یہ بیت اُسی کی ہی۔

در بحرِ غم فتادم و امواج بے عدد
تا چند دست و پا بزنم یا علی مدد

خاندانِ بہمنیہ کے آخری بادشاہوں کا حال اور خاندان کا خاتمہ

امیر برید نے محمود شاہ کے بیٹے احمد شاہ ثانی کو ۹۲۴ھ میں تخت پر بٹھایا۔ یہ بڑا پست ہمت۔ عیش پسند اور خفیف العقل تھا۔ اگر کچھ بھی اِس میں لیاقت ہوتی تو اِس کو بہت سے ایسے مواقع حاصل تھے کہ اپنے باپ دادا کی سلطنت کو سنبھال لیتا۔ اُس وقت امیر برید کے قبضے میں صرف دو تین اضلاع اور تین چار ہزار فوج تھی۔ امیر برید نے جو غلام تھا سونچا کہ اگر میں خود بادشاہ بن جاؤں تو دوسرے ہم سرحد بادشاہ و امرا شاید گوارا نہ کریں اور کچھ شر و فساد کھڑا ہو اس لیے اُس نے حکمتِ عملی سے بادشاہانِ بہمنیہ کا نام قائم رکھا اور خود بہ تدریج بڑھتا گیا۔ جب برید نے دیکھا کہ بادشاہ شراب میں چور رہتا ہی اور عیش پسند ہی تو اُس نے ایک محل اور باغ اُس کے رہنے کو دے دیا اور شراب نوشی کا عمدہ سامان کر دیا۔ اِس کے ساتھ ہی یہ بھی اہتمام کیا کہ کوئی بادشاہ کے پاس پھٹکنے نہ پاوے۔ بادشاہ کے اخراجات کے لیے جو کچھ وہ ہاتھ اُٹھا کر دیتا تھا کافی نہ ہوا اس لیے بادشاہ نے تاجِ بہمنیہ کو جو چار لاکھ ہن کا تھا ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیچ کھایا اور اِسی بدحالی میں دو سال ایک ماہ سلطنت کر کے ۹۲۷ھ میں زہر کھا کر یا خدا معلوم اپنی موت سے مرگیا۔ اُس کے بعد امیر برید نے اِس کے بیٹے علاءالدین سوم کو تخت پر برائے نام بٹھا کر قید میں رکھا۔ امیر برید کی

(بقیۂ نوٹ صفحہ ۱۶۷) اِس کے بعد یکے بعد دیگرے (۲۹) قلعے دار مامور رہے سب سے پہلا قلعے دار افتخار خاں تھا اور سب سے آخر عبداللہ بن علی تھا جو راجہ چندو لال بہادر وزیر اعظم کے عہد میں ۱۲۵۴ھ میں مامور رہا۔ راجہ چندو لال بہادر نے ۱۲۶۲ھ میں انتقال کیا اِسی سال راجہ رام بخش فرزند راجہ چندو لال بہادر نے قلعے داری کی خدمت کو تخفیف کر دیا۔ بیدر ایک عرصے تک صوبے دار یعنی کمشنر کا مستقر رہا اور اب صرف ضلع کی حیثیت رکھتا ہی اور مملکتِ سرکارِ عالی نظام میں صوبے دارِ گلبرگہ کے تحت میں ہی ۱۲۔

سخت گیری سے بادشاہ نے تنگ آکر اُس کے مروا ڈالنے کا ارادہ کیا اور اپنے چند خدام اور سپاہیوں کو اس کام کے لیئے دیوان خانہ میں چھپا رکھا۔ امیر برید حسب معمول ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو بادشاہ کے سلام کے لیئے حاضر ہوا کرتا تھا اُس روز بھی اپنے بیٹوں اور چند ہمراہیوں جملہ تین چار آدمیوں کو لے کر دربارِ شاہی میں حاضر ہوا۔ اتفاقاً اِن لوگوں میں سے جو کہ پوشیدہ اِس کی تاک میں بیٹھے تھے ایک شخص کو چھینک آئی ہر چند اُس نے چھینک کے دبانے کی کوشش کی لیکن رُک نہ سکی امیر برید نے پہچان لیا کہ چھینک کس اجنبی کی ہے۔ فوراً مکان سے باہر نکل آیا اور ایک بڑھیا عورت کو جو وہیں تھی بُلا کر پوچھا کہ سچ بتا محل کے اندر کون ہے چھینک کی جو آواز آئی تھی وہ بادشاہ کی نہ تھی۔ بڑھیا نے کہا کہ مجھے کیا خبر امیر برید نے خواجہ سراؤں کو محل کے اندر گھسا دیا اور سب پوشیدہ حال معلوم ہو گیا اور جتنے لوگ اندر چھپے بیٹھے تھے اُن کو باہر کھینچوا کر سخت تکلیفیں دے کر مروا ڈالا۔ اُسی وقت سے سلطان علاء الدین پر اور زیادہ سختی کرنے لگا اور دو سال تین مہینے کی بادشاہت کے بعد معزول بھی کر دیا جو آخر کار ۹۲۹ھ میں انتقال کر گیا۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ بے چارے کی تقدیر ہی پلٹ گئی تھی جو ذرا سی بات میں بساط اُلٹ گئی ؎

جہاں بہ گشتم و در د اکہ ہیچ شہر و دیار
نیافتم کہ فروشند بخت در بازار

اُس کے بعد سلطان ولی اللہ بہمنی بن سلطان محمود شاہ کو برائے نام بادشاہ بنایا اِس بے چارے نے تین سال تک جو امیر برید نے دیا اُسی پر قناعت کی لیکن اپنے بھائی کی طرح اِس نے بھی امیر برید کے مروا ڈالنے کا ارادہ کیا مگر راز فاش ہو گیا اور اِس کی خبر امیر کو پہنچ گئی اُس نے فوراً بادشاہ کو قید کر دیا اور بادشاہ کی منکوحہ سے سازش کر کے آخر کار اُس کا کام تمام کرا دیا اور پھر اُس عورت کو بھی اپنے پاس رکھ لیا۔

رباعی

گُل صبح دمے بخود بر آشفت و بریخت	با بادِ صبا حکایتے گفت و بریخت
بد عہدیِ دہر بیں کہ گُل در ہر روز	سر بر زد و غنچہ کرد و لشگفت و بریخت

اِس کے بعد شاہ ولی اللہ کے چھوٹے بھائی کلیم اللہ بہمنی کو جو یوسف عادل شاہ کا بھانجا تھا
۹۳۱ھ میں تخت پر بٹھا دیا۔ یہ آخری بادشاہ خاندانِ بہمنیہ کا تھا اس کو بھی امیر برید نے
قید میں رکھا۔ شاہ کلیم اللہ نے اِس سختی سے تنگ آکر ۹۳۳ھ میں اپنی داستانِ مصیبت
خفیہ طور پر بذریعۂ عرضی ظہیرالدین بابر بادشاہِ دہلی کی خدمت میں بھیج کر استمداد چاہی

۵۷ بابر شاہنشاہ نے ۱۵۲۶ء سے ۱۵۳۰ء تک سلطنت کی ہے۔ بابر کی عمر چالیس سال کی تھی اور اُس کی فوج
کی تعداد تیرہ ہزار تھی مگر اِس میں ہر ایک سپاہی صدہا لڑائیاں لڑ چکا تھا اور اپنے سردار کا ساتھ دینے کے
لیے مرتے دم تک طیار رہتا تھا۔ بابر نے بڑی بہادری سے پنجاب کی طرف کوچ کیا اور وہاں سے ہوا اور بجلی کی طرح
بڑھتا ہوا دہلی کے قریب جا پونہچا۔ ابراہیم لودھی دہلی سے ایک لاکھ سپاہ لے کر اُس کے مقابلے کو نکلا اور
بمقام پانی پت ۱۵۲۶ء میں بڑی بھاری لڑائی ہوئی جس میں ابراہیم خود اور اُس کی فوج کے بیس ہزار (۲۰۰۰۰)
سوار میدانِ جنگ میں کام آئے۔ اِس لڑائی کے بعد بابر دہلی کا بادشاہ ہوگیا۔ اُس وقت ہند میں مسلمانوں
کی پانچ سلطنتوں کے علاوہ راجپوتوں کی سلطنتیں بھی بڑے زور پر تھیں جن کا سردار راجہ سنگا نامی تھا
ان راجپوتوں نے بابر پر حملہ کیا مگر بابر نے بڑی بھاری شکست دی حتیٰ کہ تین سال کے اندر ہی اندر بابر اور اُس
کے بیٹے ہمایوں نے تمام شمالی ہندوستان کو فتح کر لیا۔ اب تک جتنے مسلمان بادشاہوں نے ہند پر حکومت کی
تھی اُن سب سے بابر اچھا بادشاہ تھا۔ لفظ بابر کے معنی شیر کے ہیں اور درحقیقت بابر شیر کے مانند بہادر اور مضبوط
بھی تھا۔ وہ دو لمبے لمبے آدمیوں کو بغلوں میں داب کر ایک بڑی دیوار کے اوپر دوڑتا ہوا چل سکتا تھا وہ
ہر ایک دریا کو جو رستے میں ملتا تیر کر عبور کرتا تھا اور اکثر گھوڑے پر سوار سو سو میل روزانہ چلا جاتا تھا گو
وہ جنگ کو پسند کرتا تھا مگر بے رحم نہیں تھا اور اُن آدمیوں کو جو لڑنا نہیں چاہتے یا لڑ نہیں سکتے تھے نہیں مارتا
تھا۔ وہ ہندوستان میں لوگوں کو قتل کرنے مندروں کو مسمار کرنے اور ملک کو لوٹنے نہیں آیا تھا بلکہ ایک دانشمند
بادشاہ کی طرح حکومت کرنے آیا تھا۔ وہ قول کا بڑا سچا تھا اُس نے کبھی کوئی رذیل کام نہیں کیا تھا۔ وہ ہمیشہ
خوش دل رہتا تھا۔ اپنی سوانح عمری میں جو اُس نے اپنی قلم سے لکھی ہے یہ لکھتا ہے کہ شکست کھا کر میں نے کبھی
کامیابی کی اُمید نہیں چھوڑی اور کبھی بیکار نہیں رہا وہ ایک دوسری جگہ لکھتا ہے کہ انسان وہ کام کیوں کر
کرسکتا ہے جو اُس کی موت کے بعد اُس کو بدنام کرنے والا ہو۔ بابر ہند میں بہت سال زندہ نہیں رہا (بقیہ برصفحہ آئندہ)

لیکن وہاں سے کچھ جواب نہ ملا اور یہ راز بھی کھل گیا۔ بادشاہ سمجھا کہ اب جان کی خیر نہیں ہی مجبوراً ۹۳۲ھ میں بیجاپور بھاگ گیا وہاں بادشاہ کے ماموں اسمٰعیل عادل شاہ نے اُس کو کچھ مدد نہ دی ناچار برہان نظام شاہ بحری کے پاس احمد نگر کو پہنچا وہ اعزاز و اکرام سے پیش آیا اور ارادہ کیا کہ اُس کو امداد دے کر سلطنت بیدر پر پھر قابض کرا دے۔ جب کبھی شاہ کلیم اللہ بادشاہِ احمد نگر کی مجلس میں جاتا تو ادب سے اُس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا رہتا تھا۔ اُسی مجلس میں ایک بزرگ شاہ طاہر تھے اُنھوں نے جب یہ حال دیکھا تو شاہ کلیم اللہ کو سرزنش و ملامت کی اور کہا کہ دُنیا کی چند روزہ حکومت کے لیئے تم نے ایسی ذلت اختیار کی ع ہر کسے پنج روزہ نوبتِ اوست۔ ابھی چند روز ہوے کہ تم خود بادشاہ تھے اور تمھارے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ نہایت افسوس اور شرم کی بات ہی کہ اب تم ایک دوسرے بادشاہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہو جو حمیت سے بہت بعید ہی۔ یہ بات سُن کر احمد نگر کے بادشاہ نے پھر کلیم اللہ کو اپنی مجلس میں نہیں بُلوایا اور کلیم اللہ کچھ ایسا بحرِ خجالت میں غرق ہوا کہ زہر کھالیا یا اجلِ طبعی آگئی اور احمد نگر ہی میں انتقال کیا اُس کا تابوت بیدر میں لا کر دفن کیا گیا اور ۹۳۸ھ میں خاندانِ بہمنیہ کا خاتمہ ہوا۔

قطعہ

بہ ہست و نیست مرنجاں ضمیر و دل خوش دار	کہ نیستی ست سرانجام ہر کمال کہ ہست
ازیں رباطِ دو در چوں ضرورت است رحیل	رواقِ طاقِ معیشت چہ سر بلند و چہ پست

خاندانِ بہمنیہ ٹوٹ کر ملک دکن میں پانچ سلطنتیں جُدا جُدا حسب ذیل قائم ہوگئیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) جب وہ دہلی پر چار سال سلطنت کر چکا تو اُس کو بیماری شروع ہوئی اور اپنے بیٹے ہمایوں پر جو بہت بیمار تھا صدقے ہو کر چار باغ (متصل آگرہ) میں ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء کو دُنیا سے رُخصت ہوا۔ بحساب ہجری ۵ جمادی الثانیہ ۹۳۷ھ یوم دوشنبہ کو اُس نے انتقال کیا اور حسبِ وصیت خود شہر کابل سے بہ فاصلہ ایک میل قدم گاہِ رسول میں مدفون ہی "بہشت روزی باد" تاریخ

(۱) عادل شاہی ملک کرناٹک میں جس کا دارالسلطنت بیجاپور تھا۔

ط ۵ ۱۴۸۹ء سے ۱۶۸۶ء تک ملکِ دکن میں سب سے بڑا شہر بیجاپور تھا بادشاہانِ عادل شاہی کا پایۂ تخت تھا - اس خاندان میں بہ لحاظِ عماراتِ موجودہ یوسف عادل شاہ (۱۴۸۹ء تا ۱۵۱۰ء) ابراہیم عادل شاہ ثانی و محمد عادل شاہ (۱۶۲۶ء تا ۱۶۵۶ء) یہی تین بڑے نامور اور مشہور بادشاہ ہو گزرے ہیں - محمد عادل شاہ کا بڑا بھاری گنبد جو بول گنبد کے نام سے مشہور ہے قابلِ دید عمارت ہے - اس کا قبہ دنیا کے تمام قبوں سے زیادہ بڑا ہے جس کے اندر ۱۸۱-۹۳۵ مربع فٹ کا عرصہ ہے - قبے کا اندرونی قطر ۱۲۴ فٹ (۵) انچ ہے - قبے کا آثار دس فٹ اور قبے کی چندیا کا آثار (۹) فٹ ہے - قبے کی بلندی ۱۹۸ فٹ چھ انچ ہے اور چبوترہ ملا کر ۲۰۶ فٹ چھ انچ - اس گنبد میں سب سے انوکھی بات یہ ہے کہ قبے کے اندر چاروں طرف برآمدہ بنا ہوا ہے اور وہاں آواز اس قدر گونجتی ہے کہ ایک تالی بجاؤ تو دس مرتبہ ٹکرا کر دس تالیوں کی آواز آتی ہے - کیسے بھی آہستہ بات کرو تو قبے کے دوسرے سرے پر صاف سنائی دیتی ہے - اس واسطے اسے Whispering galary کہتے ہیں اور گنبد کو بھی بول گنبد اور بعض گول گنبد بھی کہتے ہیں - وفات کی تاریخ ۱۰۶۷ھ م ۱۶۵۶ء ہے جو اُن فقروں سے نکلتی ہے جو مقبرے کے دروازے کے اندرونی رُخ پر کندہ ہیں -

عاقبت محمد محمود شد + سلطان محمد جنت آشیانی + محمد شہ دار السلام شد

محمد عادل شاہ ہی نے آثار محل بنوایا جس میں موئے مبارک حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہیں جو محمد صالح ہمدانی لائے تھے اور ان ہی کی برکت سے یہ محل مسمار ہونے سے محفوظ رہا - اسی میں ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جو امتدادِ زمانہ سے تلف ہوا - بچی کھچی مذہبی کتابیں ۱۸۴۳ء میں انڈیا آفس کو بھیج دی گئیں - شرزہ بُرج پر مشہور توپ ملکِ میدان ہے جس کا ذکر ہم کسی دوسری جگہ کر چکے ہیں - فصیل کا دَور ۶¼ میل ہے اور متعدد دروازے اور بُرج ہیں جو سب قابلِ دید ہیں - عادل شاہ اول نے جو آب رسانی کے حوض اور نل وغیرہ بنواے ہیں وہ اب تک موجود ہیں اور اُس زمانے کے اعلےٰ درجے کی انجینیری کو ثابت کرتے ہیں - اس بڑی بھاری اسکیم کا خزانہ موضع تاروی میں ہے جو بیجاپور سے (۳) میل کے فاصلے پر ہے - مہتر محل بھی قابلِ دید ہے کہ اس کے دروازے میں پتھر کی گُل کاری کی ایسی صناعی کی ہے کہ پتھر کو موم بنا دیا ہے مہتر محل کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ابراہیم عادل شاہ کو برص کا مرض ہو گیا تھا منجموں نے بادشاہ سے کہا کہ آپ علی الصباح شہر کے دروازے کے باہر جائیں اور جو شخص پہلے ملے اُسے بہت بڑی رقم بطور خیرات دیں (بقیہ نوٹ برصفحہ آیندہ)

(۲) نظام شاہی۔ ملکِ مرہٹواڑی میں جن کا دارالسلطنت احمد نگر تھا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۷۲) تو آپ کو آرام ہو جائے گا اتفاق سے کوئی بہتر ملا آسے اِس قدر زرِ خطیر یکایک مل جانے سے اُس نے محل اور ایک مسجد بنوا دی۔ بیجاپور کی جامع مسجد بھی ایک بڑی بھاری بے نظیر عمارت ہی۔ ملکِ دکن میں اتنی بڑی اور ایسی خوش نما کوئی مسجد نہیں ہی۔ مسجد کی وسعت ۱۱۷۳۰۰ مربع فٹ ہی۔ اِس کا قبہ نہایت خوش نما اور سڈول اور باقاعدہ بنا ہوا ہی۔ ۲۲۵۰ جانمازیں خاص مسجد کے قبوں کے اندر ہیں۔ برآمدے اور مسجد کے دونوں جانب کے مکانات اِس کے سوا ہیں۔ اِس مسجد کی تعمیر علی عادل شاہ اوّل کے زمانے میں ۱۵۳۷ء میں شروع ہوئی محراب کی آراستگی اور سنہری کام وغیرہ سب سلطان محمد کے زمانے میں ہوا ہی یہ محراب منبر کے پاس ہی اور اُس کے سامنے ایک بڑا بھاری پردہ پڑا رہتا ہی جب وہ ہٹایا جاتا ہی تو خدا کی قدرت نظر آتی ہی کہ کیسی صناعی کی گئی ہی۔ کلمہ۔ احادیث۔ اسمائے حسنیٰ۔ آیاتِ قرآنی نہایت خوش خطی سے مُنبت لکھے ہوئے ہیں اور سنہری کام بڑی لطافت سے کیا گیا ہی۔ ملک یعقوب نے ۱۰۴۵ھ م ۱۶۳۶ء میں اِس بے نظیر محراب کو طیار کیا۔ یوں تو بہت سی عبارت اِس عالی شان محراب پر لکھی ہوئی ہی مگر دو شعر قابلِ ملاحظہ ہیں ؎

	بر قصرِ عمر تکیہ مکن استوار نیست		در دار بے قرار کسے را قرار نیست	
	خوش منزلیست رونقِ دنیا بچشمِ ما		خوش دولت ست عمر ولے پائدار نیست	

سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کا روضہ شہر کے مغرب میں بیرونِ مکہ دروازہ قابلِ دید ہی اِس کی بے نظیر عمارت کے علاوہ جو بہت خوش نما ہی جا بجا آیاتِ قرآنی کلمہ احادیث اشعار آبدار بہ کثرت لکھے ہوئے ہیں اِس میں اِس ترتیب سے مشرق سے مغرب کی طرف چھ قبریں ہیں۔

(۱) تاج سلطانہ۔ بیگم ابراہیم بادشاہ
(۲) حاجی بڑی صاحبہ۔ والدہ ابراہیم بادشاہ
(۳) ابراہیم جگت گیر۔ خود بادشاہ
(۴) زہرہ سلطانہ۔ دخترِ بادشاہ
(۵) درویش بادشاہ۔ صاحبزادۂ بادشاہ
(۶) سلطان سلیمان۔ صاحبزادۂ بادشاہ

تہ خانہ جس میں اصلی قبریں ہیں ۳۹ فٹ ۱۰ انچ مربع ہی۔ اس عمارت پر ڈیڑھ لاکھ ہُن جو قریب ساڑھے دس لاکھ روپے کے ہوتے ہیں صرف ہوا ہی۔ چنانچہ صرف دو کتبے ہم نقل کرتے ہیں۔ ؎

	در عجب ماند آسماں از ارتفاعِ ایں بنا		سر بر آورد از زمیں گویہ مگر چرخے جدا	
	روضۂ فردوس از یں روضہ طراوت بردہ وام		ہر ستونش در لطافت سروے از باغِ صفا	

(۳) قطب شاہی۔ ملک تلنگانہ میں جن کا بانی محمود قلی قطب شاہ تھا۔ اور دارالسلطنت گول کنڈہ تھا +

(۴) عماد شاہی۔ ملک برار میں جن کا دارالسلطنت ایلچ پور تھا۔

(۵) بریدشاہی۔ جن کا دارالسلطنت احمد آباد بیدر تھا۔

خاندانِ عادل شاہیہ بیجاپور کا سب سے پہلا بادشاہ یوسف عادل شاہ تھا جس نے ۱۴۸۹ء میں علیحدہ سلطنت قائم کی۔

اس زمانے میں بیجانگر میں بھی میدان خالی تھا نرسہواں راے نے تخت پر بیٹھ کر ایک نئے اور طاقتور خاندان کی بُنیا ڈڈالی۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۷۳)	بہرِ تاریخش صلا دادہ ملک زاوجِ فلک		یادگارِ تاج سلطاں ایں بناے دل فزا ۱۰۳۶ھ م ۲۶ ۱۶۲۶ء
	بنا فرمودہ روضہ تاج سلطاں		کہ خلد اندر صفاتش ماند حیراں
	نمودہ خرج آں یک نیم لک ہوں		وے نہ صد دگر خم گشتہ با آں
	بحسن اہتمام ایں کار روضہ		ملک صندل رسانیدہ بپایاں

اِس کے علاوہ اور بہت سی عمارات۔ مقابر۔ مساجد قابلِ دید ہیں خصوصاً چینی محل۔ آنند محل۔ گگن محل۔ عدالت محل آرایش محل۔ سات منزلی۔ مساجد میں مکہ مسجد۔ انڈو مسجد۔ زنجیری مسجد۔ ملکہ جہاں کی مسجد۔ بخارا مسجد۔ زمرد مسجد۔ ملک صندل کی مسجد۔ یاقوت دابُلی کی مسجد۔ ملک کریم الدین کی مسجد۔ علی شاہد پیر کی مسجد پنج وقتی مسجد۔ تاج باولی۔ چاند باؤلی۔ حیدر برج۔ شرزہ برج۔ لنڈا قصاب کا برج اور توپ۔ بڑی کمان۔ دکھنی عیدگاہ۔ فضل خاں کا مقبرہ۔ مقبرہ شاہ نواز خاں عین الملک کا مقبرہ۔ مقبرہ جہاں بیگم وغیرہ اور بہت سی درگاہیں اور بزرگانِ دین کے مقابر مثلاً مقبرہ شاہ کریم الدین محمد قادری۔ مقبرۂ پیر شیخ حمید قادری۔ درگاہِ حضرت خواجہ امین الدین پسر شاہ برہان الدین۔ بیگم تالاب۔ نورس پور گُھنکی۔ سرائے محمد مصطفےٰ خاں لاری غرض بیسیوں مقامات قابلِ دید ہیں۔ اولیاے کرام کی گنتی نہیں۔

گر اکسیر سرور و سور سازند ۔۔۔ زخاکِ پاکِ بیجاپور سازند

بیجاپور کے حالات لکھنے کے لیئے ایک جداگانہ کتاب درکار ہے یہاں مختصراً ایک خاکہ کھینچ دیا ہے:۔

ازنقش و نگارِ در و دیوارِ شکستہ ۔۔۔ آثار پدیداست صنادیدِ عجم را

نواں باب

راجگانِ خاندانِ ثانی

من ابتدائے سنہ ۱۴۹۰ء تا سنہ ۱۵۰۹ء

نرسہنواں کا سلطنت پر غاصبانہ قبضہ کرنا

سیول صاحب نے اپنی کتاب "حالاتِ خاندان ہائے جنوبی حصۂ ہند" کے صفحہ (۱۰۶) میں لکھا ہے کہ "یہاں سے بیجانگر کے خاندانِ دوم یا خاندانِ نرسہنواں کا زمانہ شروع ہو گیا۔ اِس خاندان کے فرماں روا جنوبی حصۂ ملکِ ہند کے سب راجاؤں اور بادشاہوں سے جو اِس وقت تک گزرے تھے طاقتور تھے"۔ ڈاکٹر برنل نے نرسہنواں کی سلطنت کا آغاز سنہ ۱۴۹۰ء سے بتلایا ہے۔ اب تک جو کتبے معلوم ہوئے ہیں اُن سے بھی اِس کی تصدیق ہوتی ہے لیکن بشپ کالڈول اپنی کتاب "تاریخِ تناولی" کے صفحے (۴۸) میں اِس سلطنت کے آغاز کا زمانہ سنہ ۱۵۰۸ء لکھتے ہیں۔ اِن دونوں میں سے کوئی بات محقق طور پر معلوم نہیں ہوتی اِن وجوہ سے اِس خاندان کے ابتدائی حالات بالکل تاریکی میں ہیں"

اگرچہ نیونز نے ابتدائی سولھویں صدی کے حالات واقعات کے پچاس ساٹھ سال کے بعد قلم بند کیے ہیں لیکن اُن کی صحت پر بھی بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ نیونز نے

لکھا ہی کہ" ویر پاکش راے کم زور اور نا اہل راجہ تھا جس کے عہد میں بڑے بڑے مقامات مثل بندر گوآ و چال و دابُل مسلمانوں نے فتح کر لیے" یہ بات بلحاظ تاریخ کے بھی صحیح ہی "ویر پاکش راے مطلق العنان سنگ دل اور مختل الحواس تھا اُس کو سواے عورتوں کی صحبت اور شراب خواری کے کچھ کام نہ تھا" اِس کی ان حرکاتِ ناشائستہ سے تمام مُلک میں شورش اور بغاوت پھیل گئی آخر وہ اپنے بڑے بیٹے کے ہاتھ سے مارا گیا اور پھر اُس کے بڑے بیٹے کو اُسی کے بھائی پڑیا راؤ نے مار ڈالا۔ پڑیا راؤ بھی اپنے متوفی باپ کی ناعاقبت اندیشی اور حماقتوں کا ایک نمونہ تھا۔ اِن وجوہ سے اِس خاندان کے بادشاہوں سے عام ناراضی پھیل گئی نیتجہ یہ ہوا کہ اُمرا نے بغاوت کی اور راجہ کو معزول کیا اور اپنے لوگوں میں سے نرسِہواں راؤ کو منتخب کر کے تخت پر بٹھایا۔ نیونز نے اِن آخری واقعات کو واضح طور پر لکھا ہی کہ نرسِہواں کا سردارِ فوج جب شہر کے پاس پُہنچا تو دروازوں کو محافظوں سے خالی پاکر بلا روک ٹوک محلات میں گھسا۔ حتّیٰ کہ زنانے میں گھُس کر بعض عورتوں کو قتل کیا اُس وقت ڈرپوک راجہ بھاگ نکلا۔" اِس کے بعد نرسِہواں راجہ بنایا گیا اور چوں کہ وہ بہت طاقتور اور رعایا کو عزیز تھا اِس واسطے سلطنتِ بِسنگا کا نام آیندہ سے سلطنت نرسنگا رکھا گیا۔" خاندانِ معزول سے یہ بات اب تک پورے طور پر نہیں کھُلی کہ نرسِہواں کا کیا رشتہ تھا۔ نرسِہواں "سالو" خاندان کا ایک شخص تھا کتبوں اور اُس زمانے کی کتابوں میں اِس خاندان کے طاقتور اور نامور لوگوں کے نام موجود ہیں۔ رکنش دیو راے کے وزیر کا نام "سالو تما" تھا جو اِسی خاندان کا تھا اور جس کا ذکر آگے چل کر جا بجا آے گا۔ سکتے ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۴۷۳ع میں نرسِہواں کو ایک بڑا حاکم وقت لکھا ہی اور ایک دوسرے کتبے ۱۴۸۲و۱۴۸۳ع میں بھی ایسا ہی لکھا ہی البتہ ۱۴۹۵و۱۴۹۶ع کے ایک کتبے میں اِس کو مہاراجہ لکھا ہی۔ اگرچہ صحیح

سلہ نرسِہواں کے خطابات یہ کندہ ہیں "مہامنڈلیسور رَمَڈینسو رگنڈن گتاری سالو دَھرنی وَرَاہا نرسِہواں رایا اُددے یار" لیکن یہ راجاؤں کے خطابات نہیں ہیں ۱۲

تاریخ نرسہواں کے غاصبانہ قبضے کی اور یہ امر کہ خاندانِ معزول سے اُس کا ٹھیک ٹھیک رشتہ کیا تھا معلوم ہونا ایک مشکل امر ہی تاہم یہ بات بالکل متحقق ہی کہ اِسی زمانے میں نرسہواں راجہ ہوا اور اُس نے اپنی اور اپنی فوج کی قوت سے مسلمانوں کی مداخلت کو روکا اور سلطنتِ بیجانگر ایک مرتبہ پھر اِس کی عہد حکومت میں مستحکم ہوگئی۔ تاریخ فرشتہ میں اِس زمانے کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں وہ نیونز کے بیان سے بالکل مغائر ہیں اِس وجہ سے معاملات خلط ملط ہو کر اور ایک مشکل کا سامنا ہو گیا ہی۔ اِس خاندان کے راجگان نرساو نرسہواں۔ کشن دیو رائے۔ اچوتیا۔ اور سداسیو کے متعلق جو کہتے ہیں وہ بھی باہمی مختلف ہیں اِن سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اِن لوگوں کے بایکدیگرے کیا قرابت تھی لیکن اِس خاندانِ ثانی کے جو واقعاتِ تاریخی صحیح و متفق علیہ پائے گئے ہیں وہ مختصراً بیان کیے جاتے ہیں خاندان معزول کی حکومت سنہ ۱۴۹۰ء کے قریب تک رہی۔ کشن دیو رائے ۱۵۰۹ء میں تخت نشین ہوا اُس وقت تک نرسہواں اور ویر نرسہواں مالکِ سلطنت رہے کشن دیو رائے کے بعد سنہ ۱۵۳۰ء میں اچوتیا اور پھر ۱۵۴۲ء میں سداسیو تخت پر بیٹھے۔ راجہ اچوتیا اپنے بھائی رام راج کے ہاتھ میں (جو اپنے تینوں بھائیوں میں سب سے بڑا تھا) بالکل قید تھا۔ رام راج شروع شروع تو اچوتیا کا وزیر بن کر رہا لیکن بعد میں خود مختار ہو گیا۔ دوسرے بھائیوں کے نام ترمل راج اور ونکٹادری تھے یہ تینوں بھائی اِس سلطنت پر ۱۵۶۵ء تک حکمران رہے۔ اِس کے بعد دکن کے پانچوں مسلمان بادشاہوں نے مل کر تالی کوٹہ پر جنگ کی اور دارالسلطنتِ بیجانگر کو جڑ سے صاف کر دیا۔ اِس نئے خاندان کے قیام میں نیونز اور فرشتہ دونوں کے بیانات ایسے مختلف ہیں کہ کوئی بات ٹھیک سمجھ میں نہیں آتی لیکن بہ نسبت فرشتہ کے نیونز کا بیان ہم کو زیادہ صحیح معلوم دیتا ہی کیوں کہ اُس نے ۱۵۳۵ء زمانہ سلطنتِ اچتیا راے میں اپنے وقائع لکھے تھے جب کہ وہ خود دارالسلطنت بیجانگر میں رہتا تھا اور اُس کا ذریعہ اطلاع خود اہلِ ہنود تھے جن سے زمانہ قریب میں اُس نے واقعات نقل کیے ہیں برخلاف اس کے فرشتہ نے ایک زمانے کے بعد ۱۶۰۰ء میں جو حالات قلم بند کیے ہیں وہ خود

اُس کے چشم دید نہیں ہیں نہ وہ بیجانگر میں رہتا تھا بلکہ وہ اِس زمانے میں نظام شاہ بادشاہِ احمد نگر کے دربار میں تھا۔ نیونز نے جو مختلف سلطنتوں کی مدت تبلائی ہے وہ البتہ درست نہیں ہے اور نہ اُس کی مطابقت کسی دوسرے ذرائع سے جو زیادہ معتبر ہیں ہوتی ہے۔

پچھلے راجہ کا فرار ہونا

نیونز نے لکھا ہے کہ ویرپاکش راؤ کا بیٹا پُرٹیا راؤ جو پُرانے خاندان کا آخری شخص تھا نرسہواں راؤ کے تخت پر قابض ہونے کے بعد دارالسلطنت چھوڑ کر بھاگ گیا۔ نرسہواں راؤ نے (۴۴) سال سلطنت کی اور دو لڑکے چھوڑ کر مرگیا یہ دونوں لڑکے بوجہ کم عمری کے سلطنت کے لائق نہ تھے ناچار نرسہواں راؤ نے اپنی سلطنت نرسانایک وزیر کے سپرد کی جس نے دونوں بچوّں کو مروا ڈالا۔ نرسانایک اپنی زندگی تک سلطنت پر قابض رہا۔ لیکن کتنے دنوں اِس نے سلطنت کی کچھ پتا نہیں چلتا۔ نرسانایک کا بیٹا ببل راؤ جانشین ہوا اور اُس نے چھ برس سلطنت کی اس کی جگہ اس کا بھائی شہو کشن دیوراے تخت نشین ہوا یہ تو ہم کو معلوم ہے کہ کشن دیوراے نے سنہ ۱۵۰۹ء میں سلطنت شروع کی اِس حساب سے ببل راؤ کا زمانہ تخت نشینی سنہ ۱۵۰۳ء قرار پاتا ہے۔ اگر نرسانایک کی حکومت کا زمانہ محض بطور اندازہ (۵) سال ٹھیرایا جاے تو سنہ ۱۴۹۸ء میں اُس کا تخت نشین ہونا ٹھیرتا ہے اور نرسہواں راے کی چوالیس سالہ سلطنت کی ابتدا سنہ ۱۴۵۴ء میں ہوگی لیکن یہ زمانہ دیوراے دوم کے بیٹے ملکارجن کی سلطنت کا ہوتا ہے۔ شاید ایسا ہوا ہو کہ نرسہواں راے کی سلطنت کی مدّت میں اُس کی وزارت کا زمانہ بھی شامل کرلیا گیا ہو اور حقیقی زمانہ اُس کی بادشاہت کا الگ نہ بتلایا گیا ہو مگر یہ سب قیاس ہی قیاس ہے۔ بقولِ فرشتہ سنہ ۱۴۸۲ء میں چند روز قبل انتقال محمد شاہ بہمنی کے بیجانگر کا راجہ سیوراے نامی کوئی شخص تھا۔ نیز بادشاہِ بیجاپور عادل شاہِ اوّل کے ذکر میں فرشتہ نے لکھا ہے

کہ عادل شاہ کے مدِ مقابل قاسم برید نے سنہ ۱۴۸۹ء میں وزیر مملکتِ بیجانگر سے امداد طلب کی تاکہ عادل شاہ کی بڑھتی ہوئی طاقت کی روک تھام کرے۔ راے بیجانگر تو بچہ تھا اس لیے ہیم راج وزیر نے سنہ ۸۹۵ھ م سنہ ۱۴۸۹ء میں لشکر

نتیجے کر ُدگل اور رایچور تک دبا لیا۔ غالبًا ہیم راج نرسہواں راجہ یا نرسا عرف ویر نرسہواں کا ہی نام تھا۔ اِن ہی واقعات کو مورخ فرشتہ نے دوسرے پیرائے میں بھی لکھا ہی کہ عادل شاہ کو جب ہندوؤں کے باہمی اختلافات کا حال جو دارالسلطنت میں ہوئے تھے معلوم ہوا تو اُس نے ۹۳۳ھ ۱۴۹۳ع میں رایچور پر چڑھائی کی۔ ہیم راج بھی دارالسلطنت کے جھگڑے رفع دفع کرکے کم عمر راجہ کو لے کر رایچور پونہچا۔ دونوں میں لڑائی ہوئی۔ لیکن ہیم راج کو شکست ہوئی اور بے چارہ نوجوان راجہ ہلاک طور پر زخمی ہوا اور وہ گھر بھی نہ پونہچنے پایا تھا کہ رستے ہی میں مرگیا۔ ہیم راج کو موقع ملا اُس نے سلطنت پر خود قبضہ کرلیا۔ تاریخ فرشتہ میں اَور دو جگہ پچھلے خاندان کے خاتمے اور ہیم راج کی جانشینی کی نسبت لکھا ہی۔ پہلی روایت یہ ہی کہ "سب سے پہلا غاصب ہیم راج ہی تھا اُس نے کم عمر راجہ بیجانگر کو جو سیو رائے کا بیٹا تھا زہر دے کر مار ڈالا اور اُس کے صغیر سن بھائی کو برائے نام راجہ مقرر کیا جس کو کٹھ پتلی کی طرح نچاتا تھا اور بہ تدریج اُس کی طاقت کو گھٹاتے گھٹاتے آپ خود مختار اور مالک بن بیٹھا"[1] دوسری جگہ لکھا ہی کہ وہ ریاست بیجانگر ایک ہی خاندان میں سات سو برس سے مسلسل چلی آتی تھی سیو رائے کے مرنے کے وقت اِس کا نابالغ بیٹا جانشین ہوا وہ بہت دن زندہ نہ رہا اور اپنے چھوٹے بھائی کے لیے تخت خالی کردیا۔ اِس بے چارے نے بھی باغِ زندگی کی سیر نہ کی اور چرخِ ستمگار نے بادشاہت کا حظ نہ اُٹھانے دیا کہ یہ بھی چل بسا۔ اِس کے بعد صرف تین مہینے کا بچہ جانشین ہوا۔ ہیم راج اِس خاندان کا قدیم وزیرِ اعظم تھا جو دانائی اور فراست و تجربے میں مشہورِ خلائق تھا یہی حقیقی فرماں روا بنا اور چالیس سال تک اِسی دَور دَورہ[2] سے رعایا پر ایسا نے بخوشی اس کی اطاعت قبول کی۔ جب راجہ جوان ہوا تو اُسے زہر دے کر اِسی نے اُس کا خاتمہ کردیا اور راجہ کے خاندان کے ایک شیر خوار بچے کو برائے نام تخت پر بٹھا کر پھر اپنی حکومت کو برقرار رکھا۔ ہیم راج کے مرنے کے بعد اُس کا

---

[1] اِس سے نیونز کے بیان کی تصدیق ہوتی ہی جس نے وہ پاکشائے دو کم سن بچوں کا ذکر کیا ہی ۱۲

[2] یہ بھی نیونز کے بیان کے مطابق ہی جہاں اُس نے نرسہو وزیر اور دو کم سن راجہ زادوں کا ذکر کیا ہی ۱۲

بیٹا رام راج جانشین ہوا جو سیورلے کا داماد تھا اور اِس وجہ سے اُسے اَور بھی زیادہ عروج ہوا"۔ ۱۵۳۰ء کے واقعات میں فرشتہ نے لکھا ہی کہ "ہیم راج ایک دیرینہ اور تجربے کار وزیر کے انتقال اور رام راج کے جدید العہد ہونے سے بیجانگر کے انتظامات میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا" اِس جُملے سے معلوم ہوتا ہی کہ مسلمان مورّخ نے ہیم راج یا تیم راج ہی کو بزمانۂ سلطنت نرسہواں۔ نرسا یا وزیر نرسہواں یا کشن دیورائے کے (آخر الذکر راجہ نے ۱۵۳۰ء میں انتقال کیا) اصلی راجہ و حاکم وقت سمجھا ہی۔ ہمارے خیال میں مورّخ کو ہندوانی ناموں میں مغالطہ ہوا ہی سالو تِما (جو نرسا اور کشن دیورائے کا طاقت ور وزیر تھا) کو اور نرسہواں اور نرسا تینوں شخصوں کو ایک ہی سمجھ لیا ہی۔ فرشتہ نے ۱۵۳۰ء سے (جو اچیتا کی تخت نشینی کا سال ہی) ۱۵۶۵ء تک بیجانگر کے راجہ کا نام رام راج ہی لکھا ہی۔ اگرچہ نیونزا اور فرشتہ کے بیانات میں ناموں اور تفصیل میں جزئی اختلاف ہی لیکن اہم واقعات یکساں بیان کیے گئے ہیں۔ دونوں نے دو چھوٹے راجاؤں کی مَوت کا حال لکھا ہی جو دونوں بھائی بھائی تھے اور اِس کے بعد دو جانشینوں کے قتل کیے جانے کا حال ہی اور آخر کار وزیر کے تخت پر غاصبانہ قبضہ کرنے کا ذکر ہی۔ اب ہم تاریخ فرشتہ سے واقعاتِ ذیل کا جو زیادہ مستند ہیں اقتباس کرتے ہیں :-

یوسف عادل شاہ نے ۱۴۸۹ء میں بیجاپور میں خود مختار بادشاہ ہونے کا اعلان کیا۔ چند دنوں کے بعد قاسم برید نے جو آخر کار احمد آباد (بیدر) کا بادشاہ ہو گیا تھا اور عادل شاہ کا مدِّمقابل تھا اُس کے بادشاہ ہونے کا اسے بڑا قلق تھا اِسی جھگڑے میں قاسم برید نے راجۂ بیجانگر سے بیجاپور پر چڑھائی کرنے کے لیے مدد چاہی اور اِس کے صلے میں ملک دوآبہ رایچور اور مُدگل دے دینے کا وعدہ کر لیا۔ نرسہواں فوج جمع کر کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ دریائے تُنگ بھدرا کے پار اُتر آیا اور تمام مُلک کو تباہ اور برباد کرتا ہوا مُدگل اور رایچور پر قبضہ کر لیا اور پھر یہ دونوں مقامات مُسلمانوں کے قبضے سے نکل کر ہندوؤں کے تحتِ حکومت میں چلے گئے۔

یوسف عادل شاہ اور رائے بیجانگر کی جنگ رایچور پر ۸۹۸ھ

اِس کے چند دنوں بعد غالباً ۱۴۹۳ء میں سلطان یوسف عادل شاہ نے جو ملک نکل گیا تھا اُس کے واپس لینے کے لیئے پھر چڑھائی کی اور رود کشنا تک آن پونہچا لیکن بوجہ بیماری کے دو مہینے تک پڑا رہا بعد کے واقعات جس کا تذکرہ ہم اوپر مجملاً کر چکے ہیں فرشتہ نے اِس کی تفصیل یوں لکھی ہی کہ "اِس عرصے میں ہیم راج دارالسلطنت کے بداسنی کو رفع کر کے نوجوان راجہ کی سرکردگی میں ایک بہت بڑا لشکر لے کر رایچور پر چڑھ آیا جس سے عادل شاہ کی فوج کے حواس باختہ ہوگئے بادشاہ بیمار تھا اُس کی صحت کے لیئے دعائیں مانگی گئیں اور دعا قبول ہوئی کہ بادشاہ کو بہ افضالِ آلہی صحت ہوگئی۔ جب بادشاہ کو خبر ہوئی کہ ہیم راج دریائے تُنگ بھدرا عبور کر کے یلغار چلا آرہا ہی تو بادشاہ نے اپنی فوج کا داخلہ دیکھا۔

شہنشاہِ دیں دار صاحب قِراں	خدیوِ فلک قدر گیتی ستاں
بفرمود تا بر نشیند سپاہ	درآید بآئیں سوے عرصہ گاہ
برآراستہ یکسر اسپ و سوار	ہمہ با سلاح آنچہ آید بکار

اور آگے بڑھ کر ہندوؤں کے لشکر کے مُقابل ہی تھوڑے فاصلے سے اپنا لشکر بھی ڈال دیا۔ کئی دن تک دونوں طرف سکوت رہا کچھ ہل چل نہ ہوئی آخر کار بماہِ رجب ۸۹۸ھ یوم شنبہ مطابق اپریل ۱۴۹۳ء دونوں لشکر میدانِ جنگ میں آے اور اوائلِ جنگ میں عادل شاہ کی فوج کے پانسو آدمی مارے گئے جو بچے اُن کے قدم اُکھڑ گئے اور بدنظمی پھیل گئی تھی کہ بادشاہ نے پھر للکارا اور سب کو جمع کیا۔ بادشاہ کی طرف کا ایک[1] سلحدار جو دشمنوں میں گھر گیا تھا اِتفاق سے بھاگ نکلا اور آن کر خبر دی کہ دُشمن لوٹ میں مصروف ہیں یہ موقع اُن پر دھاوا مارنے کا اچھا ہی۔ بادشاہ کو یہ صلاح پسند آئی اور اُسی وقت نکل کھڑا ہوا۔

[1] سو بچک بہادر اوزبک نام تھا۔

روان شد سوے لشکر کینہ خواہ
بہ نیروے اقبال و عون دعا

بادشاہی فوج ایسی دفعۃً آن گری کہ ہیم راج کو اپنے سب لشکر کے اکھٹا کرنے کا موقع نہ ملا تاہم وہ سات ہزار سوار اور کثیر التعداد پیدل اور تین سو ہاتھی لے کر مقابلے کو بڑھا۔ یوسف عادل شاہ نے قلب لشکر پر اس زور کا حملہ کیا کہ ہیم راج کے چھکے چھڑا دیے۔

بر چرخ برد بادِ فنا خاکِ معرکہ
برآب دادہ آبِ حیات آتش سناں

پیکاں چو عشق در حرم دل گرفتہ جا
حربہ چو عقل قبۂ سر ساختہ مکاں

گہ تیر ہم چو غمزۂ دلدار دلربا
گہ نیزہ ہم چو قامت جاناں رواں ستاں

بر کشتگانِ معرکہ بر رسم تعزیت
چشم زرہ چو دیدۂ عشاق جاں فشاں

مسلمانوں کی فتح ہوئی اور ہندو چالیس ہاتھی ایک ہزار گھوڑے اور ساٹھ لاکھ ہن[1] اور بہت سے جواہرات اور مال و متاع چھوڑ کر بھاگ گئے

چہ پرتو ست کہ اقبال در جہاں افگند
چہ غلغل ست کہ دولت بر آسماں افگند

چہ منت ست کہ در گردن زمین و زماں
طلوعِ رایتِ شاہنشۂ جہاں افگند

ہیم راج اور نوجوان راجۂ بیجانگر بھاگ گئے۔ راجہ کو اس جنگ میں تیر کا ایک کاری زخم لگا تھا کہ جس سے وہ جاں بر نہ ہو سکا اور رستے ہی میں مر گیا۔ ہیم راج کو موقع ملا خود مالک بن بیٹھا لیکن بعض اُمرا و رؤسا نے اس غاصبانہ کارروائی کی مخالفت کی اور وہ لوگ آپس میں لڑنے بھڑنے میں ایسے لگے کہ عادل شاہ کو کچھ عرصے تک جنگ سے فرصت مل گئی" اس طرح ملکِ دوآبہ پھر مسلمانوں کے قبضے میں آگیا اور بندر گوآ بھی بادشاہِ بیجاپور کے قبضے میں رہا آخری واقعہ یوسف عادل شاہ کے

---

[1] برگس صاحب نے اس کا تخمینہ اٹھارہ لاکھ پونڈ لکھا ہے جس کے دو کروڑ ستر ہزار روپے ہوئے لیکن تاریخ فرشتہ نے سی صد لک ہن لکھا ہے ۱۲۔

زمانۂ سلطنت کا فرشتہ نے حسب ذیل لکھا ہے۔

یوسف عادل شاہ کی چڑھائی گوآ پر ۹۱۵ھ ہجری۔

"۹۱۵ھ مطابق یکم مارچ ۱۵۱۰ء میں پرتگالی عیسائیوں نے یکایک گوآ پر حملہ کیا اور والیِ گوآ اور بہت سے مسلمانوں کو مار ڈالا۔ جوں ہی اس کی خبر یوسف عادل شاہ کو پہونچی وہ تین ہزار منتخب دکھنیوں اور غیر ملکیوں کی فوج لے کر اچانک یوروپینوں پر آن پہونچا اور قلعہ فتح کر کے بہتوں کو تہِ تیغ کیا اور کچھ بچ کر جہازوں میں بیٹھ کر سمندر کی راہ سے بھاگ گئے"

فرماں روایانِ دکن میں انقلاب

اِس زمانے میں ملکِ دکن کے فرماں رواؤں میں بڑا انقلاب ہوا احمد نظام شاہ نے جو ۱۴۹۰ء میں احمد نگر کا خود مختار بادشاہ بن گیا تھا ۹۱۴ھ م ۱۵۰۸ء میں اُنتیس سال سلطنت کر کے انتقال کیا اور اُس کی جگہ اُس کا بیٹا برہان شاہ جس کی عمر (۷) سال تھی تخت نشین ہوا۔ یوسف عادل شاہ نے ۱۵۱۰ء[۱] میں بیس سال دو مہینے کی سلطنت کے بعد انتقال کیا اُس کی جگہ اُس کا بیٹا اسمٰعیل شاہ بیجاپور میں تخت نشین ہوا ۱۵۰۹ء میں بیجانگر پر کشن دیو رائے مسلط ہوا۔ اسمٰعیل شاہ اور کشن دیو رائے میں اکثر لڑائی رہی اور ہندوؤں کی فتح رہی چنانچہ تاریخ فرشتہ میں بھی لکھا ہے کہ "رایچور پر ایک بہت بڑی لڑائی ہوئی جس میں اسمٰعیل شاہ کو شکست فاش ہوئی" جس کا بیان نیونز نے بالتفصیل لکھا ہے۔

ہندوستان میں پرتگالیوں کی آمد ۱۴۹۸ء

قبل اس کے کہ ہم کشن دیو رائے کے سلطنت کے زمانے کے حالات لکھیں

---

[۱] پچھتر سال کی عمر میں مرض سوء القنیہ سے ۹۱۶ھ میں بمقام بیجاپور انتقال کیا قصبۂ گوگی میں شیخ جلال المعروف شیخ چندا صاحب کی درگاہ کے پاس جس سے بادشاہ کو بڑی عقیدت تھی مدفون ہے۔ مادّۂ تاریخ وفات یہ ہے ع بگفتا نماندہ شہنشاہ عادل۔ ۹۱۶ھ۔ قصبہ گوگی تعلقہ شاہ پور ضلع گلبرگہ میں ہے چندا صاحب کے وصال کی تاریخ "مرغ چندا" ہے۔ آپ حضرت بندہ نواز حسینی رحمۃ اللہ علیہ کے خالہ زاد بھائی تھے ۱۲۔

ہم کو یہ دیکھنا ہی کہ پرتگالی عیسائیوں نے کیوں کر ہندوستان میں آکر گوآ پر قبضہ کرلیا حتّٰی کہ اُن میں سے بعض لوگوں نے دار السلطنتِ ہنود میں سکونت بھی اختیار کی سنہ ۱۴۸۴ع میں جان نامی بادشاہِ پرتگال نے ہندوستان کے کچھ حالات سُنے اور اُس نے اِس مُلک کا حال دریافت کرانے کے بعد تین جہازوں کا ایک بیڑا ہندوستان روانہ کرنے کے لیے طیّار کیا لیکن یہ ارادہ پورا نہ ہونے پایا تھا کہ وہ مرگیا۔ اُس کے جانشین ڈام مینول نے اِس ارادے کی تکمیل سرگرمی سے کی اور واسکو ڈاگاما اور اُس کے بھائی پالو کو جہاز دے کر ۸ر جولائی سنہ ۱۴۹۷ع کو ہندوستان روانہ کیا چنانچہ یہ لوگ ۱۶ اگست سنہ ۱۴۹۸ع کو بندر کالی کوٹ پر پہونچے کالی کوٹ کے راجہ سامورینؔ[ل] نے اِن سے شروع شروع دوستانہ برتاو کیا لیکن پرتگالیوں کو کچھ غلط فہمی واقع ہوگئی اور اِس وجہ سے اُنھوں نے نہ تجارت میں ترقی کی اور نہ اُن کے تعلقات ہندوؤں سے اچھے رہے۔ چند روز کے بعد ڈاگاما پرتگال کو واپس چلا گیا۔

اوائل سنہ ۱۵۰۰ع میں کبرال نامی ایک دوسرا شخص جہازوں کا ایک بڑا بیڑا لے کر ۱۳ر ستمبر کو کالی کوٹ پہونچا اور آتے ہی بجاے اِس کے کہ ساموری کالی کوٹ سے مِل کر ان چینؔ سے سوداگری کرتا لڑائی شروع کر دی اور طرفین سے ایک دوسرے پر حملے ہونے لگے جس سے مُلکی لوگ پرتگالیوں سے بالکل کھٹک گئے۔ پرتگالیوں میں سے چند لوگ البتّہ اِس مُلک میں رہ پڑے اور اُسی میں مشہور وقائع نگار باربوسا بھی تھا۔ سنہ ۱۵۰۲ع میں ڈاگاما نے دوبارہ ہندوستان میں آکر بادشاہِ پرتگال کی حکومت کا اعلان کیا اور محض شرارت سے ایک بڑے جہاز کو مع کئی سو آدمیوں کے ساحلِ ہند پر ڈبو دیا۔ ڈاگاما ۲۹ر اکتوبر کو کالی کوٹ پہونچا اور فوراً شہر پر گولہ باری شروع کر دی۔ بندر میں جو بے گناہ مچھلی والے تھے اُن کو پکڑ لیا اور اُن میں سے آٹھ سو آدمیوں کو بڑی بے رحمی سے قتل کر ڈالا اور بندر کوچین میں ایک تجارت گاہ قائم کر کے وہ پھر سنہ ۱۵۰۳ع میں یورپ چلا گیا۔ اِس کی ظالمانہ کارروائی کے سبب سے کوچین اور کالی کوٹ میں جنگ چھڑ گئی

[ل] کالی کوٹ کا راجہ اب تک Samorin کہلاتا ہی ۱۲

سنہ ۱۵۰۸ء میں لوپو سورس نامی ایک شخص چودہ کشتیوں کا بیڑا لے کر آیا اور باوجودیکہ راجہ کوچین ہمیشہ پرتگالیوں سے مہربانی اور مہماں نوازی کرتا رہا مگر پرتگالیوں نے بندر کوچین کا رستہ روک لیا۔ بادشاہ پرتگال کی طرف سے ساحلِ ہند پر آل میڈا ویسرائے مقرر ہوا وہ ایک بہت بڑا بیڑا اور پندرہ سو سولجر (گورے سپاہی) لے کر آیا۔ آتے ہی بندرِ ہُنا ور پر جنگ چھڑی۔ آل میڈا نے خیال کیا کہ ہماری تجارت کو صلح و امن سے استحکام اور ترقی ہوگی نہ یہ کہ اِس ملک کے لوگوں سے ہم سختی سے پیش آئیں اور اُلٹا انھیں پر حملہ کریں اور لڑائی بھڑائی میں روپیہ برباد کریں۔ اِسی زمانے میں آلمیڈا کو خبر لگی کہ اِس نواح میں ایک بہت بڑی سلطنت بیجانگر کی واقع ہی جہاں ایک بڑا بھاری راجہ نرسِہواں ہی۔ ویسرائے کے بیٹے لارنکو کو سنہ ۱۵۰۶ء میں ایک اٹلی کے مسافر ورتھما کی زبانی کنانور مقام پر اِس ملک کے اکثر حالات بھی معلوم ہوے یہ سُن کر آلمیڈا نے راجۂ بیجانگر سے بھٹکل مقام پر ایک گڑھی بنانے کی اجازت طلب کی لیکن وہاں سے کچھ جواب نہ ملا۔ اٹلی کے سیّاح نے ہندوستان کے حالات اِس زمانے کے قلم بند کیے ہیں وہ لکھتا ہی کہ بندرِ گوا اُس زمانے میں سلطانِ عادل شاہ بیجاپور کے والی سبایو[۵۲] کے ماتحت تھا اُن دنوں سبایو اور بیجانگر کے نرسِہواں میں جنگ ہو رہی تھی"۔

ورتھما سیّاح اٹلی کا بیان بیجانگر کے متعلق سنہ ۱۵۰۶ء

اُس نے لکھّا ہی کہ "بیجانگر ایک بہت بڑا شہر تھا جس کے اطراف میں مستحکم فصیل تھی وہ ایک پہاڑ پر واقع ہی اور اُس کا دَور سات میل کا ہی شہر کی

Leopo Soares ۵۱

۵۲ "سبایو" کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔ بیروس نے لکھّا ہی کہ جب ہم ہندوستان پہنچے تو بندرِ گوا پر بادشاہِ دکن کی طرف سے ایک والی مقرر تھا جس کا نام "سوائی" تھا۔ لیکن ہم پرتگالی لوگ اُسے عموماً "سبایو" کہا کرتے تھے۔ لیکن ہندوستانی ناموں کی صحت کے متعلق بیروس کا بیان قابلِ استناد نہیں ہی۔ اِس نے سبایو صبا یا سوا فارسی الفاظ سے مشتق بتلایا ہی اور یہ بھی لکھّا ہی کہ سبایو عادل شاہ کا بیٹا تھا۔ گرشیا ڈی آرٹا نے اِس لفظ کا صاحب سے مشتق بتلایا ہی برٹن کہتا ہی کہ سپہدار (افسرِ فوج) سے بگاڑ لیا ہی۔ ہمارے خیال میں جتنی توجیہیں انگریزوں نے کی ہیں ایک بھی صحیح نہیں سب سے آسان لفظ "صوبہ" ہی جس کی طرف غالبًا انگریز مورخین کا ذہن منتقل نہیں ہوا ۱۲ من المصنف

تہری فصیلیں ہیں۔ یہ شہر بہت دولت مند ہے اور ہر قسم کا سامان یہاں مہیا رہتا ہے۔ اس شہر کا منظر نہایت خوب صورت ہے اور آب و ہوا بھی بہت نفیس ہے یہاں کے راجہ کے پاس ہمیشہ چالیس ہزار سوار اور چار سو ہاتھی رہتے ہیں۔ ہاتھیوں کے اوپر چھ آدمی سوار ہوتے ہیں جنگ کے وقت ہاتھیوں کی سونڈوں پر تلواریں باندھی جاتی ہیں۔ عام لوگ بالکل برہنہ صرف ایک لنگوٹی لگائے پھرتے ہیں۔ راجہ کی ٹوپی سنہری کمخواب کی دو بالشت اونچی ہوتی ہے۔ اُس کی سواری کا گھوڑا زیورات اور جواہرات سے اس قدر آراستہ رہتا ہے کہ اُس کی مالیت ہمارے بعض بعض شہروں کی دولت سے بھی زیادہ ہے"

پرتگالیوں کے بقیہ حالات

اس سیاح نے یہ بھی لکھا ہے کہ کالی کوٹ پرتگالیوں کی جنگ کی وجہ سے تباہ ہو گیا کالی کوٹ میں (۴۸) پرتگالی تاجروں کو مسلمانوں نے قتل کر ڈالا اور تھا ڈر گیا ان روز کی خانہ جنگیوں سے شہر کی حالت خطرناک تھی اس سبب سے یہ سیاح بیجا نگر سے چلا گیا۔ ۱۵۰۶ء میں پرتگالیوں کے بیڑے نے راجہ کالی کوٹ کے ایک بڑے بیڑے کو تباہ کر دیا جس میں بہت سے آدمی مارے گئے اس کے بعد ہی دوسرے سال پھر پرتگالیوں نے حملہ کیا ان کے آئے دن کی لوٹ مار سے عاجز آکر باشندگان کالی کوٹ نے اُن کے کارخانے واقع کنا نور کا محاصرہ کر لیا لیکن عین وقت پر ٹرستان ڈاکنہا ایک بیڑا لے کر مدد کو پہنچ گیا جس کی وجہ سے خیر گزری اور محاصرہ اُٹھا لیا گیا۔ ۱۵۰۸ء کے آخر میں آلمیڈا اور ڈاکنہا دونوں کی افواج نے مل کر کالی کوٹ پر حملہ کیا جس میں ایک حد تک اُن کو کامیابی بھی ہوئی۔

البوکرک کا گورنر ہو کر گوا میں آنا

اس زمانے میں آل فونسو۔ ڈی آل بوکرک بحر فارس میں مسلمانوں سے جنگ کر رہا تھا ۱۵۰۹ء کے آخر میں وہ ہندوستان میں بجائے آلمیڈا کے پرتگالیوں کا گورنر ہو کر آیا۔ ۱۵۰۹ء میں زمانہ تخت نشینی کشن دیو رائے سے اس ملک کے

تاریخی حالات ایسے مبہم نہیں ہیں جیسے کہ پہلے تھے بلکہ صاف صاف ہیں اور بدون کسی اشکال کے ہم واقعات کا ایک منتظم سلسلہ قائم کر سکتے ہیں۔ تاریخ وجیانگر میں یہی زمانہ سب سے عروج اور اقبال کا تھا کہ ہر جگہ ان کے لشکروں کو فتح ہوتی تھی اور شہر بھی بہت مالامال تھا؛

دسواں باب

حالات سلطنت کشن دیورائے من ابتدا سنہ ۱۵۰۹ء تا سنہ ۱۵۳۰ء

کشن دیورائے کا طرز و روش اور شکل و شمائل

پمپاپتی دیول واقع موضع ہمپی میں ایک کتبہ ہی جس پر منقوش ہی کہ کشن دیورائے نے اپنی تاج پوشی کی یادگار رہیں ایک دیوان عام اور ایک برج اس مقام پر بنوایا جس کی تعمیر کی تاریخ ۱۴ ماگ سُدھ سکے سنہ ۱۴۳۰ء لکھی ہی سال کا نام "سکلا"[1] درج ہی۔ لیکن مشکل یہ ہی کہ "سکلا" سکے سنہ ۱۴۳۰ء کے مطابق نہیں پڑتا بلکہ سکے سنہ ۱۴۳۱ء ہوتا ہی اور اس غلطی کے سبب سے اس عظیم الشان واقعے کی صحیح تاریخ میں شک پڑ جاتا ہی۔ اگر ہم یہ خیال کریں کہ سال کے نام میں غلطی نہیں ہوئی کیوں کہ وہ زبان زد خاص و عام رہتا ہی بلکہ سکے کے ہندسوں میں غلطی ہوئی ہی تو اس واقعے کی تاریخ ۲۳ یا ۲۴ جنوری سنہ ۱۵۱۰ء قرار پاتی ہی۔ لیکن اگر ہندسہ سکے کا صحیح سمجھا جائے تو تاریخ ۴ فروری سنہ ۱۵۰۹ء ہوگی اور سال کا صحیح نام "وبھاؤ" ہوگا۔ تب بھی یہ بات متحقق نہیں ہوتی کہ یہ جشن عین تاج پوشی ہی کے دن ہوا یا تاج پوشی کی سالگرہ پر ہوا۔ راجہ کی تخت نشینی اور رسم تاج پوشی میں ممکن ہی کہ کچھ وقفہ ہو گیا ہو کیوں کہ کشن دیورائے سنہ ۱۵۰۹ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ سنہ ۱۵۲۰ء میں پئیر نامی سیاح نے راجہ کشن دیورائے

[1] ملک دکن کے ہنود میں ساٹھ سال کی ایک شستی ہوتی ہی اور ہر سال کا نام جداگانہ ہوتا ہی جو پربھوا سے شروع ہو کر کشئے نامی سال پر ختم ہوتی ہی۔ سکلا اور وبھاؤ بھی دو سالوں کے نام ہیں ۱۲۔

شبیہ کشن دیو رائے راجۂ بیجانگر

کو دیکھا ہی اُس کے بیان سے معلوم ہوتا ہی کہ راجہ بہت وجیہ اور اُس کی شکل و صورت رعب داب کی تھی۔ وقائع پینیر میں بہت دل چسپ اور قیمتی حالات لکھے ہیں۔ چوں کہ فرشتہ نے بجز راجۂ بیجانگر کے کشن رائے کا نام کہیں نہیں لکھا اس لیے اگر پینیر کے وقائع ہمارے سامنے نہ ہوتے تو ہم کو اس میں بھی شک رہتا کہ بیجانگر میں کوئی حقیقی راجہ تھا بھی یا نہیں اور اگر تھا تو وہ وزرار کے ہاتھوں میں گرفتار رہ کر بہ طور کٹھ پتلی کے ناچتا تھا یا خود ایک مقتدر اور خود مختار راجہ تھا۔ اُس کے علاوہ کتبوں اور اِس زمانے کی فتوحات کے حالات سے بھی سوائے اِس کے کہ لڑائیوں کا ہونا پایا جاتا ہی اَور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ اُس زمانے میں حقیقی راجہ کون تھا بلکہ گمان ہو سکتا ہی کہ حکومت صرف اُمرار کے ہاتھ میں تھی لیکن جو حالات پینیر نے لکھے ہیں اُن سے شک و شبہہ بالکل رفع ہو جاتا ہی۔ کشن دیو رائے نہ صرف سچ مچ خود مختار اور مقتدر راجہ تھا بلکہ فی الحقیقت اُس کے اختیارات بہت وسیع تھے اور وہ خود بڑا ذاتی اقتدار رکھتا تھا۔ اصل میں وہی حاکم وقت تھا اور سب کچھ اپنی ذات سے کرتا دھرتا تھا۔ وہ بہت توانا اور قوی ہیکل تھا اور ورزش سے ہمیشہ اُس کی صحت اور قوائے جسمانی اعلےٰ درجے پر رہتے تھے وہ صبح سویرے اُٹھ کر مگدروں کی جوڑی ہلاتا تھا اور تلوار کی پھینک کرتا تھا جس سے اُس کا سارا جسم بن گیا تھا۔ وہ ایک مشاق سوار تھا اُس کے چہرے سے آثارِ شرافت ٹپکتے تھے اور ایسا کچھ رعب داب تھا کہ جو سامنے گیا اُس پر فوراً اثر پڑتا تھا۔ وہ اپنی بڑی بھاری فوج کی سرکردگی خود کرتا تھا۔ وہ قابل بہادر اور بڑا مُدبّر تھا۔ باوجود اِس کے بہت نیک مزاج اور فیاض بھی تھا۔ تمام رعایا اُس کا ادب کرتی تھی اور اُس کو بہت عزیز رکھتی تھی۔ پینیر لکھتا ہی کہ "وہ بڑا جواں مرد دلیر ہمّت اور ہر اعتبار سے ایک کامل شخص تھا" اُس کی مجسّم تصویر پر ایک ہی بدنما دھبّا تھا کہ وہ مُسلمان بادشاہوں کے مُقابلے میں فتح پا کر بہت مغرور اور اپنے مطالبات میں شوخ اور گستاخ ہو گیا تھا۔ کوئی بادشاہ خصوصاً عادل شاہ کبھی ایک لمحے کے لیے ایسی ذلّت کو قبول نہ کرے گا۔ کہ ایک مرتبہ صُلح کے شرائط میں راجہ نے یہ شرط کی کہ عادل شاہ اُس کے

پاؤں چومے۔ اِس میں شک نہیں کہ یہ اور اِسی قسم کی اَور حقارت آمیز غرور و تکبر کی باتیں دیو رائے اور دوسرے ہندو حکم رانوں سے ایسی سرزد ہوئیں کہ یہی چالیس سال بعد آخرکار سلطنتِ ہنود کے زوال کا باعث ہوئیں۔ تمام حصۂ جنوبی ہند کشن رائے کے تحتِ حکومت تھا اور بہت سے برائے نام خود مختار رؤسا اُس کے باج گزار تھے نیونز نے لکھا ہے کہ والیانِ سرنگاپٹن۱ - بنکاپور - گارسوپا - کالی کوٹ - بھٹکل اور برکور

۱ میسور سے نو میل میسور بنگلور سکشن سدرن مرہٹہ ریلوے کا اسٹیشن ہے جو دریائے کاوری کے کنارے واقع ہے۔ یہ مقام پہلے میسور کا دارالسلطنت تھا اور ایک بہت بڑا تاریخی مقام ہے۔ سرنگا پٹن اور اُس کے اطراف میں انگریزوں اور ٹیپو سلطان سے بہت سی لڑائیاں ہوئی ہیں۔ یہاں کا قلعہ - محلات اور دیگر عمارات قابلِ دید ہیں۔ لارڈ کارنوالس نے ۱۷۹۲ء میں صلح کا اعلان کیا تھا۔ قلعے کے جنوب و مشرقی کونے میں وہ شگاف ہے جو دیوار میں ۱۷۹۹ء میں کیا گیا تھا جب کہ جنرل ہیرس نے گولہ باری کی تھی اور ٹیپو سلطان پر کامل فتح حاصل ہوئی اُس جگہ جہاں سے حملہ آور فوج دریا کے دوسرے کنارے پر سے نکلی تھی دو توپیں قینچی کی طرح بطور نشان کے لگا دی گئی ہیں۔ ٹیپو سلطان جہاں گرفتار رہا وہ جگہ شمال میں ہے۔ جس کمان میں بادشاہ زخمی ہوا تھا وہ اب موجود نہیں ہے لیکن ایک چوبی دروازہ باغ میں جانے کا موجود ہے جہاں وہ مارا گیا تھا قلعے کے باہر جزیرے کے اندر "دریا دولت باغ" ہے جو ٹیپو سلطان کے گرمیوں میں رہنے کا محل تھا جس میں بعد میں ڈیوک آف ولنگٹن رہتا تھا۔ عمارت نہایت خوش نُما ہے جس کی دیواروں کے رنگین نقش و نگار قابلِ دید ہیں۔ مشرق کی جانب گنجام کے مضافات میں لال باغ ہے جس میں وہ مقبرہ ہے جو ٹیپو سلطان نے اپنے باپ حیدر سلطان کے لیے بنوایا تھا اور خود بھی اِسی میں مدفون ہے یہ ایک مربع عمارت ہے جس پر ایک بڑا بھاری گنبد اور مینارے ہیں اطراف میں نہایت نفیس سیاہ پتھر کے ستونوں کا برآمدہ ہے۔ اس کے دروازے آبنوس کے ہیں جن پر ہاتھی دانت کا کام تھا اور جن کی ترمیم لارڈ ڈلہوزی نے کرائی تھی۔ ریلوے اسٹیشن سے یہ مقبرہ (۳) میل ہے۔ جامع مسجد - رنگا کا دیول - ولزلی کا پل یہ مقامات بھی قابل دیکھنے کے ہیں۔ دریا دولت باغ کے جنوب میں ایک بلند مقام پر ایک چھوٹی سی یادگار اُن لوگوں کی بنی ہوئی ہے جو انگریزی فوج کے ٹیپو سلطان کی لڑائی میں مارے گئے تھے اور آگے بڑھ کر مغرب کی طرف دریا کے کنارے سگاٹ صاحب کا بنگلہ ہے جو توپ خانے کا سردار تھا یہ بنگلہ راجہ نے بنوا دیا تھا (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۹۱)
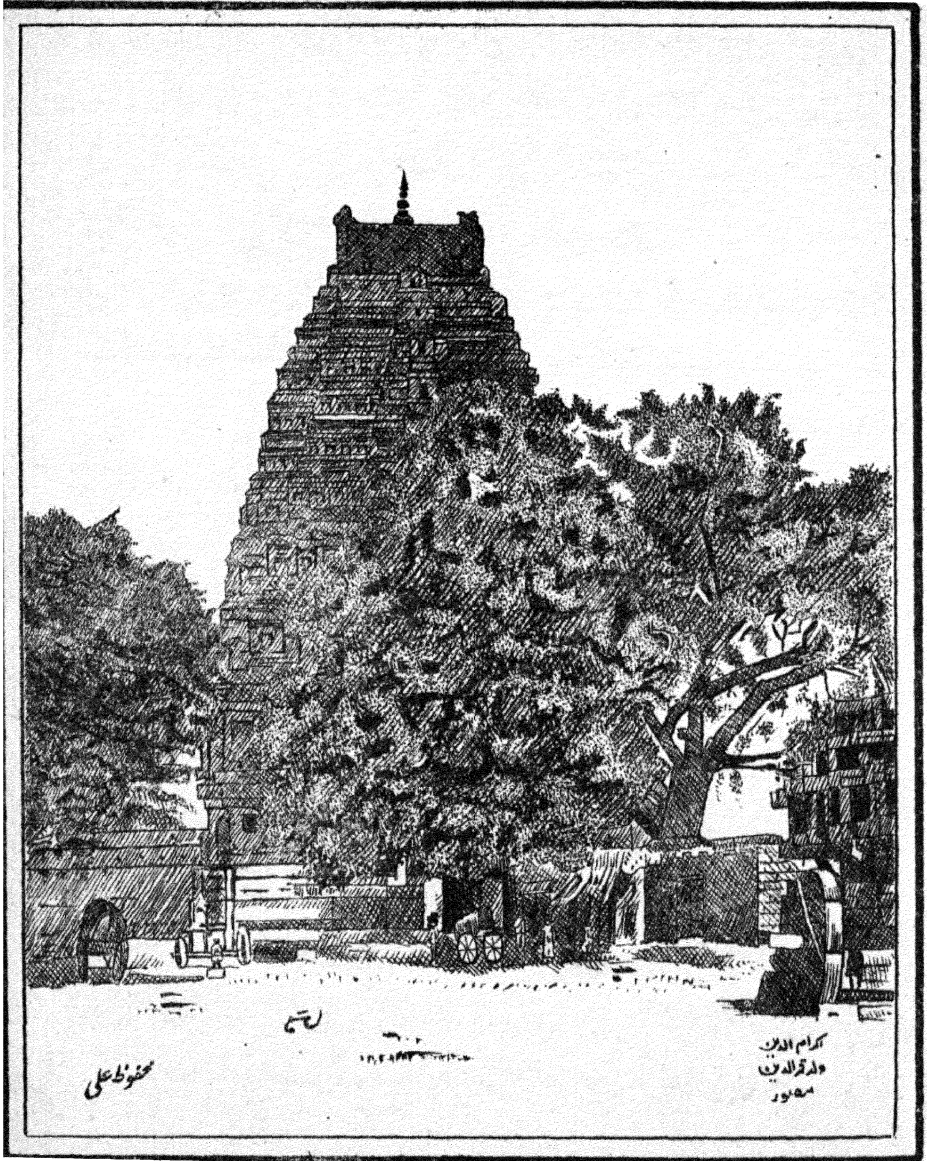
ہمپی کا مندر تعمیر کردۂ کشن دیو رائے

سب اس کے ماتحت تھے۔ پرتگالی ان چھوٹے چھوٹے راجاؤں کو بھی خودمختار سمجھتے
تھے اور اُن کے پاس ایلچی بھیجا کرتے تھے جس سے وہ لوگ خوش ہوتے تھے۔ ہمپی کے
مشہور دیول کے مہنت نے بیان کیا کہ اس دیول میں جو ایک بلند مخروطی قبّہ دیول
میں گھستے ہی نظر پڑتا ہی وہ دیو راے نے اپنی تختِ نشینی کے جلوس کی یادگار میں
بنوایا تھا اور دوسرا ایک اَور سب سے بڑا قبّہ اُس کے بعد بنوایا۔ نیونز نے لکھا ہی۔ کہ
کشن دیو راے نے تخت نشین ہوتے ہی سالوتما کو اپنا وزیر مقرر کیا اور اپنے بھتیجے کو جو
پہلے راجہ کا بیٹا تھا اور اپنے تین بھائیوں کو اُس نے بہ فاصلہ دو سو پچاس میل قلعہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۹۰) ۱۸۰۸ء میں ایک دم اُس کے بیوی بچے ہیضے سے مر گئے سکاٹ صاحب
بنگلہ چھوڑ چھاڑ چلے گئے جب سے یہ بنگلہ مع سامان و فرنیچر اُسی حالت میں اب تک موجود ہی گو
سامان گل سڑ گیا ہی لیکن پھر بھی یہ افسوس ناک یادگار اپنی حالت پر اب تک قائم ہی ۱۲

۵۲ اس زمانے میں جو ۱۵۱۲ء کے قریب ہوتا ہی بنکاپور کا ایک مرہٹہ حکم راں تھا اور یہ مقام
بہت سرسبز اور شاداب تھا۔ ملکِ کرناٹک میں یہ بہت بڑا مشہور قلعہ تھا جو دھارواڑ کے جنوب میں
ہُناور اور بیجانگر کے شارعِ عام پر واقع ہی بھٹکل سے جو ساحلِ مغربیِ ہند پر ایک خوش نما مقام ہی ایک
سڑک جانب شمال ہُناور سے ہوتی ہوئی بنکاپور کو جاتی ہی اور وہاں سے بنواسی رانی بنّور اور ہوسپیٹ
ہو کر بیجانگر پہنچ جاتی ہی۔ قلعۂ بنکاپور کے حالات ۱۰۴۳ء سے معلوم ہوے ہیں اور ۱۵۷۳ء تک
اس پر ہندوؤں کا قبضہ رہا اس کے بعد علی عادل شاہ نے اس کو فتح کر کے اس کے خوب صورت مندر
کو برباد کر ڈالا۔ تاریخ فرشتہ نے اس مقام کو بنکاپور لکھا ہی ممکن ہی کہ کتابت میں نقطوں کی غلطی ہوئی ہو۔
کیسٹن ہیڈا نے اس مقام کو ونگاپور لکھا ہی کہ گوا کے گورنر جنرل ایلبوکرک نے دو ایلچی روانہ کیے تھے ایک
بیجانگر کو دوسرا ونگاپور کو اس سے معلوم ہوتا ہی کہ ونگاپور کا راجہ خود مختار تھا۔ یہ مقام نرسنگا جانے کے
لیے سیدھا رستہ ہی اور یہاں ہر قسم کی ضروریات کا سامان بکثرت موجود رہتا تھا۔ بیراس نے اس مقام کا نام
بنگاپور لکھا ہی اور کہتا ہی کہ یہاں کا راجہ بیجانگر کے راجہ کے ماتحت تھا اور یہ مقام شاہ راہ بیجانگر پر واقع
تھا بنکاپور کے قریب اور دو حکم رانوں کے نام کو موجی اور اپاجی لکھے ہیں معلوم نہیں وہ کون تھے اور کہاں کے راجہ تھے ۱۲

چندرگری[1] میں بھیج دیا تاکہ وہ بے کھٹکے رہے اور آپ دارالسلطنت میں رہنے لگا۔

پرتگالیوں کا مشن بیجانگر میں

پرتگالیوں کی طرف سے دو مرتبہ کالی کوٹ اور گوآ سے لوئی اور چینوکا نے ایلچی بھجوائے تھے جو دیو راے کے حضور میں بہ مقام بیجانگر باریاب ہوے۔ اوائل زمانۂ سلطنت کشن راے میں پرتگالیوں کا ویسراے آلمیڈا تھا لیکن آخر ۱۵۰۹ء میں ایلبوکرک گورنر مقرر ہوا اِس کو کالی کٹ کے زمورن کے مُقابلے میں ایک سخت شکست ہوئی تب گورنر گوآ نے لوئی کو اپنا ایلچی مقرر کرکے بیجانگر روانہ کیا جو براہ کوچین اور بھٹکل بیجانگر پہنچا۔ گورنر نے راے کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ آپ تو براہ خشکی کالی کوٹ پر چڑھائی کریں اور میں تری کے رستے سے آتا ہوں۔ گورنر نے یہ بھی لکھا کہ ہمارے بادشاہ نے ہم کو مسلمانوں سے لڑنے کی اجازت دی ہی نہ کہ ہندوؤں سے۔ کالی کوٹ کو اُس کے والی نے برباد کردیا ہی اور راجہ بھی اندرونی حصۂ ملک میں بھاگ گیا ہی۔ میں آپ کو بحری قوت سے مدد دوں گا اور کالی کوٹ فتح ہوتے ہی مسلمان وہاں سے نکال دیئے جائیں گے اور اِس کے بعد بھی پرتگالی فوج آپ کے دُشمن مُسلمانانِ دکن کے مُقابلے کے لیئے ہر طرح سے مدد دے گی اور یہ بھی اقرار کیا کہ آج تک ہم عربی اور ایرانی گھوڑے بیجاپور کی سلطنت میں دیا کرتے تھے آیندہ سے ہم اُن کی مدد قطعًا بند کردیں گے اور آپ ہی کو دیا کریں گے۔ لیکن راجہ نے بالکل سکوت اختیار کیا اور جواب تک نہ دیا۔ اِس کے بعد ایلبوکرک نے گوآ پر حملہ کیا جو اُس زمانے میں عادل

[1] ریلوے اسٹیشن سے دو میل کے فاصلہ پر ایک محل ہی جو راجگان تلنگانہ نے بنایا تھا جس کا نام راجمحل ہی۔ یہ سارے کا سارا محل پتھر کا ہی لکڑی کا اِس میں کہیں نام نہیں ہی۔ اِس کے پاس ہی ایک دوسرا مگر ذرا چھوٹا محل ہی جس کو "رانی محل" کہتے ہیں۔ اِن دونوں محلات سے اوپر وار کو پہاڑ پر ایک قدیم قلعہ ہی جس کو نرسنگ راجہ وزیا نگرم نے بنایا تھا۔ لیکن اب یہ عمارتیں خراب خستہ حالت میں ہیں تاہم جس قدر حصے کی گورنمنٹ نے مرمت کرادی ہی دیکھنے کے قابل ہی ۱۲

شاہ کے قبضے میں تھا اور فتح کر کے یکم مارچ ۱۵۱۰ء کو مسلط ہو گیا۔ جس طرح کہ آلمیڈا نے بھٹکل
میں کاروبار کے لیئے ایک قلعہ بنانے کی درخواست پہلے کی تھی پھر دوبارہ گیسپر جنوکا ایلچی
کے ذریعے سے اس کی تجدید کی گئی۔ ہیرڈس لکھتا ہی کہ چنوکا نے اطلاع دی کہ کشن دیورائے
کے حضور میں حاضر ہوا وہ اچھی طرح ملا اور بظاہر خلاق سے پیش بھی آیا لیکن چوں کہ عادل شاہ سے وہ مصالحت کر چکا
تھا اس لیئے صاف طور پر قلعہ بنانے کی اجازت نہیں دی غالباً راے بیجانگر نے یہ صلح عادل شاہ سے اس غرض سے کی تھی کہ
مسلمانوں کو پھر گوآ کے فتح کرنے میں آسانی ہو لیکن بطور زمانہ سازی راے بیجانگر نے ایلبوکرک کو گوے کی فتح پر مبارک باد
کہلا بھیجی اور عادل شاہ کے مقابلے میں مدد دینے کا وعدہ بھی کیا لیکن یہ سب بانی جمع خرچ تھا عمل کچھ بھی نہ ہوا
ماہ مئی میں مسلمانوں نے گوآ پر حملہ کیا اور ایک سخت جنگ کے بعد فتح کر لیا۔ ایلبوکرک
نے ڈیڑھ سو مسلمان عائد اور اُن کے بال بچوں کو قتل کر ڈالنے کے بعد گوآ کو خالی کر دیا
تھوڑے ہی دنوں کے بعد اسی سال ماہ نومبر میں جب کہ اسمٰعیل عادل شاہ سلطنت بیجاپور
کے اندرونی جھگڑوں میں پھنسا ہوا تھا ایلبوکرک نے رسول خاں والیِ گوآ پر آٹھ ہزار فوج
کے ساتھ حملہ کیا اور مسلمانوں کو شکست دے کر پھر یکم دسمبر ۱۵۱۰ء کو گوآ پر قابض ہو گیا
اس لڑائی میں پرتگالیوں نے مسلمانوں کے چھ ہزار مرد عورت اور بچوں کو قتل کیا تاریخ
فرشتہ میں لکھا ہی کہ کمال خاں وزیر سلطان بیجاپور نے پرتگالیوں سے مصالحت کر لی
اور گوآ کو پرتگالیوں کے قبضے میں چھوڑ دیا لیکن یہ بات صحیح نہیں ہی کیوں کہ ۱۵۱۲ء
میں رسول خاں نے ایک بہت بڑا حملہ گوآ کو واپس لینے کے واسطے کیا لیکن ایک سخت
لڑائی کے بعد شکست کھائی۔ جب پرتگالیوں کی کامیابی کی خبر بیجانگر میں پہنچی۔ تو
کشن دیورائے نے اپنے ایلچی گوآ کو روانہ کیئے۔ انھیں کے ساتھ پرتگالیوں کے ایلچی
لوئی نے ایک خط بھی ایلبوکرک کو بھیجا جس میں اس نے اپنی کیفیت یہ لکھی تھی کہ "یہاں
پہنچنے کے بعد سب لوگ سوائے راجہ کے اچھی طرح پیش آئے لیکن با ایں ہمہ راجہ نے
بھٹکل میں قلعہ بنانے کی اجازت دے دی ہی" لیکن لوئی بیجانگر واپس ہی نہیں آیا
تاریخ اس بات سے ساکت ہی کہ اس پر کیا گزری البتہ اتنا معلوم ہوتا ہی کہ وہ ایک دن
بیجانگر میں قتل کر ڈالا گیا۔ لوئی کا مراسلہ اس وجہ سے دلچسپ ہی کہ اس میں بیجانگر اور بیجاپور

دونوں جگہ کے حالات لکھے ہیں ایک حصّہ تو اُس کا بالکل صحیح ہی لیکن جس حصّے میں کہ کشن دیورائے
کی اُس زمانے کی کارروائیوں کا حال لکھا ہی اُن کا پتہ ہم کو کہیں اَور سے نہیں ملا۔ لُوئی
نے ایلبوکرک کو لکھا کہ عادل شاہ نے مع اَور چار مالکانِ ریاست کے بیجاپور کو دو مہینے کے
محاصرے کے بعد فتح کرلیا اور بادشاہِ دکن کو قید کرلیا۔ بادشاہِ دکن سے مراد بادشاہِ بہمنی
تھا اور عادل شاہ کے ساتھ اَور چار رؤسار دوسرے اُمرا ہوں گے۔ لُوئی نے یہ بھی لکھا کہ
بلگاؤں کے لوگ عادل شاہ سے بغاوت کرکے ہندو راجہ سے جا ملے ہیں۔ بیجانگر کی بابت
یہ لکھا کہ راجہ کے ایک باج گزار نے بغاوت کرکے شہر پرگنڈا (پنّاکنڈہ) پر اس بہانے
سے قبضہ کرلیا ہی کہ وہ اُس کا مالکِ جائز ہی۔ اِس لیے راجہ نے اِس مہم کے لیے سات
ہزار کی فوج طیار کی ہی۔ اِس مرحلے کے بعد راجہ سمندر کے ساحل کے چند مقامات کی طرف
جانے والا ہی لیکن ٹھیک طور پر یہ نہیں معلوم کہ کدھر جائے گا تاہم ایلبوکرک کو جتلا دیا
کہ تم اپنی جگہ ہوشیار رہو راجۂ بیجانگر سے دوستانہ تعلقات بڑھاتے رہو لیکن تموجی
(تمّاراج) جس کے دھوکے میں بہت سے لوگ آگئے ہیں پرتگالیوں سے اُس نے
دوستی گانٹھ لی ہی اس وجہ سے وہ بھی اِس کے دام میں آکر اعتماد کرنے لگے ہیں مگر تم
اِس شخص پر ہرگز بھروسا نہ کرنا یہ شخص تمھارا سخت مخالف ہی اور اِس نے اور گارسپّا
کے راجہ دونوں نے مل کر کشن دیورائے سے وعدہ کیا ہی کہ اگر وہ ایک مسلّح لشکر بھیج کر گوآ
کا محاصرہ کرے تو ابھی پرتگالی وہاں اپنے پاؤں جما کر قلعہ بندی وغیرہ بھی نہیں کرنے
پائے ہیں تو ایسے موقع پر ہم تمھارا قبضہ کرادیں گے۔ گوآ پر جب دوبارہ ایلبوکرک نے
قبضہ کرلیا تو والیِ بنکاپور نے بھی اُس کو مبارک باد کا پیغام بھیجا اور درخواست کی کہ سالانہ
تین سو گھوڑے اُس کو بھی ملا کریں۔ چوں کہ بنکاپور بیجانگر کی سڑک پر واقع تھا اِس لیے
پرتگالیوں کو نہایت ضرور تھا کہ وہاں کے حاکم سے اتّفاق رکھیں اور چوں کہ بنکاپور میں
بہت سے اعلےٰ درجے کے سوار رہتے تھے اِس لیے اِس درخواست کو منظور کرلیا۔ کشن
دیورائے ہمیشہ اِسی فکر میں لگا رہتا تھا کہ کسی طرح عمدہ گھوڑے ملیں۔ گوآ بہ مقابلۂ بیجانگر
کے بہ اعتبارِ سلطنت کے تو کچھ باوقعت نہ تھا کہ کشن دیورائے اُس کی پروا کرتا مگر گھوڑوں کا

معدن تھا اور یہاں آئے دن عادل شاہ سے مقابلہ رہا کرتا تھا جس کی وجہ سے گھوڑوں کی سخت ضرورت رہتی تھی۔ ایلبوکرک نے چند دنوں تو مسلمانوں کو چل دیا لیکن آخرکار راجۂ بیجانگر سے معاہدہ ہوگیا کہ آیندہ سے ہم مسلمان بادشاہوں کو گھوڑوں کی مدد نہ دیں گے بلکہ آپ ہی کی فوج کے لیئے گھوڑے فراہم کریں گے۔ تاریخ فرشتہ میں یہ لکھا ہے کہ راجۂ بیجانگر کو اچھا موقع ہاتھ لگا اُس نے قریب سنہ ۱۵۱۲ء کے اسمٰعیل عادل شاہ کی سلطنت میں قلعۂ رایچور پر حملہ کردیا۔ اسمٰعیل عادل شاہ اپنے مُلک کے اندرونی جھگڑوں میں ایسا پھنسا ہوا تھا کہ وقت پر مدد کو پہنچ نہ سکا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قلعۂ رایچور کو راے بیجانگر نے فتح کرلیا۔" لیکن نیونز نے اِس واقعے کا کچھ ذکر نہیں کیا بلکہ وہ یوں لکھتا ہے کہ راے بیجانگر کی پہلی لڑائی عادل شاہ کے مقابلے میں سنہ ۱۵۲۰ء میں ہوئی۔ اُس زمانے میں قلعۂ رایچور مسلمانوں کے قبضے میں تھا اور راجۂ بیجانگر نے چڑھائی کی۔ بس نیونز اور فرشتہ دونوں کے بیانات میں بڑا فرق ہے۔ فرشتہ نے سنہ ۱۵۲۰ء کی لڑائی کے متعلق یہ لکھا ہے کہ "اسمٰعیل عادل شاہ نے قلعہ جاتِ مُدگل و رایچور راے بیجانگر سے واپس لینے کے ارادے سے جنگ کی طیاری کی" راے بیجانگر نے اِن مقامات پر سنہ ۱۵۱۲ء میں قبضہ کرلیا تھا۔ اِن دونوں روایتوں میں سے کون سی صحیح ہے اِس کا تصفیہ نہیں ہوسکتا سنہ ۱۵۱۴ء میں کشن دیو راے نے گورنر پرتگال کو تین لاکھ روپے اِس شرط سے دینے چاہے کہ سواے بیجانگر کے اَور کہیں گھوڑے نہ دیئے جائیں۔ لیکن ایلبوکرک ایک جہاں دیدہ آدمی تھا اُس نے انکار کردیا۔ چند روز بعد راجہ نے دوبارہ یہی پیغام بھیجا اور کہا کہ اُس کا ارادہ عادل شاہ سے جنگ کرنے کا ہے۔ عادل شاہ کو بھی اِس کی خبر لگ گئی اُس نے بھی اپنے ایلچی کو گوئے روانہ کیا۔ گورنر پرتگال کے لیئے یہ ایک بڑا نازک موقع تھا اُس نے دورُخی چال چلی راے بیجانگر کو تو یہ لکھا اگر آپ سالانہ تیس ہزار کروزیڈ دیا کریں اور اپنے مُلازمین کو گوآ بھجوا کر گھوڑے خود منگوالیں تو میں امداد

ا؎ پرتگالیوں کا ایک سکہ ہے جس پر صلیب کی شکل بنی رہتی ہے ۱۲۔

کو موجود ہوں اور اگر آپ فوج کے اخراجات کی ذمّہ داری لیں تو مَیں فوج سے مدد دینے
کو بھی آمادہ ہوں اور اُدھر بیجاپور کو لکھ بھیجا کہ ہم تمام گھوڑے آپ کو اِس شرط پر دینے
کو موجود ہیں کہ آپ بادشاہِ پرتگال کو خاص وہ حصّہ مُلک کا جو جزیرہ گوآ کے مُقابلے
میں ہی سپرد کریں۔ لیکن ابھی یہ معاملہ طے نہیں ہونے پایا تھا کہ ایلبوکرک مرگیا۔ اِس سے
معلوم ہوا کہ رائچور کی جنگ سے پانچ سال پہلے ہی کشن دیو راے مُسلمانوں پر ایک
بڑی بھاری جنگ کرنے کے ارادے سے طیّاری کر رہا تھا بلکہ اُودے گری پر حملہ
کرنے سے بھی ایک سال پیشتر سے وُہ اِسی دُھن میں تھا۔ جس کا ذکر ہم اوپر لکھ آے ہیں

بیجانگر کے حالات سیّاح باربوسہ کی زبانی ۱۵۱۴ء

سیّاح باربوسہ نے[۱] ۱۵۰۴ اور ۱۵۱۴ء میں بیجانگر کے حالات لکھے ہیں کہ "سلطنتِ نرسنگا (پرتگالی ریاستِ بیجانگر کو ہمیشہ اِسی نام سے پُکارتے رہے ہیں)
بہت زرخیز اور متموّل ہی اور ہر قسم کی اشیا کی افراط ہی اِس میں بہت سے بڑے
بڑے شہر اور قصبے واقع ہیں۔ مغربی ساحلِ ہند پر بھٹکل ایک بڑی تجارت گاہ کی
منڈی ہی جہاں سے لوہا مصالحے ادویہ اور رنگ کی چھالیں وغیرہ باہر ملکوں میں بھیجی
جاتی ہیں اور گھوڑے اور موتیوں کی درآمد کی جاتی ہی۔ لیکن اُسی زمانے میں گھوڑوں
اور موتیوں کا بیوپار پرتگالیوں کی وجہ سے زیادہ ترگوئے میں ہونے لگا۔ بھٹکل
کا حاکم راجۂ بیجانگر کا بھتیجا تھا اور وہ خود راجہ کہلاتا تھا لیکن اپنے چچا کے ماتحت تھا"
ساحلِ سمندر سے چل کر باربوسہ اوپر وار گھاٹوں پر سے گزرا اور لکھتا ہی کہ "اِن
پہاڑوں سے (۴۵) لیگ (۱۳۵) میل کے فاصلے پر ایک بہت آباد شہر ہی جس کا
نام بیجانگر ہی جو ایک طرف ایک بہت عمدہ فصیل سے محفوظ ہی اور دوسری طرف پہاڑوں
سے گِھرا ہوا ہی۔ یہ شہر ہموار سطحِ زمین پر آباد ہی اور نرسنگا کا راجہ ہمیشہ یہاں رہتا ہی

---

[۱] باربوسہ ۱۵۰۱ء میں جہاز پر روانہ ہوا۔ اِس نے اپنی واقعہ نگاری کی کوئی تاریخ نہیں لکھی البتہ اِس نے اپنے وقائع ہندوستان میں ایک عرصۂ دراز تک بحری سیاحت کرنے کے بعد لکھے اور خاتمے پر ۱۵۱۶ء درج ہی یہ بات البتہ یقینی ہی کہ وُہ ۱۵۰۴ء میں بحرِ ہند میں تھا پس اِس سے ظن غالب ہوتا ہی کہ وقائع ۱۵۱۴ء کے لگ بھگ لکھے گئے ہوں گے ۱۲۔

وہ غیر مذہب والا ہی اور راشنی کہلاتا ہی۔ اِس شہر میں راجہ کے بہت سے بڑے بڑے اور خوب صورت محلّات ہیں جن میں متعدّد دیوان خانے ہیں راجہ کے علاوہ اَور بہت سے بڑے بڑے اُمرا اور رؤسا کے بہت سے محلّات ہیں جن میں وہ رہا کرتے ہیں باقی مکانات چھپّر کے ہیں۔ یہاں کی گلیاں اور سڑکیں بہت چوڑی ہیں بازاروں اور گلیوں میں ہمیشہ بے شمار بھیڑ ہر قوم و مذہب کے لوگوں کی لگی رہتی ہی۔ اِس شہر میں بے انتہا تجارتی کاروبار ہوتا ہی بہت سے جواہرات پیگو اور سراندیپ سے لاکر فروخت کیے جاتے ہیں اور اِس مُلک میں بھی جو اہرات پائے جاتے ہیں کیوں کہ اِسی سلطنت میں جواہرات کی ایک کان موجود ہی اور ایک دوسری کان سلطنت دکن میں بھی ہی۔ ہُرمُز اور کَیَل سے بہت سے موتی اور مخمل۔ کمخواب اور مونگا لاکر فروخت کیا جاتا ہی۔ راجہ ہمیشہ اپنے محلّات میں رہتا ہی شاذ و نادر کہیں باہر جاتا ہی۔ محلوں کے اندر راجہ کی خدمت گزاری میں تمام تر عورتیں رہتی ہیں اور ہر قسم کی خدمات گھر کے اندر رہ کر وہی انجام دیتی ہیں۔ محلّات کے متعلّق تمام عہدے اِن عورتوں ہی کے سپرد ہیں جو سب کی سب اِن ہی محلّات میں رہتی ہیں اُن کے رہنے کے لیے الگ الگ مکانات بنے ہوئے ہیں۔ راجہ کا ایک محل ہی جس میں وہ گورنروں اور عہدے داروں سے ملتا ہی اور مملکت کے معاملات طی کرتا ہی۔ لوگ قیمتی پالکیوں میں بیٹھتے ہیں جن کو آدمی کندھوں پر اُٹھاتے ہیں۔ بہت سی پالکیاں اور بہت سے سوار ہمیشہ اِس محل کے پھاٹک پر موجود رہتے ہیں۔ راجہ کے ہاں نو سو ہاتھی بیس ہزار سے زائد گھوڑے ہر وقت موجود رہتے ہیں جو راجہ نے اپنے ذاتی روپے سے خریدے ہیں

سلہ اِس لفظ کا مفہوم و معنے معلوم نہیں ہوتا ۱۲

سلہ غالباً اِس سے وہ نہایت آراستہ عمارت مراد ہی جس کے اندر کسی زمانے میں سرکاری دفاتر رکھّے جاتے تھے جس کے اطراف میں بلند دیواریں اور چاروں طرف دیدبان کے بُرج بنے ہوئے ہیں۔ یہ مکان اب "زنانہ" کے نام سے مشہور ہی اور اصطبلِ فیلاں کے مشرق میں واقع ہی یہ عمارت سرکاری نقشے میں اب نمبر (۲۹) کونسل روم ہی ۱۲۔

سوار اور پیدل ملا کر ایک لاکھ آدمی ایسے ہیں جن کو راجہ اپنی جیبِ خاص سے تنخواہ دیتا ہی جب راجہ مرجاتا ہی تو اُس کے ساتھ چار پانسو عورتیں ستی ہوجاتی ہیں۔ راجہ نرسنگا اور بادشاہ دکن کے درمیان جس نے راجہ کا بہت سا ملک دبا لیا ہی ہمیشہ لڑائی رہتی ہی۔ علیٰ ہذا اُڑیسہ کے راجہ سے بھی جنگ رہتی ہی۔"

راجہ کی لڑائیاں کنڈاپلی۔ راج مندری کنڈاویڑ اُدی گیری پر ۱۵۱۳-۱۵ء

اسی زمانے میں ملکِ میسور میں اُمّاتور کے راجہ گنگا راجہ نے بغاوت کی کشن دیو راے نے اُس پر حملہ کیا اور کامل فتح پائی علیٰ ہذا اسیو سمدر اور سرنگا پٹن کو بھی فتح کر کے اُس تمام ملک کو اپنے قبضے میں کر لیا ۱۵۱۳ء میں راجہ نے اُدی گیری پر (جو فی الحال ضلع نلور میں واقع ہی) جہاں ایک بہت بڑا مستحکم پہاڑی قلعہ ہی اور جو اُس زمانے میں راجہ اُڑیسہ کے قبضے میں تھا حملہ کیا اور فتح یاب ہونے کے بعد کرشنا دیوتا کی ایک مورت جو ایک پہاڑ پر مندر میں رکھی ہوئی تھی اُٹھا لاکر بیجانگر میں رکھی اور اُس کے لیئے بہت سی زمینیں انعام دیں چنانچہ اس کی یادگار میں ایک بڑا لمبا کتبہ پتھر پر کندہ شدہ اب تک بیجانگر میں موجود ہی اس کے بعد راجہ نے ایک بہت بڑا مندر جس کا نام کرشنا سوامی ہی بنوایا۔ یہ مندر اگرچہ اب خستہ حالت میں ہی تاہم اس شہر میں ایک نہایت قابلِ دید مقام ہی اس پر بھی پتھر کا ایک بڑا کتبہ اب تک موجود ہی۔ اُسی زمانے میں راجہ نے ایک اور مندر اپنے محل کے احاطے کے اندر بنوایا جس کا نام ہزارارا ما سوامی کا مندر ہی نیونز نے لکھا ہی کہ اُدی گیری میں کشن دیو راے نے راجہ اُڑیسہ کی چچی کو گرفتار کر لیا اور اُس کو قید کر کے بیجانگر لے آیا اودی گیری کے بعد راجہ نے کنڈاویڑ پر چڑھائی کی۔ جو ایک دوسرا مستحکم پہاڑی قلعہ راجہ اُڑیسہ کے مقبوضات میں تھا یہاں ایک گھمسان لڑائی ہوئی جس میں راجہ اُڑیسہ خود موجود تھا اور دو مہینے کے محاصرے کے بعد فتح ہوگیا۔ راجہ نے سالوتما کو کنڈاویڑ کا حاکم مقرر کر کے وہیں چھوڑ دیا

محل کنڈاپلی کا کھنڈر
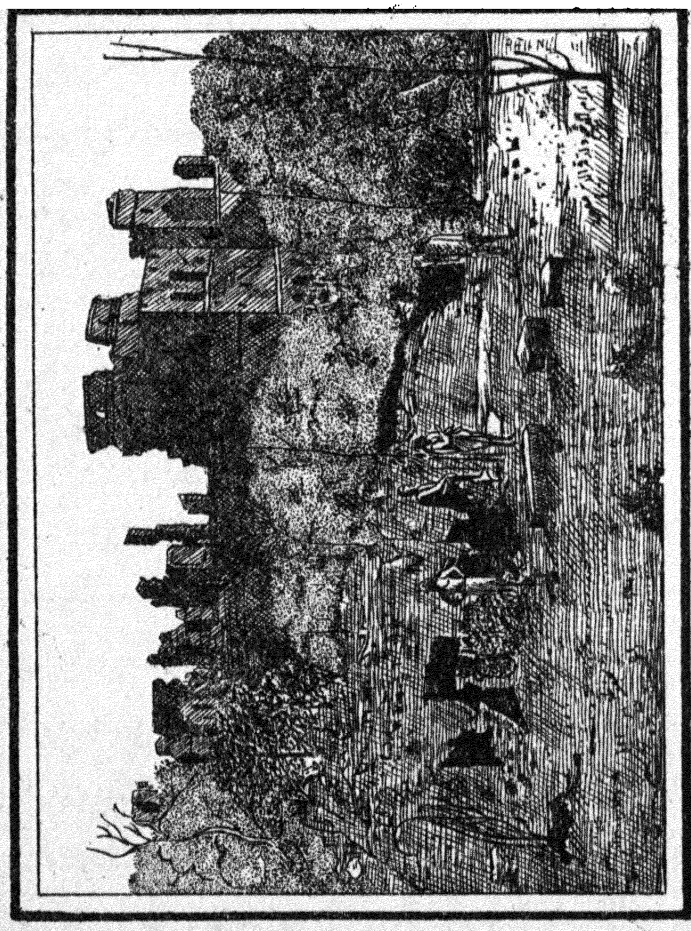
اور خود دشمن کے پیچھے شمال کی طرف چلا گیا۔ نیوٹز لکھتا ہی کہ سالو تمانے اپنے حقیقی بھائی کو کنڈا ویڑ پر متقرر کیا لیکن اس مقام پر جو کتبہ ہی اُس میں یہاں کے حاکم کا نام نارنڈولہ گوپا نشتری سالو تما کا بھتیجا لکھا ہوا ہی۔ کنڈا ویڑ ۱۴۵۴ء سے راجہ گان اُڑیسہ کے قبضے میں تھا کشن راے نے ۱۵۱۵ء میں اُسے فتح کیا۔ ایک کتبہ میں جو کنڈا ویڑ میں ہی سالو تما کی بہت تعریف لکھی ہی اور لکھا ہی کہ اساڑھ سکلا۔ ہری واسر سار اسکے ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۳ جون ۱۵۱۵ء یوم شنبہ کو اُس نے اِس قلعے کو فتح کیا۔ کنڈا ویڑ کی فتح کے بعد راجہ کا شمال کی طرف جانا لکھا ہی جس کی تصدیق اس سے ہوتی ہی کہ قصبۂ مدرا[1] جو شہر بجواڑہ[2] سے (جو رود کشنا پر ہی) ۲۲ میل جنوب و مشرق میں واقع ہی یہاں ایک کتبہ موجود ہی جس سے ۱۵۱۶ء میں کشن دیو راے اور کسی غنیم سے جنگ ہونا پایا جاتا ہی لیکن غنیم کا نام مٹ گیا ہی اس میں بھی کشن دیو راے کو فتح ہوئی پھر راجۂ بیجانگر نے تین مہینے کے محاصرے کے بعد کنڈہ پلی کو فتح کر لیا اور راجۂ اُڑیسہ کی بی بی اور بیٹے کو جو یہیں تھے گرفتار کر لیا۔ یہاں سے راجہ راج مندری گیا اور وہاں چھ مہینے مقام کیا اس کے تھوڑے دنوں بعد آپس میں صلح ہو گئی اور کشن دیو راے نے راجۂ اڑیسہ کی بیٹی سے شادی کر لی اِن تمام بیانات کی تصدیق اُس مطوّل کتبے سے ہوتی ہی جو بہ مقام کنجیورم وردراج سوامی کے دیول میں موجود ہی۔ اُس میں

---

[1] اب مدھرہ کہلاتا ہی تحصیل ضلع ورنگل ہی جو بجواڑہ سکشن نظام سٹیٹ ریلوے پر واقع ہی ۱۲

[2] دریاے کرشنا کے شمالی کنارے پر واقع ہی یہاں سے بڑی بڑی نہریں مدراس۔ ایلور۔ مچھلی پٹن۔ کوکناڈا اور راج مندری کو نکالی گئی ہیں۔ بڑی تجارت کی منڈی ہی۔ یہاں بودھ کے زمانے کے پتھروں میں تراشے ہوے بہت سے مندر ہیں جن میں سے بعض دیول تو بہت قدیم زمانے کے ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک قلعہ ۱۷۶۰ء میں بنایا تھا جو ۱۸۳۲ء میں ڈھا دیا گیا۔ رود کرشنا میں جو بند لاکھوں روپیہ خرچ کر کے گورنمنٹ نے باندھا ہی وہ عجیب و غریب انجنیری کی کاریگری کا نمونہ ہی ریل کا آہنی پل بھی بہت بڑا اور مضبوط و مستحکم ہی اُوپر سے ریل جاتی ہی نیچے سے آدمی چلتے ہیں ۱۲

لکھا ہی کہ راجۂ بیجانگر نے اُودی گری - بالم کنڈہ - وین کنڈہ - کنڈا ویڑ اور دوسرے مقامات کو فتح کیا اور پھر بجواڑہ اور کنڈپلی کو گیا اور آخر کار رلج مندری پُہنچ گیا - نیونز نے لکھا ہی کہ اس شادی کے بعد راجۂ بیجانگر نے مشرق کی جانب مقام کنتور پر جو ساحل کاروسنڈل پر واقع ہی حملہ کیا اور کاٹمیور کو فتح کر لیا لیکن مقام آخر الذکر کا اب کہیں پتہ نہیں لگتا - اِن فتوحات سے تمام حصۂ مشرقی ملک راجۂ بیجانگر کے قبضے میں آگیا نیونز نے لکھا ہی کہ اودی گری - کنڈا ویڑ اور کنتور کی لڑائیوں کے بعد ہی رائچور کی لڑائی شروع ہو گئی لیکن کتبوں سے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ اِن مقامات پر ۱۵۱۵ء کے اخیر میں جنگ ہوئی ہی اور رائچور کی لڑائی اِس سے کم سے کم پانچ سال کے بعد ہوئی ہی -

قطب شاہِ گولکنڈہ کی لڑائیاں ملکِ تلنگانہ میں

دکن کے جنوب و مشرقی حصّے میں سلطان قلی قطب شاہ بادشاہ گولکنڈہ اور اُس کے ملحقہ ہندو اور مسلمان والیانِ وقت سے جو لڑائیاں ہوئی ہیں اُس کا حال تاریخِ فرشتہ کی جلد سوم میں ایک دوسرے مورّخ سے نقل کیا گیا ہی اور چوں کہ یہ واقعات کشن دیو راے کے زمانے میں ہوے ہیں اس لیئے اُن کا مختصراً بیان کرنا مناسب ہی مسلمان مورخین نے جو تاریخیں اِن واقعات کی لکھی ہیں اُن میں اور ہندو اور پرتگالیوں کی روایات میں (جن کی تائید میں کتبے موجود ہیں) اختلافات ہیں - سلطان قلی قطب شاہ نے ۱۵۱۲ء میں خود مختارانہ سلطنت کا اعلان کیا اُس نے اپنی تخت نشینی کے بعد راز کنڈہ اور دیور کنڈہ کے دو قلعوں پر جو حیدر آباد کے جنوب و مشرق ملک تلنگانہ میں واقع ہیں فتح کیا - جب بادشاہ نے دیور کنڈہ فتح کیا تو کشن دیو راے نے ایک بڑا لشکر لے کر مسلمانوں پر ۱۵۱۳ء میں چڑھائی کی - ہندوؤں کا لشکر پانگل[1] میں جا کر ٹھیرا جو رائچور سے مشرق میں رود کرشنا کے کونے پر واقع ہی - اس جنگ میں قطب شاہ کو

---

[1] بجواڑہ سے ۱۰۰ میل پر بمبئی نظام سٹیٹ ریلوے کا اسٹیشن ہی یہاں ایک پُرانا قلعہ ہی ۱۲

فتح ہوئی۔ اس کے بعد سلمانوں کا لشکر گھن پورے کو گیا جو بہ فاصلہ (۲۰) میل جانب شمال واقع ہے بہت سے لوگ مارے جانے کے بعد اِس قلعے کو بھی بادشاہ نے فتح کیا اور پھر کوئل[۱] کنڈہ (جو (۲۰) میل جانب شمال و مغرب سرحدِ سلطنتِ بیدر پر واقع ہے اور علاءالدین عماد شاہ کا مقبوضہ تھا) فتح کر لیا۔ اس مقام پر عماد شاہ اور سلطان قطب شاہ کی جنگ ہوئی۔ اور قطب شاہیوں کی فتح ہوئی۔ تھوڑے دنوں بعد گول کنڈہ کے مشرقی علاقے میں بغاوت ہوئی۔ سیتاپتی کھمم[۲] مٹ کے راجہ کا علاقہ وسیع تھا جس میں قلعہ جاتِ ورنگل اور بالم کنڈہ جو کرشنا کے جنوب میں واقع ہیں شامل تھے وہ بھی باغی ہو گیا۔ بادشاہ نے بالم کنڈہ پر چڑھائی کی جس کو ایک عرصے تک محاصرہ کرنے کے بعد فتح کیا۔ اس پر سیتاپتی نے بادشاہ کے مقابلے میں جنگ کی اور شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اس کے بعد بادشاہ گول کنڈہ کو واپس چلا آیا۔ پھر راجہ نے اپنے ہم سرحد بہت سے والیانِ ملک کو برانگیختہ کر کے ایک بڑا لشکر کھمم پر اکھٹا کیا اس کی خبر بادشاہ سُن کر گول کنڈہ سے فوج لے کر بڑھا اور جنگ میں کامل فتح پائی۔ راجہ سیتاپتی نے بھاگ کر رام چندر دیو پسر گجپتی راجۂ اڑیسہ کے پاس کنڈہ پلی میں پناہ لی۔ بادشاہ نے کھمم پہنچ کر قلعے پر قبضہ کر لیا اور شہر کے سب مرد عورتوں اور بچّوں کو قتل کر ڈالا اور راجہ سیتاپتی کی تمام عورتوں کو پکڑ کر اپنے حرم سرا میں داخل کر لیا۔ اسی اثنا میں ہندوؤں نے اطراف واکناف سے ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا اور بسر کردگی راجۂ اُڑیسہ ایک لڑائی دریائے پالیخنور کے قریب میں ہوئی اس میں بھی ہندوؤں نے شکست پائی۔ بادشاہ نے کنڈہ پلی ایلور۔ اور راج مندری پر قبضہ کر لیا اس کے بعد راجۂ اُڑیسہ سے صلح ہو گئی اور سلطنت گولکنڈہ کی مشرقی سرحد دریائے گوداوری قرار پائی۔ اس سے سلطان کی وسیع مملکت میں

---

[۱] ضلعِ محبوب نگر عرف پالمور کی تحصیل ہے۔ یہ مقام پہاڑی قلعے کے لیئے مشہور ہے ۱۲

[۲] حیدرآباد سے (۱۲۰) میل، ہے ضلعِ ورنگل کی تحصیل ہے۔ نظام اسٹیٹ ریلوے بجواڑہ سکشن کا اسٹیشن ہے منیر ندی پر واقع ہے۔ یہاں کا قلعہ بھی مشہور ہے ۱۲۔

اضلاعِ ایلورا اور بجواڑہ بھی شامل ہو گئے۔ کشن دیورا ے نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کے مقبوضات بڑھتے چلے جاتے ہیں تو وہ بھی نکل کر کھڑا ہوا بادشاہ بھی کنڈا ویڑ کی طرف بڑھا اور کنڈہ ویڑ پر قابض ہو گیا تھا مگر راجہ گاں بالم کنڈہ و دین کنڈہ کے حملوں سے پسپا ہونا پڑا لیکن پھر بھی بادشاہ بالم کنڈے کے قلعے کو بہت نقصان کے بعد فتح کر کے کنڈہ پلی کو چلا گیا۔ کشن دیورا ے نے بالم کنڈہ پر جو مسلمانوں کے قبضے میں آگیا تھا چڑھائی کی بادشاہ بھی ہندوؤں کے پیچھے ہی پیچھے پہونچ گیا دونوں میں لڑائی ہوئی جس میں مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ اس کے بعد بادشاہ کنڈہ ویڑ پہونچا اور فتح کر لیا۔ جب دیورا ے کو کنڈہ ویڑ کی فتح کا حال معلوم ہوا تو اس نے اپنے داماد سیورا ے[1] کو ایک لاکھ پیدل اور آٹھ ہزار سوار دے کر مسلمانوں کے مقابلے کو بھیجا۔ بادشاہ کنڈہ ویڑ چھوڑ کر رود کرشنا کے کنارے پڑا ہوا تھا بیجانگر کے لشکر میں آتے ہی کنڈہ ویڑ پر قبضہ کر لیا[2] اور بادشاہ کا تعاقب کیا لیکن اس مقابلے میں ہندوؤں نے شکست پائی اور پسپا ہوئے۔ کنڈہ ویڑ کے مسلمانوں نے اب اُن کا پیچھا کیا اور دوبارہ کنڈہ ویڑ چھین لیا ہندوؤں نے مغلوب ہو کر اطاعت قبول کر لی اور خراج دینے کا بھی اقرار کر لیا۔ بادشاہ نے اپنی دارالسلطنت کو واپس آکر سُنا کہ اسمٰعیل عادل شاہ بادشاہ بیجاپور نے راجۂ بیجانگر کے اشتعال سے کویل کنڈہ کا محاصرہ کر لیا[3] ہی قُلی قطب شاہ اِن کے مقابلے کو بڑھا اور بادشاہ نے گول کنڈہ سے لشکر کشی کی اور برابر گیارہ مہینے تک دونوں میں لڑائیاں

---

[1] ۱۵۱۵ء میں کشن دیورا ے کی عمر صرف (۲۹) سال کی تھی لیکن اہلِ ہنود میں لڑکیوں کی شادی عموماً بہت کم سنی میں کر دی جاتی ہی اس لیے سیورا ے کا داماد ہوتا کچھ تعجب کی بات نہیں ہی ۱۲

[2] اس سے معلوم ہوتا ہی کہ کشن دیورا ے نے قلعۂ کنڈہ ویڑ پر ۱۵۱۵ء میں قبضہ کر لیا لیکن نیونز نے لکھا ہی کہ کشن دیورا ے نے قلعۂ مذکور کو مسلمانوں کے قبضے سے نہیں لیا بلکہ راجۂ اڑیسہ سے لیا ۱۲

[3] تاریخ فرشتہ میں لکھا ہی کہ اسمٰعیل عادل اور امیر برید دونوں نے مل کر کویل کنڈہ کا محاصرہ کیا تھا راجۂ بیجانگر کی اس میں کوئی سازش نہ تھی ۱۲

ہوتی رہیں آخرِ کار اسمٰعیل عادل شاہ بخار سے مر گیا[1] اور اُس کی جا ے اُس کا بیٹا ملّو تخت نشین ہوا۔ انھیں لڑائیوں میں سے ایک لڑائی میں سُلطان قُلی کے چہرے پر تلوار کا ایک سخت زخم آیا جس سے وہ ہمیشہ کے لیئے بدشکل ہو گیا[2]۔ ہم نے اِن سب حالات کو یہاں یکجا بیان کر دیا ہی کیوں کہ مسلمان مورخین نے بھی اِن واقعات کو مسلسل بیان کیا ہی اور اِس میں اکیس سال کا زمانہ گزر گیا اِس لیئے کہ یہ واقعات سلطان قُلی خاں کے عہد کے تھوڑے ہی دن بعد ۱۵۱۲ء سے شروع ہوے ہیں اور اسمٰعیل شاہ کی موت تک ۱۵۳۴ء میں ختم ہوے لیکن ہر واقعے کا سال علیحدہ علیحدہ نہیں بتلایا تاہم بعض واقعات متفق علیہ ہیں۔ مثلاً کشن دیو رائے نے ۱۵۱۵ء میں کنڈہ ویڑ پر قبضہ کیا اور اِس کے دوسرے ہی برس اِسی کے

---

[1] اِس نواح کی آب و ہوا کی رداوت سے اسمٰعیل عادل شاہ کو تپ آنے لگی جس سے وہ نہایت کم زور ہو گیا۔ بادشاہ نے اسد خاں لاری اور امیر قاسم برید ترک کو بلا کر کہا کہ یہاں کی آب و ہوا مجھے ناموافق ہی میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ یہیں رہ کر ملکِ تلنگانہ کے قلعوں کو فتح کر دیں گلبرگہ جاتا ہوں بعدِ صحت واپس آجاؤں گا۔ دوسرے دن علی الصّباح بسواریِ پالکی جانے کا ارادہ تھا لیکن صبح چہار شنبہ ۱۶ صفر ۹۴۱ھ کو انتقال کیا اسد خاں لاری نے اِس بات کو چھپایا اور پالکی پر پردہ ڈال کر راتوں رات قصبۂ گوگی کو روانہ کیا جہاں وہ اپنے باپ کے جوار میں مدفون ہی ۱۲

[2] تاریخ فرشتہ میں یہ حادثہ جمشید قطب شاہ پر جو سلطان قلی کا جانشین تھا (۹۵۰ھ ۱۵۴۳ء) میں ہونا لکھا ہی بادشاہ کے سر اور ناک اور چہرے کا ایک زخم ہونٹ تک کٹ گیا تھا جس سے مدۃ العمر کھانے اور پینے میں ازحد تکلیف رہی اور کبھی کسی کے سامنے نہ کھاتا تھا۔ اِس واقعے کی خبر سفر سے پیشتر ہی مُلّا محمود نے دے دی تھی جس کو سن کر بادشاہ غضب ناک ہوا اور مُلّا محمود کی ناک کٹوا کر اپنے قلمرو سے خارج کر دیا لیکن جو کچھ مُلّا محمود نے کہا تھا وہ آخر کار پیش آیا۔ جنگ سے واپس آنے کے بعد بادشاہ نے جُنیر سے مُلّا محمود کو گول کنڈہ بلوایا لیکن مُلّا صاحب نے جواب دیا کہ "ہنوز بینی دیگر بہم نرسانیدہ ام ان شاء اللہ تعالےٰ وقتے کہ بہم رسد قدم از سر ساختہ بملازمت اقدس مشرف خواہم شد و بینی را تصدقِ افسر مبارک خواہم نمود" بادشاہ دو برس برابر بیمار رہا اور روز بروز کم زور ہوتا گیا اور آخر کار تپ دق سے ۹۵۷ھ میں سات سال سلطنت کرنے کے بعد مر گیا ۱۲۔

اطراف واکناف میں دوسری لڑائیاں ہوتی رہیں۔ اگرچہ نیو نز نے لکھا ہی کہ راجۂ بیجانگر نے کنڈہ ویڑ کو راجۂ اڑیسہ کے قبضے سے لیا تاہم اُس لڑائی میں ہندوؤں کے مقابلے پر مسلمانوں کی مسلح فوج کا بھی اُسی نواح میں موجود ہونا ذکر کیا ہی۔ اب ہم بیجانگر کے حالات بیان کرتے ہیں۔ ۱۵۱۶ء سے ۱۵۲۰ء تک دار السلطنتِ بیجانگر کے حالات ہندوؤں کی روایات سے کچھ معلوم نہیں ہوتے۔ اس زمانے میں پرتگالی مقامات ساحلِ سمندر پر سوداگری کرتے تھے اور قریب کے ہندو راجاؤں سے کچھ لڑائیاں بھی ہوئی تھیں لیکن اُس کا اثر بیجانگر تک نہیں پہنچا کیوں کہ پرتگالی راجۂ بیجانگر سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ اور اِن تعلقات کی وجہ سے اطمینان سے اُن کی سوداگری خوب چل رہی تھی اور اُن کے قدم جمتے جاتے تھے۔ راجہ بیجانگر بھی اُن کے نام کو نہ جاتا تھا کیوں کہ پرتگالیوں سے گھوڑے اور دوسری مایحتاج اشیا کی امداد ملتی رہتی تھی باقی تمام راجہ کے حصۂ ملک میں امن تھا اور رعایا اُس کی حکومت کی مطیع تھی۔ نیو نز نے لکھا ہی کہ سلطنت کی تقسیم صوبوں میں کر دی گئی تھی۔ ہر صوبے کے سردار کو اپنے علاقے میں کامل اختیارات حاصل تھے بشرطیکہ وہ حسب قرار دادِ مقررہ تعداد میں سواروں اور پیدل اور ہاتھی کو موجود رکھے۔ صوبے داروں کا فرض تھا کہ فوج کو بالکل مکمل اور اچھی حالت میں رکھیں تاکہ لڑائی کے وقت کام آئے صوبے دار وقت مقررہ پر اپنا اپنا خراج بھی برابر دیے چلے جاتے تھے۔ اِس امن کے زمانے میں بھی ملکِ دوآبہ پر چڑھائی کرنے کے لیے راجہ ایک بڑی فوج طیار کر رہا تھا کیوں کہ یہ ملک دو صدیوں سے ہندو اور مسلمانوں میں مابہ النزاع تھا راجہ کا ارادہ رائچور پر جو مسلمانوں کے قبضے میں تھا چڑھائی کرنے کا تھا اور

---

۱ یہ روایت نیو نز کی ہی لیکن فرشتہ کا بیان اِس کے برخلاف ہی۔ ہماری رائے میں نیو نز کا بیان مرجح ہی کیوں کہ اُس نے نہایت خوبی اور تفصیل سے واقعات لکھے ہیں جن کے پڑھنے سے کسی قسم کا شبہہ اُن کی صحت کے متعلق باقی نہیں رہتا (بقیہ برصفحہ ۲۰۵)

جب سب طیّاری ہو چکی تو اُس نے رائچور پر حملہ کر دیا۔ اِن واقعات کو ہم دوسرے باب میں بیان کریں گے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰۴) فرشتہ نے سالہا سال کے بعد ان واقعات کو قلم بند کیا ہے اور اِس سبب سے ممکن ہے کہ مغالطہ ہو گیا ہو۔ اِس جنگ میں بہت سے پرتگالی موجود تھے اور غالباً خود نیونز بھی تھا یا کم سے کم اُس نے اُن لوگوں سے سُن کر لکھا ہے۔ جو خود اِس معرکے میں موجود تھے۔ نیونز کے طرزِ بیان سے تو یہی پایا جاتا ہے کہ وہ چشم دید واقعات لکھ رہا ہے ۱۲۔

گیارھواں باب

محاصرہ و جنگِ رایچور اور کشن رائے کی سلطنت کا خاتمہ

مِن ابتدائے سنہ ۱۵۲۰ع لغایتہ سنہ ۱۵۳۰ع

رایچور پر ایک عظیم الشّان لڑائی سنہ ۱۵۲۰ع

رایچور[۱] پر جو لڑائی ہوئی اُس کے واقعات نیونز نے بہت شرح و بسط سے لکھے ہیں۔ اُسی کا خُلاصہ ہم یہاں لکھ دیتے ہیں۔ کشن دیو رائے نے عادل شاہ سے

---

[۱] کتبہ ہاے سنگی و دیگر عمارات قدیم و نیز بعض کُتُب سے معلوم ہوتا ہی کہ رایچور ایک قدیم شہر ہی جس کے قلعے کا استحکام اور حیرت خیز دست کاریوں سے اِس کے ابتدائی فرماں روایانِ راجگانِ ویجانگر کی اعلےٰ قوّت و شوکت اور اُن کے خزانے کی بے حد وسعت کا ثبوت ملتا ہی۔ اِس قلعے کی اُستواری اور اِس کے موجودہ اسباب سے ظاہر ہی کہ یہ قلعہ اُس زمانے کے بہادر فرماں رواؤں کی پُرزور حکومت و سلطنت اور اُن کے خوں ریز معرکوں کا استوار مرکز تھا۔ یہ ایک بہت پُرانا قلعہ ہی جس زمانے میں مشہور و نامی گرامی بہادر راجہ گورڈ گنگیا ریڈی والی وردھمان پور کے وزیر راجہ وٹھل نے اِس نواح کے قلعوں کو فتح کر کے رایچور کی طرف عنانِ حکومت پھیری تو اِس مقام کا نام (راکٹور) رکھا۔ ایک دوسری وجہ تسمیہ یہ مروی ہی کہ قریب آٹھ سو برس کے ہوئے کہ بوس ریڈی نامی ایک شخص (بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)
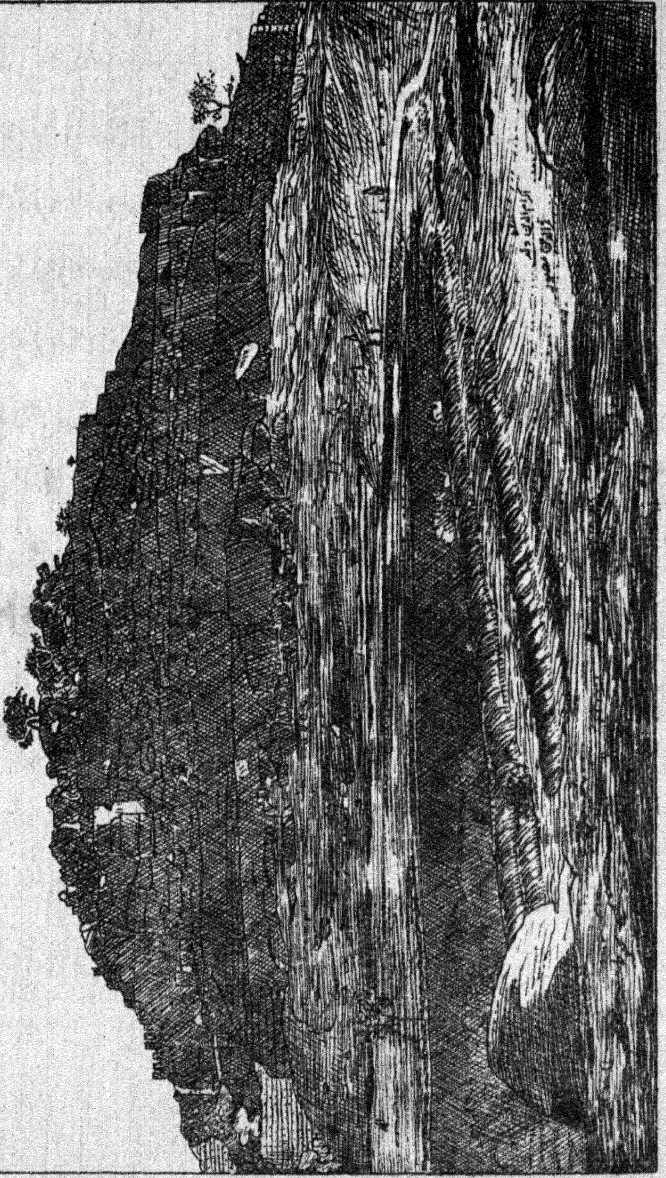
جنگ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ اُس نے ٹھان لیا تھا کہ جس طرح بن پڑے ۔ قلعۂ رایچور کو فتح

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰۶) ملیا باد کا قلعہ بنوا رہا تھا جو رایچور سے جانبِ جنوب تین میل کے فاصلے پر ہے۔ ایک دن وہ شکار کو نکلا اور ایک خرگوش پر اپنے کُتّے کو چھوڑا اور اُس سرزمین پر پہونچا جہاں اب رایچور آباد ہے۔ وہ دونوں گتھ گئے۔ خرگوش تو کُتّے نے مار لیا لیکن کُتّا بھی زخمی ہوا۔ بوس ریڈی نے خرگوش کی جرأت پر تعجب کیا اور ملیا باد کے قلعے کی تعمیر کو نا تمام چھوڑ کر یہاں قلعہ بنوایا اور نائی چور نام رکھا (نائی کنڑی میں کُتّے کو کہتے ہیں) جو کثرتِ استعمال سے رایچور ہو گیا۔ راجہ گونڈھل نے اپنی رعایا اور سپاہ کی حفاظت کی غرض سے بماہِ ماگھ سُدھ دسویں یوم یکشنبہ آخر شاکھ ۱۲۱۶ جیٹھ نام سمچھری مطابق ۶۹۲ھ مطابق ۱۲۹۴ء کو اس قلعے کی تعمیر شروع کی اور ماہ کارتک سُدھ دسرسٹی یوم دوشنبہ ۱۲۲۳ وجہ نام سمچھری مطابق ۷۰۱ھ موافق ۱۳۰۱ء سات سال میں اس کی تعمیر ختم ہوئی۔ اِس قلعے کے اندرونی و بیرونی دو حصار ہیں۔ تین طرف خندق ہے اور جنوبی جانب ایک چھوٹا سا پہاڑ گھیرے ہوئے ہے۔ فصیلوں کی بندش نہایت حیرت خیز و نادر ہے یعنی اندرونی فصیل کی دیواروں میں بڑی بڑی سلیں جو اکثر بارہ بارہ فٹ طول اور ڈھائی فٹ عرض اور تخمیناً دس دس ٹن وزن کی ہوں گی (۲۸ من کا ایک ٹن ہوتا ہے) بلا آمیزش کسی چیز کے ایک پر ایک جائی گئی ہیں اور بعض پتھر عرض و طول میں اس سے بھی دُگنے ہیں۔ کسی مقام پر آٹھ اور کسی مقام پر صرف پانچ پتھروں کے جانے سے فصیل مکمّل ہو گئی ہے۔ اِن فصیلوں کی تعمیر میں چونا مٹّی یا گچ کا بالکل استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ بڑی ہنرمندی کے ساتھ پتھروں کو اس خوبی سے گھڑا گیا ہے کہ ذرا درز باقی نہیں ہے اور ایک دوسرے سے پیوستہ ہو گئے ہیں۔ اِس قلعے کی بیرونی فصیل اور دروازے سلطان ابراہیم عادل شاہ نے ۹۵۷ھ میں بنوائے تھے۔ اندرونی حصار میں دو مستحکم دروازے ہیں ایک بجانبِ مشرق شاہ پیر ٹیلا کا دروازہ مشہور ہے دوسرا مغرب کی طرف سیلانی دروازہ کہلاتا ہے۔ بیرونی فصیل کے تین عالی شان دروازے ہیں۔ دروازہ شمالی موسوم بہ نورنگ دروازے کی عمدہ صنعت اور دل فریب دست کاری سے قدیم فنِ تعمیر کی صنّاعی کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ یہ دروازہ قابلِ دید ہے اس پر اکثر فحش تصاویر منقّش ہیں۔ مشرقی دروازے کا نام کاٹی دروازہ ہے جس کی پیشانی پر کلماتِ طیّبات اور نصرٌ من اللہ و فتحٌ قریب لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ فاللہ خیرٌ حافظا وھو ارحم الرّاحمین ۹۴۷ھ اور اسمائے شریف دوازدہ امام (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

کرکے چھوڑوں گا کیوں کہ یہی مقام ہنود اور مسلمانوں کی سلطنت میں ہمیشہ ما بہ النزاع

(بقیۂ نوٹ صفحہ ۲۰۷) و دیگر آیات قرآنی کندہ ہیں نوریہ بھی کہ یہ دروازہ شمشیر الملک نے بعہد ابراہیم عادل شاہ یکم رمضان ۱۰۲۸ھ میں طیار کرایا ہے۔ بجانب مغرب مکی دروازہ ہے لیکن یہ دروازہ قدیم نہیں معلوم دیتا غالباً عل کشنری یا اس سے پہلے کا ہو گا کیوں کہ اس دروازے کے پاس زمانۂ سلف میں بادشاہی فیل خانہ تھا اور علامات مکانات اس وقت تک موجود ہیں۔ کتبۂ ذیل بخط نسخ نہایت درجہ خوش خط ایک لمبے چوڑے سیاہ پتھر پر منبّت کندہ ہے اور کاٹی دروازے کے اندر جو شاہی عمارات ہیں ان عمارتوں پر ایک بلند کوشک ہے جو برج قادریہ سے ملی ہوئی ہے وہاں ایک علیحدہ مقام پر طاق بنوا کر کھڑا کیا گیا ہے۔

"ابتدار برج قادریہ اربع عشر شہر جمادی الاولیٰ ختم اللہ عزّ وجلّ فی عصر ھمایون الاعظم خاقان المعظم مالک رقاب الامم خلیل اللہ المسمّی بسلطان ابراہیم عادل شاہ طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ در سنۃ الف وسبع عشرین تمامہ وفی العہد صاحب قرانی کشورستانی بادشاہ جوان بخت ابو المظفر سلطان محمد عادل شاہ لازال ناصر العباد اللہ وحافظ البلاد اللہ وبانی مقبول جہاں بانی مخص درگاہ منان عبد الوہاب ابن ریحان۔ نوّر اللہ مرقدہ وغفر ذنوبہ راقم سید حسین بن فضل اللہ سنہ ۱۰۲۹ھ"

سیلانی دروازے سے چند گز کے فاصلے پر جنوبی دیوار میں ایک بہت بڑا مستطیل پتھر نصب ہے جو اکتالیس فٹ پانچ انچ لمبا اور تین فٹ چوڑا ہے جس پر پرانی کنٹری میں حسب ذیل کندہ ہے:

"مرحبا ایسے شخص کو جو جامع ہے تمام نیک خصلتوں کا۔ معدن جواہرات سچائی کا۔ ممتاز شوکت اور فیاضی میں۔ غضب ناک بہادران قدیم میں۔ تندخو مردانگی میں۔ خداوند شہر کا کتیاز جس کی دیری تسلیم کی گئی ہے۔ لڑائی میں والی عمدہ شہر کرڈ پاسر کا۔ خاص ہم جلیس و متبرک بہادری دیوتائی کا۔ کرنوں کا آفتاب ہنسلو خاندان کا۔ غضب ناک سید ان جنگ میں۔ نہایت جوان مرد و معزز گرامی سردار دونوں فوج میں (بقیۂ نوٹ صفحۂ آئندہ)

رہا ہی اسی ارادے سے وہ بہت بڑا لشکر جمع کرکے بیجانگر سے بہ ماہ فروری یا مارچ جب کہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰۸) دیروں میں ایک دلیر۔ غیر مفتوح مثل گنڈا بھرنڈا۔ افضل سردار اپنے دشمنوں پر اُس نے فتح کیا تیروں کو داہنے پیر میں شکست یافتہ افسروں کے تصاویر بنے ہوئے توڑے پہنتا ہی۔ وہ تمام عالم میں ایک بے نظیر جواں مرد ہی۔ وہ پہنتا ہی ایک خوب صورت جڑاؤ تاج۔ وہ ہمیشہ جلال میں رہتا ہی۔ اُس کی اصلی گاڑی ہانکنے والا وہ ہی جو اپنی کلغی مانند چاند کے رکھتا ہی۔ وہ تعلیم دیتا ہی خراب اور معذور گھوڑوں کو۔ وہ اوتار ہی ایسے بہادروں کا جو نہیں ہٹتے ہیں میدان جنگ سے۔ ایسا بہادر جس نے سر کاٹے بہادروں کے۔ جس نے کاٹا سر کاسی نایک پڑے پٹی کا۔ بہادر جس نے کاٹا سر کسی نایک کندر دکا۔ وہ بے نظیر ہی اپنے قہر لازوال اور جلال میں۔ وہ بے دور بیں جنگ میں رام کے مانند ہی۔ وہ شب کے وقت لے گیا ہی خزانہ سیرابی راگ نایک زمیندار شہر گیون تونڈاکا جو واقع ہی جانب ملک نیروالا کدور کے وہ مشہور ہی اپنی فطرتی تیزی و ذکاوت میں۔ وہ کوٹتا ہم ماڈی ریا کی گردن کی گھنٹیاں تقسیم کرتا ہی۔ وہ پہنتا ہی زردار کوٹ اور ہانکتا ہی گھوڑوں کو ریشمی کوڑوں سے۔ وہ نیک افعال اور رودرا کے سیدھے ہاتھ کی چھڑی ہی۔ اُس کی شہرت ایسی ہی جیسے کہ برہما کے انڈے کا چھلکا۔ بھرا ہوا ہی جواہرات کے صندوق کے مانند۔ وہ نازاں ہی اپنی قوت پر۔ وہ پرستش کرتا ہی پاک و چمک دار قدم سوسنات دیوتا کی۔ وہ فتح کرتا ہی دشمن کی فوج کو۔ وہ واقف ہی تمامی مہم اور معاملاتِ پولیٹکل سے مثلاً دوستی وغیرہ کے۔ جس زمانے میں کہ مشہور نامی گوڈگنگیا ریڈی بمقام بوزنپا پورہ اپنی سلطنت میں امن و امان کے ساتھ حکم رانی رکھتا تھا اسی زمانے میں راجہ وٹھل ناتھ نے جو زینت دیا گیا ہی ستودہ صفات اور خوبیوں سے اور پرستش کرتا ہی متبرک چمک دار قدم سری نارائن دیوتا کی اور فتح کرتا ہی غنیم کی فوج کو اپنی سلطنت خطرہ خاص اور غنیم سے بچانے اور اپنی رعایا کو محفوظ رکھنے کی غرض سے۔ ادھونی نشکا رود گلا ہوا قلعوں کو فتح کرکے راکٹور (رائچور) کی طرف عنانِ عزیمت پھیری اور جب امن و امان سے حکم رانی کرنے لگا تب اپنی رعایا کی حفاظت کے واسطے ماگھ شدھ دسویں (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

بارش کا موسم نہیں ہوتا شمالی و مشرقی جانب روانہ ہوا - اُس زمانے میں گرمی پڑ رہی تھی

یوم یکشنبہ آخر شاکھ ۱۲۱۶ سنہ جیٹھ نام سبھرے ۱۲۱۵ھ (مطابق ۱۲۹۴ء) چٹانی قلعہ تعمیر کیا مبارک مبارک، مبارک ،،

اسی پتھر کے پہلو میں کسی قدر چھوٹا پتھر ہی اُس پر ایک تصویر کندہ ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ اتنا بڑا پتھر کس طرح لایا گیا - ایک چوپہیّہ گاڑی بنائی گئی ہی اُس میں بھینسے جُتے ہوے کھینچ رہے ہیں اور گاڑی پر پتھر آڑا دھرا ہوا ہی اور اِس پتھر پر تین شخص بیٹھے ہوے ہیں ایک ایک دونوں سروں پر ایک بیچ میں جو بھینسوں کو ہکا رہے ہیں اور آدمیوں کو ہمت دلا رہے ہیں -

اِس کتبے کی رُو سے صاف ظاہر ہی کہ اِس قلعے کی تعمیر کو چھ سو سال سے زائد کا عرصہ ہوا مگر افسوس ہی کہ اِس قلعے کی حالت استدادِ زمانے سے دن بدن بدتر اور عمارات قریب الانہدام ہو گئی ہیں -

ایک مینار کی مسجد قلعے کے مشرقی دروازے کے باہر بیس قدم کے فاصلے پر لبِ سڑک ایک شاہی مسجد واقع ہی جسے ایک مینار کی مسجد کے نام سے پکارا جاتا ہی - یہ مینار (۸۰) گز بلند اور دَور دس گز ہی - اس مینار کی مرمت بصرف صمام ۵۲۵ ۱۲۹۱ھ میں سرکارِ عالی کی طرف سے کی گئی ہی - مسجد کے دروازے کی پیشانی پر بخطِ واضح طغراے عربی بسم اللہ اور کلمۂ شریف اور اشعارِ ذیل کندہ ہیں -

بعہدِ سلطنتِ شاہ بہمنی محمود — چنیں عمارتِ خوب و لطیف شد موجود
بہ دولتِ ملک الملک عادلِ ثانی — دریں خجستہ مکاں ایں چنیں عمارت بود
بنا نہاد یکے صاحبِ سخا و کرم — کہ اسم عنبر و خلقش مثالِ عنبر بود
ہراں کسے کہ بہ دنیا بناے مسجد کرد — غرض ز خلدِ برینش مقام خواہد بود
بسال نوزدہ و نہ صد از سنہ ہجرت ۹۱۹ھ — تمام گشت عمارت ز طالعِ مسعود

جامع مسجد اندرونِ قلعہ محبس کے محاذی واقع ہی اور علی عادل شاہ کے زمانے کی بنی ہوئی ہی - بہت بڑی اور وسیع مسجد ہی کلمۂ طیبہ و آیات کے سوا اسماے دوازدہ امام - آیۃ الکرسی اور سورۂ اِنّا انزلنا وغیرہ مع تاریخِ بنا کندہ ہی -

چراغ و مسجد و محراب و منبر • ✣ ابوبکر و عمر عثمان و حیدر

اور ریگڑ کی زمینیں جو رستے میں واقع تھیں سب خشک تھیں۔ اس وجہ سے افواج توپیں اور

بنا گشتہ مسجد بہ لطفِ الٰہ — بدورِ ابراہیم عادل شاہ
زہجرۂ ہزار و سی و دو دریں — نشانیِ عبدالمحمد ہمیں
چہ خوش کردہ بنائے مسجدِ جامع — بدورِ شاہِ ابراہیم عادل
بود بانی غلامِ شاہ عبدالمحمد — بتوفیقِ خدا و سعیِ کامل
مرتب ساخت جامع را بہ دو سال — ثوابش جاری و حسنات حاصل
زہجرت یک ہزار و دیگرش سی — ازاں رو گشتہ تاریخ آں مل
ساخت راجہ کار مسجد را تمام — تا نباشد جائے او جنّت مقام

ملک عبدالمحمد ابن ریحاں — بدورِ شاہِ ابراہیم عادل
ساخت جامع تا ابد باشد نشاں — کہ بلغ بود سالِ تاریخِ آں
نَزَلْنَا هٰهُنَا ثُمَّ ارْتَحَلْنَا — كَذَا الدُّنْيَا نُزُوْلٌ وَّ ارْتِحَالٌ
يَظُنُّ الْمَرْءُ فِي الدُّنْيَا خُلُوْدٌ — خُلُوْدُ الْمَرْءِ فِي الدُّنْيَا مُحَالٌ

سنہ ۱۲۸۷ھ میں سرکار سے مرمت ہوئی ہے۔ پہلے دیول تھا اُسے مسجد بنایا ہے۔ اور بُت کو اوندھا کرکے فرشِ مسجد میں گاڑ دیا ہے۔ اِس مسجد کا منبر سیاہ پتھر کا ایسا چکنا اور مصفّا بنایا گیا ہے کہ نظر پھسلتی ہے اور جس کی صنّاعی لاجواب ہے

جامع مسجد بیرون قلعہ وسطِ آبادی میں ایک عالی شان اور وسیع جامع مسجد شاہی واقع ہے۔ اِس مسجد کی تعمیر بھی بزمانۂ عادل شاہ سنہ ۱۱۸۶ھ میں ہوئی ہے۔ اِس مسجد میں بڑی بڑی گیارہ کمانیں ہیں اور عمدہ سنگ بستہ گچکاری کی عمارت ہے۔ صحن نہایت وسیع ہے۔ ایک باولی اور چھوٹا سا حوض بھی ہے۔ سرکار سے سنہ ۱۲۸۳ھ میں مرمت ہوئی ہے۔ اس کے تحت میں ۲۸ دکانیں ہیں جن کا کرایہ ساٹھ روپے ماہانہ اسی مسجد میں صرف ہوتا ہے۔ پیشانیِ مسجد پر سنگِ سیاہ سے بسم اللہ اور کلمہ اور ذیل کے اشعار کندہ ہیں۔

بنا شد مسجدے بر دینِ احمد — شدہ بانیِ او عبدالمحمد
بدورِ شاہِ ابراہیم عادل — رواں شد کارِ او بے حصر و بے حدّ — ۱۰

سامانِ حرب کے لیئے طے مسافت میں آسانی تھی - ہمراہیانِ لشکر اور فوج ملا کر دس لاکھ آدمی تھے

زہجرت یک ہزار وسی وہشت است　　　زبہر مومنان اثواب بے عدد

شاہی مکان قلعے کے درمیانی حصے میں شاہی مکانات اور خانہ باغ تھا اب صرف ایک باولی اور حمام موجود ہی۔

کوٹھ عمل کشمنزی میں خانہ باغ کی حدود میں ایک بارود کا کوٹھ تعمیر کیا گیا تھا جس میں اب جیل ہی۔

بالاحصار اِس کا ارتفاع ۲۰۹ فٹ ہی۔ بالاحصار پر ایک وسیع دالان ہی جس کے پاس ہی ایک چھوٹی مسجد بھی ہی۔

مزارِ پنج بیبیاں بالاحصار پر جہاں پہلے دیول تھا اور اب ایک پتھر کے بیل کا سر ٹوٹا پڑا ہی پانچ بیبیوں کی قبریں ہیں جو پانچوں بہنیں خاندانِ سادات سے تھیں - بیان کیا جاتا ہی کہ جو درخت نیم کا قبوں پر سایہ کیئے ہوے ہی اُس کا پتہ بہ مقابلے دوسرے نیم کے شیریں ہی - ان کا عرس ۱۲ رجب کو ہوتا ہی۔

توپ بالاحصار پر ایک توپ ہی جس کا دُنبالہ ٹوٹ گیا ہی بیس فٹ چار انچ لمبی ہی اُس کی ساخت اِس طرز کی ہی کہ بارہ فولادی پٹیاں جاکر اوپر سے فولادی پیچ کس دیئے ہیں۔

خاص باولی بالاحصار کی پہاڑی کے پائیں میں اِس نام کی باولی ہی جس میں تالاب بیرونِ فصیل کا پانی آتا ہی۔ اِس باولی کے وسط میں ایک خوش نما چبوترہ ہی جو اپنی زبانِ حال سے کہہ رہا ہی کہ وہ کسی زمانے میں بادشاہانِ سلف کا پُر فضا سیرگاہ تھا۔

پتھر کا ہاتھی بیرونِ کاٹی دروازہ ایک ہاتھی پتھر کا تراشا ہوا کھڑا ہی جس سے زمانہ قدیم کی سنگ تراشی کی حالت معلوم دیتی ہی۔

آثارِ شریف اندرونِ قلعہ زیرِ دامنِ کوہ بالاے حصار جانب شمال ایک حجرہ و دالان قدیم شاہی عمارت ہی جس کو آثارِ شریف کہتے ہیں۔ اِس میں تصویر حضرت رسول اللہ صلعم اور موے مبارک موجود ہونا بیان کیا جاتا ہی جس کی زیارت دوازدہم محرم شریف کو ہوتی ہی۔

حسینی علم اسی آثارِ شریف کے قریب اِس نام کا ایک عاشورخانہ ہی دراسی کے قریب بارہ امام کا عاشورخانہ ہی۔

(البقیہ بر صفحہ آیندہ)

خالص فوج سات لاکھ چھتیس ۳۶ ہزار تھی اور پانسو پچاس ہاتھی تھے۔ راجہ فوج کو گیارہ حصّوں پر

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱۲)

بی بی کا آثار بیرونِ قلعہ حضرت بی بی فاطمہ علیہا السلام کے تبرکات ہیں۔

درگاہِ حضرت شمس عالم حسینی اسلامی حکومت کے زمانے میں رایچور میں بہت سے بزرگانِ دین تشریف لائے اور قلعے کے اطراف کے دروازوں اور مختلف دل فریب مقامات پر مدفون ہیں چنانچہ اُن کے مزار اس وقت قلعے کے ہر ایک دروازے اور فصیلوں پر موجود ہیں۔ ان نامی بزرگانِ دین میں حضرت شمس عالم صاحب حسینی بہت بڑے بزرگ صاحبِ کشف و کرامات مانے جاتے ہیں۔ آپ کی درگاہ رایچور سے ایک میل کے فاصلے پر جانبِ شمال واقع ہے۔ آپ حضرت سید جلال الدین عرف حضرت شاہ چندا حسینی رحمۃ اللہ علیہ (جن کا مزار قصبۂ گوگی تعلقہ شاہ پور میں ہے) کے فرزند ہیں۔ حضرت چندا حسینی صاحب حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے خالہ زاد بھائی تھے۔ آپ کی وفات ۱۵ صفر ۸۹۲ھ یوم جمعہ کو ہوئی ہے۔ سالانہ عُرس ہوتا ہے۔ مادۂ تاریخ "بے شک شمس عالم بود" ہے۔

انبار خانہ ابراہیم عادل شاہ نے ۱۰۱۶ھ میں یہ عمارت بنوائی تھی جو ایک بہت بڑا وسیع ہال ہے مگر شکستہ حالت میں تھا۔ ۱۳۱۷ف میں نواب فرامرز جنگ بہادر اول تعلقہ دار نے یہ یادگارِ جوبلی اعلیٰ حضرت حضورِ پُرنور اس کی ترمیم کرا کے ٹاؤن ہال بنا دیا۔ اس انبار خانے کا قدیم کتبہ اب بھی دروازے پر نصب ہے لیکن اُس کے اشعار غیر موزوں یہ ہیں۔

زمینِ ہمت توفیقِ عالی کردگار	بستہ شد از اعتقادِ پاک سلطان نجار	(از رفاہ دیار گلبرگہ ۱۹)
عجب بنیاد سنگیں محکم استوار	بسے سالہا و قرن ہا ماند عَلَم پائدار	
در زمانِ شاہِ ابراہیم عادل شاہِ سلطان	نب اشد در کار کرد ملک ریحان	
بکردم فی التاریخ و تو الید سیوسیاں	از ہجریہ بود یک ہزار و شانزدہ سال اول	

۱۰۱۶ھ

دیول ونکٹ ماروتی ایک مشہور اور بہت بڑا دیول ہے جس کو ہنومان کا دیول بھی کہتے ہیں۔ قصبۂ رایچور کے شرق میں بہ محلّہ کاجگار پیٹ ہے جس کی عمارت قدیم پختہ اور سنگ بست ہے۔ اس کی جاترا بھی سالانہ ہوتی ہے اور رتھ کشی ہوتی ہے اور ہزارہا ہنود جمع ہوتے ہیں۔ اسی کے قریب ایک اور دیول مگر ذرا اس سے چھوٹا قدیم زمانے کا ہے جسے ننکوٹ ہنومان کہتے ہیں۔

(بقیہ بصفحۂ آئندہ)

تقسیم کر کے روانہ ہوا اور باقی فوج رایچور پہونچتے پہونچتے رستے میں آن ملی۔ راجہ نے قلعہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱۳) **باغ داراجاہ** | نواب ذوالفقار الدولہ داراجاہ فرزند نواب بصالت جنگ نے جن کو میر نظام علی خاں مغفرت مکاں سے رشتہ دامادی کا فخر بھی حاصل تھا اپنی عہد حکومت میں یہ باغ بنایا تھا جس کے اب صرف آثار باقی ہیں اور دو باؤلیاں سنگ بست اور کچھ ٹوٹے مکانات ہیں۔

عیسائی مشن | یہاں دو مشن ہاؤس ہیں ایک متصل ریلوے اسٹیشن رومن کیتھولک کا ہے جہاں ایک پختہ گرجا اور کانونٹ (خانقاہ) ہے جس میں لاوارث لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ دوسرا امریکن میتھوڈسٹ کا ہے اس کے متعلق بھی ایک لاوارث لڑکوں کا مدرسہ ہے۔

رایچور کنٹونمنٹ | رایچور سے (۵) میل کے فاصلے پر کنٹنجنٹ فوج انگریزی کی چھاؤنی بہ مقام موضع یرمرس تھی یہ چھاؤنی ۱۲۳۱ھ میں لنگسگور سے اٹھ کر یہاں آئی تھی ۱۳۱۲ فصلی میں ملک امانی برار سرکار انگریزی کے تحویل کر دینے سے یہ چھاؤنی ٹوٹ گئی۔ متعدد بنگلے خالی پڑے ہیں اب رایچور ضلع کا سوپرنٹنڈنٹ پولیس یہاں رہتا ہے اور سرکار عالی کے ریزرو پولیس کا کوارٹر ہے۔

اس کے علاوہ محبوب گنج جس کی بنیاد مولوی سید احمد حسن صاحب اول تعلقدار وقت نے ڈالی تھی اور راجہ رائے للتا پرشاد صاحب کے عہد میں تکمیل ہوا۔ خوش نما گنج ہے جس کے وسط میں دو منزلہ تھانہ پولیس کا بنا یا گیا ہے اور دائرے کی شکل پر اطراف میں دوکانین ہیں ۱۳۲۰ ف میں نواب یار جنگ بہادر صوبہ دار نے عمل کشنری کے باغ کو از سر نو رونق دی اور بہت وسعت دے کر محبوب چمن نام رکھا اس میں ایک بنگلہ خوش نما بنا ہوا ہے اور دل کش مقام ہے۔ یہاں کی کچہری ضلع بہت خوش نما بلند مقام پر بہت وسیع بہ صرف زر خطیر طیار کرائی گئی ہے جس کی تعمیر راجہ للتا پرشاد صاحب کے زمانے میں شروع ہوئی اور تکمیل نواب لیاقت جنگ بہادر کے عہد میں ہوئی اس میں ضلع کی سب کچہریاں ہیں۔ راقم رایچور کی آبادی کو تیس سال سے دیکھ رہا ہے یہاں کی بہت بڑی ترقی تعمیر بنگلہ جات وغیرہ سب راجہ للتا پرشاد صاحب کی بیدار مغزی کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد نواب لیاقت جنگ بہادر نے جن کو آراستگی شہر و توسیع آبادی و تعمیر امکنہ کا خاص مذاق ہے اس کی تکمیل ہوئی اور اب اس جگہ متعدد بنگلے اور وسیع سڑکیں اور روشنی کی قنادیل ایسی نصب ہیں کہ ایک زمانہ حال کا شہر معلوم دیتا ہے۔ روئی کا بیوپار کثرت سے ہوتا ہے متعدد دیچ روئی صاف کرنے اور گٹھے باندھنے کے ہیں۔ جی آئی پی اور مدراس ریلوے کا جنکشن ہونے کی وجہ سے بہت بڑا اسٹیشن ہے سنہ ۱۳۱۱ ف کی رو سے خانہ شماری ۲۹۶۴ اور مردم شماری ۲۰۹۲۷ ہے۔ آبادی اور تعمیر مکانات روز افزوں ہے ۱۲۔

رایچور کے مشرقی جانب فوج ڈال دی اور محاصرہ کر لیا۔ چند روز کے بعد خبر ملی کہ عادل شاہ بیجاپور سے ایک لاکھ چالیس ہزار سوار اور پیدل لے کر جنوبی ساحل رود کرشنا پر آن پہنچا ہے۔ دریا پر پہنچ کر بادشاہ نے اپنی فوج کو چند دن آرام دیا اور پھر عبور کر کے رایچور سے (۹) میل پرے اور دریا سے (۵) میل آگے بڑھ کر ٹھیر گیا اور وہاں اپنی کیمپ کے اطراف میں ایک خندق کھدوائی[۱]۔ ۱۹ مئی ۱۵۲۰ء روز شنبہ کو جنگ شروع ہو گئی۔ کشن دیو رائے نے اپنی ساری فوج کو آگے بڑھا کر حملہ کیا۔ یہ حملہ اس زور و شور کا تھا کہ مسلمان ایسے پس پا ہوئے کہ پیچھے ہٹ کر خندق میں پناہ گزیں ہوئے۔ بادشاہ نے اپنے لشکر کو ایک وسیع میدان میں دُور تک پھیلا دیا تھا اور سمجھا تھا کہ راجہ کی فوج بھی پھیلی پڑی ہوگی بادشاہ کو معلوم تھا کہ قلب لشکر کمزور ہے اس لیئے توپوں سے جو پہلے ہی سے اکٹّھی کر رکھی تھیں گولہ باری شروع کر دی۔ ہندوؤں کا لشکر ایک ہی جگہ اکٹّھا تھا توپوں کی مار سے ایسا سٹھرا ہوا کہ ہنود کا لشکر تاب نہ لا کر پیچھے ہٹنے لگا ان کے ہٹتے ہی مسلمانوں کے لشکر نے دھاوا کیا۔ پیچھے ہٹنا ہی تھا کہ لشکر میں ایک بھاگڑ پڑ گئی ڈیڑھ میل تک ہندوؤں کا لشکر آگے آگے بھاگ رہا تھا اور مسلمانوں کی فوج اُن کا پیچھا کیئے ہوئے بڑھی چلی جا رہی تھی۔ راجہ خود دوسرے حصّے کی کمان پر تھا۔ یہ حالت دیکھ کر اُس کو بالکل ناامیدی ہو گئی اُس نے اپنی فوج کو ہمّت دلائی اپنے اُمرار کو اکٹّھا کیا اور چوں کہ راجہ بڑا بہادر اور مستقل مزاج تھا اُس نے جواں مردی سے موت کا سامنا کرنے کا مصمّم ارادہ کر لیا راجہ خود گھوڑے پر سوار ہو گیا اور باقی ماندہ فوج کو اکٹّھا کر کے بڑھایا اور اس زور کا حملہ کیا اور قتل عام شروع کیا کہ مسلمانوں کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے اور ایسا دبایا کہ وہ ہٹتے ہٹتے دریا کے اندر پہنچ گئے۔ اس مقام پر ایک خوفناک قتل عام ہوا

---

[۱] آرڈیننس نقشہ میں رایچور سے (۱۳) میل کے فاصلے پر جانب شمال و مشرق دریا کے کنارے کنارے اس خندق کی علامتیں بتلائی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہاں لشکر ٹھیرا ہوگا۔ کیمپ کا خط دریا کے طول کے متوازی واقع ہے۔ باقی مغربی، جنوبی اور مشرقی رُخ قریب ایک ایک میل کے لمبے ہیں یہ مقام ردہاے بھیما اور کرشنا کے سنگم سے ذرا ہی نیچے ہیں اور اسٹیشن ریلوے کرشنا سے دو میل جانب مغرب ہے ۱۲۔

اور مسلمانوں کا سارا لشکر بھاگ نکلا اور ہندوؤں کی ایسی فتح ہوئی کہ راجہ نے دریا کے پار پہنچ کر شاہی کیمپ کو گھیر لیا۔ بادشاہ اسد خاں کی امداد سے ایک ہاتھی پر سوار ہو کر اپنی جان بچا کر بھاگا۔ اِدھر تو مسلمانوں کا لشکر بیں پا ہو کر دریا کے پیٹے میں آ گیا اُدھر صلابت خاں جو شاہی فوج کا ایک سردار تھا اُس نے ہندوؤں پر حملہ کر دیا۔ اُس کے پاس پانسو پرتگالی بہ طور باڈی گارڈ کے تھے اِن کو لے کر وہ ہندوؤں کی فوج میں جو بڑھتی چلی جا رہی تھی جا گھسا اور بہت کچھ کرشمے اپنی بہادری کے دکھلائے کہ جس کی یادگار ہمیشہ قائم رہے گی صلابت خاں بڑھتے بڑھتے راجہ کے خیمے گاہ کے پاس پہنچ گیا اور قریب تھا کہ راجہ تک پہنچ جائے۔ سوءِ اتفاق سے صلابت خاں کا گھوڑا مارا گیا مگر وہ اُسی وقت دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھا لیکن اِس چھوٹے سے لشکر کو ہندوؤں کی فوج نے گھیر کر نیست و نابود کر دیا۔ صلابت خاں دوبارہ گھوڑے پر سے گرا اور پکڑا لیا گیا۔ اِس لڑائی میں لوٹ کا مال بے حد ملا اور ہندوؤں کو ایسی فتح ہوئی کہ سالہا سال تک مسلمانوں کے دلوں میں راجہ کشن دیو رائے اور اُس کی بہادر فوج کی دہشت بیٹھی رہی اور سلطان کو ایسا دہلا کا بیٹھا کہ پھر کشن دیو رائے کی زندگی بھر بیجانگر کی طرف رُخ کرنے کی ہمت نہ پڑی کشن رائے اپنی اِس فتح یابی سے پھول گیا اور فوراً رائچور پہنچا اور تھوڑے ہی عرصے میں بہ سرکردگی کرسٹو داؤڈی فگریڈو پرتگالیوں کی مدد سے قلعے کو فتح کر لیا۔ پرتگالیوں نے توڑے دار بندوقوں سے چُن چُن کر قلعے والوں کو مارا اور قلعے کے حصار کے پتھروں کو گرا دیا۔ قلعے کا گورنر قتل ہو جانے سے مسلمان گھبرا گئے اور اطاعت قبول کر لی۔

جنگ کی صحیح تاریخ

اگرچہ نیونز نے جنگ رائچور ماہِ مئی ۱۵۲۲ء کی چاندرات کو ہونا لکھا ہے لیکن سال میں اُس سے غلطی ہوئی ہے صحیح سال ۱۵۲۰ء ہے۔ وقائع نگار نے لکھا ہے کہ کشن رائے جمعہ کے دن جنگ شروع کرنے والا تھا لیکن چوں کہ وہ دن منحوس تھا اس لیے حسبِ مشورت اپنے صلاح کاروں کے ہفتہ کے دن جنگ شروع ہوئی اور وہی ماہِ ہلال کا غرّہ تھا۔ قبل اس کے کہ ہم ماہ و تاریخ سے بحث کریں پہلے ہم کو لڑائی کا صحیح صحیح سال معلوم کرنا چاہیے۔ یہ تاج پیٹر

نے بیان کیا ہی کہ اُس کی موجودگی میں بیجانگر میں دو بڑے تہوار ہوے جن کو اُس نے خود دیکھا ہی اور اُن میں کرسٹوواڈ ڈی ونگا ریڈو بھی موجود تھا۔ اُس نے اِن تہواروں کی تاریخ بالکل صاف لکھی ہی اس میں پہلا تہوار مہا نومی (۹ویں) دِن کا تھا اور دوسرا تہوار نئے سال کا شروع دِن تھا۔ پینیز نے لکھا ہی کہ مہا نومی ۱۲ ستمبر کو شروع ہوئی اور دوسرا تہوار[۱] ۱۲ اکتوبر کو ہوا۔ پینیز نے رایچور کا ذکر کرتے ہوے لکھا ہی کہ وہ شہر راجۂ بیجانگر کے قبضے میں تھا اور اس پر بہت سی لڑائیاں ہوئیں اور راجہ نے رایچور کو عادل شاہ سے لے لیا اس سے معلوم ہوتا ہی کہ وقائع نگار ان تہواروں میں جو رایچور کی فتح کے بعد ہوے ہیں موجود تھا۔ مہا نومی کا تہوار اس ملک میں آسوین کی پہلی کو ہوتا ہی اور سال اُس زمانے میں کاتک کی پہلی کو ہوا اور دونوں تہوار اوائل ماہِ نو میں ہونا بیان کیے جاتے ہیں۔ حساب سے معلوم ہوتا ہی کہ کشن راے کے عہد میں پہلی آسوین اور پہلی کارتک ۱۲ ستمبر اور ۱۲ اکتوبر کے مطابق پڑی۔ ہم نے کشن راے کی سلطنت کے زمانے کا حساب کیا تو سواے سنہ ۱۵۲۰ع کے اَور کوئی سال اس سے مطابقت نہیں رکھتا سنہ ۱۵۲۱ع میں مہا نومی ۲ ستمبر کو اور سال نو پہلی اکتوبر کو ہوا ہی اور سنہ ۱۵۲۲ع میں یہ تہوار ۲۰ ستمبر اور ۲۰ اکتوبر کو ہوے ہیں اس سے ظاہر ہی کہ پینیز سنہ ۱۵۲۰ع کے تہواروں میں موجود تھا اور اس لیے جنگِ رایچور کا اُسی سال میں ماہِ ستمبر کے پیشتر ہونا ضروری امر ہی۔ واقعۂ ذیل سے اَور زیادہ توضیح ہمارے خیال کی ہوتی ہی۔ راجۂ بیجانگر نے اِن تہواروں کے دیکھنے کے لیے کرسٹوواو کو بلوایا تھا اور بہت تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ راجہ نے اپنے پاس ایک بلند چبوترے پر اُس کو اور اُس کے ہمراہیوں کو بٹھلایا تاکہ وہ تماشہ اچھی طرح سے دیکھ سکیں۔ کرسٹوواو

سلہ " یہ تہوار ۱۲ ستمبر کو شروع ہوتا ہی اور نو دن تک رہتا ہی " وقائع پینیز صفحہ ۲۶۳ - ۱۲-

سلہ " شروع ماہِ اکتوبر میں اِس مہینے کے گیارہ دن گزر جانے کے بعد ان لوگوں کا سال شروع ہوتا ہی اور یہی سالِ نو کا دن ہوتا ہی۔ ہندو اس مہینے کے نئے چاند کے دن سال شروع کرتے ہیں اور ان کے مہینوں کا حساب چاند سے چاند کو ہوتا ہی " وقائع پینیز صفحہ ۲۰۱ - ۱۲-

نے چوں کہ محاصرۂ رایچور میں راجہ کی بے انتہا مدد کی تھی اور اسی کی امداد سے جلد کامیابی ہوگئی ورنہ یہ لڑائی مہینوں طول کھینچتی اِس وجہ سے راجہ اُس کا از حد ممنون تھا اور انھیں تعلقات سے اُسے مدعو بھی کیا تھا۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ دوسرے پرتگالی مورخین نے رایچور کی لڑائی کا کس سال میں ہونا لکھا ہی اور وہ نیونز کے بیان سے مطابق ہی یا نہیں۔ اِس سوال کا تصفیہ اُس تاریخ پر منحصر ہی جب کہ پرتگالیوں نے بندرِ گوآ کے محاذی برّاعظم سالسٹ پانڈا اور بارڈس کے خطّوں پر قبضہ کیا تھا۔ یہ یقینی بات ہی کہ خشکی کے مقامات پر پرتگالیوں کا قبضہ کشن رائے کے اشارے سے فتحِ رایچور کے چند دنوں بعد اُس زمانے میں ہوا جب کہ سیکویرا گورنر جنرل بحرِ احمر کی طرف چلا گیا تھا اور ڈی مِلو گوآ کا گورنر تھا۔ سیکویرا بحرِ احمر کو ۱۳ فروری ۱۵۲۰ء میں روانہ ہوا اور ۹ فروری ۱۵۲۱ء کو واپس آیا۔ کیسٹن ہیڈا سیاح ۱۵۲۹ء میں ہندوستان میں تھا اور اِس لیئے اُس کا بیان زیادہ تر اعتبار کے قابل ہی۔ وہ لکھتا ہی کہ "سکویرا بحرِ احمر کو گیا ہوا تھا اُس کے غیاب میں راجۂ بیجانگر اور عادل شاہ سے لڑائی ہوئی جس میں بادشاہ شکست پاکر بھاگا اور ہندوؤں نے رایچور اور دوسرے مقامات فتح کرلیئے" اِس وجہ سے گوآ کے قریب خشکی میں متعدد تھانہ داریاں[1] عدم نگرانی کی حالت میں پڑی تھیں۔ راجۂ بیجانگر کی سلطنت خود وسیع تھی اُس کو اِن کی پروا نہ تھی وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ گوآ میں جو گھوڑے درآمد کیئے جاتے ہیں وہ سب اُسی کو ملیں اور عادل شاہ کو ایک بھی نہ دیا جاسے۔ اُس نے ڈی مِلو کو کہلا بھیجا کہ عادل شاہ سے اُس نے بلگاؤں اور اُس کے ساتھ سمندر تک کا علاقہ[2] چھین لیا ہی جس میں متعدد تھانہ داریاں واقع ہیں جن کا محاصل پانچ لاکھ طلائی پرڈاؤ (ایک سکہ ہی) سے زیادہ ہی۔ ہم وہ بادشاہ پرتگال کو صرف اِس شرط پر دیتے ہیں کہ تمام گھوڑے جو گوآ میں آتے ہیں ہم کو دیئے جائیں" اِس بنا پر دس دن کے اندر اِن تھانہ داریوں

---

[1] اُس زمانے میں سلطنت کے چھوٹے حصے تھانہ داریوں پر منقسم تھے۔ جیسے فی زمانہ تعلقات اور پرگنجات ہیں ۱۲۔

پر مع جزیرۂ سالسٹ کے پرتگالیوں کا قبضہ ہوگیا۔ سیاح کوریا جو ہندوستان میں ۱۵۱۲ء
یا ۱۵۱۳ء میں آیا تھا بیان کرتا ہی کہ سکو ئیرا گوآ سے بحرِ احمر کو جنوری ۱۵۲۰ء میں گیا اور
اُس زمانے میں بیجانگر اور بیجاپور کے درمیان لڑائی چھڑی ہوئی تھی جس کے ختم کے بعد
راجۂ بیجانگر نے ڈی ملّو کو (جو گورنر جنرل کے چلے جانے سے گورنری کے عہدے پر مامور تھا)
مقاماتِ خشکی محاذیِ گوآ کے متعلق پیغام بھیجا تھا۔ کوریا نے صاف طور پر اِس واقعے کا
سال نہیں بتلایا لیکن اُس کے وقائع جو ۱۸۶۰ء میں چھپے ہیں اُن پر ۱۵۲۱ء لکھا ہی۔
لیکن یہ سال صریح غلط ہی کیوں کہ مئی ۱۵۲۱ء میں سیکوئیرا کہیں نہیں گیا تھا اس لیے
یہ سال غلط ہی۔ مئی ۱۵۲۲ء میں سیکوئیرا گورنر جنرل ہی نہ تھا بلکہ منیزس تھا جس نے
ویسرائے کی خدمت کا جائزہ سیکوئیرا سے ۲۲ جنوری ۱۵۲۲ء کو لیا ہی اور اِسی دن
سیکوئیرا پرتگال کو روانہ ہوا۔ بیروس نے سیکوئیرا کی روانگی ۱۳ فروری ۱۵۲۰ء
کو لکھی ہی۔ اور یہ کہ اُس کے غیاب میں ڈی ملّو گوآ کا گورنر تھا۔ ڈی ملّو نے برِّ اعظم گوآ
پر جنگ رایچور کے بعد قبضہ کیا اور اُس زمانے میں سیکوئیرا بحرِ احمر میں تھا۔
اُس نے جنگِ رایچور کے حالات کو نیونزہی سے نقل کیا ہی اِس لیئے اُس سے بحث
فضول ہی۔ البتہ بیروس نے بہ طورِ خود کچھ واقعات بتلائے ہیں اُن میں ٹھیک ٹھیک
زمانہ بھی بتلایا ہی "رایچور کی جنگ کے بعد عادل شاہ اور راجہ کی ناچاقی لامحالہ بڑھ
گئی تھی اور اِسی وجہ سے ڈی ملّو نے برِّ اعظم پر قبضہ کرلیا" دو کی لڑائی میں تیسرے
کا فائدہ۔ سیکوئیرا اِن دنوں بحرِ احمر میں تھا۔ بیروس لکھتا ہی کہ سیکوئیرا نے
بحرِ احمر سے واپس آتے ہی پہلے ملک کا انتظام کیا خصوصاً برِّ اعظم کا جس پر ڈی ملّو نے
قبضہ کرلیا تھا۔ اِس کے بعد وہ کوچین چلا گیا" اور وہاں سے ڈیو گیا جہاں وہ ۹ فروری
۱۵۲۱ء کو پونہچا۔ اور ایک دوسری جگہ بھی بیروس نے لکھا ہی کہ سیکوئیرا کے غیاب
میں ڈی ملّو نے برِّ اعظم پر قبضہ کیا۔ فاریا ایک فرانسیسی مورّخ نے جس کی کتاب اِن
واقعات کے ایک صدی بعد چھپی تھی لکھا ہی کہ سیکوئیرا فروری ۱۵۲۰ء سے فروری
۱۵۲۱ء تک گوآ سے غیر حاضر تھا اِس زمانے میں راجۂ بیجانگر نے پینتیس ہزار سوار سات

لاکھ ٹیٹیس ہزار پیدل اور پانسو چھیاسی ہاتھیوں کا لشکر میدان اور پہاڑوں میں پھیلا دیا۔ ہر ہاتھی پر عماری میں چار چار آدمی سوار ہوتے تھے۔ بارہ ہزار تو صرف سقے تھے اور سامان اِس قدر کثرت سے تھا کہ بیس ہزار سے زیادہ تو ضرور طوائف ہی تھیں۔ ڈی سوزا نے لکھا ہے کہ جب عادل شاہ کو شکست ہوئی تو کشن راے نے اِس شرط پر صلح کرنی منظور کی کہ عادل شاہ آکر اُس کے قدمبوس ہو۔ اِن دونوں کے جھگڑوں میں پرتگالیوں کو اچھا موقع ملا اور اُنھوں نے مختلف بڑی مقامات پر قبضہ کرلیا۔ یہی حال اُسوریو اور ٖفیٹا ستیاحوں نے بھی لکھا ہے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ جنگ رایچور ۹۲۷ھ م ۱۲ دسمبر ۱۵۲۰ء لغایت یکم دسمبر ۱۵۲۱ء میں ہوئی۔ فرشتہ نے بھی وہی واقعات لکھے ہیں جو ہم اوپر لکھ آے ہیں البتہ اِس امر میں اختلاف ہے کہ دوسرے مورخین نے تو یہ لکھا ہے کہ رایچور مسلمانوں کے قبضے میں تھا لیکن فرشتہ لڑائی چھڑنے کا سبب یہ لکھتا ہے کہ عادل شاہ نے یہ لڑائی مُدگل اور رایچور راجۂ بیجانگر کے قبضے سے نکالنے کے واسطے کی تھی۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقامات اُس زمانے میں ہندوؤں کے قبضے میں تھے لیکن یہ روایت اِس وجہ سے صحیح نہیں ہے کہ فرشتہ نے سالہا سال کے بعد اِن واقعات کو لکھا ہے۔ جنگِ رایچور کی صحیح تاریخ میں نیونز کو مغالطہ ہوا ہے کیوں کہ وہ منجم نہ تھا۔ اِس تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ نیونز نے جو سال جنگِ رایچور کا بیان کیا ہے اُس میں دو برس کی غلطی ہوئی ہے اور صحیح تاریخ میں بھی اختلاف ہے۔ ماہِ مئی میں غرہ کو ہفتے کے دن جنگ کا ہونا پایا جاتا ہے۔ کشن راے تو جمعہ کے روز طیار تھا لیکن وہ دن منحوس ہونے سے ہفتہ قرار پایا ۱۷ مئی ۱۵۲۰ء کو جمادی الاخریٰ کا غرہ پنجشنبہ کی صبح ہونا بیان کیا ہے لیکن حقیقت میں ہفتے کے دن ہوا ہے اس حساب سے صحیح تاریخ اِس جنگ کی ۱۹ مئی ۱۵۲۰ء قرار پاتی ہے۔

تعدادِ افواج جنگِ رایچور

فوج کی تعداد حسب بیان نیونز سات لاکھ تین ہزار پیدل بتیس ہزار چھ سو سوار پانسو اکیاون ہاتھی تھے۔ ہمراہیانِ لشکر سوداگر اور بہت سے آدمی جو رایچور کے قریب پہنچے

پہونچتے ہیں گئے اِس کے سوا تھے۔ یہ تعداد ایسی خطیر ہے کہ ہم کو اس کی صداقت میں پس و پیش ہوتا ہے۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ اس بارے میں اپنی راے قائم کرے اتنا کہنا البتہ ضرور ہے کہ اُس زمانے میں بادشاہاں اور راجہ گان ہند کا دستور تھا کہ ہمیشہ بہت بڑی فوج رکھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ کرشن راے کی طاقت ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ بہت بڑا لشکر فراہم کر سکتا تھا چنانچہ پنیر لکھتا ہے کہ وقتِ ضرورت وہ بیس لاکھ فوج جمع کر سکتا تھا لیکن یہ دوسری بات ہے کہ رایچور کی لڑائی میں فی الحقیقت کتنی فوج تھی۔ اُس زمانے کی حکومت کا طرز اور تھا تمام مملکت صوبوں میں منقسم تھی ہر صوبہ دار کا فرض تھا کہ وہ ایک مقررہ تعداد فوج کی موجود رکھے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لڑائی اہم تھی اور راجہ نے اپنی تمام قوت اس میں صرف کر دی ہوگی۔ اِس بات کا ثبوت کہ بادشاہاں و راجہ گانِ ہند اتنی بڑی فوج رکھتے تھے مختلف ذرائع سے ہوتا ہے۔ نیبر قریس لکھتا ہے کہ راجۂ بیجانگر کا تموّل بے انتہا تھا۔ اِسکاٹ صاحب نے اپنی "تاریخ دکن" کی جلد دوم میں اورنگ زیب کے زمانے کے بُندیلہ سردار دلپت راے کے روزنامچے ۱۶۹۰ء کے حوالے سے لکھا ہے کہ راجۂ بیجانگر کی فوج کی تعداد تیس ہزار سوار اور دس لاکھ پیدل اور دولت بے شمار تھی۔ کانٹی جو ہندوستان میں اس لڑائی سے ایک صدی پیشتر آیا تھا لکھتا ہے کہ بیجانگر کا لشکر دس لاکھ سے اوپر تھا۔ عبدالرزاق نے ۱۴۴۲ء میں لکھا ہے کہ یہاں کے لشکر کی تعداد گیارہ لاکھ اور ایک ہزار ہاتھی تھے۔ نکیٹین نے اس کے بیس برس بعد لکھا ہے کہ گلبرگہ سے جو فوج ہندوؤں پر چڑھ کر آئی تھی اُس کی تعداد نو لاکھ پیدل ایک لاکھ نوّے ہزار سوار اور پانسو پچھتر ہاتھی تھے علاوہ اُمرا کی فوج کے بادشاہ کی وہ فوج جو ہر وقت جنگ کے لیئے طیار رہتی تھی تین لاکھ تھی۔ بادشاہ جب کبھی شکار کو نکلتا تھا تو اُس کے ساتھ دس ہزار سوار پانچ لاکھ پیدل اور دو سو ہاتھی رہتے تھے۔ صرف مَلِک التجار کے پاس دو لاکھ فوج تھی۔ پچھلے زمانہ سکندرِ اعظم میں جو ۳۲۰ء قبل مسیح تھا مگدھ کے لشکر کی تعداد یونانیوں نے چھ لاکھ پیدل تیس ہزار سوار اور نو ہزار ہاتھی لکھی ہے۔ لارڈ ڈاجرٹن نے لکھا ہے کہ ۱۱۹۲ء میں ہندوؤں کی جو

فوج شمالی ہند میں مسلمان حملہ کرنے والوں کے مقابلے کے لیے اکھٹی کی گئی تھی کم سے کم
اُس کی تعداد تین لاکھ سوار تین ہزار ہاتھی اور ایک بڑی تعداد پیدلوں کی تھی ۱۵۵۹ء
میں ایک مغل ایلچی کی پیشوائی کو پچاس ہزار سوار بھیجے گئے اور دو لاکھ پیدل فوج اُس کے
ملاحظے میں آئی تھی۔ فرشتہ کی روایت کے حوالے سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ۱۳۴۲ء میں
محمد تغلق بادشاہِ دہلی نے تین لاکھ ستر ہزار فوج فارس پر چڑھائی کرنے کے لیے جمع کی
تھی اور جب کبھی بادشاہ کا ارادہ کسی مُلک کو تاخت و تاراج کرنے کا ہوتا تھا تو اِس
آسانی سے فوراً لشکر اکھٹا ہو جاتا تھا گویا کہ کہیں شکار کو جا رہے ہیں۔ لشکر جمع کرنے کے
بعد بادشاہ اُس علاقے میں پُہنچ کر تمام باشندوں کا قتلِ عام کر دیتا تھا۔ یہ وجہ تھی
کہ جب کبھی شکار کو بھی نکلتے تھے تو اِس قدر جمِ غفیر لشکر کا ساتھ رہتا تھا۔ شہاب الدین
نے بیان کیا ہے کہ محمد تغلق کے لشکر میں نو لاکھ سوار تھے اور نیونز نے لکھا ہے کہ بادشاہ
نے جب بالاگھاٹ پر چڑھائی کی تو اُس کے ساتھ آٹھ لاکھ سوار تھے۔ سترھویں صدی
میں فاریا سوزا نے لکھا ہے کہ بہادر بادشاہِ کھمبایت کے پاس ۱۵۳۴ء میں ایک لاکھ
سوار چار لاکھ پندرہ ہزار پیدل اور چھ سو ہاتھی تھے۔ حال کے زمانے میں بھی ۱۷۶۲ء
میں مرہٹوں کے پاس ایک لاکھ سواروں کا لشکر تھا۔ نیونز نے بیجانگر کے حالات
میں لکھا ہے کہ یہ سلطنت دو سو حصّوں میں اُمراء پر منقسم تھی اُن میں سے گیارہ
فرماں رواؤں کو لشکر رکھنا لازمی تھا اور اُن کی افواج کی تعداد اُنیس ہزار سوار ایک
لاکھ اکہتر ہزار سات سو پیدل اور چھ سو تیس ہاتھی تھے۔ کیسٹن ہیڈ اچوکشن رائے
کی سلطنت کے اختتام سے تھوڑے ہی دِن پہلے ہندوستان میں آیا تھا اِن بھی
اِن باتوں کی تصدیق کرتا ہے کہ سلطنت بیجانگر میں پیدلوں کی تعداد بے شمار تھی مُلک
بہت وسیع اور آبادی گنجان تھی راجہ دس لاکھ سے بیس لاکھ تک فوج اِکھٹی کر سکتا
تھا۔ راجہ اپنے ذاتی صرفے سے ایک لاکھ سوار اور چار ہزار ہاتھی رکھتا تھا۔ اِن تمام
روایات پر غور کرنے کے بعد اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ راجۂ بیجانگر کے پاس کثیر التعداد
فوج تھی اور بوقتِ ضرورت وہ اِس سے بھی زیادہ اکھٹی کر سکتا تھا غالباً اتنی بڑی فوج

سب کی سب باقاعدہ یا مسلح نہ ہوگی بلکہ اِس میں عام دیہاتی بھی شریک ہوں گے۔ اِس باقیات الصالحات کی یادگار اب بھی حیدر آباد دکن دارالسلطنتِ سرکارِ عالی نظام میں ہر سال محرم[1] میں لنگر کے دن دیکھی جاسکتی ہے جہاں باقاعدہ اور بے قاعدہ فوج کی

---

[1] ہر سال ۵ محرم کو بلدۂ حیدر آباد میں اعلیٰ حضرت حضورِ نظام دام اقبالہم کا لنگر نکلا کرتا ہے اُس کی مختصر کیفیت لکھی جاتی ہے۔ ۱۰۰۳ء میں سلطان قلی قطب شاہ کا صاحب زادہ شہزادہ عبداللہ حیدر آباد سے گول کنڈہ گیا۔ شہزادے کے ساتھ بہت سے اُمرار اور ہمراہیاں تھے۔ شہر کے دروازے سے نکل کر ابھی تھوڑی ہی دُور گئے تھے کہ شہزادہ جس ہاتھی پر سوار تھا وہ بدل گیا اور لوگوں پر حملہ کرنے لگا۔ اُمرار اور دوسرے لوگ جان بچا کر بھاگے اور ہاتھی ایک دم جنگل کی طرف چلا اور آناً فاناً شہزادہ اور ہاتھی دونوں نظر سے غائب ہو گئے۔ جب یہ خبر وحشت اثر محلات میں پہنچی تو کہرام مچ گیا۔ شہزادے کی والدہ ازحد پریشان ہوئیں اور اُنھوں نے اُسی وقت منّت مانی کہ اگر شہزادہ صحیح وسلامت واپس آجائے گا تو میں ایک سونے کی زنجیر (اتنی موٹی کہ جس سے ہاتھی کو باندھتے ہیں اور اُس کو لنگر کہتے ہیں) چڑھاؤں گی۔ بہ افضالِ الٰہی شہزادہ اُسی ہاتھی پر سوار بہ خیریت تمام آگیا۔ بیگم صاحبہ نے اُسی وقت تمام شہر کے سُناروں کو جمع کرایا اور اپنی مُنّت کی زنجیر بنوائی اور چوں کہ اللہ تعالےٰ نے شہزادے کو ایسی بڑی مُصیبت سے بال بال بچا لیا تھا جلوس کے ساتھ درگاہِ حسینی عَلَم پر جاکر چڑھادی۔ اِس کے بعد وہ زنجیر ٹکڑے ٹکڑے کرکے غُربا میں تقسیم کردی گئی۔ اُس وقت سے اب تک یہی طریقہ جاری ہے اور ہر سال رئیسِ وقت کی سلامتی کے لیئے لنگر نکالا جاتا ہے۔ یہ تقریب اب ایک قسم کی شاہی دعوت ہوگئی ہے کہ جن جانب مدارالمہام بہادر سرکارِ عالی رزیڈنٹ صاحب بہادر اور تمامی صاحبان انگریز حیدر آباد و فوجی سرداران (مع لیڈیاں) حیدر آباد سکندر آباد۔ بلارم والوال و ترملکھیڑی مدعو کیئے جاتے ہیں اور ریاست کے بڑے بڑے یوروپین اور ہندوستانی عہدے دار بھی شریک ہوتے ہیں۔ اِن سب کو ایک بڑا بھاری بریکفسٹ اور فرشمنٹ دیا جاتا ہے۔ یہ سب مہمان مدارالمہام سرکارِ عالی کی بارہ دری میں جمع ہوتے ہیں اِس دن عام تعطیل ہوتی ہے اور تمامی باشندگانِ شہر عورت و مرد مثل عید کے لباسِ فاخرہ پہن کر نکلتے ہیں۔ دُکانوں اور بالاخانوں پر آدمیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے رہتے ہیں صرف اِس ایک دن کے لیئے کوٹھے اور بنگلہ جات جو سرِراہ واقع ہیں پچاس پچاس اور سو سو روپے کرایہ پر (بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

ایک بہت بڑی تعداد سرِ راہ گزرتی ہی - سوار پیدل عرب - رواہل - حبشی - راٹھور -

(بقیۂ نوٹ صفحہ ۲۲۳) تماشہ دیکھنے کو دیئے جاتے ہیں - آدمیوں کی وہ کثرت ہوتی ہی کہ الاماں - تل دھرنے کو جگہ نہیں رہتی کھوے سے کھوا چھلتا ہی - سویرے سے لوگ اپنی اپنی جگہ سنبھال لیتے ہیں ورنہ دوپہر کے بعد تو پھر رستہ بھی نہیں مل سکتا - دن ڈھلے فوج نکلنی شروع ہوتی ہی اور سب مدار المہام سرکار عالی کے ملاحظے سے آہستہ آہستہ گزرتی ہی جس کا سلسلہ مغرب تک تمام ہوتا ہی سب سے اول کوتوالِ شہر ہاتھی پر عماری میں سوار ہو کر اپنی جمعیت پولیس و رواہلِ سواراں و پیدل لے کر نکلتا ہی اُس کے بعد اطراف بلدہ کی پولیس ہوتی ہی پھر مختلف علاقوں کی پیدل اور سوار جمعیت بے قاعدہ و باقاعدہ سوارانِ مندوزئی وقائم خانی و عرب - رواہل - سندھی - بلوچ - راٹھور - سکھ - جمعیتِ لین - جمعیتِ میسرم و رسالہ جوشش باڈی گارڈ اعلیٰ حضرت - افواجِ باقاعدہ گوں گنڈہ بریگیڈ سوار و پیدل - امپیریل سروس ٹروپس - جمعیتِ صرفِ خاص و علاقۂ پائگاہ امیر کبیر سر خورشید جاہ بہادر و نواب سر آسمان جاہ بہادر و نواب سر وقار الامرا بہادر و پیشکاری و سانڈنی سواران و بائیسکل سواران - خچروں - گھوڑوں اور بیلوں کے توپ خانے - افواجِ علاقۂ نواب غالب جنگ بہادر - عرب علاقۂ نواب سلطان نواز جنگ بہادر و برق جنگ بہادر و مسلم جنگ بہادر وغیرہ - اِس کے بعد اعلیٰ حضرت کی سواری کے خاصے کے گھوڑے جو نہایت عمدگی سے سجے ہوئے ہوتے ہیں جن پر مغرق زین پوش زر و بانات کے ہوتے ہیں اور انواع و اقسام کے طلائی و نقرئی ساز و سامان اور زیورات سے آراستہ ہوتے ہیں جب ایک علاقے کی جمعیت ختم ہو جاتی ہی تو دوسرے علاقے کا جمعدار یا افسر یا سرکردہ ہاتھی یا گھوڑے پر جیسا اُس کا مرتبہ ہو سوار ہو کر آتا ہی اور ہر ہر علاقے کے نشانات جُدا جُدا ہیں اور بان چھوٹتے جاتے ہیں - بینڈ بجتے جاتے ہیں - میسرم جمعیت کا بینڈ بہت مشہور اور دلکش ہی وہ لوگ الغوزہ اور مشک نما ایک باجہ ہیں اور پونگی کی طرح کا بجاتے ہیں جسے Beg pipe کہتے ہیں تمام فوج چوک سے شمس الامرا کا بازار - نخاص سر ہیٹنگا صاحب کی بارہ دری پر سے گزر کر چو محلہ مبارک کے سامنے اعلیٰ حضرت کے مُلاحظے کے بعد چار مینارے پر جا کر متفرق ہو جاتی ہی - یہ سلسلہ برابر چھ سات گھنٹے جاری رہتا ہی اور اِس کا بیس پچیس ہزار فوج سے کم کا اندازہ ۲۲

۲۲ نہیں کیا جا سکتا اس سے پچھلے زمانے کی شاہانہ شوکت اور کثرتِ افواج کا اندازہ ہو سکتا ہی اور یہیں کی فوج ایسی ہی کہ جو قدیم زمانے کے لباس ہتیاروں اور وضع قطع کا ایک نمونہ ہی۲

سکھ اور مختلف اقوام کے لوگ بہت سے ملازم ہیں ہر ہر علاقے کی فوج اپنے اپنے جمعداروں اور سرگردوں کے ساتھ آتی ہے۔ پایگاہ اور جاگیرات کی افواج اس کے علاوہ ہیں۔ جن کے سررشتہ اور آوردہ جدا جدا ہیں یہی طریقہ افواج فراہم کرنے کا پہلے جاری تھا۔

جنگ رایچور کا حال تاریخ فرشتہ سے

تاریخ مذکور میں جو حال رایچور کی لڑائی کا لکھا ہے وہ نہایت دلچسپ ہے۔ کیوں کہ مسلمانوں کی طرف سے جنگ کا شروع ہونا لکھا ہے۔ جب سلطان اسمٰعیل عادل شاہ کو راجۂ بیجانگر کی طیاریوں کی خبر مل گئی تو وہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر مُدگل اور رایچور کو راے بیجانگر کے قبضے سے لینے کے لیے سات ہزار سوار لے کر بڑھا اور دریاے کشنا کے کنارے پر مقیم ہوا وہاں پہنچتے پہنچتے دوسرے بہت سے امرا کی افواج بھی آن ملیں۔ کل تعداد فوج کی کم سے کم پچاس ہزار سوار اور چھ لاکھ پیدل سے متجاوز تھی۔ بادشاہ ابھی چند روز توقف کرتا کیوں کہ دریا کی سب کشتیاں راے کے علاقے میں تھیں لیکن اب جب کہ بادشاہ آن پہنچا تھا اور اس کے خیام لگ چکے تھے تامل کرنا یا واپس چلا جانا بڑی سُبکی کا باعث تھا اس لیے کشتیوں کی طیاری شروع کر دی گئی۔ بادشاہ کے پہنچنے کے چند دنوں بعد بادشاہ اپنے خیمے میں آرام فرما رہا تھا کہ اس نے قنات کے باہر اپنے ندیموں میں سے ایک شخص کو یہ شعر پڑھتے ہوے سنا۔

> خیز در کاسۂ زر آب طرب ناک انداز　　پیش ازاں دم کہ شود کاسۂ سر خاک انداز

بادشاہ اس شعر کے سنتے ہی جوش میں آگیا اور اپنے مصاحبین کو بلا کر ایک جشن میں مصروف ہوا جب بہت دیر تک محفل رقص و سرود اور بادہ نوشی کی برپا رہی تو بادشاہ نے بہ حالت سرشاری ارکان دولت سے پوچھا کہ ٹوکروں کے طیار ہو جانے میں کیا دیر ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ تین سو ٹوکرے طیار ہو چکے ہیں باقی چند روز میں طیار ہو جائیں گے۔ بادشاہ نے ارادہ کیا کہ دریا کے پار ہو کر حملہ کریں۔ شراب کے نشے میں

بادشاہ نے دریا سے فوراً عبور کرنے کی دل میں ٹھان لی اور ایک ہاتھی پر سوار ہو کر دریا کے کنارے پہنچا لیکن کسی کو کانوں کان بادشاہ کے ارادے کی خبر نہ ہوئی لوگ سمجھے کہ بادشاہ سیر و تفریح کو برآمد ہوا ہے لیکن یکایک حکم دیا کہ فوراً لوگ ہاتھیوں پر سوار ہو جائیں اور گھوڑوں کو ڈونگروں میں جو طیار رہیں پار کریں۔ اُمرا نے بادشاہ کی بے سوچے سمجھے جلد بازی کی حرکت سے پس و پیش کیا اور عرض و معروض کی لیکن بادشاہ نے کچھ جواب نہ دیا اور اپنا ہاتھی ایک دم آبِ قہار میں ڈال دیا۔ لوگ حیران ہو گئے کہ بادشاہ نے یہ کیا کیا۔ بادشاہ دیکھتے دیکھتے پار ہو گیا پھر کیا تھا جاں نثارانِ سلطنت بھی چالیس ہاتھیوں پر سوار ہو کر ناگاناً پار ہو گئے اور ڈونگروں پر جتنی فوج اور گھوڑے چڑھ سکتے تھے دو پھیروں میں وہ بھی اُتار دیئے۔ چوں کہ بادشاہ کو جنگ کرنے پر اصرار تھا مُغل ایک دل ہو کر تازی گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور صفوفِ جدال آراستہ کرنے لگے۔ سب ملا کر اسلام کا لشکر صرف دس ہزار تھا۔ اِدھر طیاری ہی ہو رہی تھی کہ سامنے سے ہندوؤں کی فوج جس میں اسّی ہزار سوار اور دو لاکھ پیدل سے کم نہ تھے آن پہنچی۔ اب بادشاہ کی سلامتی کے لالے پڑ گئے موقع بہت ٹیڑھا تھا لیکن بادشاہ کو اِصرار تھا کہ لڑائی ہو پر ہو ناچار بادشاہ کے بہادروں نے ایک جان ہو کر کچھ ایسی دلیری اور بہادری سے مُقابلہ کیا کہ دشمن کے ایک ہزار آدمی قتل کر ڈالے جس میں سنگت سبہ سالارِ فوج بھی نگر مارا گیا لیکن آخر کہاں تک۔ تابِ مقاومت نہ لا سکے گولہ باری بندوقوں کی بوچھاڑ۔ تیر اور ہوائی بانوں نے گھبرا دیا۔ بادشاہ کے لشکر میں بھی پندرہ سو آدمی مارے گئے اور لشکر اُدھیا گیا جو بچے تھے وہ جان بچا کر بھاگے اور دریا میں سب بے محابا گھوڑے ڈال دیئے۔ بادشاہ کے ساتھ ہاتھی پر خواصی میں ترسوں بہادر اور ابراہیم بیگ تھے اُنھوں نے بھی ہاتھی دریا میں ڈال دیا مگر دریا اِس قدر طغیانی پر تھا کہ سوائے بادشاہ کے ہاتھی اور سات سواروں کے سب کے سب ڈوب گئے ایک بھی زندہ نہ بچا۔ بادشاہ کی مُستعجلانہ حرکت کا یہ خمیازہ تھا کہ ساری فوج غارت ہوئی بادشاہ کی جان جو بچ گئی وہ بھی غنیمت۔ بادشاہ کو سخت ندامت ہوئی اُس نے قسم کھائی کہ جب تک

اِس شکست کا انتقام نہ لے لوں گا شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا لیکن اب پچھتانے سے کیا ہو سکتا تھا بادشاہ نے پھر کمرِ ہمت باندھی اور دوبارہ فوج کی طیاری میں مصروف ہوا مرزا جہاں گیر بھی اس لڑائی میں مارا گیا۔ بادشاہ نے اسدخاں لاری سے مشورہ کیا کہ بہ حالتِ موجودہ کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو کامیابی ہو۔ اسدخاں نے عرض کیا کہ چوں کہ ہماری فوج کا بے انتہا نقصان ہوا ہے اور لشکر میں دل شکستگی پھیل گئی ہے فی الحال بیجاپور کو پلٹ چلنا ہی ٹھیک ہے۔ بادشاہ نے بھی اس رائے کو مان لیا اور واپس چلا گیا۔ اسدخاں کو بادشاہ نے سپہ سالاری کی معزز خدمت اور بہت سی جاگیریں عطا کیں اور اُسے اپنا بڑا مشیر و صلاح کار مقرر کیا۔

واقعات کا مقابلہ نیوبزِ اور فرشتہ دونوں کے حالات کو مقابلہ کرنے سے اِس امر میں کوئی شک نہیں رہتا کہ دونوں ایک ہی واقعے کو بیان کرتے ہیں۔ لڑائی کی ابتدا کس کی طرف سے ہوئی اِس بارے میں مختلف بیانات ہیں۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ جب بادشاہ دریا کے کنارے پہنچ گیا تو اُس نے دیکھا کہ دوسرے کنارے پر ہندوؤں کا لشکر پڑا ہوا ہے۔ چند دن توقف کرکے بادشاہ تھوڑی سی فوج کے ساتھ دریا پار اُتر گیا لیکن شکست کھا کر واپس آیا۔ نیوبز لکھتا ہے کہ کشن رائے کو جب بادشاہ کے دریائے کرشنا تک آجانے کی خبر ملی تو وہ رایچور میں تھا جو دریا سے (۱۵) میل کے فاصلے پر ہے۔ وہ وہاں سے بڑھا اور دریا ابھی (۹) میل باقی تھا کہ وہاں لڑائی ہوئی جس میں مسلمانوں کا لشکر پس پا ہوا۔ تاہم دونوں بیانوں کو اجمالاً دیکھا جائے تو بہت سی باتوں میں متفق ہیں جس سے یہ نتیجہ بہ آسانی نکلتا ہے کہ ان میں سے کسی کی روایت صحیح اور قابلِ اعتبار ہے لیکن جب اِس بات کو مدِنظر رکھا جائے کہ نیوبز نے تو لڑائی کے (۱۵) برس بعد واقعات قلم بند کیے ہیں اور لڑائی میں پرتگالی بھی موجود تھے اور ممکن ہے کہ نیوبز نے اُن میں سے بعض لوگوں کی زبان سے لڑائی کے واقعات سُنے ہوں تو ان وجوہ سے بہ مقابلہ فرشتہ کے نیوبز کے بیان پر زیادہ بھروسا کیا جا سکتا ہے کیوں کہ فرشتہ نے اِس واقعے کے ساٹھ برس بعد اپنی

تاریخ لکھی ہے اور پھر اُس میں باتیں خلاف قیاس بھی ہیں۔ نیونز نے ایسے واقعات لکھے ہیں کہ جن کے دیکھنے سے ضرور یہ خیال ہوتا ہے کہ یا تو وہ خود جنگ میں موجود تھا اور چشم دید حالات لکھ رہا ہے یا کم سے کم اُس نے ایسے لوگوں سے سُن کر لکھا ہے جو وہاں موجود تھے۔ چنانچہ نیونز نے قلعۂ رائچور اور لشکر کے حالات میں لکھا ہے کہ لشکر میں اس کثرت سے سامان تھا کہ جس چیز کی ضرورت ہو بے تکلف ملتی تھی۔ لشکر میں سُنار اور ہر قسم کے پیشہ ور اور دستکار اس طرح اطمینان سے اپنا اپنا کام کرتے تھے جیسے کوئی اپنے شہر میں بیٹھ کر کرتا ہے حتّٰی کہ جوہریوں کی دکانیں بھی تھیں جن میں ہر قسم کے جواہرات فروخت کے لیے موجود تھے۔ یہ حالات دیکھ کر اوپری آدمی کبھی یہ خیال نہیں کر سکتا تھا کہ یہ اُس لشکر کا کیمپ تھا جو جنگ پر جا رہا تھا بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک آباد اور خوش حال شہر بسا ہوا ہے۔ تاشوں۔ باجوں۔ نرسنگوں اور لوگوں کا ایسا شور و غل تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سُنائی دیتی تھی لوگ اشاروں سے باتیں کرتے تھے اس بلا کے شور و غل سے چڑیاں گھبرا کر آدمیوں کے سروں پر گر گر پڑتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب آسمان پھٹ پڑے گا۔ یہ ایسے واقعات ہیں جو دیکھنے والا ہی لکھ سکتا ہے۔ راجۂ بیجانگر نے جب رائچور کو فتح کر لیا تو راجہ نے کرسٹوواؤ کی طرف دیکھ کر سر کو جھکایا اور کہا کہ "دیکھو! ایک خیر خواہ متنفس سے بھی کیسے کیسے بڑے بڑے کام ہو سکتے ہیں" اور جب قلعے والوں نے شکست کھائی اور کرشن دیو راے فتح پا کر شہر میں داخل ہوا اُس کے واقعات لکھے ہیں اور جنگ ختم ہونے کے بعد بادشاہ کے ایلچی سے راجہ کی ملاقات کی کیفیت لکھی ہے۔ دوسرا وقائع نگار ڈومنگو پئیز کرسٹوواؤ کے ساتھ اس جنگ کے چند مہینے بعد بیجانگر میں موجود تھا اگرچہ وہ رائچور کی لڑائی میں خود نہ تھا لیکن سوائے نیونز کے اور دوسرے وقائع نگاروں نے رائچور کی لڑائی کا حال سرسری طور پر لکھا ہے اور پرتگالی مورخین نے اِس لڑائی کو (کیوں کہ اُس سے متعلق نہ تھی) اہم نہیں سمجھا اور اِس واسطے مجملاً ذکر کیا ہے۔

انتظامِ مملکت پر جنگِ رائچور کا اثر

رائچور کی لڑائی سے اسمٰعیل عادل شاہ

کی طاقت اور شہرت کو ایسا بٹہ لگا کہ اُس نے اِس طرف کو رُخ نہ کیا اور دوسرے مُسلمان بادشاہوں سے اپنے تعلقات بڑھانے لگا۔ اِس فتح کے بعد سے دکن کے سب مُسلمان بادشاہ چوکنا ہو گئے اور اِس کے سوائے علاج نہ تھا کہ سب نے مل کر سلطنت بیجانگر کو آخر تباہ کر دیا۔ ہندوؤں پر اِس لڑائی کا یہ اثر ہوا کہ وہ بہت مغرور اور خود پسند ہو گئے گویا ایندھن میں کسی نے آگ لگا دی اور اپنی ہم سر سلطنتوں کو ستانے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس قدر جلد اتنی بڑی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

رُباعی

جس سر پہ غرور آج ہے یاں تاجوری کا		کل اُس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا
آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت		اسباب لُٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

اِس لڑائی کا اثر پرتگالیوں پر بھی ہوا۔ پرتگالیوں کی حکومت کا دارومدار ہندوؤں کی سلطنت پر تھا اِس لیئے کہ بادشاہ پرتگال کے تعلقات ہمیشہ سے مُسلمانوں سے اچھے نہ تھے ہندوؤں ہی سے اِن کو مدد ملتی تھی اور اُنھیں سے اِن کی سوداگری چمکی ہوئی تھی۔ پرتگالی مورخین نے اِن واقعات سے گریز کیا ہے لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ بحری تجارت کا دارومدار اُس سلطنت کی فارغ البالی پر منحصر تھا کہ جہاں اُن کے مال کی کھپت تھی جب بیجانگر کی سلطنت عروج پر تھی اور وہاں عیش و آرام کے سامان بہم تھے اور دولت اُمڈی پڑتی تھی اور بے انتہا افواج جمع تھیں تو سوداگری بھی پنپ رہی تھی برخلاف اِس کے جب سلطنت کا زوال ہوا اور شہر ویران ہو کر اُجڑ گیا تو اُن کے مال کو کون پوچھتا تھا۔ لامحالہ اِن کی تجارت بھی بیٹھ گئی اِن وجوہ سے پرتگالیوں کو رایچور کی جیسی اہم لڑائی اور عظیم الشان واقعے کو اِس بے پروائی سے چھوڑ دینا ضرور تعجب کی بات ہے۔

جنگِ رایچور کے بعد کے واقعات

جنگِ رایچور کے بعد کیا واقعات پیش آئے تاریخ فرشتہ میں تو اِس کا کچھ ذکر نہیں ہے البتہ نیونز نے لکھا ہے کہ رایچور کی فتح کے بعد راجہ بیجانگر بڑی دھوم

دھام سے رایچور میں داخل ہوا قلعے کے لوگوں سے وہ نرمی اور مہربانی سے پیش آیا
اُس کی فتح کا حال سُن کر دوسرے سلمان بادشاہوں نے مبارک باد کے لیئے ایلچیوں
کو بھیجا لیکن کشن دیو راے نے اپنے غرور میں اُن کی کچھ پروانہ کی اور برافروختگی اور
جلے کٹے جواہات دیئے۔ اِس کے بعد کشن راے بیجانگر کو واپس آیا اور یہاں ایک بڑا
جشن کیا۔ تھوڑے دنوں بعد اسمٰعیل عادل شاہ کی طرف سے ایک ایلچی آیا اور ایک مہینے
سے زیادہ عرصے تک پڑا رہا کسی نے خبر تک نہ لی آخرکار راجہ کی حضوری میں طلب
کیا گیا اور راجہ نے کہلا بھیجا کہ اگر عادل شاہ خود آے اور آکر آداب بجالاے اور
اُس کے قدم بوس ہو تو البتہ قلعۂ رایچور اور دوسرے مقامات واپس دے دیئے
جائیں گے۔ اسمٰعیل عادل شاہ کی طرف سے اِس کا کچھ جواب نہ ملا تب راجۂ بیجانگر بادشاہ
کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور سمجھا کہ بادشاہ جب یہ سُنے گا تو عاجز ہو کر اُس کی شرائط
کو قبول کرلے گا لیکن راجہ کو یہ خیال نہ آیا کہ اُس کے اس بے انتہا گستاخانہ جواب کا
اثر دوسرے سلمان بادشاہانِ دکن کے دلوں پر کیا ہوا ہوگا کہ راجۂ بیجانگر نے سلمانوں
کی سب سے بڑی سلطنت کے ساتھ ایسا گستاخانہ برتاؤ کیا۔ اسمٰعیل عادل شاہ نے تو کبھی
اِن شرائط کو منظور نہیں کیا لیکن کشن راے اپنی فوج لے کر جانبِ شمال بڑھتے بڑھتے
دارالسلطنت بیجاپور تک پوہنچ گیا۔ جس کا محاصرہ کیئے کچھ دن تک پڑا رہا مگر آخر نقصان
اُٹھا کر ناکام واپس آیا۔ اسدخاں نے جو بادشاہ کا مُنہ چڑھا تھا راے بیجانگر سے مل کر
اُسے اُبھارا اور اپنے دشمن صلابت خاں کو قتل کروادیا اور اپنی خودغرضی کے سامنے
اپنے بادشاہ کا کچھ بھی خیال نہ کیا۔ کشن راے نے بیجاپور میں خاندانِ بہمنیہ کے بادشاہِ
سابق کے تین بیٹوں کو جن کو پہلے سے عادل شاہ نے قید کر رکھا تھا پکڑ لیا اور اُن میں
سب سے جو بڑا تھا اُسے بادشاہ[1] بنایا۔ مقصود اِس سے یہ تھا کہ دکن کی ایک سلطنت

[1] تاریخ فرشتہ میں اِس کا کچھ ذکر نہیں لکھا لیکن ہم کو تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود دوم بہمنی نے ۱۵۱۸ء میں وفات پائی اِس بادشاہ کے تین بیٹے تھے۔ احمد۔ علاؤالدین۔ ولی اللہ۔ اوّل الذکر دسمبر ۱۵۱۸ء میں دوسرا ۱۵۲۱ء میں اور تیسرا بھی اسی سال بادشاہ ہوا مگر سب براے نام ہوے۔

لوٹ کر پانچ بادشاہ ہوگئے ہیں ان سب کے زور کو توڑ دے لیکن نتیجہ برعکس ہوا اُن کا تو کچھ بھی نہ ہوا اُلٹی آنتیں گلے پڑیں کہ راے بیجا نگر کی اس حرکت سے سب کے سب اور زیادہ کشیدہ ہوگئے۔ اس کے چند دنوں بعد کشن راے کا جوان بیٹا جسے وہ اپنا جانشین کرنے والا تھا اور یہاں تک ارادہ کرلیا تھا کہ اپنی زندگی میں تخت پر اسے بٹھادے اور خود کنارہ کش ہوجاے وہ بدنصیبی سے زہر سے ہلاک ہوا اور خود بھی قریب المرگ تھا۔ اُن دنوں دربار میں چند پرتگالی بھی تھے اُن کی صلاح و مشورے سے راجہ نے اپنے وزیر سالوتما اور اُس کے سارے خاندان کو قید کردیا۔ سالوتما کا بیٹا یہ حالت دیکھ کر سنڈور کی طرف پہاڑوں میں جان بچاکر بھاگ گیا جہاں اب تک پہاڑ پر ایک مضبوط قلعہ بنا ہوا ہے جسے قلعۂ رام دُرگ کہتے ہیں۔ راجہ نے سالوتما اور اُس کے بھائی اور بیٹے کو اپنے سامنے بلوایا اور سب کی آنکھیں نکلوا ڈالیں۔ اسی زمانے میں اسمٰعیل عادل شاہ پھر بیجانگر کی طرف بڑھا کہ اپنی شکستِ سابقہ کا بدلا لے لیکن جوں ہی اُس نے سُنا کہ اُدھر سے خود کشن راے اُس کے مقابلے کو چلا آرہا ہے تو بدحواس ہوکر پلٹا۔ اگرچہ کشن راے بہت بیمار تھا لیکن تاہم وہ مسلمانوں سے مقابلے کے ارادے سے نکل چکا تھا چنانچہ نیونز نے لکھا ہے کہ اُس نے چلتے چلتے چھ سو گھوڑے پرتگالیوں سے خریدے۔ کشن راے کا ارادہ قلعۂ بلگاؤں پر حملہ کرنے کا تھا جو عادل شاہ کے قبضے میں تھا چنانچہ پرتگالیوں کے پاس راجہ نے ایک ایلچی کو بہ طلب امداد بھی بھجوایا تھا لیکن وہ خود ایسا سخت بیمار پڑ گیا کہ یہ ارادہ دل کے دل ہی میں رہا اور پورا نہ ہونے پایا کہ کشن دیو راے نے ۴۲ یا ۴۵ سال کی عمر میں ۱۵۳۰ء میں انتقال کیا اُس کا جانشین اچیتا ہوا۔ یہ حالات تو ہم نے نیونز سے نقل کیے ہیں مگر اس کے سوا کچھ اور واقعات دوسرے وقائع نگاروں سے بھی معلوم ہوتے ہیں۔ بیروس لکھتا ہے کہ ۱۵۲۳ء میں سالوتما وزیر بیجانگر نے گوآ کے قریب کے مقامات برّاعظم خشکی پر حملہ کیا جن کو حال ہی میں ڈی رلّو نے فتح کیا تھا۔ وزیر مذکور نے مقام پونڈا پر تھوڑی فوج کے ساتھ چڑھائی کی لیکن شکست کھاکر واپس آیا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد اپریل ۱۵۲۳ء میں مسلمانانِ بیجاپور نے اِن ہی مقامات پر بزمانۂ ویسرائی مینز چڑھائی کی اور فتح پائی۔

چنانچہ اسی سال اکتوبر کے مہینے میں گوآ سے بادشاہِ پرتگال کو اس واقعے کی رپورٹ کی گئی " براعظم جس کو ڈی ہلو نے فتح کر لیا تھا اُس پر مسلمانوں نے جن کے قبضے میں وہ حصہ پہلے سے تھا اپریل ۱۵۲۲ء میں حملہ کر کے تابعض ہو گئے ہیں اور سب سے اوّل تھانہ دار پُرنا کے ضلع پر جو ساحلِ سمندر پر واقع ہی قبضہ کر لیا اور دو پرتگالیوں کو جن میں ایک تھانہ دار ہی قید کر کے قلعۂ بلگاؤں لے گئے جہاں کا گورنر اسد خاں ہی " اس سے ظاہر ہی کہ مسلمانوں نے پرتگالیوں پر فتح پائی لیکن تعجب ہی کہ کسی دوسرے مورخ نے حتّٰے کہ فرشتہ نے بھی اِس کا تذکرہ نہیں لکھا اس سے قیاس ہوتا ہی کہ مسلمانوں کا لشکر شاہی لشکر نہ تھا نہ بادشاہ کے حکم سے یہ لڑائی کی گئی بلکہ اسد خاں حاکم قلعۂ بلگاؤں کی فوج ہوگی جس نے بطورِ خود چڑھائی کی ہوگی۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہی کہ رایچور کی شکست کے بعد اسمٰعیل عادل شاہ نے اپنی بہن کو نظام شاہ بادشاہ احمد نگر کے ساتھ بیاہ دیا جس سے اُس کی دو لڑائیاں ۱۵۲۳ء و ۱۵۲۸ء میں ہوئی تھیں اور دوسری بہن کی شادی علاءالدین عماد بادشاہِ برار سے کر دی اور بیدر کے بادشاہ سلطان امیر برید سے جو معمر شخص تھا جنگ کر کے اُسے گرفتار کر لیا۔ کشن رائے کے مرتے ہی ہندوؤں کی سلطنت میں ایک تلاطم پڑ گیا اور یہ موقع اسمٰعیل عادل شاہ کو اچھا ملا کہ اُس نے پھر قلعۂ رایچور اور مُدگل پر قبضہ کر لیا۔ تاریخ فرشتہ میں اِن واقعات کی تاریخ درج نہیں ہی لیکن امیر برید پر جو عادل شاہ نے فتح پائی وہ حسب بیان بیروس ۱۵۲۹ء میں مرقوم پائی جاتی ہی۔ اگرچہ تاریخ بیجانگر سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہی لیکن اتنا معلوم رہنا چاہیے کہ ۱۵۲۶ء میں سلطان بابر[1] تختِ دہلی پر بیٹھا اور خاندانِ مغلیہ کا پہلا بادشاہ ہوا۔

---

[1] بابر بادشاہ کی مدتِ سلطنت ۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۰ء ہی یہ بادشاہ ۸۸۸ھ میں قتلغ نگار خانم کے بطن سے پیدا ہوا تاریخ ولادت یہ ہی۔

اندر شش محرم زاد آں شہ مکرم ۔۔۔ تاریخ مولدش ہم آمد شش محرم

بابر ہند میں بہت سال زندہ نہ رہا۔ جب وہ دہلی پر چار سال سلطنت کر چکا تو اُس کو بیماری شروع ہوئی (بقیہ صفحہ ۲۳۴)

۱۵۳۰ء میں ہمایوں[1] اُس کا جانشین ہوا ۱۵۵۶ء میں ہمایوں کی وفات کے بعد بڑا نامی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۲) اُس کا بیٹا ہمایوں سخت بیمار ہوا جس کے جینے کی امید باقی نہ رہی تھی - ابوالبقا ایک ذی علم مقدس بزرگ نے بابر کو سب سے زیادہ قیمتی چیز خدا کے نام پر صدقہ دینے کے لیئے صلاح دی اور کہا کہ آگرے میں جو لعل ملا ہی وہ صدقے میں دیا جاے - بابر نے کہا کہ میرے نزدیک میری جان اُس لعل سے زیادہ قیمتی ہی اور میں اُس کو خدا کی نذر کروں گا اسی غرض سے وہ تین مرتبہ اپنے بیٹے کے پلنگ کے اطراف پھر کر صدقے ہوا - اور دُعا کی کہ اُس کے بیٹے کے عوض وہ مرجاے - تب وہ پکار اُٹھا کہ مَیں اس امتحان میں کامیاب نکلا اور یہ معلوم ہوتا ہی کہ خدا نے اُس کی دُعا قبول کی - کیوں کہ ہمایوں دن بدن تن درست ہونے لگا اور بابر دن بدن نحیف اور ناتوان ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ روزِ دوشنبہ ۵ جمادی الاول ۹۳۷ھ م ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء کو انتقال کیا اور حسبِ وصیت خود کابل میں قدم گاہ حضرت رسولِ مقبول میں مدفون ہوا " بہشت روزی باد " تاریخ وفات ہی -

(نوٹ صفحہ ہذا) [1] ہمایوں بادشاہ ۴ ذی قعدہ ۹۱۳ھ م ۶ اپریل ۱۵۰۸ء شب سہ شنبہ کو ماہم اکہ کے بطن سے بہ مقام کابل پیدا ہوا - تاریخ ولادت ع شاہ فیروز بخت شد تاریخ " ہی ۱۵۳۰ء سے ۱۵۵۶ء تک سلطنت کی وہ بائیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا - ۱۱ ربیع الاول ۹۶۳ھ کو قریب غروب آفتاب کتب خانے کے کوٹھے پر برآمد ہوکر ایک لحظہ بیٹھ کر سیڑھیوں پر سے نیچے اُتر رہا تھا کہ قریب کی مسجد سے اذان نماز مغرب کی آواز آئی - ہمایوں بہ تعظیم جواب اذان دوسری سیڑھی پر بیٹھ گیا بعد اذان جب عصا کے سہارے سے کھڑا ہونے لگا لکڑی سنگ مرمر کی سیڑھی پر سے پھسل گئی اور بادشاہ زینے کے نیچے گر پڑا اُسی وقت محل میں اُٹھا کرلے گئے اور ہر چند علاج معالجہ کیا گیا مگر اڑتالیس سال کی عمر میں (۲۶) سال سلطنت کرکے ۱۱ ماہ مذکور مطابق ۲۴ جنوری ۱۵۵۶ء کو بوقت غروب آفتاب ہمایوں کی زندگی کا آفتاب بھی غروب ہوا - تاریخ وفات یہ ہی

چو گشت از رحمتِ حق ساکن اندر روضۂ رضواں — "بہشت آمد مقام پاک او" تاریخ ازاں باشد

مولانا قاسم صاحب نے یہ تاریخ لکھی ہی -

ہمایوں بادشاہ ملکِ معنی
زبام قصر خود افتاد ناگہ
پئے تاریخ او کاہی قسم زد

ندارد کس چو او شاہنشہی یاد
وزاں ہم عزیزش رفت برباد
" ہمایوں بادشہ از بام اُفتاد "

(بقیہ صفحہ آئندہ)

کے جنگل میں ہوس پیٹ سے جانب جنوب و مغرب پہاڑوں کی گھاٹیوں میں واقع ہی۔ اب اُس کے کٹے پر سے ہوس پیٹ کی سڑک جو جنوبی تعلقات میں جاتی ہی گزرتی ہی۔ یہ تالاب دو وجہ سے بنایا گیا تھا ایک تو یہ کہ آبپاشی کے کام آئے گا دوسرے اس وجہ سے کہ راجہ نے جو ناگلاپور (جسے اب ہوس پیٹ کہتے ہیں) آباد کیا تھا وہاں کے باشندگان کے آبنوشی کے کام آئے۔ ناگلاپور کے شہر میں فصیل اور بڑے بڑے دروازے اور برج بنائے گئے تھے اور گوآ کی طرف سے جو مسافر و بیجانگر کو جاتے تھے یہیں سے گزرتے تھے یہ تالاب دو پہاڑوں کے درمیان ایک تیسرے پہاڑ کو توڑ کر بنایا گیا ہی جس پر بے شمار آدمی کام کرتے تھے اور ساٹھ آدمی اُس کے کٹے (بند) کی حفاظت کے لیئے قربانی چڑھائے گئے تھے۔

ایک نئے شہر ناگلاپور کا آباد کرنا

۱۵۲۰ء سے قبل مضافاتِ شہر بیجانگر میں راجہ نے ناگلاپور ایک نیا شہر آباد کیا تھا۔ یہ شہر راجہ نے اپنی بیوی ناگلا دیوی کے نام پر بنایا تھا اور خود بھی وہیں رہا کرتا تھا۔ راجہ نے دریا کے کنارے وٹھل سوامی کی دیول کی تعمیر بھی شروع کر دی تھی جو مذہبی عمارات میں سب سے زیادہ خوب صورت اور طرح طرح کی صناعیوں سے آراستہ ہی اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ ملک نے صناعی میں کس قدر ترقی کی تھی۔ اِس دیول کی تعمیر کا کام نہ صرف کشن رائے کی زمانۂ سلطنت میں جاری رہا بلکہ اچتیا اور سدا سیو کے دَورِ حکومت میں بھی چلتا رہا اور غالباً ۱۵۶۵ء میں جب کہ شہر بیجانگر تباہ ہوا ہی جب ہی بند ہوا۔ ایک پتھر پر کندہ ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ ۱۵۶۱ء میں اِس مندر کے تحت کچھ عطیات دیئے گئے تھے۔

اُگرا نرسہواں کے بڑے بھاری بُت کا بنانا

۱۵۲۸ء میں وشنو کا عجیب و غریب اور عظیم الشان بُت اوتار نرسہواں کی شکل میں بیجانگر میں بنایا گیا تھا۔ یہ بُت ایک ہی پتھر کے بڑے گنڈ میں سے تراشا گیا تھا جو کشنا سوامی دیول کے جنوب و مغرب گوشے میں موجود تھا۔ راجہ نے اس
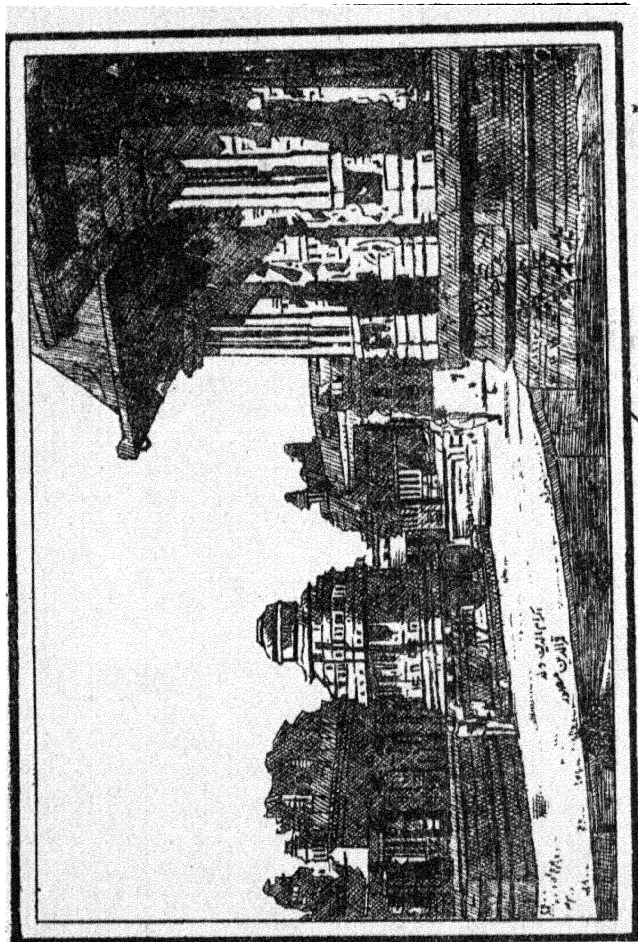
وٹھل سوامی کے مندر کا اندرونی حصّہ جس کی تعمیر کرشن دیو رائے کے عہد میں شروع ہوئی تھی

دیوکی مورت کے لیۓ بھی انعامات دیۓ تھے۔ اِس مورت کو غالباً کسی بُت شکن مُسلمان نے سنہ ۱۵۶۵ء میں یا اُس کے بعد بہت صدمہ پہنچایا ہی۔ تاہم اب بھی یہ مورت ایک عجائبات میں سے ہی اور قابلِ دید ہی۔ کشن راے نے اپنی تاج پوشی کی تقریب میں جو عطیات وِیرپاکش کے دیول موقوعہ موضع ہمپی کو عطا کیۓ تھے اُن کا ذکر ہم اوپر لکھ آۓ ہیں۔

کشن دیو راے کے زمانے کے کتبات

دیول موقوعہ موضع درچناپور کے پہلے ٹُپّے کے نیچے اندر کے رُخ پر ایک کتبہ اِسی سلطنت کے زمانے کا موجود ہی جس پر سنہ ۱۵۱۲-۱۳ء درج ہی اور ایک دوسرے کتبے پر جو وجیانگر کے قریب موضع سنکلاپور میں ہی اُس پر ۲۰ ستمبر سنہ ۱۵۱۳ء یوم سہ شنبہ کُندہ ہی۔ اِس میں گنپتی کے دیول کے لیۓ جو احاطۂ محل میں واقع ہی موضعِ مذکور میں زمینات عطا کرنے کا ذکر ہی اور دوسرے کُتبے بھی کشن راے کی سلطنت کے ہیں جن میں سنہ ۱۵۰۹-۱۰ء و سنہ ۱۵۱۲-۱۳ء و سنہ ۱۵۱۴-۱۵ء و ۲۲-۲۳ و ۲۷-۲۸ء درج ہیں کشن راے کی سلطنت کے زمانے کا آخری کتبہ ۲۳ اپریل سنہ ۱۵۲۹ء کے مطابق کا ہی جو اُگرانرسہواں کے بڑے بُت کے سامنے لگا ہوا ہی۔

تیرھواں باب

سلطنتِ اچتیا راے

اچتیا راے کے حالات

اچتیا راے کشن راے کا بھائی تھا۔ کشن راے نے اچتیا اور دوسرے دو بھائیوں اور بھتیجے کو قلعۂ چندر گیری میں اِس غرض سے قید رکھا تھا تاکہ ریاست میں شر و فساد نہ پھیلا سکیں۔ اچتیا راے کا انتخاب خود کشن راے نے ہی کیا تھا لیکن افسوس ہی کہ یہ انتخاب بہت بُرا نکلا کیوں کہ اچتیا بڑا پست ہمت شخص تھا اور اِسی کے زمانے میں سلطنتِ بیجانگر کا زوال شروع ہو گیا۔ اِس کا وزیر "سالوانے" نامی اُسی مشہور خاندان سالوا کا ایک شخص تھا کہ جس خاندان کا تمامؔ وزیر کشن دیو راے تھا۔ اچتیا کی سلطنت کے زمانے کا سب سے پہلے کتبے میں ۱۵ اگست ۱۵۳۰ء یوم دوشنبہ تاریخ درج ہی۔ سلطنت کے شروع ہی زمانے میں یہ بدشگونی ہوئی کہ قلعہ جات مُدگل و رایچور اِن کے قبضے سے نکل گئے۔ تاریخ فرشتہ سے معلوم ہوتا ہی کہ سلطان عادل شاہ کشن راے کی وفات کے پہلے ہی سے اِن مُلکوں کے واپس لینے کی طیاری کر رہا تھا۔" بادشاہ نے اپنا لشکر جمع کر لیا اور عماد شاہ اور برید شاہ بھی اپنی فوج لے کر آن ملے اور بوجہ ہیم راج کے انتقال کے جس کا جانشین حال ہی میں رام راج[۲]

---

[۱] یہ رسفتہ نیونز کا بیان کیا ہوا ہی اور اِسی کا بیان زیادہ تر مستند ہی کیوں کہ وہ اُس زمانے میں بیجانگر میں موجود تھا اور نہ دوسرے کتبوں اور بیانِ مورخین میں آیندہ زمانے کے حکم رانانِ بیجانگر اور اُن کے نسب ناموں میں اختلافات ہیں ۱۲

[۲] اِن ناموں کی صحت کے متعلق آگے ذکر آے گا ۱۲۔

ہو اتھا سلطنت بیجانگر میں گویا بڑ مچی ہوئی تھی چھوٹے چھوٹے راجاؤں نے بغاوت شروع کردی تھی اور ادھر سے اِن کی کچھ روک تھام نہ ہوسکی۔

رایچور اور مُدگل پر مسلمانوں کا قبضہ

نتیجہ یہ ہوا کہ رایچور اور مُدگل جو ستترہ[1] سال سے ہنود کے قبضے میں تھے تین مہینے کے محاصرے کے بعد پھر مسلمانوں نے فتح کرلیے" اس میں شک نہیں کہ اِن مقامات کی فتح سے عادل شاہ کے دل کا کانٹا نکل گیا اور اپنے جانی دشمن کشن راے کی وفات سے بھی اُسے بڑا اطمینان حاصل ہوا ہوگا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ " بادشاہ نے قسم کھائی تھی کہ جب تک اِن قلعوں کو ہندوؤں سے نہ چھڑالوں گا شراب کے پاس نہ پھٹکوں گا اِن فتوح کے بعد اُمرا کی خواہش پر بادشاہ نے ایک بڑا جشن آراستہ کیا (ع کلید مَی کدہ گم گشتہ بود پیدا شد) اور خوب ناچ رنگ اور سامانِ عیش و طرب رہا" اِس کے بعد رایچور اور مدگل کے قلعوں پر پھر کبھی ہندوؤں کا قبضہ نہیں ہوا۔ اچتیا راے نے اپنے طرزِ عمل اور سخت گیری اور خود مختاری سے اپنے جاں نثاروں کو دشمن بنالیا اور تمام سلطنت میں راجہ کی پست ہمتی اور کم زوری مشہور ہوگئی۔ اس کے چال چلن اور طرزِ حکومت نے ہندوؤں کی سطوت اور جبروت کو ملکِ دکن میں برباد کردیا اور چاروں طرف سے ملک دشمنوں کے لیے کھل گیا۔ گو کہ راجہ اتنے دنوں زندہ نہ رہا کہ وہ اپنی ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ خود دیکھتا۔ رایچور دوآبہ کی فتح کے بعد ۱۵۳۱ء میں اسمٰعیل عادل شاہ اور احمد نگر کے بادشاہ میں ایک اور جنگ ہوئی جس میں احمد نگر کی افواج کو شکست ہوئی اور آخر کار دونوں سالے بہنوئیوں میں صلح ہوگئی۔

اسمٰعیل عادل شاہ کا انتقال اور ملّو شاہ کی تخت نشینی ۱۵۳۴ء

تین سال کے بعد اسمٰعیل عادل شاہ نے تپ سے ۱۶ صفر ۹۴۱ھ م ۱۳ اگست ۱۵۳۴ء یوم پنجشنبہ کو انتقال کیا اُس کا جانشین اُس کا

[1] صحیح مدت (۱۰) سال ہے۔

بیٹا ملّو ہوا اور اسد خاں لاری ریجنٹ[1] مقرر ہوا لیکن تخت پر بیٹھتے ہی بادشاہ نے اپنے جاں نثار سردار اسد خاں کو آزردہ کر دیا کہ وہ کاروبار چھوڑ کر اپنی جاگیر بلگاؤں کو چلا گیا۔ سلطان ملّو کو میدان خالی ملا وہ لہو و لعب عیش و طرب و حرکات ناشائستہ میں ایسا منہمک ہو گیا کہ بجز اُس کے معزول کرنے کے کوئی علاج نہ تھا۔ ناچار خود اُس کی دادی پونجی خاتون نے یوسف ترک کوتوالِ شہر سے کہا کہ یہ ہرگز بادشاہت کے قابل نہیں ہے اسے معزول کر کے شاہزادہ ابراہیم کو تخت پر بٹھانا چاہیئے۔ یوسف نے فوراً اپنے ایک محرمِ راز کو اسد خاں کے پاس بلگاؤں بھیج کر اُس کی صلاح پچھوائی۔ اسد خاں نے سب حال سُن کر کہا کہ مَیں نے تو اِن ہی اسباب سے خود بیجاپور کا رہنا چھوڑ دیا اور یہاں مُنہ کالا کیئے پڑا ہوں مناسب یہ ہے کہ بادشاہ کی دادی نے جو کچھ فرمایا ہے اُس پر عمل کرو۔

ملّو شاہ کا مکحول کیا جانا

یوسف کو جب اسد خاں کی رائے سے اطمینان ہو گیا تو چالیس سوار تاج پوش لے کر قلعے دار کو جو مانع و مزاحم ہوا تھا قتل کر کے قلعے میں گُھس گیا اور ملّو شاہ کو قید کر کے حسبِ فرمان پونجی خاتون اُس کی اور اُس کے سوتیلے بھائی اُتو خاں دونوں کی آنکھیں نکلوا ڈالیں۔

ابراہیم عادل شاہِ اوّل کی تخت نشینی ۱۵۳۵ء

ملّو شاہ کے چھوٹے بھائی ابراہیم عادل شاہ کو ۱۵۳۵ء میں تخت پر بٹھایا گیا

چو دھر افگند افسری از سرے
نہد آسماں بر سرِ دیگرے

اسد خاں کی پرتگالیوں سے لڑائیاں

اِن جھگڑوں میں پرتگالیوں کو موقع ملا اُنھوں نے جزیرہ ڈیو میں ایک قلعہ بنا لیا اور اوائل ۱۵۳۶ء میں بڑی مقامات جن پر دس سال سے اسد خاں کا قبضہ تھا وہ بھی لے لیئے۔ جو علاقہ جات پرتگالیوں نے لے لیئے تھے۔ اُن سے واپس چھین لینے کے لیئے اسد خاں نے ایک لشکر روانہ کیا اور ماہِ فروری میں لڑائی ہوئی مگر پرتگالیوں

---

[1] Regent ۔ کسی رئیس کے زمانِ صغر سنی میں جو کوئی دوسرا شخص نیابۃً سلطنت کا کاروبار کرے وہ ریجنٹ کہلاتا ہے ۱۲۔

کی فتح رہی - پھر دوبارہ چڑھائی کی لیکن پھر بھی مسلمانوں نے شکست پائی آخرکار جولائی میں تیسری دفعہ چڑھائی کی مگر اُس میں بھی شکست ہوئی اِن متواتر شکستوں کے بعد اسدخاں نے پھر کمرِ ہمت باندھ کر ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا اور پرتگالی قلعہ چھوڑ کر بھاگے مگر جاتے جاتے قلعے کو اُڑا گئے -

قلی قطب شاہ نے اسی زمانے میں کنڈہ ویڑ پر چڑھائی کی کیوں کہ وہاں سے خراج نہیں پہونچا تھا اور فتح کرکے اس فتح کی یادگار میں قلعے میں ایک مینار بھی بنوا دیا - کنجیورم میں دو کتبے ۱۵۳۲ و ۱۵۳۳ء کے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اچیتا راے نے تیناولی کے قریب کے ملک فتح کرلیے تھے - لیکن غالباً اس لڑائی میں خود راجہ شریک نہ تھا کیوں کہ پھر اِس مہم کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا - اِس کے بعد کے تاریخی حالات میں مختلف مورخین کی مختلف روایات سے خلط مبحث ہوگیا ہے اور اُن میں سے صحیح واقعات کو چُن لینا ایک مشکل کام ہے

ابراہیم عادل شاہ بیجانگر میں اور وہاں کے واقعات ۱۵۳۶ء

بہ قولِ فرشتہ اچیتا کی تخت نشینی کے ایک سال بعد ۱۵۳۶ء میں راجہ کے حسب الطلب ابراہیم عادل شاہ اپنا لشکر لے کر بیجاپور پہونچا لیکن نہیں معلوم ہوتا کہ یہ اُلٹی گنگا کیسے بہنے لگی کیا یہ ممکن تھا کہ راجہ اِس درجے مجبور ہو گیا ہو کہ اُس نے اپنے خاندانی دشمنِ جانی سے امداد طلب کی ؟ نیوبز نے لشکر کا آنا تو لکھا ہے لیکن کس وجہ سے آیا کچھ نہیں لکھا حال آں کہ اِن دنوں وہ خود بیجانگر میں موجود تھا - لیکن فرشتہ نے جو یہ بات لکھی ہے کہ عوام النّاس کو راجہ کی نسبت ایک طرح کی بے اعتباری ہوگئی تھی اور خود راجہ کے ایمار سے مسلمانوں کی فوج وہاں پہونچی درست معلوم ہوتی ہے کیوں کہ راجہ اچیتا نے نہ صرف لشکرِ اسلام کو بلا مزاحمت اپنی دارالسلطنت میں آنے دیا بلکہ بادشاہ کو بڑے تپاک سے لیا اور واپسی سے پہلے بہت سے تحفے تحائف بھی دیے نیوبز کو راجہ کی اِس حرکت پر بالکل اچنبھا معلوم ہوتا ہے اور سواے راجہ کی پست ہمتی اور بُزدلی کے دوسرا کوئی سبب نہیں معلوم ہوتا - نیوبز نے یہ بھی لکھا ہے کہ بادشاہ بیجاپور ناگلا پور میں داخل ہوا اور اِس شہر کو بالکل مسمار کرکے زمین کے برابر کردیا - ناظرین کو یاد ہوگا کہ

کشن دیو رائے نے بیجاپور کی کیا گت بنائی تھی یہ اُسی کا بدلہ تھا لیکن یہ بات کچھ سمجھ میں آنے کی نہیں ہی کہ سلطانی لشکر نے صرف ایندھن کے لیے ناگلا پور کے مکانات کو گرا دیا اور توڑ پھوڑ ڈالا ہو۔ بہر حال اصلی سبب جو کچھ بھی ہو ہم نے صرف نیونز کی روایت کی نقل کر دی ہی

رام راج اور اُس کے بھائیوں کا عروج

فرشتہ نے اِن واقعات کو یوں لکھا ہی کہ ہیم راج جسے فرشتہ ہمیشہ تیم راج لکھتا ہی جس کو عموماً تما کہتے تھے اِس سے لامحالہ کشن دیو رائے کا وزیر اعظم "سالو تما" مراد ہی جو سیو رائے راجۂ بیجانگر کے دونوں لڑکوں کے انتقال کے بعد سے حقیقی حکمراں ہو گیا تھا اور یوں پہلے سے بھی وہ دخیل کار رہتا اور اِس طرح پورے چالیس برس اُس نے حکومت کی۔ سیو رائے کے انتقال کے بعد اُس کا بیٹا جانشین ہوا جس نے عالم جوانی ہی میں انتقال کیا اس کا ایک چھوٹا بھائی اور تھا وہ بھی جوانی ہی میں مر گیا تب اُس کے ایک لڑکے کو جس کی عمر صرف تین مہینے کی تھی برائے نام راجہ مقرر کیا لیکن سب کاروبار ہیم راج ہی کے ہاتھ میں رہا۔ جب یہ صغر سن بچہ حدِّ رُشد اور سنِّ تمیز کو پہونچا تو ہیم راج نے اُسے زہر دے کر مروا ڈالا اور خود خاندان کا مالک بن گیا۔ اِس چالیس برس کے عرصے میں تمام رعایا برایا اُسی کی مطیع اور منقاد رہی جب سالو تما مر گیا تو اُس کا بیٹا رام راج حاکم الوقت ہوا۔ رام راج[1] سیو رائے کا داماد تھا اس تعلّق سے اُس کا زور اور کر بھی زیادہ ہو گیا اور اُس نے اِس بات کی کوشش کی کہ بیجانگر پر خود مسلّط ہو کر اپنے خاندان میں سلطنت منتقل کرے لیکن اُمراء نے اُسے دبایا اور مجبور کیا کہ ایک چھوٹے بچے کو جو آل[2] میں سے تھا راجہ تسلیم کیا جائے چنانچہ اِسی بچے کو برائے نام راجہ بنا دیا اور کم سن راجہ کی پرورش اُس کے ماموں بھوج ترمل کے سپرد کر دی۔

---

[1] برگز نے اس لڑکی کو سیو رائے کی بیٹی لکھا ہی لیکن رام راج نے کشن دیو رائے فرزند نرسہواں اوّل کی لڑکی سے شادی کی تھی ۱۲

[2] کتبوں میں اس کم عمر راجہ کا نام نہیں ملتا جو آل میں سے ہونا بیان کیا جاتا ہی۔ برگز نے اس لڑکے کے چچا کو بھوج ترمل لکھا ہی کوٹو نے اُچیّتما نام بتلایا ہی اور اُچیّے کے معنی دیوانے کے لکھے ہیں ۱۲

بھوج ترمل کا زمانہ بھوج ترمل اگرچہ پورا دیوانہ نہ تھا مگر فاتر العقل ضرور تھا۔ پانچ چھ سال کے عرصے میں رام راج نے اپنی چال بازی سے بہت سے اُمرار کو جو اُس کے مخالف تھے مروا ڈالا اور اپنے ایک غلام کو مراتب اعلیٰ پر پہونچا کر اُس سے قول و قرار کرکے بیجانگر اور راجہ کو اُس کے سپرد کرکے خود ملیبار پر چڑھائی کی اور پھر بیجانگر کے جنوب میں ایک بڑے زمیندار پر حملہ آور ہوا جس نے چھ مہینے مقابلہ کیا اور آخرِ کار رام راج کی فوج کو پس پا کیا۔ رام راج نے اپنے غلام کو (جو اُس وقت بیجانگر میں حکومت کر رہا تھا) پانچ لاکھ ہن بھیجنے کو لکھا۔ غلام نے جو خزانہ کھولا تو بے انتہا دولت دیکھ کر اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور اُس کی رال ٹپک پڑی اور چاہا کہ کسی نہ کسی طرح اس خزانے کو خود ہضم کر لے اُس نے کم سن راجہ کو جو برائے نام تھا آزاد کرکے بھوج ترمل کو اپنی طرف کر لیا اور خود وزیر بن کر لشکر جمع کرنا شروع کیا بہت سے خراج گزار جو رام راج سے بیزار تھے وہ یہ خبر پاتے ہی بیجانگر کو دوڑے اور اپنے جائز راجہ کی اطاعت قبول کی اور تھوڑے دنوں میں تیس ہزار سوار اور ایک بہت بڑی تعداد پیدلوں کی شہر میں جمع ہو گئی۔ بھوج ترمل نے اُس غلام کو اس حیلے سے قتل کروا ڈالا کہ اُس نے رام راج کے مقابلے میں بغاوت کی ایسا شخص کبھی اعتبار کے قابل نہیں ہے اور خود مقتدر بن گیا۔ یہ خبر پاتے ہی رام راج یلغار دارالسلطنت میں پہونچا لیکن موقع ایسا بے ڈھنگا تھا کہ کچھ نہ چل سکی۔ جب رام راج نے دیکھا کہ اکثر اُمرا اُس کے خلاف ہو گئے ہیں تو اُس نے راجہ سے جو جائز طور پر مستحق تھا مصالحت

سلہ یہ واقعہ اچتیا کی زمانِ سلطنت میں گزرا تھا۔ رام راج۔ ترمل راج۔ ونکٹا دری۔ تین بھائی تھے ان میں رام راج سب سے بڑا تھا جو آگے چل کر بہت مشہور ہوا۔ رام راج اور اُس کے بھائی ترمل راج دونوں نے کشن دیو رائے کی بیٹیوں سے شادی کی تھی۔ نیونز اچتیا کو کشن دیو رائے کا بھائی بتاتا ہے اور پھر ان دونوں بھائیوں کو اچتیا کے برادرِ نسبتی کہتا ہے جو صریح غلط ہے۔ نیونز ہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اچتیا نے سلطنت کے بڑے بڑے اُمرار اور اُن کے بچوں کو مروا ڈالا تھا ۱۲۔

کرلی اور اپنے علاقے پر جو اُسے راجہ نے حسبِ شرائطِ صلح نامہ دے دیا تھا واپس چلا گیا۔ بھوج ترمل کے دل میں سلطنت کا خبط سمایا دیوانہ تو پہلے ہی سے تھا اِس ظالم نے بے چارے کم سن راجہ کو جو اِس کا حقیقی بھانجا تھا گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور خود تخت پر بیٹھ گیا۔ اُمرا نے بھی اُس کی اطاعت قبول کر لی کیوں کہ وہ بھی شاہی خاندان سے تھا اور رام راج سے بدرجہا بہتر تھا۔ لیکن آگے چل کر بھوج ترمل نے بھی پاؤں نکالے اور طرح طرح کی بے عنوانیاں کرنے لگا۔ لوگ اُس کے مظالم کی تاب نہ لا سکے تو اُنھوں نے بغاوت کی اور پھر رام راج کو بلوایا۔ بھوج ترمل اب بڑی مشکل میں پھنسا اُس نے جھٹ چھ لاکھ ہُن نقد اور بڑے بھاری تحائف کے ساتھ ایلچیوں کو ابراہیم عادل شاہ کے پاس بھجوایا اور اپنی مدد کو بلوایا اور وعدہ کیا کہ ہر منزل پر ایک لاکھ ہُن نذر کروں گا۔ ابراہیم عادل شاہ کو سونے کی چڑیا ہاتھ آئی بہت خوش ہوا اور اسد خاں سے صلح و مشورے کے بعد ان شرائط کو قبول کر لیا اور دار السلطنت سے کوچ کر کے سنہ ۹۴۲ھ م ۱۵۳۵ء میں بیجانگر جا داخل ہوا۔ بھوج ترمل بادشاہ کو پیشوائی کر کے شہر میں لے گیا اور بادشاہ کو راجہ کی مسند پر بٹھایا اور سات دن تک جشن کرتا رہا۔ اِس حرکت سے ہندو بد دل ہوئے اور اُنھوں نے رام راج کی طرف رُخ کیا۔

رام راج نے بھوج ترمل کو لکھا کہ یہ تم نے کیا غضب کیا کہ مسلمان بادشاہ کو بلوایا اگر تم بادشاہ کو واپس کر دو تو خیر ہم تمھاری ہی اطاعت قبول کر لیں گے۔ بھوج ترمل نے سوچا کہ اب بادشاہ سے لڑ کر کیا کام نکلنا ہے مطلب تو حاصل ہو گیا کہ لوگ دب گئے اور میری اطاعت قبول کر لی لہٰذا بادشاہ کو واپس تشریف لے جانے کی خواہش کی اور جو نقد امداد کا وعدہ ٹھیرا تھا جس کی تعداد قریب چالیس لاکھ ہُن کے تھی اور بہت سے تحفے تحائف دے کر اس آئی ہوئی بلا کو ٹالا۔ ابھی ابراہیم عادل شاہ دریا سے کشنا بھی پار نہیں ہوا تھا کہ رام راج اور دوسرے سازشیوں نے جنھوں نے رشوت دے کر فوج کو ملا لیا تھا اپنے اقرار سے پلٹ گئے اور بیجانگر کی طرف دوڑے تاکہ بھوج ترمل کو مار کر اپنے کم سن راجہ کے قتل کا بدلہ لیں۔ بھوج ترمل نے جب یہ سنا تو اُس کے

ہاتھ کے طوطے اُڑ گئے اور سبھاکہ کی کرائی محنت سب برباد ہوئی ایک دم سے بساط ہی الٹ گئی۔ حالت ہراس میں دیوانہ وار محل میں گھس کر دروازے بند کرلیئے اور دل میں سوچا کہ تو کو نہ مو کو اِسے چولھے میں جھونکو۔ اُس نے تمام ہاتھیوں اور گھوڑوں کی آنکھیں نکلوا ڈالیں اور دُمیں کٹوادیں تاکہ وہ کسی کام کے ہی نہ رہیں۔ تمام بیش بہا جواہرات اور موتیوں کو جو مدتوں میں جمع کیئے گئے تھے بڑی بڑی چکیوں میں پسوا کر آٹا کردیا اور زمین پر پھیلوا دیا تب اُس نے محل کے ایک ستون میں ایک تلوار کا پھل گاڑدیا اور زور سے اُس پر جاکر ایسا گرا کہ تلوار پیٹھ کے پار ہوگئی اِدھر اُس کا خاتمہ ہوا اُدھر شہر کے دروازے دشمنوں نے کھولے۔ اب رام راج کے لیئے میدان خالی تھا روکنے والا کون تھا وہ بیجانگر کا راجہ بن گیا اِس کے بعد تاریخ فرشتہ میں سوائے رام راج۔ اچتیا اور سداسیو راجہ گاں کے اور کسی راجہ کا ذکر نہیں ہے۔ سداسیو اگرچہ چند سال مقید رہا تاہم اُسی کو لوگ راجہ سمجھتے تھے اور اس لیئے اُس کے متعلق کچھ زیادہ تذکرہ نہیں کیا۔ فرشتہ اور نیونز ہر دو کے بیانات اس بات پر متفق ہیں کہ ابراہیم عادل شاہ بیجانگر پہنچا اور ایک رقم خطیر اور تحفے تحائف لے کر ۱۵۳۵ء میں واپس ہوا۔ تاریخ فرشتہ میں جو واقعات اچتیا کی سلطنت کے لکھے ہیں اب اُن کو بیان کیا جاتا ہے۔

اسد خاں کا ونکٹادری کو ادھونی پر شکست دینا

ابراہیم عادل شاہ کو جب خبر ملی کہ بھوج ترمل مرگیا اور رام راج تخت پر بیٹھا تو اُس نے اسد خاں کو قلعۂ ادھونی کے فتح کرنے کے لیئے بھیجا جو بیجانگر کا علاقہ تھا۔ رام راج نے اُس کے مقابلے کے لیئے ایک بڑے لشکر کے ساتھ اپنے بھائی ونکٹادری کو روانہ کیا۔ اسد خاں نے جب بیجانگر کی فوج کی آمد سُنی تو وہ قلعے کا محاصرہ چھوڑ کر آگے بڑھا اور دونوں میں خوب جنگ ہوئی۔ اسد خاں نے دیکھا کہ بیجانگر کی فوج اِس کے لشکر سے بہت بڑھی ہوئی ہے تو وہ پس پا ہوا (۱۴) میل پر جاکر دم لیا تھا مگر وہاں تک ہندوؤں کی فوج نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ ونکٹادری

اس غرض سے کہ اگلے دن مسلمانوں کو اچانک دڑبڑا لوں گا اُن سے صرف دو میل ہی ہٹ کر ایک محفوظ مقام پر ٹھیر گیا۔ اسد خاں کو یہ موقع اچھا ملا ابھی صبح نہ ہونے پائی تھی کہ اُس نے چار ہزار سواران جُبّہ پوش لے اچانک ہندوؤں کے کیمپ میں جاکر شبخوں مارا۔

	ہمہ شیر مردانِ کار آزمائے		دلیر و عدو بند کشور کشائے
	بہ گاہِ وغا ہر یکے صفدرے		ازا ایشاں یکے در عدو لشکرے

ونکٹا دری کو اپنی فوج پر ایسا بھروسا تھا کہ وہ بالکل مطمئن تھا اور اُسے مسلمانوں کی طرف سے حملہ ہونے کا گمان بھی نہ تھا۔ اسد خاں ایک دم اُس کے خیموں تک پہنچ گیا اُس وقت تک اِن لوگوں کو کانوں کان خبر نہ ہوئی اور نہ بھاگنے کا موقع ملا۔

	نیاید غنودن چناں بے خبر		کہ ناگاہ سیلے درآید بسر
	بہ جائے نہ خسپد عقابِ دلیر		کہ آبے تواں ہست اورا بزیر

ونکٹا دری اپنے بال بچے خزانہ ہاتھی گھوڑے وغیرہ سب سامان چھوڑ کر تنِ تنہا اپنی جان لے کر بھاگا۔ جب ذرا دن چڑھا تو ونکٹا دری نے اپنی فوج کو جو تتر بتر ہو گئی تھی اکٹھا کر کے حملہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن دیکھا تو اسد خاں کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی اور ونکٹا دری کو اپنی اور اپنے بال بچوں کی جان بچانی بھی فرض تھی اِن وجوہ سے وہ لڑائی کا ارادہ چھوڑ کر چند میل پیچھے ہٹ کر ٹھیر گیا اور وہیں سے رام راج کو شکست کی خبر دی اور جلد امداد بھیجنے کو لکھا۔ رام راج نے فوراً فوج کی امداد اور خزانہ بھجوایا اور بہ ظاہر تو یہ کہلا بھیجا کہ خوب لڑو اور مقابلہ کرو لیکن اندرونی طور پر اپنے بھائی کو یہ لکھا کہ مجھے اس بات کا یقین ہی کہ ابراہیم عادل شاہ نے بطورِ خود ادھونی پر چڑھائی نہیں کی بلکہ مجھے شبہہ ہی کہ ہمارے زمینداروں نے در پردہ سازش کر کے بادشاہ کو جنگ کے لیئے بُلوایا ہی اور خود تمھارے ساتھ کے بہت سے اُمرا اُس سے ملے ہوئے ہیں اِس لیئے مصلحتِ وقت یہی ہی کہ اس وقت مُسلمانوں سے صُلح کر لی جائے تاکہ تمھارے بیوی بچے بھی اسد خاں کے پنجے سے نجات پائیں۔ ونکٹا دری اپنے

بھائی کی مرضی کا تابع تھا اُس نے اسد خاں کو بُلا لیا اور اسد خاں کو بیچ میں ڈال کر بادشاہ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا جو منظور ہو گیا اور سب امور طرفین سے خاطر خواہ طے ہو گئے اور اسد خاں بیجاپور واپس ہوا۔ بادشاہ کو اگرچہ اسد خاں کی سازش کی بھنک پہنچ گئی تھی تاہم اُس نے اسد خاں کی بڑی عزت و توقیر کی۔

بیجاپور میں اندرونی فسادات

۱۵۴۲ء میں مملکت بیجاپور میں اندرونی فسادات اور جھگڑے ایک سال تک برابر پھیلے رہے اور اسی سال اچتیا مر گیا اور اُس کی جگہ سداسیو جانشین ہوا۔ سداسیو کی سلطنت کے زمانے میں بیجانگر کی ریاست حقیقۃً رام راج اور اُس کے دونوں بھائیوں ترل اور ونکٹادری کے ہاتھ میں رہی۔

اسد خاں کے حالات

فرشتہ نے اسد خاں کی تعریف بہت لکھی ہے۔ اسد خاں ترک تھا اور اُس کا اصلی نام خسرو تھا اسمٰعیل عادل شاہ کے زمانے میں ۱۵۱۱ء میں جب کہ شہر بیجانگر کا محاصرہ کیا گیا تھا اُس کے بچانے میں اُس نے بڑا نام پیدا کیا یہ محاصرہ خصوصاً بادشاہ کی خالہ دل شاد آغا کی بے نظیر بہادری کے سبب سے مشہور رہی۔ خسرو کو اسی کے صلے میں اسد خاں کا خطاب اور بلگاؤں جاگیر ملی۔ اسد خاں اپنی دانش مندی اور فراست میں مشہور تھا چالیس سال تک وہ تمامی اُمرا و مشاہیر دکن کا ملجا و ماویٰ تھا وہ بڑی شان و شوکت اور تزک و احتشام سے رہتا تھا اُس کی ٹکر کا کوئی امیر نہ تھا ہر شخص اُس کا ادب و تعظیم کرتا تھا۔ راجگانِ بیجانگر اور دوسرے ممالک کے فرماں روا اُس کی قابلیت کے معترف تھے اور اکثر اُس سے مُراسلت رکھتے تھے اور بیش قیمت تحائف بھی بھیجتے رہتے تھے۔ ڈھائی سو تو صرف اس کے خانگی نوکر تھے سب سے بڑے قد آور ساٹھ ہاتھی اور ڈیڑھ سو معمولی قد و قامت کے اس کے پاس تھے۔ اس کے اصطبل میں عرب اور ایران کے چار سو گھوڑے اور اِن کے علاوہ اس ملک کی نسل کے بہت سے گھوڑے رہتے تھے اُس کی دولت اور تموّل کا اندازہ ہونا مشکل تھا۔ یہ بڑھتے بڑھتے وزیرِ اعظم اور سپہ سالارِ افواج ہو گیا۔

۱۵۴۹ء میں عمر اور اعزاز دونوں کا کافی سرمایہ لے کر دُنیا سے رخصت ہوا۔ گو کہ پرتگالیوں کو اسد خاں سے ہمیشہ مخالفت رہی وہ اُسے ایک پکا سازشی سمجھتے تھے۔ جب کبھی وہ اپنا فائدہ دیکھتا تو وہ اپنے دوستوں کو بھی پھانس دینے میں کمی نہ کرتا حتیٰ کہ اپنے بادشاہ کے خلاف بھی کر بیٹھتا تھا اور چوں کہ وہ بڑا دانش مند تھا اور اُس کی چال گہری تھی ہمیشہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوتا رہا۔ اسد خاں کے واقعات اس قابل تھے کہ اس کے لیئے ہم ایک جداگانہ باب لکھتے لیکن بہ خوف طوالت ہم بیروس کی کتاب ایشیا سے صرف ایک اقتباس ذیل میں درج کرتے ہیں۔ برِّ اعظم مجاذی گوآ پر تین ہندو سرداروں نے مل کر جو حملہ کیا تھا اور پونڈا کا محاصرہ کر لیا تھا اس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں وہاں کے باشندوں نے ڈاکنہا گورنر جنرل گوآ سے فریاد کی لیکن اُس نے پہلوتہی کی کہ مبادا عادل شاہ سے جنگ چھڑ جائے لیکن حقیقت میں اُسے اسد خاں حاکمِ بلگاؤں کا ڈر تھا۔

اسد خاں کی دو رُخی چال

"اسد خاں کی مثال اُس شخص کی سی تھی کہ جو بلند اور محفوظ مقام پر بیٹھا ہوا بہ آسانی اُس آگ کو دیکھ سکتا ہو جو زیریں حصۂ مُلک میں چوطرف پھیل رہی ہو۔ اگرچہ اسد خاں بلگاؤں میں بیٹھا ہوا تھا مگر مُلک کے کُل حالات سے باخبر تھا۔ بادشاہ سے کچھ شکر رنجی ہو جانے سے اسد خاں تھوڑے دنوں کے لیئے بیجاپور سے ٹل کر بلگاؤں چلا آیا تھا اور چُھپکا بیٹھا ہوا تماشہ دیکھ رہا تھا آخرِ کار ابراہیم عادل شاہ نے اُس سے کاروبارِ سلطنت میں مدد لینے کے لیئے بُلا بھیجا۔ اسد خاں نے چترائی سے جواب دیا کہ "خانہ زاد دُنیا کے نشیب و فراز و سرد و گرمِ زمانہ سب دیکھ چکا ہے اب تو صرف اِس آس پر زندہ ہوں کہ خانۂ کعبہ میں جا کر اپنی عمر کے آخری دن گزاروں اور وہیں زمین کا پیوند ہو جاؤں" بادشاہ کو یہ ٹالنے کا جواب ناگوار ہوا وہ اُس کی چال بازی تاڑ گیا اور دل میں ٹھان لیا کہ جاتا کہاں ہے اِس سے بدلہ نہ لوں تو سہی۔ اسد خاں نادان نہ تھا وہ بھی جان گیا کہ میرے انکار سے بادشاہ کبیدہ خاطر ضرور ہو گا لیکن اُس نے

اپنی حفاظت کی یہ تدبیر نکالی کہ گورنر جنرل گوآ کو ایک تحریر کی جس میں سلطنتِ پرتگال سے
اپنی خالص دوستی کا یقین دلایا اور ترغیب دی کہ خشکی کے چند مقامات پر وہ شوق سے قبضہ
کرلیں کیونکہ ہمارے بادشاہ میں اب بیجا نگر سے مقابلہ کرنے کا دم باقی نہیں ہے۔ یہ واقعہ
جنگ رائچور کے بہت پہلے کا ہے۔ گورنر جنرل گوآ نے اپنا دوستانہ جواب فگریڈو
کے ذریعے سے بھجوایا جو راجۂ بیجا نگر کا بڑا گاڑھا دوست تھا اور اسد خاں سے اور
راجۂ بیجا نگر سے بھی ان دنوں ملی بھگت تھی۔ اسد خاں نے باتوں ہی باتوں میں کہا
کہ ہمارا بادشاہ تو بڑا متلوّن المزاج اور کمزور ارادے کا آدمی ہے اس لیئے میں چاہتا
ہوں کہ پرتگالیوں سے دوستانہ اتّحاد رکھوں میری خواہش ہے کہ میں خود گوآ چل کر
گورنر جنرل سے ملوں اور رابطۂ اتّحاد اور پکّا کرلوں۔ مقاماتِ زیر بحث پر پرتگالیوں
کا قبضہ مستقلاً نہ کرادینے کا وعدہ بھی کرلیا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اسد خاں کی چشم پوشی
سے ان مقامات پر گورنر جنرل پرتگال نے قبضہ کر ہی لیا۔ ادھر تو اسد خاں نے
پرتگالیوں کو ہموار کیا اُدھر راجۂ بیجا نگر سے بھی در پردہ سلام و پیام شروع کر دیئے
راجہ نے مہانومی کے تہوار کی تقریب میں اسد خاں کو دعوت دی یہ بلگاؤں سے تیرہ
ہزار فوج اور دو سو ہاتھی لے کر بیجا نگر پہونچا جانے سے پہلے اُس نے گورنر جنرل گوآ
کو لکھا کہ آپ فگریڈو کو میرے ساتھ بھیج دیجیئے تاکہ میں راجہ سے ان مقامات کے
متعلق جو پہلے اُنھیں کے مقبوضات تھے قطعی تصفیہ کرکے آپ کو دلوادوں۔ فگریڈو
بیجا نگر کی طرف روانہ ہوا لیکن رستے میں معلوم ہوا کہ اسد خاں پہلے ہی چلا گیا بلکہ
بیجا نگر پہونچ بھی گیا۔ راجہ اسد خاں سے بڑے تپاک سے ملا اور بڑی خاطر مدارات
کی اور دو قصبے تنگی اور تیرا کھول جو گوآ کے شمال میں واقع ہیں اسد خاں کو اس امید
پر تحفۃً دیئے کہ آیندہ اس سے بہت سے کام نکالنے ہیں۔ جب بادشاہ کو اسد خاں
کی ان ناشائستہ حرکات کی خبر پہونچی تو اس نے سمجھا کہ اب کیا ہے گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے
بات بنی بنائی بگڑ گئی لیکن پھر بھی ایک بڑے لشکر کے ساتھ بڑھا اور جب راجہ کے کیمپ
تک صرف بارہ فرسنگ کا فاصلہ رہ گیا وہاں دوسرے ہندو اُمراء کے ڈیرے پڑے

ہوئے ملے اور وہیں قریب اسد خاں بھی مقیم تھا بادشاہ بھی وہیں ٹھیر گیا اور وہیں سے راجۂ بیجانگر کو لکھا کہ ہمارے باغی اور نافرمان غلام (اسد خاں) کو فوراً ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ راجہ نے بادشاہ کا خط اسد خاں کے پاس بھیج دیا اُس کے دیکھتے ہی اسد خاں راجہ کے پاس آیا اور کہا کہ میں ہرگز بادشاہ کا ساتھ نہ دوں گا بلکہ آپ کا وفادار رہوں گا۔ چند روز بادشاہ اور اسد خاں کے آپس میں بھی پیغام سلام ہوتے رہے۔ اسی اثنا میں دونوں لشکر رائچور کو روانہ ہوئے راجہ تو رائچور فتح کرنے چلا اور بادشاہ اس موقع کی تاک میں تھا کہ کوئی موقع ملے تو میں خود راجہ پر حملہ کروں۔ تیسرے دن اسد خاں بادشاہ سے دو گھنٹے پیشتر اپنی فوج لے کر روانہ ہوا اور بادشاہی لشکر سے پہلے ہی دریا پار ہو کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ عادل شاہ نے غنیمت سمجھا اور بہ ظاہر اسد خاں سے اخلاق سے پیش آیا اور جب اسد خاں نے اس کو پٹی پڑھائی کہ فدوی تو بادشاہ سلامت کا قدیم نمک خوار اور اطاعت گزار ہے خانہ زاد نے جو بیجانگر اور پرتگالیوں سے پیام سلام کیے اور بہ ظاہر میل ملاپ کا رستہ ڈالا ہے یہ صرف ایک چال تھی اُس سے مقصودِ اصلی جہاں پناہ ہی کی خیر خواہی اور جاں نثاری تھی نہ کہ اور کچھ۔ بادشاہ نے اسد خاں کی بات کو باور کیا اور اُس کا قصور معاف فرمایا۔ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو جانے سے پہلے اسد خاں فگریڈو سے ملا تھا اور اُسے بڑا اچل دیا کہ راجہ سے مجھ سے بڑی دوستی ہے اور مکرر اقرار کیا کہ میں ضرور راجہ سے سفارش کر کے برِ اعظم کے مقامات تم کو دلوا دوں گا۔ فگریڈو اسد خاں کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا۔ بیروس نے لکھا ہے کہ ابراہیم عادل شاہ درپردہ اسد خاں کے دوغلے پن سے گھبرایا ہوا تھا اس لیے اُس نے راجۂ بیجانگر سے صلح کر لی اور رائچور بدستور مسلمانوں کے قبضے میں رہا البتہ بادشاہ نے کچھ دوسرا علاقہ راجہ کو دے دیا۔ اگرچہ بیروس کا یہ بیان فرشتہ کی روایت سے بالکل مختلف ہے لیکن ممکن ہے کہ بیروس نے ۱۵۳۵ء کے واقعات کا تذکرہ کیا ہو جب کہ بادشاہ بیجانگر گیا تھا کیوں کہ بیروس نے اس سلسلے میں تھوڑی دُور آگے چل کر سال ۱۵۳۶ء کا ذکر کیا ہے۔ فرشتہ بیروس اور نیونز

کے بیانات میں مطابقت کرنی کسی طرح درست نہیں ہی ہر شخص اپنی اپنی کہتا ہی۔ تاہم ہم نے جو حالات اسد خاں کے لکھے ہیں وہ اسد خاں کے چال چلن پر روشنی ڈالنے کو کافی ہیں۔ نیوہنز کے بیانات سے اسد خاں کی نسبت جو عام خیالات تھے اُس کی تائید ہوتی ہی۔ ۱۵۲۰ء میں جب عادل شاہ کو رایچور کی لڑائی میں شکست ہوئی اور اسد خاں اپنی چالاکی سے اُسے بال بال بچاکر نکال لے گیا اِس میں بھی اسد خاں کی ذاتی غرض تھی علےٰ ہٰذا اسد خاں نے آسمان زمین کے قُلّابے ملاکر کشن راے سے جھوٹی باتوں کا ایسا جال بچھایا کہ صلابت خاں کو جان سے مرواہی دیا۔

پرتگالیوں کی لُوٹ کھسوٹ

پرتگالی اِس زمانے میں اپنے مقبوضات سمندر کے کنارے کنارے بڑھاتے جاتے تھے اور اُنھوں نے کئی قلعے بھی اپنی حفاظت اور تجارت کے لیۓ بنالیۓ تھے۔ پرتگالی سامری کالی کوٹ اور مملکتِ بیجانگر کے اور دوسرے چھوٹے چھوٹے راجاؤں سے برابر لڑتے رہے لیکن راجۂ بیجانگر سے ہمیشہ اِن کی پالیسی میل ملاپ کی ہی رہی۔ آخر کار ۱۵۴۰ء میں پرتگالیوں نے راجۂ بیجانگر اور بادشاہِ بیجاپور اور سامریِ کالی کوٹ سے ایک صلح نامہ کرلیا۔ اِن تمام واقعات میں ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ ہندوؤں کی طرف سے پہل ہوئی ہو یا اُنھوں نے پرتگالیوں سے کوئی خلاف وعدگی کی ہو بلکہ معاملہ اِس کے برعکس نظر آتا ہی۔ اِن لوگوں نے سمجھ لیا تھا کہ اِن کو باشندگانِ ہند کی لُوٹ مار اور قتلِ عام کا پٹّہ خدا کی طرف سے مل گیا ہی۔ حق بات کو کسی طرح نگلا نہیں جاسکتا نہ تاریخی واقعات کو کوئی بدل سکتا ہی۔ جہاں تک دیکھا گیا ہمیشہ پرتگالیوں ہی کی زیادتی رہی سیویز نے خود لکھا ہی کہ بہادر اور قابل راجہ کشن دیو راے نے کیسی دوستی پرتگالیوں سے اور خصوصاً فگریڈو سے نبھائی اور برعکس اُس کے اِن کے ویسراے نے ہندوؤں کے ساتھ باوجود صلح و مصالحت کے معاہدوں اور ظاہرداری کی دوستی کے کھلی ہوئی مخالفت کی ہم صرف ایک ہی مثال اِس نقضِ معاہدے کی یہاں بیان کرتے ہیں ۱۵۴۵ء میں گورنر گوآ نے خُفیہ طور پر ایک بیڑا اور تین ہزار فوج طیار کرلی

مگر کسی کو کانوں کان اُس کے منشار کی خبر تک نہ ہوئی لیکن در اصل اُس کا منشار یہ تھا کہ سمندر کے کنارے کنارے مدراس کے پاس سینٹ ٹامی مقام پر فوج سمیت اُتر پڑے اور پھر اندرونی حصۂ ملک میں گھس کر ترمل یا ترپتی کے مشہور دیول کو جن میں بے انتہا دولت تھی لوٹ ڈالے۔ یہ مہم صرف لوٹ مار اور دولت کھسوٹنے کے سوائے اور کسی غرض سے نہ تھی۔ حُسن اتفاق سے سمندر میں کچھ ایسا تلاطم بپا ہوا کہ وہ اُس طرف تو نہ جا سکا لیکن مغربی ساحل پر اُس نے بعض بیش بہا مندروں کو لوٹ کر خوب مال و متاع حاصل کیا جس کی بدولت وہ ایک بڑا امیر بن گیا۔ دیولوں کے غریب پجاری یا چھوٹے راجاؤں نے بھلا ان کا کیا بگاڑا تھا اور پھر یہ سب مقامات راجۂ بیجانگر کے علاقے میں تھے اس کا بھی خیال نہ کیا غرض یہ کہ یہ زبردستی کی لوٹ مار تھی اور سوائے دولت گھسیٹنے کے اور کوئی چیز اس کی محرک نہ تھی۔

اچتیا کے زمانے کے مذہبی عطیات

اچتیا کی سلطنت میں راجہ اور اُمرا نے دیولوں کو بہت سے عطیات بہ طور مذہبی خیرات کے دیئے تھے جن کی تصدیق مختلف مقامات کے پتھروں کے کندوں اور تانبے کے پتروں کے کتبوں سے ہوتی ہے۔ اِن میں سے ایک مشہور کتبے کا ذکر پروفیسر کیل ہارن نے لکھا ہے کہ راجہ ۱۲ اکتوبر ۱۵۴۰ء کو وٹھل سوامی کے دیول میں جو دریائے تُنگ بھدرا کے کنارے واقع ہے گیا اور وہاں کے مشہور برہمنوں کو جو وید کے بڑے عالم تھے مدراس کے قریب ایک موضع جاگیر دیا۔ اس دیول میں بت تراشی پتھروں اور ستونوں پر نقاشی کا کام عجیب و غریب اور بے نظیر ہے اور اگرچہ اب یہ دیول خراب و خستہ حالت میں ہے تاہم اس کی وسیع اور خوب صورت عمارت حجرے اور برآمدے خصوصاً چھت اور ستون قابلِ دید ہیں۔ اسی دیول کے ایک منڈپ میں لارڈ کرزن گورنر جنرل ہند کی چائے نوشی کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ عجیب و غریب عمارت اور اُس کی لاجواب صناعی انسان کو محوِ حیرت کر دیتی ہے اور عجائباتِ روزگار میں سے ہے۔ اچتیا کی سلطنت کے زمانے کا آخری کتبہ جو اِس وقت تک دریافت ہو چکا ہے اُس پر ۲۵ جنوری ۱۵۴۲ء کے مطابق تاریخ کندہ ہے۔ اچتیا کے جانشین سداسیو کے زمانے کی سب سے پہلی تاریخ ۲۷ جولائی ۱۵۴۲ء ملی ہے
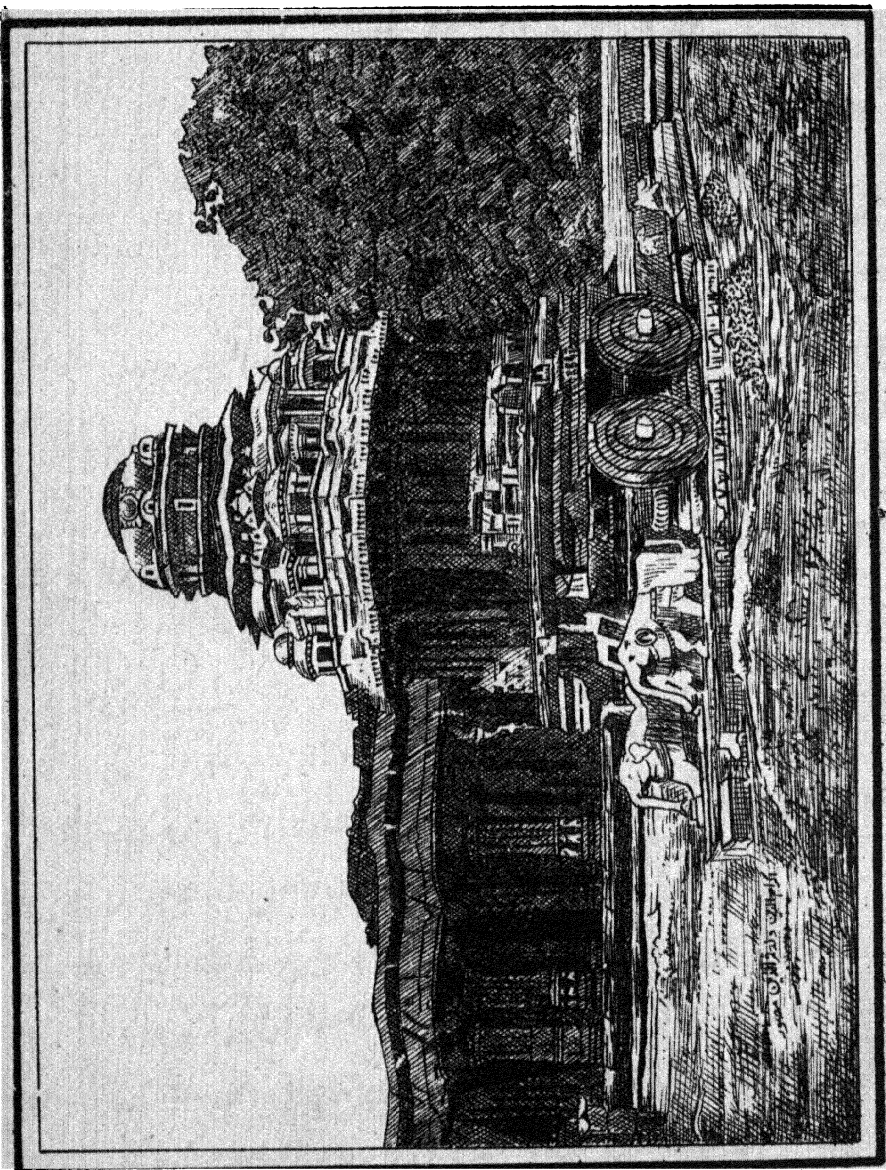
پتھر کا رتھ جو وٹھل سوامی کے مندر میں رکھا ہوا ہے

چودھواں باب

زوال کا آغاز

راجہ سداسیو کی سلطنت کا زمانہ

۱۵۴۱ء یا ۱۵۴۲ء میں سداسیو کا دور شروع ہوا لیکن وہ صرف نام کا ہی راجہ تھا اصلی حکومت رام راج اور اُس کے دونوں بھائیوں ترمل اور ونکٹادری کی تھی تاہم بالعموم رعایا سداسیو ہی کو اپنا راجہ مانتی تھی جس کی تصدیق ۱۵۴۲ء سے ۱۵۶۸ء تک کے اٹھاسی کتبوں سے جو جابجا موجود ہیں ہوتی ہی۔

سداسیو گو قید میں تھا مگر راجہ وہی سمجھا جاتا تھا

ڈاکٹر ہلش نے اِن کتبوں کی بہت تحقیق کی ہی اِن میں سے ایک کتبہ ۱۵۶۶ و ۱۵۶۷ء کا جو جنگ تالی کوٹہ (جس میں ہندوؤں کو بڑی شکست ہوئی تھی) اُس کے ایک سال بعد کا ہی اُس میں لکھا ہی کہ اگرچہ سداسیو کو اختیارات حاصل نہ تھے اور اُس کو قید میں رکھا گیا تھا لیکن یہ تینوں بھائی جب بھی اُسی کو راجہ تسلیم کرتے تھے۔ اِس کتبے کی رُو سے رام راج کے بھائی ترمل راج کا برسرِ عروج رہنا معلوم ہوتا ہی کہ جس نے مہامنڈلیسور کا خطاب لیا تھا اِس میں بھی سداسیو کو راجہ بتلایا ہی۔ اِس کتبے میں لکھا ہی کہ ایک شخص نے ایک درخواست مہامنڈلیسور رام راجہ ترمل راج کے پاس پیش کی اُس نے سداسیو دیو مہاراج کے اقدام مبارک سے منظوری حاصل کرنے کے بعد وٹور کے بڑے مندر کو ایک گاؤں جاگیر دیا۔ رام راج اور ونکٹادری دونوں اُس زمانے میں مرچکے تھے اور ساری سلطنت کا مالک صرف ترمل راج ہی تھا۔ کوٹو نے لکھا ہی

کہ یہ تینوں بھائی راجہ کے حضور میں ہر سال ایک مقرر دن کو حاضر ہوتے تھے اور آداب مُجرا بجا کر اُس کو اپنا راجہ اور اپنے آپ کو اُس کا تابعدار ظاہر کرتے تھے" اچیتیا کا کشن راے سے کیا رشتہ تھا اور سدا سیو اِن دونوں کا کَون تھا اس کی اطمینان بخش تحقیقات اب تک نہیں ہوئی ہی۔ نیوزنز نے لکھا ہی کہ کشن دیو راے نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے تینوں بھائیوں اور بھتیجے کو جو اُس وقت آٹھ سال کی عمر کا تھا اور اس سے پہلے کے راجہ بسبل راؤ کا بیٹا تھا قید کر دیا تھا اور یہ واقعہ ۱۵۰۹ء میں ہوا جب کشن راے کی عمر بیس سال کی تھی۔ بیجانگر کا کوئی راجہ بسبل راؤ نام کا کسی اَور ذریعے سے ہونا معلوم نہیں ہوتا اور نہ کشن راے کے تینوں بھائیوں کے نام جیسا کہ نیوزنز نے بیان کیے ہیں۔ ٹیٹا راؤ۔ رامی گپا و اُمے سُوایا پاے جاتے ہیں بلکہ کشن راے کے دو سوتیلے بھائیوں کے نام جو کُندوں میں لکھے ہیں وہ اَور ہی ہیں۔ اِس خاندان کا شجرہ جو کُتبوں میں درج ہی جداگانہ ضمیمے پر نقل کیا گیا ہی۔

جس سے معلوم ہوگا کہ کشن راے کے دو سوتیلے بھائی رنگا اور اچیتیا تھے کشن دیو راے کے بعد اچیتیا اور اُس کے بعد کشن دیو راے کا بھتیجا سدا سیو راجہ ہوے۔ دو کتبوں میں اچیتیا کو کشن دیو راے کا بیٹا لکھا ہی۔ ایک تلنگی کتاب منو چترم میں اُسے نرسہوا دوم کا بیٹا بتایا ہی۔ کوٹو لکھتا ہی کہ وہ کشن راے کا بھتیجا تھا۔ سدا سیو کی نسبت بعض نے اُسے رنگا کا بیٹا اور کشن راے کا بھتیجا لکھا ہی لیکن اب روایت یہ بھی ہی کہ وہ اچیتیا کا بیٹا تھا۔ کنجی ورم میں ایک کتبہ ہی اُس میں لکھا ہی کہ اچیتیا کی بیوی کا نام وَرْدا دیوی تھا اُس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ونکٹ تھا۔ ونکٹ تخت پر بیٹھا لیکن تھوڑے ہی دنوں زندہ رہ کر مر گیا اُس کے بعد سدا سیو بیجانگر کا راجہ ہوا۔ اب ناظرین کو اختیار ہی کہ اِن مختلف رشتوں میں سے جو مناسب ہو پسند کریں لیکن ہماری راے میں جو شجرہ علٰحدہ لکھا گیا ہی وہ زیادہ معتبر معلوم ہوتا ہی ممکن ہی کہ آیندہ زمانے میں جدید تحقیقات ہو کر یہ گُتھی سلجھ جاے۔

رام راج کے حالات | اَب رام راج کا حال سُنیے بہت سے کُندوں میں لکھا ہی

کہ وہ اور اُس کے دونوں بھائی رنگا رایا کے بیٹے تھے۔ پروفیسر کیل ہارن نے لکھا ہی کہ یہ بات تحقیق ہوگئی ہی کہ رام راج نے کشن دیو رائے کی بیٹی سے شادی کی تھی اِس لڑکی کا ایک بھائی اٹھارہ مہینے کی عمر کا کشن رائے کے مرنے کے وقت موجود ہونا نیوبزنے لکھا ہی لیکن اُس لڑکے کا کیا حشر ہوا کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ کشن رائے کی دوسری لڑکی کی شادی رام راج کے دوسرے بھائی رتن مل راج سے ہوئی تھی ایک روایت یہ بھی ہی کہ رام راج کی بیوی سداسیو کی بہن تھی۔ اچتیا کی وفات کے بعد ۱۵۴۲ء میں دارالسلطنت میں بڑی ابتری پھیل گئی اور یہی ہونا بھی چاہیے تھا کیوں کہ اچتیا نے اپنے عہدِ حکومت میں اُمرا کے (جن پر دارومدار ملک کے امن کا ہی) دل توڑ دیئے تھے اور اُن سے ناحق کی دشمنی مول لی تھی وہ لوگ ایسے کبیدہ خاطر ہوگئے تھے کہ بغاوت پر آمادہ ہوگئے۔

عادل شاہ کا دوبارہ بیجانگر میں آنا

گیسپر کوریا نے بھی اِس زمانے کے حالات لکھے ہیں اُن میں سے بقدرِ تعلّق نقل کیا جاتا ہی۔ لیکن اُس نے غلطی سے ۳۵ و ۱۵۳۶ء کے واقعات کو یہاں بیان کر دیا ہی جن کا ذکر ہم اپنے مقامِ مناسب پر کر آئے ہیں کیونکہ اُس نے عادل شاہ کے بیجانگر آنے کا حال لکھا ہی لیکن یہ جب ہی صحیح ہو سکتا ہی کہ عادل شاہ کا بیجانگر میں دوبارہ آنا ثابت ہو لیکن عادل شاہ تو ایک ہی مرتبہ ۳۵ و ۱۵۳۶ء میں بیجانگر آیا تھا

ؔ تاریخِ فرشتہ میں لکھا ہی کہ "رام راج نے سیو رائے کی پوتی سے شادی کی تھی جس کی وجہ سے اُس کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا" اگر یہ بات صحیح ہو تو سیو رائے کا دوسرا نام نرسا اوّل ہونا چاہیئے۔ فرشتہ راوی ہی کہ "سیو رائے کے مرنے کے بعد اُس کا نابالغ بیٹا جانشین ہوا لیکن وہ چند روز میں مرگیا اُس کے بعد اُس کا چھوٹا بھائی تخت پر بیٹھا"۔ یہ دونوں بھائی نرسا دوم (جس کا دوسرا نام ویر نرسمہاں تھا) اور کشن دیو رائے ہوں گے۔ رام راج چوں کہ کشن رائے کا داماد تھا سب لوگ اُسے "آلیا" کہتے تھے جس کے معنی کنٹری زبان میں داماد کے ہیں اور اِسی نام سے وہ زیادہ مشہور تھا۔ جیسا کہ مسلمانوں میں داماد کو اکثر نواب دولھا یا دولھا میاں کہا کرتے ہیں ۱۲۔

نہ کہ ۱۵۴۲ء میں۔ اِس سے سال کی صریح غلطی ان وقائع میں ظاہر ہوتی ہی کیوں کہ عادل شاہ کے بیجانگر آنے کے سال میں نیوبز اور فرشتہ دونوں متفق ہیں اور اس زمانے میں راجہ اچتیا زندہ تھا۔ کوریا نے لکھا ہی کہ "۱۵۴۲ء میں اچتیا راجۂ بیجانگر نے ایک کم سن لڑکا چھوڑ کر انتقال کیا جو راجۂ متوفی کے بھائی کی زیر نگرانی تھا اور اِس لڑکے کا چچا خلاف استحقاق راجہ[۱] بن گیا۔ اُمرا کی خواہش یہ تھی کہ لڑکا ہی تخت پر بیٹھے اور دو وزیر سلطنت کا کام چلائیں لیکن لڑکے کے چچا نے اِس سے اتفاق نہ کیا کیونکہ وہ اِس انتظام سے مسلوب الاختیار ہو جاتا تھا اس لیے اُس نے کوشش کر کے کچھ لوگوں کو اپنی طرف ملا لیا۔ اُمرا نے جب دیکھا کہ یہاں کوئی کسی کی سُنتا نہیں ہر شخص اپنی روٹی پر دال کھینچتا ہی تو وہ بے زار ہو کر اپنے اپنے علاقوں پر چلے گئے اور جو جہاں تھا وہیں خود مختار بن بیٹھا۔ کم سن لڑکے کی ماں نے جب یہ طوائف الملوکی دیکھی اُس نے عادل شاہ سے مدد چاہی تا کہ اُس کے دباؤ سے ہی لڑکے کو سلطنت مل جائے اور اِس کے معاوضے میں بادشاہ کو زرِ خطیر دینے کا وعدہ کر لیا۔ بادشاہ اِسی ارادے سے بیجانگر گیا تھا لیکن رستے میں اُسے وزیر کے بھیجے ہوئے جاسوس ملے جنھوں نے بادشاہ کو بے بہا تحائف پیش کر کے ہموار کر لیا۔ اِس کے بعد رنگا نے جو قلعے میں قید تھا اور مستحق ریاست تھا مخلصی پائی اور اُس نے بھی بادشاہِ بیجاپور کی مدد چاہی۔ بادشاہ[۲] کو یہ اچھا بہانہ مل ا ظاہرا تو وہ اپنے آنے کی اصلی وجہ راجہ کی امداد بتلاتا تھا مگر درحقیقت وہ خود اِس سلطنت پر دانت لگائے ہوئے تھا۔ جب ہندوؤں کو اپنی خیر نہیں معلوم ہوئی تو اُنھوں نے متوفی راجہ کے بھائی رنگا کو تخت پر بٹھا دیا اور اس طرح سے عادل شاہ کے بیجانگر آنے کی روک تھام کی۔ رنگا نے اِس غرض سے کہ اُس کے لیے میدان صاف ہو جائے اور کوئی دعوے دار باقی نہ رہے اچتیا کے لڑکے ونکٹ اور اُس کے دونوں چچاؤں اور اچتیا کے بھتیجے کو مروا ڈالا لیکن پھر بھی راجہ کو بڑے بڑے

ف۱ دیکھو شجرہ لڑکے کا نام ونکٹ تھا اور اُس کے چچا کا نام رنگا ۱۲

ف۲ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہی کہ یہ کن لوگوں کا ذکر ہی۔ لڑکے ونکٹ کے چچا یا تو رنگا کے بھائی ہوں گے (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵۷)

اُمرا کا خوف باقی رہا ایسا نہ ہو کہ وہ مخالفت کریں اِس لیے اُن کو اپنے دربار میں بُلوایا اور جو پہلے آے اُن کی آنکھیں نکلوا ڈالیں جو بچ رہے وہ غیظ و غضب میں واپس چلے گئے اور بادشاہِ بیجاپور سے ریشہ دوانی کرنے لگے اور عرض کیا کہ آپ اگر اس ظالم کو تخت پر سے اُتار دیں گے تو ہم سب آپ کی مدد کو حاضر ہیں اور اگر کسی طرح اس مُلک کو اُس کے پنجے سے نجات ملے تو ہم اِس پر بھی راضی ہیں کہ آپ ہی اِس مُلک پر قبضہ کرلیں۔ اِن لوگوں کی خواہش کے موافق عادل شاہ بیجانگر پہنچ گیا اور اکثروں نے اُس کو بادشاہ تسلیم کیا لیکن اُس نے بھی ایسے مظالم شروع کیے اور ایسی سخت گیری کی کہ سب لوگ اُس سے بریز بریز پکارنے لگے نوبت بہ ایں جا رسید کہ سب اُس کے دشمن ہوگئے تو بادشاہ کو اپنی خیر نہ دکھائی دی گھبرا کر جان بچا کر بیجاپور بھاگ گیا اِسی زمانے میں تختِ بیجانگر پر ایک نیا راجہ قابض ہوگیا جو پالی کٹ کا حاکم تھا اور جس نے متوفّی راجہ سے پہلے راجہ کی بہن[۱] سے شادی کی تھی اور آخر کار وہی سلطنت[۲] پر قابض ہوگیا۔ کوریا نے جو کچھ

(بقیۂ نوٹ صفحۂ ۲۵۷) یا اچیتا کی بیوہ رانی کے بھائی (ماموں) ہوں گے۔ اچیتا کے بھتیجے کا جو ذکر لکھا ہو وہ سدا سیو تو ہو نہیں سکتا کیوں کہ وہ مارا نہیں گیا بلکہ زندہ رہا۔ ممکن ہو کہ جو شخص مارا گیا وہ رانی کا بھتیجا ہو۔ کم سن راجہ کے قتل سے فرشتہ کی اُس روایت کی طرف خیال دوڑتا ہو کہ جس میں لکھا ہو کہ بھوج ترمل نے کم سن راجہ کو مار ڈالا تھا ۱۲

(نوٹ صفحۂ ہذا) [۱] یہ کشن دیو راے کی بہن ہوگی اور راجہ سے رام راج مراد ہو کیوں کہ اُس نے کشن دیو راے کی بیٹی سے شادی کی تھی نہ کہ اُس کی بہن سے ۱۲

[۲] مسیز فریڈرک نے لکھا ہو کہ رام راج اور اُس کے دو بھائی جن میں سے ترمل وزیر تھا اور دنکٹادری سپہ سالارِ فوج اِن دونوں نے اصلی راجاؤں کو زوالِ سلطنت ۱۵۶۵ء سے تیس سال پیشتر ہی قید کر رکھا تھا۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو اِس میں اچیتا کی سلطنت کا زمانہ بھی آجاتا ہو جس سے نیونز کے بیان سے اختلاف ہوجاے گا جس نے لکھا ہو کہ راجہ اچیتا قید نہ تھا بلکہ آزاد تھا البتہ اپنے دونوں نسبتی برادروں کے وسیع اقتدارات کے سبب سے اِن کے قبضۂ قدرت میں تھا۔ یہ دونوں رام راج اور ترمل راج تھے جنھوں نے کشن دیو راے کی دونوں بیٹیوں سے شادی کی تھی لیکن اچیتا سے اِن دونوں کا رشتہ سالے بہنوئی کا نہ تھا بلکہ داماد اور چچیا سسر کا تھا ۱۲۔

حالات لکھے ہیں اُس کی نسبت سِن بارنوپس نے ٹھیک لکھّا ہی کہ ان سے کوئی صحیح حالات معلوم نہیں ہوتے اِس لیئے مناسب یہ ہی کہ اِس بیان کو چھوڑ کر سداسیو کی سلطنت کے زمانے کے حالات لکھے جائیں جو ۱۵۴۲ء سے ۱۵۶۷ء تک حکم راں رہا۔ اِس میں شک نہیں کہ وقائع نگاروں نے جوکچھ لکھّا ہی وہ سُنے سُنائے حالات جیسے اُن کے کانوں تک پہنچے لکھے ہیں اور اِسی وجہ سے ان میں غلطیاں ہوگئی ہیں۔

بیجاپور معرض خطر میں

۱۵۴۳ء میں برہان نظام شاہ نے رام راج اور جمشید قلی قطب شاہ بادشاہ گول کنڈہ سے اتحاد کرکے ابراہیم عادل شاہ پر حملہ کیا۔ ابراہیم عادل شاہ کا اِس مُصیبت میں گھرنا تھا کہ رام راج کو اچھّا موقع ملا اُس نے اپنے بھائی وِنکٹادری کو رایچور کے دوآبہ پر چڑھائی کے لیئے بھیج دیا۔ بادشاہ بیجاپور پر وقتِ واحد میں تین طاقت ور بادشاہوں نے تین مختلف مقامات سے یورش کردی۔

اسدخاں نے بیجاپور کو بچالیا

عادل شاہ گھبراگیا اور اسدخاں کو جو اُن کا آبائی معتمد تھا بلگاوں سے بُلا بھیجا اور اُس سے اِس اہم و سترگ معاملے میں رائے لی۔ اسدخاں نے عرض کیا کہ ہمارا اصل دشمن تو برہان نظام شاہ ہی اُسی نے اِن سب کو بھڑکایا ہی پہلے اُسی کا انتظام کرنا چاہیئے پھر دوسروں سے بُھگت لینا تو آسان ہی۔ نظام شاہ کے ہموار کرنے کا آسان نسخہ یہ ہی کہ جس مُلک پر نزاع ہی وہ کچھ زیادہ نہیں ہی اُسے دے کر صلح کرلینی چاہیئے۔ رام راج بھی ایک بڑا راجہ ہی اُس کو خوشامد درآمد تحفے تحائف بھیج کر منالینا کچھ مشکل نہیں ہی کہ رام راج کو اپنے مُلک کی خانہ جنگیوں سے اِتنی فرصت نہیں ہی کہ وہ ہمہ تن اِدھر ہی کا ہو رہے اِن دونوں کو سنبھال لینے کے بعد پھر اکیلا جمشید قلی خاں رہ جاتا ہی اُس سے مَیں سمجھ لوں گا۔ بادشاہ کو اسدخاں کی رائے بہت پسند آئی۔ برہان نظام شاہ کو شولاپور اور اُس کے اطراف کا زرخیز ملک دے کر اور رام راج کے پاس بیجانگر میں ایلچی بھیج کر صلح کرلی۔

جمشید قلی قطب شاہ سے اسد خاں لاری کی لڑائیاں

پھر جمشید قلی قطب شاہ سے لڑائی چھنی۔ اسد خاں لاری نے پہلے قلعے کاکنی کا محاصرہ کیا اور فتح کرنے کے بعد قلعے کا نام و نشان صفحۂ دُنیا سے مٹا دیا بادشاہ نے دیکھا کہ معاملہ بے طور ہے مملکتِ تلنگانہ کی طرف بھاگا۔ اسد خاں نے تعاقب کیا اور دو دفعہ قطب شاہیوں کی فوج کو شکست دے کر قلعۂ گول کنڈہ کے پاس پہنچ گیا۔ جب قلی قطب شاہ نے دیکھا کہ یہ تو کسی طرح پیچھا ہی نہیں چھوڑتا ناچار وہ بھی آمادۂ جنگ ہو گیا اور دونوں میں بڑی سخت لڑائی ہوئی لیکن شکست لشکر تلنگ ہی کی ہوئی۔

سعادت بہ بخشایشِ داور ست	نہ در چنگ و بازوے زور آور ست
کلیدِ ظفر چوں نیفتد بدست	بہ بازو درِ فتح نتواں شکست

کہتے ہیں کہ جس دن جمشید قلی قطب شاہ اور اسد خاں لاری کا مُقابلہ ہوا تو دونوں میں سے کسی نے ایک دوسرے کو نہ پہچانا کہ ہمارے مقابل میں کون ہے۔ قضا را اسد خاں کی ایک تلوار بادشاہ کے چہرے پر ایسی پڑی کہ توبہ قبول نہ ہوئی اور عمر بھر اس زخم کی وجہ سے چہرے کی سخت بدنمائی کے علاوہ کھانے پینے کی سخت تکلیف رہی۔ الغرض اسد خاں لاری نے معرکہ جیت لیا اور مظفر و منصور بیجاپور واپس آیا۔[1]

پرتگالیوں کی رانی بھٹکل سے لڑائی

اِسی زمانے میں ڈی سوزا گورنر پرتگال نے خوب شورش کی اور چھوٹی بڑی کئی مہمیں سر کیں اُن میں سے ایک بھٹکل کی رانی کے مقابلے میں تھی حیلہ یہ نکالا گیا کہ اُس نے بادشاہِ پرتگال کا خراج روک رکھا تھا۔ پرتگالیوں نے اُس کے ملک کو آتش زنی اور تلوار سے برباد کر دیا شہرِ بھٹکل کو پھونک دیا بے شمار ہندو مارے گئے ناچار رانی نے اطاعت قبول کر لی۔

برہان نظام شاہ اور ابراہیم عادل شاہ کی لڑائی

۱۵۴۴ء میں (اس سنہ کی صحت میں شک ہے) برہان نظام شاہ نے رام راج کے اغوا سے پھر ابراہیم عادل شاہ پر چڑھائی کی لیکن بالکل

[1] یہ تو زمخدنے لکھا ہے لیکن مورخ خاندانِ قطب شاہیہ سلاطین گول کنڈہ نے اسی واقعے کو جمشید سے پہلے بادشاہ قلی قطبشاہ کی طرف منسوب کیا ہے ۱۲

شکست پائی۔ ابراہیم عادل شاہ اس فتح یابی سے پھول گیا اور اُس کے مزاج میں غرور پیدا ہوگیا وہ برہان نظام شاہ کے ایلچیوں سے حقارت سے پیش آیا اور اپنی رعایا سے بھی ظالمانہ سلوک کرنے لگا چھوٹی چھوٹی خطاؤں پر بڑے بڑے امرار کو سخت سے سخت سزا دیتا تھا بلکہ بہتوں کو مروا بھی ڈالا اس سے ایک عام بددلی ملک میں پھیل گئی۔

شاہزادہ عبداللہ کی بغاوت اور پرتگالیوں کی حمایت

برہان نظام شاہ کے دوسرے حملے کے وقت ایک گہری سازش اس بات کی کی گئی تھی کہ ابراہیم شاہ کو معزول کرکے اس کے بھائی عبداللہ کو تخت پر بٹھایا جائے جب یہ راز فاش ہوگیا تو عبداللہ اپنی جان بچاکر گوآ بھاگ گیا وہاں اُس کی آؤ بھگت خاطر داری سے کی گئی۔ لیکن ابراہیم عادل شاہ نے ڈی سوزا سے کہلا بھیجا کہ اگر تم عبداللہ کو کسی ایسے مقام پر بھیج دو جہاں سے وہ سلطنتِ بیجاپور کے امن میں خلل نہ ڈال سکے تو ہم تم کو کچھ تھوڑا سا حصّہ ملک کا دے دیں گے ڈی سوزا نے یہ بات منظور کرلی اور اُس کے صلے میں جزائر سالسٹ اور بارڈس پرتگالیوں کو مل گئے۔ علاوہ اس کے اسد خاں کا جمع کیا ہوا بے شمار خزانہ جو بلگاؤں میں تھا گورنر مذکور کو بہ طور ذاتی تحفے کے دیا گیا۔ گورنر گوآ سب خزانہ ڈکار گیا اب عبداللہ کو چند روز کے لیے کنانور تک لے گیا لیکن پھر اُس کو گوآ واپس لے آیا جب دوسرے برس ڈی کاسٹر گورنر مقرر ہوا تو اس نے عبداللہ کے تحویل کرنے سے صاف انکار کردیا۔

ابراہیم عادل شاہ اور گورنر گوآ کا صلح نامہ ۱۵۴۶ء

اس چال بازی سے بادشاہِ بیجاپور کو ایک بڑی مشکل پڑ گئی چنانچہ فروری ۱۵۴۶ء میں ابراہیم عادل شاہ نے پرتگالیوں سے ایک صلح نامہ کیا کہ جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ دکن یا علاقۂ نظام شاہ یا سلطنتِ بیجانگر کا کوئی شخص عبداللہ یا اُس کے خاندان سے اُس وقت تک کوئی معاملت یا تعلق نہ رکھے جب تک کہ ہمارا ایلچی جو ہم بادشاہِ پرتگال کے پاس بھیجنے والے ہیں کچھ جواب لے کر واپس نہ آئے۔ اس کے علاوہ

اور دوسری شرائط بھی تھیں لیکن ان پر پرتگالیوں نے کچھ بھی عمل نہ کیا تب بادشاہ نے ۱۵۴۷ء میں صوبے جاتِ سالسٹ اور بارڈس پر فوج بھیج دی لیکن پرتگالیوں نے اُن کو شکست دے کر بھگا دیا۔

پرتگالیوں کا راجۂ بیجانگر اور برہان نظام شاہ سے صلح نامہ

ڈی کاسٹرو نے ۱۹ دسمبر ۱۵۴۷ء کو راجۂ بیجانگر سے اور اُسی سال ۶ اکتوبر کو برہان نظام شاہ بادشاہِ احمد نگر سے صلح نامہ کرلیا۔ اِس معاہدے سے راجۂ بیجانگر نے گوآ کے گھوڑوں کی تجارت کا اجارہ لے لیا اور نظام شاہ اور پرتگالیوں

لہ اس صلح نامے کے شرائط بہت دلچسپ ہیں جن سے اِس ملک کے تجارتی تعلقات جو پرتگالیوں کے دو بڑی اہم سرحد سلطنتوں سے تھے ظاہر ہوتے ہیں یہ صلح نامہ گوآ کے گورنر ڈی کاسٹرو اور راجۂ سداسیو کے درمیان ہوا ہے

(الف) ہمارے جو دوست ہیں وہ تمہارے دوست اور تمہارے جو دشمن ہیں وہ ہمارے دشمن جب کبھی ہندوستان بھر میں کسی بادشاہ یا حاکم سے مُقابلے کی ضرورت پڑے تو (بہ استثنائے نظام شاہ) تم ہم کو اور ہم تم کو مدد دیں۔

(ب) بندرِ گوآ میں جتنے گھوڑے عرب یا فارس سے اُتریں گورنرِ گوآ کا فرض ہوگا کہ راجۂ بیجانگر کو مناسب وقفے سے اطلاع دے کر ادائے قیمت پر خرید وا دے ہرگز کوئی گھوڑا سلطنت بیجاپور کو نہ بھیجا جاے۔

(ج) راجۂ بیجانگر اپنے ملک کے تمام سوداگروں کو اس امر پر مجبور کرے گا کہ وہ تمام سوداگری کا مال اُنھیں بندروں سے روانہ کیا کریں جو پرتگالیوں کے قبضے میں ہیں کوئی تاجر مجاز نہ ہوگا کہ سامانِ تجارت کسی بندرِ مقبوضۂ سلطنتِ بیجاپور سے چڑھاے۔

(د) راجۂ بیجانگر سلطنت بیجاپور کے کسی بندر سے شورہ اور لوہا اپنی سلطنت میں درآمد ہونے کی قطعی ممانعت کرے گا اور اپنے تاجروں کو مجبور کرے گا کہ وہ اشیاے مذکورہ پرتگالیوں کے کارخانے سے لیں۔

(ہ) پارچہ جات۔ تانبہ۔ ٹین۔ چھینا سلک وغیرہ کی بابت بھی حسب فقرۂ بالا عمل ہوگا۔

(و) راجۂ بیجانگر اپنے بندرگاہوں میں مسلمانوں کا کوئی جہاز یا بیڑا آنے نہ دے گا اور اگر اچانک کوئی آجاے تو اُس کو گرفتار کرکے گوآ بھیج دیا جاے۔ ہم دونوں کا اقرار ہے کہ عادل شاہ سے لڑائی کریں گے اور تمام ملک جو فتح ہوگا وہ شریکِ سلطنتِ بیجانگر رہے گا۔ بہ استثنائے اُن مقامات کے جو گھاٹوں کے مغرب میں ہیں اور شمال میں باندے سے لے کر جنوب میں سنگا کورا تک یہ ملک دشاہ پرتگال کے علاقے میں

کے درمیان دوستی اور اتحاد قائم ہوگیا اس طرح سلطنتِ بیجاپور کے مقابلے کے لیے یہ اتحادِ ثلاثہ قائم ہوا۔ تھوڑے دنوں بعد دوبارہ افواجِ بیجاپور نے مقاماتِ بری گوا پر حملہ کیا اور اس میں عادل شاہ کا ایک بڑا سردار مارا گیا ۱۵۴۸ء میں ویسرائے نے بیجاپور اور رانی بھٹکل سے ایک معقول تصفیہ کر لیا۔ پرتگالی مورخین نے لکھا ہے کہ ڈی سوزا اور اسد خاں دونوں عبداللہ سے ملے ہوئے تھے اور اسد خاں نے اقرار کر لیا تھا کہ اگر ابراہیم شاہ کو شکست ہو جائے تو کوکن کا تمام ملک پرتگالیوں کو دے دیا جائے گا لیکن ویسرائے نے اپنی نیت ڈانواڈول کی اور اس بات پر قائم نہ رہا۔ اسی عرصے میں اسد خاں کے انتقال سے تمام سازش کا بازار سرد پڑ گیا۔ تاریخ فرشتہ میں اسد خاں کے حالات اس سے بالکل مختلف لکھے ہیں اور واقعات کی تاریخیں بھی اس کے مطابق نہیں ہیں اس نے لکھا ہے کہ "اسد خاں کو اپنے بادشاہ کے تغافل اور سرد مہری اور بدگمانی کا سخت رنج تھا لیکن پھر بھی وہ بالذات ہر کام خیر خواہی اور جاں نثاری سے کرتا تھا اس نے بہت کوشش کی کہ یہ سازش دب جائے۔ پرتگالیوں کی نسبت لکھا ہے کہ انھوں نے عبداللہ کی حمایت نہیں لی بلکہ فی الحقیقت گورنر گوا اور نظام شاہ دونوں مل کر عبداللہ کو بیجاپور کی طرف لے چلے۔ یہاں تک کہ بلگاؤں کے قریب پہنچ گئے لیکن جب اچھی طرح یہ معلوم ہوگیا کہ اسد خاں کو اُدھر سے توڑ لینا ناممکن ہے اور امرائے بیجاپور اپنے بادشاہ سے پھر مل گئے ہیں تو یہ اتحادِ ثلاثہ ٹوٹ گیا۔"

اسد خاں کی وفات ۱۵۴۹ء

ابراہیم عادل شاہ محرم ۹۵۶ھ مطابق فروری ۱۵۴۹ء میں بلگاؤں کو روانہ ہوا لیکن رستے میں اُسے معلوم ہوا کہ اسد خاں مر گیا۔ بلگاؤں کے پہنچنے کے بعد کے جو حالات فرشتہ نے لکھے ہیں وہ قابلِ اعتبار نہیں ہیں اس وجہ سے کہ اُن میں لکھا ہے کہ بادشاہ جب بلگاؤں پہنچا تو اُس نے اسد خاں کے خاندان کے ساتھ بہت ہمدردی کی اور تسلی دی لیکن اُس کے تمام علاقے اور خزانے خود لے لیے یہ امر کچھ قرینِ قیاس نہیں معلوم ہوتا کیوں کہ یہ خزانہ ایسے شخص کا جمع کیا ہوا تھا جو فرشتہ

ہی کی روایت کے موافق اپنی تمام زندگی بھر اپنے بادشاہ کا وفادار رہا بڑا بہادر اور دلیر اور اپنے مالک کا جاں نثار تھا جس کو اُس نے اپنی جان پر کھیل کر بڑی بڑی مہموں میں بال بال بچایا تو کیسے ممکن ہی کہ بادشاہ نے اُس کی جاگیرات اور خزانے چھین لیئے ہوں مسٹر ڈینورس جو اسد خاں کی دغا بازی کے مُدعی ہیں لکھتے ہیں " اسد خاں ایک بے اصول باغی شخص تھا۔ جزائر سالسٹ اور بارڈس کے علاوہ عادل شاہ نے اسد خاں کا سارا بھرا پرا خزانہ جو اُس نے بغاوت اور بلوہ کرنے کے لیئے جمع کیا تھا اور ایک کروڑ ڈیوکٹ (ایک طلائی سکّہ ہی جس کی قیمت بالعموم سات روپے ہوتی ہی) ڈی سوزا ویسرائے کو دے دیا لیکن اُس میں سے ویسرائے کے ہاتھ دس لاکھ ڈیوکٹ ہی لگے باقی درمیانی لوگوں نے ہضم کیا۔ بعض لوگوں کا بیان ہی کہ ویسرائے کو جو خزانہ ملا تھا اُس میں سے نصف اُس نے خود لیا اور بقیہ نصف پرتگال بھیج دیا اور دوسری روایت یہ ہی کہ ویسرائے نے بہت سی رقم تو رفاہِ عام کے کاموں میں لگا دی اور باقی بادشاہِ پرتگال کو بھیج دی"۔ اِس سے معلوم ہوگا کہ دونوں بیانات میں آسمان زمین کا فرق ہی اِس زمانے میں ابراہیم قطب شاہ جو جمشید کا چھوٹا بھائی اور گول کنڈہ کا ولی عہد تھا جمشید کی مطلق العنانی اور سخت مزاجی سے بیزار ہو کر بیجاپور میں جا کر پناہ گزیں ہوا۔

بیجانگر میں ڈیول کی لڑائی

فرشتہ کی ایک روایت یہاں بیان کرنے کے قابل ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ اُس زمانے میں بھی ڈیول[1] لڑنے کا رواج تھا چنانچہ نیوننر نے بھی لکھا ہی کہ کثرت سے لوگ ڈیول لڑتے تھے اور اِس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ راجۂ بیجانگر آمدنیِ ملک کے سیاہ و سفید کا بالکل

---

[1] دو آدمیوں کی باہمی لڑائی کو ڈیول کہتے ہیں۔ یہ لڑائی دو شخصوں میں کسی بات کے تصفیہ کے لیئے ہوا کرتی ہی مثلاً کسی بات پر جھگڑا ہوا اور دونوں فریقوں نے یہ شرط کرلی کہ ہم تم ڈیول لڑکر امر متنازعہ فیہ کا فیصلہ کریں گے تب دونوں شخص چند پنچوں کی موجودگی میں تفنگچے یا تلوار سے لڑتے ہیں دونوں اپنا اپنا وار وقتِ واحد میں کرتے ہیں جو غالب ہوجاوے یا جان سے بچ جاوے وہ گویا جیت میں رہتا ہی یورپ میں ڈیول کا بہت رواج ہی لیکن اب رفتہ رفتہ کم ہوتا جاتا ہی ۱۲

مالک ومختار تھا اور جس طرح چاہتا تھا صرف کرسکتا تھا۔ شہزادہ ابراہیم کے لیے کوئی صورت ناخن بندی کی نکالنے کی غرض سے رام راج نے عنبر خاں نامی ایک حبشی سردار کو موقوف کرکے شہر بدر کر دیا اور شہزادے ابراہیم کو اُس کی جگہ مامور کر دیا۔ عنبر خاں اپنی معزولی اور ضبطیٔ جاگیرات سے بھڑکا ہوا تو تھا ہی اتفاقاً ایک دن بیجانگر کے بازار میں ابراہیم قطب شاہ اُسسے مل گیا عنبر خاں نے ایک دم اُس سے کج بحثی شروع کی اور الزام دیا کہ تم ہی میری تباہی کا باعث ہوے۔ ہو ع ای بادِ صبا این ہمہ آوردۂ تست۔ ابراہیم نے کہا کہ میرا اِس میں کیا دخل ہی راجہ اپنی سلطنت کا مالک ومختار ہی جس کو چاہے سرفراز کرے اور جس کو چاہے معزول۔ اور راجہ ہی نے مجھے خود سرفراز فرماکر جاگیریں عطا کی ہیں یہ کہہ کر ابراہیم جانے لگا لیکن حبشی سردار نے کہا کہ تو بڑا بزدل ہی مجھ سے اِس بات کا فیصلہ تلوار سے کیوں نہیں کر لیتا۔ ابراہیم نے کہا کہ ایسی بیہودہ باتوں سے کیا فائدہ؟ جوں جوں ابراہیم نرمی سے باتیں کرتا حبشی کا غصہ بڑھتا جاتا تھا نوبت باین جارسید کہ ابراہیم کو سخت سُست اور کھلم کھلا مغلظ گالیاں دینے لگا۔ جب شاہزادے نے دیکھا کہ یہ خواہ مخواہ سر ہوے جاتا ہی کسی طرح مانتا ہی نہیں تب وہ اپنے گھوڑے پر سے اُتر پڑا اور دونوں کی مٹ بھیڑ ہوئی شاہزادے نے حبشی کو سربازار قتل کر ڈالا۔ حبشی کا بھائی بھی وہیں موجود تھا اُس نے جب دیکھا کہ بھائی کا کام تمام ہوا تو خون کے جوش میں اپنے بھائی کی حمایت پر تُلا۔ شاہزادے نے اُس کو بھی تحت الثریٰ کو پہنچایا۔ ابراہیم قطب شاہ ۹۵۷ھ مطابق ۱۵۵۰ء کو گولکنڈہ کے تخت پر بیٹھا۔ فرشتہ نے لکھا ہی کہ اس سے ایک سال پیشتر ابراہیم عادل شاہ بادشاہ بیجاپور اور امیر برید کے بیٹے علی برید بادشاہ بیدر کے درمیان مصالحت ہوگئی تھی۔

نظام شاہ بحری اور رام راج کی متفقہ لڑائیاں ابراہیم عادل شاہ سے ۱۵۵۱ء

نظام شاہ نے اِس زمانے میں رام راج کے پاس کچھ تحائف بھجوائے تھے ابراہیم عادل شاہ نے جب یہ خبر سُنی تو برافروختہ ہو کر بیجاپور میں جو ایلچی بیجانگر کے تھے اُن کی ایسی تذلیل کی کہ وہ جان بچا کر بھاگے۔ رام راج کو اِس طرح

عل پر سخت غصہ آیا اُس نے نظام شاہ کو بھڑکایا کہ وہ ابراہیم عادل شاہ پر چڑھائی کر دے اُس نے ایسا ہی کیا اور کلیانی کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ بادشاہ بیجاپور نے اس کے بدلے میں احمد نگر کے علاقے میں قلعۂ پرینڈہ داب[1] لیا۔ رام راج اور برہان نظام شاہ دونوں ایک ہو گئے دونوں ۹۵۸ھ ۱۵۵۱ء میں رائچور کے قریب ملے اور رائچور کا محاصرہ کر کے فتح کر لیا اور مُدگل بھی فتح ہو گیا اس طرح تمام ملکِ دوآبہ پھر ایک مرتبہ ہندوؤں کے قبضے میں آ گیا۔ اِس کے بعد رام راج تو اپنے مُلک کو واپس چلا گیا اور اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ ایک بڑا لشکر برہان نظام شاہ بحری کی امداد کو دیا اور دونوں نے مل کر قلعۂ شولاپور پر بڑا بھاری حملہ کیا اور فتح کر لیا۔ ایک مُسلمان مورّخ نے لکھا ہی کہ انھیں دنوں میں رام راج کے دونوں بھائیوں نے جب دیکھا کہ رام راج تو دارالسلطنت میں نہیں ہی بغاوت کی اور قلعۂ ادھونی پر قبضہ کر لیا۔ رام راج ابراہیم قطب شاہ کی مدد سے ادھونی کا چھ مہینے تک محاصرہ کیئے پڑا رہا اور آخر کار فتح کر لیا اور دونوں بھائیوں کی عُذر معذرت پر اُن کو معاف بھی کر دیا ۹۶۱ھ ۱۵۵۳ء میں برہان نظام شاہ بحری نے

---

[1] ضلع عثمان آباد عرف نلدرگ میں ایک مشہور اور مضبوط قلعہ ہی جس کی تہری فصیل ہی اور ہر فصیل کے نیچے میں خندق ہی اور ہر فصیل میں تین بڑے بڑے مستحکم دروازے ہیں۔ قلعے کے اندر ایک مسجد ہی جو دیول توڑ کر بنائی گئی ہی ۱۲

[2] ۹۶۱ھ میں رام راج اور برہان نظام شاہ بحری دونوں نے بیجاپور پر چڑھائی کی ابراہیم عادل شاہ تاب مقاومت نہ لا کر گُلبرگہ بھاگ گیا اور قریب تھا کہ قلعۂ بیجاپور فتح ہو جائے کہ ناگاہ برہان نظام شاہ بیمار ہو کر احمد نگر چلا گیا اور وہیں انتقال کیا اور احمد نظام شاہ کے پہلو میں باغ روضہ میں مدفون ہوا۔ چند روز کے بعد دونوں بادشاہوں کے تابوت کربلائے معلےٰ کو لے گئے اور بیرونِ گنبد خاص اہل عبا ایک گز کے فاصلے سے مدفون ہیں۔ اسی سال سلطان محمود گجراتی و سلیم شاہ بادشاہ دہلی نے بھی انتقال کیا فرشتہ کے والد غلام علی نے اِن سب کی تاریخ ذیل کہی ہی۔

سہ خسرو ما نعال آمد بیک بار | کہ ہند از عدلِ شاں دارالاماں بود

انتقال کیا اور حسین نظام شاہ اور ابراہیم عادل شاہ دونوں مسلمان بادشاہوں میں اتحاد ہوگیا لیکن حسد اور سازش کا بازار گرم تھا یہ اتحاد تھوڑے ہی دنوں بعد ٹوٹ گیا۔ ابراہیم عادل شاہ نے قلعہ شولاپور پر قبضہ کرنے کے لیئے رامے بیجانگر سے صلح کرلی جس کی وجہ سے پھر ناچاقی ہوگئی اور شولاپور میں ایک جنگ ہوئی جس میں ابراہیم عادل شاہ نے شکست پائی لیکن سب سے بڑا نقصان ابراہیم عادل شاہ کو عین الملک کی بغاوت سے پوہنچا جو ایک بڑا سردار تھا اور بادشاہ کی ناقدردانی اور بدسلوکی سے عاجز آکر اُس نے کُھلم کُھلا بغاوت کردی تھی جس کی مختصر کیفیت تاریخ فرشتہ میں یوں لکھی ہے کہ " سیف عین الملک بڑا خیر خواہ عادل شاہی سلطنت کا تھا اُس کی بہت سی جاگیریں تھیں اور اسد خاں لاری کی جگہ مقرر ہوا تھا اِس کا پورا خطاب " سیف الدولہ القاہرہ عضد السلطنۃ الباہرہ امیر الاُمرا سیف عین الملک " تھا۔ سنہ ۹۵۹ھ میں قلعہ رایچور و مُدگل تو رامے بیجانگر نے لیا اور شولاپور برہان نظام شاہ دبا بیٹھا تھا اِس کے چھڑانے کے لیئے ابراہیم عادل شاہ سے اور حسین نظام شاہ سے ایک سخت لڑائی شولاپور پر ہوئی جس کی مختصر کیفیت یہ ہی ہے۔

ابراہیم عادل شاہ اور حسین نظام شاہ کی لڑائی شولاپور پر

حسین نظام شاہ بحری نے لشکر خاصہ اور ہاتھی جس کا نام مست تھا لے کر عین الملک پر حملہ کیا اِس وقت بہت سے لوگ طرفین کے مارے گئے اور قریب تھا کہ نظام شاہ کی فوج پس پا ہو کہ ناگاہ بعض اُمرائے نظام شاہی مانند رُستم خاں دکنی و جہاں گیر خاں حبشی و غضنفر خاں شیرازی کے جو میسرۂ ابراہیم عادل شاہ سے جنگ کر کے شکست پا چکے تھے اُنھوں نے

(بقیہ از صفحہ ۲۶۵)

یکے محمود شہنشاہِ گجرات — کہ ہمچوں دولت خود نوجواں بود
دوم اسلیم شہ سلطانِ دہلی — کہ در ہندوستاں صاحبقراں بود
سوم آمد نظام آں شاہِ بحری — کہ در ملکِ دکن خسرو نشاں بود
زمن تاریخ فوت ایں ہر سہ خُسرو — چو می پُرسی زوالِ خسرواں بود"

جب نظام شاہ کا جھنڈا اپنی مقررّہ جگہ پر نہ دیکھا تو گھبرا کر اپنے بادشاہ کی مدد کو آن پہنچے عین الملک نے دیکھا کہ نظام شاہی فوج تو آگئی مگر ہماری طرف سے کسی نے خبر بھی نہ لی اب ضرور شکست ہو جائے گی۔ عین الملک اپنی عادت کے موافق گھوڑے پر سے اُتر پڑا اور میدانِ جنگ میں پا پیادہ کھڑا ہو گیا۔ اُس کی عادت تھی کہ جب دیکھتا تھا کہ اب خیر نہیں ہے تو فوراً گھوڑے سے اُتر کر پا پیادہ ہو جاتا تھا کہ لوگ سمجھ جائیں کہ معاملہ نازک ہے اب یا جان جائے یا فتح ہو۔ ایک کوتاہ نظر نے جا کر بادشاہ سے آگ لگا دی کہ ہم نے دیکھا کہ عین معرکہ جنگ میں عین الملک گھوڑے پر سے اُتر پڑا اور حسین نظام شاہ کو جو اُس کا قدیم دوست ہے سلام کیا اور اُس سے پان کا بیڑا لیا اس غرض سے کہ آپ کو پکڑ کے اُس کے حوالے کر دے۔ ابراہیم عادل شاہ نے تحقیقات کی نہ دریافت کیا یہ سُنتے ہی گھبرا کر بیجاپور بھاگ گیا۔ عین الملک لڑائی میں مصروف تھا اور قریب تھا کہ فتح کرے اتنے میں بادشاہ کے یکایک چلے جانے کی خبر مشہور ہوئی مجبوراً عین الملک نے بھی لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ عین الملک کے بھانجے صلابت خاں کو اس جنگ میں کئی سخت زخم لگے تھے جس کی وجہ سے وہ گھوڑے پر سے گر پڑا تھا اُس کی مرہم پٹی کر کے عین الملک ویسے ہی بادشاہ کے پیچھے دَوڑا کہ بادشاہ کو بیجاپور جانے سے منع کرے لیکن جوں ہی بادشاہ نے عین الملک کے علم کا نشان دیکھا وہ سمجھا کہ مجھے پکڑنے آ رہا ہے پھر ایسا بھاگا کہ بیجاپور جا کر ہی دم لیا۔ عین الملک بعد میں بیجاپور پہنچا اور ایک معتمد کے ذریعے سے عرض کرایا کہ میں اپنا مال و اسباب سب چھوڑ کر تن تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر صرف ایک قمیص کے ساتھ حاضر ہوا ہوں میرے پاس خیمہ و خواب گاہ نہیں ہے اگر خزانۂ عامرہ سے تھوڑی سی رقم خانہ زاد کو سرفراز ہو جائے تو عین پرورش ہے۔ بادشاہ کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ شکست صرف عین الملک کے سبب سے ہوئی ہے جواب دیا کہ "ہم کو تمھارے جیسے بے اعتدال نوکر کی ضرورت نہیں ہے جہاں چاہو چلے جاؤ"۔ عین الملک نے کچھ قصور نہیں کیا تھا یہ سُن کر ہکا بکا رہ گیا پھر کہلا بھیجا کہ "میں حضرت کا سچا اور مخلص اور جاں نثار خدمت گزار ہوں قریب

بچھو سو عزیز و قریب اور میرے ہم قوم اس لڑائی میں مارے گئے ہیں اور مال و اسباب سب لُٹ گیا ہے ایسی حالت میں مَیں کہاں جا سکتا ہوں۔

جز آستانِ توام در جہاں پناہے نیست　　سرِ مرا بجز ایں در حوالہ گاہے نیست

ایسی حالت میں آپ مالک ہیں مَیں درِ دولت سے ٹل نہیں سکتا"۔ اس پیغام سے جو سراسر نمک حلالی کا تھا بادشاہ کو عین الملک کی سرتابی کا مظنّہ ہوا اور غصّہ ہو کر حکم دیا کہ "جو شخص یہ پیغام لایا ہے اُسے طمانچہ مار کر نکال دو"۔

عین الملک کی بغاوت اور ابراہیم عادل شاہ سے لڑائیاں

جب عین الملک مایوس ہو گیا تو اُس نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا اُنھوں نے کہا کہ اب اس وقت تو کوئی موقع پھر عرض معروض کرنے کا باقی نہیں رہا۔ عین الملک نے خیال کیا کہ مصلحت یہی ہے کہ اس وقت یہاں سے ٹل کر میں اپنی جاگیر مان کو چلا جاؤں اور وہاں سے قسطِ فصلِ خریف وصول کر کے اپنا سامان کر لوں اور جدھر مُنہ اُٹھے چلا جاؤں۔ بادشاہ نے جب عین الملک کے چلے جانے کی خبر سُنی تو پانچ ہزار سواروں کا لشکر ایک امیر کے ساتھ بھیج دیا اور حکم دیا کہ عین الملک کو ہماری مملکت سے نکال دو۔ صلابت خاں نے بلا اجازت عین الملک لشکر کا مُقابلہ کیا اور شکست دی اور قسطِ ربیع کے وصول کے لیے اُدھر کر اطراف و جوانب کے مقامات مرج و کلّیر وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ بادشاہ نے دوبارہ دس ہزار فوج بہ سرکردگی دلاور خاں حبشی بھجوائی اور نواحِ گلبرگہ میں عین الملک اور صلابت خاں نے اپنی فوج آراستہ کر کے مقابلہ کیا اس میں دلاور خاں کے سر اور چہرے پر بھاری زخم آئے اور شکست پا کر بھاگا چار کوس تک عین الملک کی فوج نے اُس کا تعاقب کیا اور اس قدر مال اور اسباب اور ہاتھی گھوڑے اور اونٹ ملے کہ عین الملک کو اور تقویت ہو گئی اور اُس نے زیادہ فوج اور توپ خانہ بھی جمع کر لیا تیسری بار ابراہیم عادل شاہ خود پچیس ہزار سوار اور توپ خانہ لے کر مان پر جا پہنچا عین الملک نے پہلے ہی بہت سی فوج جمع کر لی تھی۔ تین دن تک برابر اپنی فوج کو روز

درست کرتا تھا اور میدانِ جنگ میں آنے کا غلغلہ اُٹھا دیتا تھا مگر آیا ایک دن بھی نہیں۔
ابراہیم عادل شاہ کی فوج اِس کے انتظار میں دِن دِن بھر گھوڑوں پر مسلح سوار رہتی تھی
اور شام کو ویسے ہی پلٹ جاتی تھی۔ چوتھے دن بھی ایسا ہی ہوا کہ عین الملک نے اپنے لشکر
کی صف بندی کی اور ہر چند قراولوں نے کہا کہ عین الملک آیا ہی چاہتا ہے مگر کسی نے
نہ سُنا اور سمجھے کہ وہ تو ہر روز اِسی طرح جُل دیا کرتا ہے آتا ہے نہ اوتا ہے ناحق ہم کو حیران
کرتا ہے۔ اِسی خیال سے کسی نے نہ ہتیار لگائے نہ گھوڑوں پر سوار ہوئے کہ ناگاہ
عین الملک کا لشکر میدانِ جنگ میں آن ہی پہونچا۔ بادشاہی لشکر بے خبر پڑا تھا کوئی
طیّار نہ تھا ناچار بادشاہ خود عین الملک کے مُقابلے کو گیا۔ عین الملک دو بدو بادشاہ
سے لڑنے سے ہچکچایا اور سب نے صلاح دی کہ چترِ شاہی سے لڑنا مناسب نہیں ہے۔
مرتضیٰ خاں انجو ایک سیّدِ پُر غرور تھا جس کا عین الملک بہت معتقد تھا اُس نے
کہا کہ "چتر گھوڑا ہی جنگ کرتا ہے اب ملاحظہ کس بات کا ہے"۔ عین الملک اسے فالِ
نیک سمجھا اور پانچ ہزار سوار لے کر اپنے گھوڑے کو تیز کیا اور جہاں کہ شاہی چتر
تھا اُسی حصّے پر جا پڑا۔ خاصۂ شاہی کی فوج اِس کے حملے کی تاب نہ لا کر بھاگی
بادشاہ بھی بھاگا اور بیجاپور کے قلعے میں جا کر چھُپ گیا۔ چتر و فیل شاہی اور توپ خانہ
اور تمام اثاثۂ شاہی عین الملک کے ہاتھ لگا اور عین الملک نے بیجاپور سے دو کوس
کے فاصلے پر موضع نورِدہ میں اپنا لشکر ڈال دیا اور قلعے کی رسد بند کر دی اب عادل شاہ
کو سوائے راجۂ بیجانگر سے مدد طلب کرنے کے اَور کوئی تدبیر نہ سوجھی۔ بادشاہ نے
راجہ کے پاس سات لاکھ ہُن بھیج کر استمداد چاہی۔[1]

عین الملک اور ونکٹادری کی لڑائی

رام راج نے (جو درحقیقت سیاہ و سفید کا مالک تھا کیوں کہ راجہ کو تو اُس نے براے نمود رنھلا رکھا تھا) اپنے بھائی ونکٹادری کو غنیم کی مدافعت کے لیے ایک بڑا بھاری لشکر دے کر بیجاپور روانہ کیا۔ عین الملک نے اسد خاں

[1] سینہار ریپس کو حال میں بمقام لسبن سرکاری محافظ خانے میں جو لاری ڈی ٹومبو میں ہے ایک تاریخی کاغذ دستیاب ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ راجۂ بیجانگر نے ابراہیم عادل شاہ کو عین الملک اور شہزادہ عبداللہ کے مقابلے کے لیے سات لاکھ پرڈاس (سکّہ) لے کر امداد دی تھی ۱۲۔

کی چال اختیار کی اور چاہا کہ ہندوؤں پر یکایک حملہ کر کے گھبرا دے لیکن ونکٹا دری کو اس بات کی خبر لگ گئی تھی اُس نے اپنی فوج کو چوکنا کر دیا اور بڑی بڑی لمبی مشعلیں بنوائیں اور حکم دیا کہ جوہیں دشمن کے حملے کی خبر پہنچے ایک دم ان سب کو روشن کر دیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو ان کو بلند کیا جائے تاکہ ہماری فوج کو دشمن کی فوج اچھی طرح نظر آئے۔ ایک رات عین الملک اپنے ساتھ صلابت خاں کو لے کر دو ہزار فوج کے ساتھ ہندوؤں کے کیمپ میں جا گھسا اور کسی نے اُس کی مزاحمت نہ کی جب اشارہ دیا گیا تو ایک دم مشعلیں روشن کر دی گئیں اور ونکٹا دری جو اپنی فوج کے ساتھ ہر طرح سے تیار بیٹھا تھا مسلمانوں کے لشکر سے مقابلہ کرنے لگا۔ چوں کہ مسلمان بے روک ٹوک گھس آئے تھے وہ سمجھے کہ اب میدان مار لیا لیکن انجام یہ ہوا کہ پانسو آدمی مسلمانوں کے مارے گئے عین الملک اور صلابت خاں بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگے لیکن اندھیرے میں رستہ بھول کر جنگل میں بھٹک گئے۔ فوج میں سے جو لوگ بھاگ کر آگے آ گئے تھے اُنھوں نے سمجھا کہ یہ لوگ مارے گئے اور اس خبر سے ایک ہل چل پڑ گئی اور ساری فوج منتشر ہو کر جدھر جس کے سینگ سمائے بھاگ گئی۔

عین الملک اور صلابت خاں کا حسین نظام شاہ کے پاس جانا اور مارا جانا ۱۵۶۵ء

عین الملک اور صلابت خاں مع دو سو سواروں کے صبح ہوتے ہوتے اپنے کیمپ میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں ایک چڑیا بھی نہ تھی۔ یہ دونوں گھبرا کر مان کے رستے سے حسین نظام شاہ کی سلطنت میں پناہ لینے کو بھاگے لیکن حسین نظام شاہ نے دھوکے سے ان دونوں کو مروا ڈالا۔ شاہزادہ عبد اللہ ابھی تک گوآ ہی کے علاقے

ؔ اب عین الملک کا ٹھکانا مملکت عادل شاہی میں کہاں باقی تھا ناچار حسین نظام شاہ کی طرف رُخ کیا۔ نظام شاہ عین الملک سے دل میں سخت کدورت رکھتا تھا مگر بظاہر اُس کے آنے کی خوشیاں کر رہا تھا اور لوگوں سے کہتا تھا کہ دیکھو اب ہمارا طالع بھی چمکا کہ عین الملک نے پھر اس طرف رُخ کیا آخر اُسے (بقیہ نوٹ برصفحہ ۲۷۱)

میں سلطنتِ بیجاپور کے خواب دیکھ رہا تھا اُس نے بیجاپور کی یہ خانہ جنگیاں دیکھ کر گوا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۰) حقوقِ سابقہ کا خیال آیا اور پھر اُس کی خواہش ہی کہ ہمارے سلک اُمرا میں شریک ہو۔ نظام شاہ
نے فوراً حکیم قاسم بیگ کو (جو محرمِ اَسرارِ شاہی تھا اور اُس سے بڑا اور کوئی اِس سلطنت میں رئیس نہ تھا) عین الملک
کے استقبال کو بھجوایا اور لکھوا بھیجا کہ "ہماری دلی محبت تم کو ہماری طرف کھینچ لائی ہی یہ صرف تقدیری بات تھی
کہ تم چند روز کے لیئے ہم سے جُدا رہے لیکن اب ہمیں اُن باتوں کا خیال بھی نہیں ہی۔ ہماری عنایات واشفاق کو
تم اپنے اندازے سے زیادہ سمجھو اور بہ اطمینانِ تمام ہمارے حضور میں حاضر ہو جاؤ کہ قدیمی مناصب و جاگیریں
تم کو دے کر تم کو اقران و امثال میں معزز و ممتاز کیا جاے۔ تمھارے اطمینان کے لیئے ہم نے قول نامہ اور زہگیر
(بالکسر چیزے مانندِ انگشتری باشد کہ از شاخِ حیوان و اُستخواں وغیرہ سازند بہ وقت تیر اندازی در انگشت
کنند۔ از برہان) رومال خاصے میں لپیٹ کر بھیج دیا ہی چاہیئے کہ حکیم قاسم بیگ کے ساتھ جو ہمارا محرمِ بزمِ
اختصاص اور مصاحبِ مجلسِ خاص ہی چلے آؤ اور دیر نہ لگاؤ"۔ عین الملک نے دو شرطوں سے پیغامِ شاہی کو قبول
کیا اوّل یہ کہ بادشاہ خود قلعۂ احمد نگر سے میرے استقبال کو آے دوسری یہ کہ ملاقات کے دن قاسم بیگ
میرے لشکر میں بہ طورِ یرغمال رہے۔ قاسم بیگ نے دونوں باتیں قبول کرلیں عین الملک دو ہزار سواروں
کے ساتھ احمد نگر کی طرف روانہ ہوا اور دو کوس اِدھر ٹھیر گیا۔ قاسم بیگ نے کہا کہ اب مجھے اجازت دیجیئے
کہ مَیں احمد نگر جا کر بادشاہ سے آپ کی ملاقات کا بندوبست کر کے پھر واپس آ کر آپکے لشکر میں بہ طورِ رہن
ٹھیر جاؤں تب آپ بادشاہ کی ملاقات کو شوق سے تشریف لے جائیں۔ قاسم بیگ کو اپنے بادشاہ کی مجلس
کا حال بخوبی معلوم تھا کہ وہاں کچھ ٹھکانا نہیں سیدھا اپنے گھر گیا اور بھلاویں کا تیل اپنے سر اور چہرے
پر مل لیا اور بیماری کا بہانہ کر کے پڑ گیا۔ بادشاہ نے اپنے چند معتبرین کے ساتھ اطعمہ و اشربۂ لذیذہ عین الملک
کے پاس بھجواے اور جو وقت ملاقات کے لیئے ٹھیرایا تھا وہ بھی کہلا بھیجا اور نیز یہ کہ قاسم بیگ بیمار ہوگیا
ہی اِس وجہ سے وہ نہیں آسکتا اُس کے انتظار کی کچھ ضرورت نہیں ہی تم جلد چلے آؤ میں بھی تمھارے استقبال
کو سوار ہوتا ہوں۔ عین الملک نے اپنے معتمدوں کے ذریعے سے قاسم بیگ کو دِکھوایا اُس کو دیکھا تو واقعی سارا
مُنہ سوجا ہوا تھا اور اُن لوگوں نے یہ بھی آن کر کہا کہ بادشاہ استقبال کے لیئے سوار ہو چکا ہی۔ عین الملک
ناچار ہوگیا اور صلابت خاں اور چند لوگوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوا عین الملک کے غلام (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

کے جدید ویسرائے (پڈرو ڈی میسکرن ہاس Ped de mascarenhas)
کو طمع دلائی کہ اگر تمھاری کوشش سے میں بیجاپور کا بادشاہ ہوجاؤں گا تو تمھارے
ساتھ بہت کچھ سلوک کروں گا۔ اِن لمبے چوڑے وعدوں سے ویسرائے کی
رال ٹپک پڑی۔ ویسرائے نے کیا کام کیا کہ ۱۵۵۵ء میں عبداللہ کو پونڈا میں ہی تخت
پر بٹھلا کر اُس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا لیکن اسی سال ویسرائے مذکور مرگیا۔
فرینسسکو برّیٹو (Francisco Barreto) بطورِ گورنر اِس کا جانشین

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۱) قبول خاں نے ہرچند منع کیا اور عرض کیا کہ قاسم بیگ نے بیماری کا بہانہ کیا ہی اور مجھے
اِس میں کھٹکا ہی لیکن عین الملک نے کچھ نہ سُنا جب قریب بنکاپور کے پہنچا تو دیکھا کہ بادشاہ ایک گھوڑے پر
سوار مسطح میدان میں کھڑا ہی اور اپنے سامنے دونوں طرف ہاتھیوں کی لمبی قطاریں لگا دی ہیں۔ چند لوگ
بادشاہ کی طرف سے آگے آکر صلابت خاں اور عین الملک کو اُن قطاروں کے اندر سوار شدہ لے آئے اور
پیچھے سے اَور چند لوگ آکر کہنے لگے کہ بہ لحاظِ آدابِ شاہی مناسب یہ ہی کہ آپ پیدل ہوں۔ عین الملک سمجھا تھا
کہ بہ حالتِ سواری ہی ملاقات ہوجائے گی لیکن یہ لوگ اصرار کرنے لگے۔ عین الملک کو بہت شاق گزرا لیکن
اُس وقت کچھ بَن نہ پڑی ناچار دونوں اُتر گئے اور آگے بڑھ کر بادشاہ کی رکاب کو بوسہ دینا چاہتے تھے لیکن
وہاں تک پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ حکم ہوا کہ دونوں ہمارے ہاتھیوں پر سوار ہوجاؤ۔ ہاتھیوں پر سوار ہوتے
ہی نظام شاہ نے سمجھا کہ اب کیا تھا شکار قابو میں آگیا خدا جانے بادشاہ نے فیلبانوں سے کیا کہہ رکھا تھا کہ
جب قریب بنکاپور کے پہنچے کہ ہاتھی بانوں نے دونوں کے گلے گھونٹ کر اُن کا کام تمام کر دیا اور دونوں کی
نعشیں ہاتھیوں پر سے نیچے گرادیں۔ نظام شاہ نے اَنْ جان ہوکر کہا کہ ڈر کے مارے دونوں کا دم نکل گیا اور
اِن دونوں کو وہیں بنکاپور میں دفن کر دیا۔ لیکن بیجاپور سے دو میل کے فاصلے پر جانبِ مشرق موضع
عینہ پور میں عین الملک کا بہت بلند اور عالی شان مقبرہ اب تک موجود ہی اس کی کرسی بہت بلند ہی اور
قبّہ بے حد سڈول اور خوب صورت ہی مقبرے کے اندر نہایت خوش خط کلام مجید کی آیتیں بخطِ طغریٰ گچ میں منقّش
ہیں جو جا بجا سے جھڑ بھی گئی ہیں۔ مقبرے کے اندر قبریں بھی ہیں اِس مقبرے کے بائیں طرف ایک خوب صورت سی مسجد بھی ہی
عین الملک ۹۶۳ھ مطابق ۱۵۵۶ء میں دنیا سے رخصت ہوا بقولِ فرشتہ بنکاپور میں دفن ہی۔ ممکن ہی کہ مقبرہ اُس نے اپنی زندگی میں
بنوایا ہو لیکن اُس میں مدفون نہ ہوا ۱۲

مقرر ہوا اُس نے عبداللہ کی طرف سے ملک کا محاصل وصول کرنا شروع کیا لیکن ابراہیم عادل شاہ کا ایک سردار سات ہزار فوج لے کر مانع و مزاحم ہوا اور مقابلے کو آن موجود ہوا اور کئی لڑائیاں ہوئیں۔ ابراہیم عادل شاہ بھی بے کار نہیں بیٹھا تھا اُس نے سداسیو راجۂ بیجانگر سے اور پندرہ ہزار فوج کی مدد لی اور شہزادۂ عبداللہ کو جس نے ہل چل مچا دی تھی تخت سے اُتار کر گرفتار کر لیا اور اسی کے ساتھ ہی ساتھ کئی حملے پرتگالیوں پر بھی کیے ۱۵۵۶ء کے سارے جاڑے کے موسم میں یہ لڑائیاں جاری رہیں لیکن کوئی قطعی فیصلہ نہ ہوا۔ سالِ مابعد میں بیجاپور سے تازہ دم فوج مدد کو آن پہونچی اور جزائرِ سالسٹ اور بارڈس پر حملہ کیا لیکن بہ مقام پانڈا شکست کھائی اور اس کے بعد چند روز کے لیے جنگ موقوف رہی۔

ابراہیم عادل شاہ کا انتقال اور علی عادل شاہ کی تخت نشینی ۱۵۵۷ء

ابراہیم عادل شاہ اُنھیں دنوں میں امراضِ متضادّہ میں مُبتلا ہوا بہت سے اطباءِ ہند نے کہ جو اُس کے معتمد علیہ تھے علاج کیا مگر بہ مصداق ع چوں قضا آید طبیب ابلہ شود۔ کسی علاج سے فائدہ نہ ہوا روز بروز حالت دِگرگوں ہوتی گئی۔ بادشاہ نے اِس غصّے میں بہت سے طبیبوں کو مروا ڈالا اور بعضوں کو ہاتھی کے پاؤں کے تلے رَوندوا ڈالا۔ جو بچ رہے تھے وہ اپنی جان کے خوف سے بھاگ گئے حتیٰ کہ ادویہ فروشوں نے بھی ڈر کے مارے دکانیں بند کر دیں۔ بادشاہ امراضِ مُزمِن سے دو سال تک گُھل گُھل کر ۹۶۵ھ مطابق ۱۵۵۷ء کو تیئیس سال کی سلطنت کے بعد دُنیا سے رُخصت ہوا اور قصبۂ کوگی میں احاطۂ شیخ حیدر جدری میں مدفون ہی۔ اِس کے بعد اُس کا بڑا بیٹا علی عادل شاہ تخت نشین ہوا۔

علی عادل شاہ کا رام راج سے دوستی گانٹھنا اور تعزیت کو بیجانگر جانا

نئے بادشاہ نے تخت نشین ہوتے ہی سداسیو راجۂ بیجانگر اور رام راج سے اتحاد و یگانگت کے استحکام کے لیے محمد کشور خاں اور شاہ ابو تراب شیرازی کو بھجوایا اور محمد حسین صدیقی اصفہانی کو بھی

غرض سے حسین نظام شاہ کے پاس جو برہان نظام شاہ کی جگہ تخت نشین ہوا تھا بھجوایا۔
رام راج نے بھی دوستی کا دم بھرا اور بیجانگر میں ایلچیوں کی بڑی آؤ بھگت ہوئی اور بہت اچھی مدارات کی گئی۔ بلکہ رام راج نے اپنی طرف سے ایک معتمد علیہ کو تہنیت اور مبارک بادِ جلوس کے لیے اِن کے ساتھ بھجوایا جو فائز المرام ہو کر واپس آیا لیکن بادشاہ احمد نگر نے ایلچی سے بے رُخی کی اور ایلچی کی خبر تک نہ لی بلکہ اُلٹی بے توقیری کی اور نہ خود جلوس کی مبارک باد بھیجی بلکہ رام راج سے ربط و ضبط کی خبر سُن کر رنجیدہ اور مکدر ہو گیا۔ علی عادل شاہ نے دل میں ٹھان لیا کہ جہاں تک ممکن ہوگا میں بیجانگر سے اتفاق رکھوں گا اور اس مدعا کے حاصل کرنے کے لیے اُس نے ایک عمدہ طریقہ اختیار کیا جس کا حال تاریخ فرشتہ میں حسب ذیل لکھا ہے۔

"علی عادل شاہ کا دلی مقصد یہ تھا کہ اُس کی سلطنت کو جو بڑے بھاری نقصانات اُس کے والد کے عہد میں پہنچے ہیں اُن سے کسی تدبیر سے چھٹکارا پائے اور اس کے لیے بہترین تدبیر یہی تھی کہ راجۂ بیجانگر کو اپنی طرف کرے۔ رام راج کا ایک بیٹا جس سے وہ بے انتہا محبت رکھتا تھا مر گیا تھا حسب صلاح کشور خاں علی عادل شاہ صرف سو سواروں کے ساتھ ماتم پُرسی کو یکایک بیجانگر جا پہنچا[1]۔ رام راج نے بادشاہ کے آنے کی خبر سُن کر اُمرا و اکابرِ شہر کو لشکر کے ساتھ استقبال کو روانہ کیا اور حکم دیا کہ اپنی سرحد رودِ کرشنا سے منزل بہ منزل بہت عزت و احترام اور ضیافت کے ساتھ لے آئیں جب ایک منزل بیجانگر باقی رہا تو رام راج نے سارے شہر کی آراستگی کا حکم دیا اور خود لشکر کے ساتھ پیشوائی کر کے لے آیا۔ پہلی مجلس راجہ کے محل میں ہوئی۔ خلعت ماتمی رام راج اور اُس کے بھائی اور بیوی کو (جس نے پردہ نہیں کیا تھا اور بادشاہ کو منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا) کو پہنا کر عادل شاہ نے رسم تعزیت ادا کی بعد تحفہ و ہدایائے نفیس و شاہانہ اور اٹھارہ لاکھ ہُن و جواہر و موتی اور بہت سے ہاتھی گھوڑے مع زین و لجام مرصع

[1] اس بیان کی تصدیق مورخینِ گول کنڈہ نے بھی کی ہے۔ اِسی طرح سنہ ۱۴۰۶ء میں فیروز شاہ بہمنی بھی کشن دیو رائے کے پاس گیا تھا ۱۲۔

وجواہر کے اور ایک الماس اٹھارہ مثقال کا راجہ کے روبرو رکھوایا۔ راجہ نے بہت خوشی سے تحائف قبول کیئے اور خود بھی بہت خاطر کے ساتھ پیش آیا اور بادشاہ کو محل سرا میں بھی لے گیا۔ رانی نے بادشاہ پر طبق زر وجواہر کے نثار کرکے مسندِ شاہی پہ بٹھایا اور کمال شفقتِ مادری سے بادشاہ کو اپنا بیٹا بنالیا۔ تین دن تک آپس میں دوستانہ ملاقات ہوتی رہی چلتے وقت رام راج خود بادشاہ کو رخصت کرنے نہیں آیا بلکہ اُمرائے شہر اور اپنے برادراں کو بھجوایا۔ یہ بات بادشاہ کو بہت ناگوار ہوئی اور دل میں کبیدہ ہوا لیکن دانش مندی سے غصّے کو پی گیا اور اس موقع پر اپنی نارضامندی کا اظہار تک نہ کیا۔" الغرض اس ملاقات کا کوئی مفید نتیجہ طرفین سے نہ نکلا۔ اِدھر تو بادشاہ پُردل ہوگیا اُدھر رام راج نے جس کا دماغ فلکِ ہفتم پر تھا سمجھا کہ یہ تو ہمارے جانی دشمن ہیں کچھ تو ان پہ ایسی ہی آن بنی جو یہاں تک خوشامد کو آئے۔

رام راج کی چڑھائی میلاپور کے رومن کیتھولک پر ۱۵۵۸ء

گوٹو نے لکھا ہی کہ دوسرے ہی برس ۱۵۵۸ء میں رام راج نے میلاپور پر جو متصل مدراس ہی حملہ کردیا جہاں عیسائیوں کے فرقہ رومن کیتھولک کی بڑی بھاری جماعت رہتی تھی اور سینٹ طامس کا مشہور گرجا بھی تھا۔ پادریوں نے نیگا پاٹم سے لے کر سینٹ طامس تک دریا کے کنارے مقامات پر قبضہ کرلیا تھا اور عیسائیت کی ترویج دیتے تھے۔ اِن مقامات پر عیسائیوں نے بہت سے ہندو معابد اور مندروں کو برباد کردیا تھا جس کی وجہ سے برہمنوں کو سخت صدمہ پہنچا تھا۔ اِن لوگوں نے رام راج کو خبر دی جن کی وہ رعایا تھے اور خواہش کی کہ اُن کی مدد اور نیز ہندو دھرم کی تائید پر آپ کو چلنا چاہیئے اور یہ بھی طمع دلائی کہ عیسائیوں کے پاس بڑی دولت ہی لیکن وہاں پوہنچنے کے بعد کچھ بھی نہ ملا اور رعایا کو بھی اپنا مطیع و فرماں بردار پایا تو رام راج نے کچھ کشت و خون نہ کیا اور ویسا ہی واپس چلا آیا۔

علی عادل شاہ و حسین نظام شاہ کی لڑائی میں علاقہ احمد نگر کی تباہی ۱۵۵۹ء ۱۵۶۰ء

علی عادل شاہ نے بیجانگر سے دارالسلطنت بیجاپور

کو واپس آگرسنہ ۹۷۲ھ میں حسین نظام شاہ کے پاس پیغام بھیجا کہ یہ سب پر ظاہر ہی کہ قلعہ جات شولاپور و کلیانی ہمارے خاندان کے ہیں لیکن ابراہیم عادل شاہ کے زمانے میں اختلالِ کُلّی ہو جانے سے نظام شاہیوں کے تصرّف میں آگیا اگر آپ کو ہماری دوستی اور یاری منظور ہی تو ہر دو قلعے جات ہم کو واپس دیدیجیے اور اگر کسی وجہ سے دونوں قلعوں کا دینا متعذّر ہی تو خیر ایک ہی قلعہ کلیانی کا چھوڑ دیجیے اور مثل گزشتہ دوستی کو قائم رکھیے شاہ حسین انجو جو نظام شاہ کا ہم مجلس تھا اُس نے ہر چند کوشش کی کہ قلعۂ کلیانی واپس دے کر رفعِ نزاع ہو جائے لیکن کچھ اثر نہ ہوا اور روز بروز آتشِ فساد بڑھتی گئی آخر کار علی عادل شاہ نے اور ایک ایلچی سید علی نامی کو بھجوایا اور نامہ لکھا کہ ایسے سنگین معاملات میں تغافل شیوۂ شاہانِ عاقل کا نہیں ہی اگر عواقب اُمور پر خیال فرما کر دونوں قلعے واپس دے دیں تو رسمِ دوستی و اتحاد قائم رہے گی ورنہ یہ یقین جانیے کہ ہماری فوج کشی سے آپ کی رعایا برایا کی خرابی اور فتنۂ عظیم برپا ہو گا۔

چناں کارِ خود را بہ حکمت رواج	بدہ تا نباشد بہ جنگ احتیاج
بہ حکمت تواں کار ہا ساختن	کہ بر کوہ نتواں فرس تاختن
بسے مصلحت ہاست در خسروی	کہ گردد ازاں دین و دولت قوی

حسین نظام شاہ بحری اِس پیغام سے برآشفتہ ہو کر سخت سُست کہنے لگا کہ اُن الفاظ کا دُہرانا بھی نامناسب ہی۔ اِسی بات پر لڑائی شروع ہو گئی۔ فرشتہ نے لکھا ہی کہ "سنہ ۹۷۰ھ مطابق سنہ ۱۵۵۹ء میں علی عادل شاہ اور رام راج دونوں نے مل کر نظام شاہ کی ملک کو نصفا نصف تقسیم کر لیا اور ایسا تاراج کیا کہ ایک طرف پریندہ سے لے کر جنیر تک اور دوسری جانب احمد نگر سے دولت آباد تک آبادی کا نشان باقی نہ چھوڑا بیجانگر کے لوگ تو مدّتوں سے بھرے بیٹھے تھے اور اُن کا دانت مسلمانوں کی سلطنت پر تھا ایسا موقع پھر کہاں ملتا تھا غرض خوب حلے پھپولے پھوڑے اور کوئی ظلم نہ تھا جو اُنھوں نے نہ کیا ہو مسلمانوں کی عزّت ریزی اور توہین کی مسجدوں کو ڈھا دیا اور قرآن شریفوں کو جلا دیا" ہندوؤں کے اِس ظلم و ستم نے تمام مسلمانوں کے دلوں میں

جوش پیدا کر دیا نظام شاہ نے بہ مشورتِ حکیم قاسم بیگ وشاہ جعفر برادرِ شاہ طاہر و شاہ حسین انجو قلعۂ کلیانی عادل شاہ کے سپرد کیا اور علی عادل شاہ اور رام راج اپنے اپنے ملک کو واپس چلے گئے - ہندوؤں کے اس طرزِ عمل سے مسلمانوں کے دلوں میں ایک عام جوش پیدا ہو گیا اور نہ صرف رعایائے سلطنتِ گول کنڈہ برہم ہوئی اور انتقام لینے پر طیّار ہوئی بلکہ بادشاہ بیجاپور اور اُس کے کل باج گزار راے بیجانگر کے مقابلے پر آمادہ ہو گئے اور سلطنتِ بیجانگر کے زوال اور تباہی کا یہی بڑا بھاری سبب ہوا۔

ساحلِ ملیبار پر پرتگالیوں کے مظالم ۱۵۵۸ء

۱۵۵۸ء میں ڈام کانسٹنٹین ڈی براگانزا[1] گوآ کا ویسراے مقرر ہوا جس کا عہد ظلم و زیادتی کے لیئے زبان زدِ خاص و عام ہے ۱۵۵۹ء میں لوئی ڈی ملو نے ساحلِ ملیبار کے مقامات پر تلوار اور آگ کا مینہ برسا دیا - منگلور پر حملہ کیا ساری آبادی کو قتل کر کے شہر کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا اور اسی طرح ساحل پر جتنے قصبات اور شہر تھے سب کا خاتمہ کیا ۱۵۶۰ء میں گوآ میں آرچ بشپ کا عہدہ قائم ہوا جس نے فرانس کی صلیبی جنگ کو بھی بھلا دیا - گوآ اور اُس کے مقامات کے لوگوں کو بہ جبر عیسائی بنانا شروع کیا جس نے انکار کیا اُسے طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں اور قید میں ڈال دیا - برابر چار سال تک یہی لوٹ مار اور طوفانِ بے تمیزی برپا رہا ۱۵۶۴ء میں ویسراے نے مسکوئیٹا[2] کو تین جہاز دے کر بھیجا کہ ملیباریوں کے جہازوں کو تباہ کر دو - مسکوئیٹا نے آتے ہی چوبیس جہاز پکڑ لیئے اور دو دو تین تین کو ملا کر ڈبونا شروع کیا - بہت سے لوگوں کے سر کاٹ ڈالے بہتوں کو بادبانوں میں لپیٹ کر سمندر میں پھینک دیا - قصّہ مختصر اس طرح دو ہزار آدمیوں کا خاتمہ ہوا - باشندگانِ ملیبار ان مظالم کی تاب نہ لا سکے اور چیخ اُٹھے - مرتا کیا نہ کرتا باشندگانِ ملک

---

[1] Dom Constantine de Braganza

[2] Mesquita

نے ارادہ کرلیا کہ جس طرح بھی ہو ان ظالموں کے پنجے سے نجات حاصل کرنی فرض ہی۔ اِسی وجہ سے کناور پر پرتگالیوں سے ایک بڑی بھاری لڑائی ہوئی کہ جس میں نارونہا سپہ سالارِ فوج نے ملک کو تباہ کر ڈالا اور چالیس ہزار تاڑ اور کھجور کے درخت کاٹ کر ملک کو ننگا کر دیا جب کہیں بعد از خرابیِ بصرہ صلح ہوئی۔

Noronha ؎

پندرھواں باب

بیجانگر کی بربادی ۱۵۶۵ء

رام راج کی مدد سے پھر احمد نگر پر لڑائی اور شہر کی تباہی

ملک کے اندرونی حالات میں آہستہ آہستہ تغیر و تبدل ہوتا چلا جا رہا تھا اگرچہ علی عادل شاہ اور رام راج دونوں نے نظام شاہ کی سلطنت کو آپس میں بانٹ لیا تھا لیکن پھر اس شرط پر صلح ہو گئی کہ قلعۂ کلیانی بیجاپور کو واپس دے دیا جائے[1]

[1] بادشاہانِ احمد نگر کے حالات میں تاریخ فرشتہ نے اس واقعے کی نسبت ایک دلچسپ بات لکھی ہے کہ نظام شاہ کی خواہش تھی کہ بیجانگر سے صلح ہو جائے رام راج نے بھی چند شرائط سے اسے منظور کر لیا ان میں سے ایک شرط تو یہ تھی کہ قلعۂ کلیانی بیجاپور کو واپس دے دیا جائے اور دوسری شرط یہ تھی کہ نظام شاہ جا کر رام راج سے ملاقات کرے اور اُس سے پان کا بیڑا لے۔ حسین نظام شاہ بے چارہ ایسا مجبور تھا کہ اُسے کچھ بن نہ پڑی اور ان سخت شرائط کو منظور کرنے کے سوا مفر نہ تھا ناچار رام راج کے قیام گاہ پر گیا مگر رام راج اُس کی پیشوائی تک کو نہ آیا۔ جب بادشاہ ڈیرے میں داخل ہو گیا تب البتہ رام راج تعظیماً کھڑا ہو گیا اور بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا بادشاہ دل میں جلا ہوا تو تھا ہی اُس نے وہیں سیلابچی آفتابہ منگا کر ہاتھ دھوڈالے جس سے صاف ظاہر تھا کہ رام راج کے چھونے سے ہاتھ ناپاک ہو گئے۔ رام راج کو بادشاہ کی یہ حرکت ازحد ناگوار ہوئی اور کہنے لگا کہ وہ کیا کروں مہمان کی خاطر ہی ورنہ ابھی مزہ چکھا دیتا اور اُس نے بھی وہیں پانی منگا کر اپنے ہاتھ دھوڈالے اس کے بعد بادشاہ نے قلعے کی کنجیاں رام راج کو دے دیں ۱۲۔

لیکن جوں ہی اِن دونوں نے پیٹھ موڑی حسین نظام شاہ اور ابراہیم قطب شاہ دونوں
نے مل کر پھر علی عادل شاہ پر چڑھائی کردی - اِس مرتبے بھی علی عادل شاہ نے رام راج
سے مدد طلب کی رام راج کب چوکنے والا تھا (وہ تو مسلمان بادشاہوں کو لڑا کر تماشا دیکھنا
چاہتا تھا مثل مشہور ہے کہ دو کی لڑائی میں تیسرے کی بھلائی) پچاس ہزار سوار دو لاکھ
پیدل لے کر آن ہی پہنچا ۔

زلشکر جہاں آں چناں گشت پُر	کہ از تنگیِ بحر بشکست دُر
زبسیاریِ لشکرِ بے حراس	زعالم برافتاد رسمِ قیاس

دونوں لشکر کلیانی پر ملے لیکن قطب شاہ عادل شاہ سے جا ملا اکیلا حسین نظام شاہ کیا کرتا۔
بے چارہ مجبوراً احمد نگر کو پلٹا۔ پلٹنا ہی تھا کہ اُس کی دار السلطنت میں پہنچ کر اُس کی خبر لی
"ان تینوں (علی عادل شاہ۔ قطب شاہ۔ رام راج) نے مل کر احمد نگر کا محاصرہ کر لیا
اور مُلک میں چوطرف فوج پھیلا کر خوب لوٹ مار کی بالخصوص بیجانگر کے ہندوؤں نے
تو ادھا دھند مچا دی عمارات کو جلا دیا اور ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا مسجدوں کے
اندر اپنے گھوڑے باندھے اور مسلمانوں کی مقدس عبادت گاہوں میں اپنی پوجا پاٹ
کرنے لگے۔

شہر و بازارِ احمد نگر	شد از صدمۂ قہر زیر و زبر
ہمہ گشتہ شد طعمۂ چارپائے	نماند اندراں مرز چیزے بجائے

قلعے کا محاصرہ بڑی شد و مد سے جاری رہا محصورین بھی بڑی ہمت و استقلال سے
مقابلہ کرتے رہے اُن کو یہ اُمید لگی ہوئی تھی کہ برسات کے آتے ہی غنیم خود محاصرہ اُٹھا
لیں گے۔ جب بارش شروع ہوئی طغیانی اور نمی اور سامانِ رسد کے کم پڑ جانے سے
غنیم کے لشکر میں سراسیمگی پھیل گئی۔ قطب شاہ نے بھی محصورین سے خفیہ مراسلت
رکھی اور اُن کو درپردہ غلہ پہنچاتا رہا بالآخر محاصرہ اُٹھا لیا گیا اور دشمن متفرق ہو کر اپنے
اپنے مقاما پر چلے گئے" علی عادل شاہ کی پہلی مہم کے وقت جو اُس نے حسین نظام شاہ
پر کی تھی اور رام راج نے مدد بھی دی تھی ہندوؤں نے احمد نگر کو خوب تباہ کیا اور

مسلمانوں کی مذہبی تذلیل میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا مسجدوں میں بھی بھجن گاتے اور بُت پرستی کرتے تھے بادشاہ کو اس توہینِ مذہب اسلام سے سخت صدمہ ہوا لیکن بے دست و پا مجبور تھا سُنی کی اَن سُنی کردی۔ اس مُہم کے ختم پر رام راج نے بھی دیکھ لیا کہ مُسلمان بادشاہوں میں کچھ دم نہیں رہا اس وجہ سے اسلامی ایلچیوں کی بے قدری کرنے لگا جب کبھی ایلچی اُس کے دربار میں حاضر ہوئے تو اُن کو بیٹھنے تک کی اجازت نہ دیتا تھا بڑی حقارت اور تکبر سے اُن سے پیش آتا تھا اور اپنی جلو میں اُن کو پیدل چلاتا تھا اور بدون اُس کے حکم کے اُن کی مجال نہ تھی کہ سوار ہوسکیں۔ اس مہم کے بعد ہندو نلدرگ کو واپس آئے اور اُس کے لشکر کے عہدے داروں اور سپاہیوں نے عموماً مُسلمانوں سے گستاخی چھیڑ چھاڑ اور حقارت کی گفتگو شروع کردی اور رام راج نے چلتے وقت سلطنت قطب شاہ اور عادل شاہ پر بڑے شوق کی نگاہ ڈالی اور دونوں مُلکوں کی سرحد پر اپنی فوج بھیج دی"۔ دونوں بادشاہوں نے مجبوراً کچھ علاقے جات ہندوؤں کو دے کر یہ بلاٹالی قلعۂ کویل کنڈہ۔ گنتور اور پانگل ہندوؤں کو مل گیا اور یہ ہندوؤں کی آخری فتح تھی۔

بیجانگر کے مُقابلے کے لیے شاہانِ اسلام کا ایکا

رام راج ہمیشہ مسلمانوں کا ملک دباتا چلا جاتا تھا آخر کار عادل شاہ نے مصمم ارادہ کرلیا کہ ممکن ہو تو اُس کو اس بے باکی کی سزا دی جائے اور تمام مُسلمان بادشاہ مل کر اُس کی طاقت کو گھٹائیں اس مشورے کے لیے بادشاہ نے اپنے دوستوں اور معتبر صلاح کاروں کی مجلس شوریٰ مقرر کی۔ ؎

خدیو جہانگیر لشکر شکن	پئے مشورت ساخت یک انجمن
زدرج سخن برسرِ بحرداں	بدست و زباں شد جواہر فشاں
سخن راندز اندازۂ کارِ خویش	زفیروزیِ خویش و پیکارِ خویش

بعض اُمرا نے عرض کی کہ راجۂ بیجانگر بہت دولت مند اور طاقت ور ہے اور اُس کے مُلک کی آمدنی اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ علاوہ ایک وسیع ملک کے ساتھ بندرگاہوں

سے تو اُس کو خراج آتا ہی اور لشکر بھی اُس کا بے انتہا ہی ان وجوہ سے تن تنہا کسی بادشاہ کا اُس سے مقابلہ کرنا ناممکن ہی تب اِن لوگوں نے بادشاہ کو اِس بات پر آمادہ کیا کہ دکن کے سب بادشاہ مِل کر اُس سے جنگ کریں۔ علی عادل شاہ نے اِس رائے سے بالکل اتفاق کیا اور ایک ایلچی کو خُفیہ طور پر ابراہیم قطب شاہ کے پاس بھیج دیا ابراہیم قطب شاہ نے اِس بات کو منظور کر لیا اور علی عادل شاہ اور بادشاہِ احمد نگر کے بیچ میں پڑ کر صلح کرا دینے کا بھی وعدہ کیا اور ایک ایلچی سید مصطفےٰ خاں اردستانی کو احمد نگر روانہ کیا۔ حسین نظام شاہ کو اِس کی خبر پہلے ہی لگ گئی تھی اُس نے ایلچی کو تخلیے میں بُلایا۔ ایلچی نے تمام واقعات اور بادشاہ کے مافی الضمیر کا اظہار کیا۔ ایلچی نے عرض کیا کہ بہ زمانۂ سلطنتِ بہمنیہ تمام مُلک ایک ہی بادشاہ کے تحتِ حکومت تھا اور اُن کا اور رائے بیجانگر کا لشکر بھی برابر سرا بر تھا لیکن اب مُسلمانوں کی قوت تقسیم ہو گئی ہی اس وقت یہ امر بہت ضروری ہی کہ سب بادشاہ آپس میں مِل جائیں اور مستحکم دوستی اور اتحاد قائم کریں تب ممکن ہی کہ ہم رائے بیجانگر کے آئے دِن کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں جس نے کرناٹک کے تمام راجاؤں کو اپنا مطیع کر لیا ہی یہی ایک صورت ہی جس سے اُس کی طاقت گھٹ سکتی ہی اور تب ہی ممالکِ اسلامیہ اُس کے دست بُرد سے نجات پا سکتے ہیں۔ مختلف سلطنتوں کی رعایا جو بادشاہوں کے ہاتھ میں اللہ تعالےٰ کی ایک امانت ہی اُن کو اِن ہندوؤں کے مظالم سے نجات دلوانا ہمارا فرض ہی تاکہ مسجدیں اور دوسرے مقامات آیندہ کفار کی مداخلت سے محفوظ رہیں"

نظام شاہیہ اور عادل شاہیہ خاندانوں میں آمنے سامنے کی شادیاں

اِن باتوں نے بادشاہ کے دل پر گہرا اثر کیا اور حسبِ مشورت حکیم قاسم بیگ تبریزی و مُلا عنایت اللہ قاینی جو احمد نگر کے رؤسا تھے یہ بات ٹھیری کہ حسین نظام شاہ اپنی بیٹی چاند بی بی سلطانہ کی شادی علی عادل شاہ سے کر دے اور شولاپور اُس کے جہیز میں دے دے اور حسین نظام شاہ کا بیٹا مرتضیٰ علی عادل شاہ کی ہمشیرہ ہدیہ سلطانہ سے شادی کرے اِس طرح دونوں سلطنتوں میں اتحاد اور یگانگت قائم ہو کر

متفقہ کوشش سے سلطنت بیجانگر کو تباہ کرنے کا اچھا موقع ملے گا چنانچہ ملا عنایت اللہ اور مصطفیٰ خاں اردستانی بیجاپور آئے اور بات پکی کر کے واپس چلے گئے۔ ایک تاریخ طرفین سے مقرر ہوئی اور شہر و بازار بیجاپور و احمد نگر انواع و اقسام کے تکلفات و آرائش سے آراستہ کیے گئے اور دونوں مقامات پر جشنِ دل کشا ہو کر شادیاں ہو گئیں۔

فرو ریخت چوں قطرہ زابرِ بہار	زر و گوہر و لولوءِ شاہوار
زبس گوہر و زر کہ افشاندہ شد	زبر چیدنش دست ہا ماندہ شد

دونوں شہروں میں جب مہمانی اور میزبانی ختم ہو گئی تو چاند بی بی سلطانہ بیت الشرف بیجاپور میں تشریف لا کر قران السعدین ہوا اور ہدیہ سلطانہ نے اپنے نور مو نور السرور سے احمد نگر کو منور کیا گویا زہرہ و مشتری کا قران ہوا۔ اس طرح بہ حسن و خوبی یہ دونوں شادیاں ختم ہوئیں بعد ازاں دونوں بادشاہوں نے جنگ کی طیاریاں بھی شروع کر دیں۔

تالی کوٹہ پر لشکر کشی

"علی عادل شاہ نے جنگ شروع کرنے کے لیے یہ حجت نکالی کہ رام راج کے پاس ایک ایلچی بھیجا اور لکھا کہ مقاماتِ قلعۂ مدگل و رایچور وغیرہ جو انھوں نے مسلمانوں سے چھین لیے ہیں وہ واپس دے دیں علی عادل شاہ جو سوچے بیٹھا تھا وہی ہوا کہ رام راج نے سیدھا الٹا کچھ بھی جواب نہ دیا ایلچی کو ذلیل کر کے دربار سے نکلوا دیا اس پر دونوں بادشاہ لڑائی پر آمادہ ہو گئے اور جلد جلد طیاریاں ہونے لگیں"۔ ابراہیم قطب شاہ بھی ان میں مل گیا اور چاروں بادشاہ یعنی خود عادل شاہ ابراہیم قطب شاہ حسین نظام شاہ بحری اور علی برید میدانِ جنگ میں اپنی اپنی فوج لے کر جمع ہوئے

سرانِ سپہ رایت افراختند	روا رو بہ عالم در انداختند
ز لشکر کہ عرضش بہ فرسنگ بود	بیاباں بہ نخچیر بر تنگ بود
ہمہ روئے صحرا شدہ نوبہار	ز رنگیں علم ہائے گوہر نگار

اور ۲۰ جمادی الاولیٰ ۹۷۲ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۵۶۴ء یوم دوشنبہ کو جنگ پر روانہ ہوئے تک دکن کے وسیع میدانوں پر سے ان کا گزر ہوا کھیتوں میں جو فصل کھڑی ہوئی تھی وہ سواروں کے ہزاروں گھوڑے روندتے اور چرتے گئے۔ چلتے چلتے کرشنا ندی کے

قریب قصبہ تالی کوٹہ پر پونہچے یہ ایسا مقام ہی کہ جو اِس عظیم الشان لڑائی کے سبب سے تواریخ جنوبی ہند میں ہمیشہ مشہور رہے گا - دریاے ڈون و کرشنا کا جہاں سنگم ہوا ہی اُس سے (۱۶) میل چڑھ کر تالی کوٹہ ہی اور جہاں اب ریل کرشنا پر سے گزرتی ہی وہاں سے (۶۵) میل غرب میں واقع ہی - یہ موسم فوجوں کی نقل و حرکت کے لیئے بہت ہی موزوں تھا کہ مطلع صاف تھا اور ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں - اِس مقام پر عادل شاہ نے جو اِس ملک کا بادشاہ تھا دوسرے بادشاہوں کی مہماں نوازی شاہی طریقے پر کی بہت دنوں تک لشکر پڑے رہے اُن کے عبور و مرور اور کمسریٹ کا سامان ہوتا رہا - جاسوس بھی بھیجے گئے تھے کہ کون سا موقع عمدہ ہی جہاں سے دریا پار ہوں - بیجانگر والے تو اپنے گھمنڈ میں مطمئن تھے وہ جانتے تھے کہ بارہا مسلمانوں نے بیجانگر پر حملہ کیا ہی مگر ایک دفعہ بھی کامیاب نہ ہوے اور برابر دو صدیوں سے یہی سلسلہ چلا آرہا ہی - ہر شخص معمولی

سلہ فی الحقیقت اِس مقام پر لڑائی نہیں ہوئی بلکہ دریا کے جنوب میں کئی میل ہٹ کر ہوئی - تالی کوٹہ کرشنا سے (۲۵) میل شمال میں واقع ہی - یہ لڑائی رام راج کے کیمپ میں ہوئی جو دریا کے جنوب میں دس میل کے فاصلے پر واقع تھا - اِس لڑائی کا ٹھیک مقام کون سا تھا معلوم نہیں ہوتا لیکن اغلب ہی کہ یہ مقام مدگل ہوگا جہاں کہ ایک مشہور قلعہ ہی اور جو دریاے کرشنا کے شمال اور دریاے تنگ بھدرا کے جنوب میں واقع ہی - مسلمانوں کا لشکر موضع انگلگی کے پاس سے اُترا جہاں کہ دریا نے خم کھایا ہی اور پایاب ہی - یہ لڑائی مواضع بایاپور اور بھوگاپور کے درمیانی میدان میں ہوئی پائی جاتی ہی - یہ مقامات اُس سڑک پر واقع ہیں جو انگلگی سے مدگل جاتی ہی - انگلگی کرشنا ندی کے پار سرکار انگریزی کا علاقہ ہی اور بایاپور - بھوگاپور اور مدگل ہر سہ مقامات سرکار عالی نظام کے علاقے میں ہیں بایاپور سے مدگل تخمیناً (۶) میل کا فاصلہ ہی اور سپاٹ میدان ہی خاکسار کو موقع دریافت سے معلوم ہوا کہ جہاں سے مسلمانوں کا لشکر اُترا وہ مقام ایچن پور تھا جو انگلگی کے محاذی دریا کے دوسرے کنارے پر ہی - اِس موضع کا اصلی نام ایچل پور تھا - ایچل کنٹری میں املی کو کہتے ہیں - اِس گاؤں کے سامنے مسجد کے روبرو ایک املی کا بڑا درخت تھا جو اب گر گیا ہی کثرتِ استعمال سے ایچن پور ہوگیا اور اب اسلام پور کے نام سے مشہور ہی - اِس نام سے ظاہر ہی کہ بادشاہانِ اسلام نے یہ نام رکھا ہوگا - اِس جگہ دریا میں پانی بہت کم رہتا ہی اور یہی مقام لشکر اُتارنے کے لیئے موزوں ہی چنانچہ ۱۸۵۸ء میں بنگلور سے جھانسی جاتے ہوے جیوین گارڈن ہارس کیولری کی تین ہزار فوج و ہمراہیان اِسی مقام سے ندی پار ہوے تھے اور ہمیشہ فوج ۱۲ اب بھی اِسی مقام سے دریا پار ہوتی ہی ۱۲-

طور پر اپنے کاروبار میں مصروف تھا کسی کو لڑائی کا کھٹکا نہ تھا۔ بیلوں کے ٹانڈے سامان تجارت بے فکری سے ملک میں لاتے اور لے جاتے تھے مگر انھیں خبر نہ تھی کہ ان کے سروں پر بال کے سہارے تلوار لٹک رہی ہی۔ سداسیو برائے نام بادشاہ تھا وہ اپنی بیکار زندگی کے دن عیش و آرام میں بسر کر رہا تھا جو کچھ تھا رام راج ہی تھا۔ وہ دشمنوں کی نقل و حرکت کی خبریں پاتا تھا مگر اُس کے طنطنے میں ذرا فرق نہیں آیا وہی اطمینان خاطر تھا اور وہی بے پروائی۔ اپنے سامنے کسی کی حقیقت سمجھتا ہی نہ تھا۔ بادشاہوں کے ایلچیوں کو دھتکار دیتا تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کی دشمنی سے ہمارا بال بیکا نہ ہوگا تاہم وہ ضروری احتیاطوں اور پیش بندی سے غافل نہ تھا اُس نے پہلا کام تو یہ کیا کہ اپنے بھائی ترمل راج کو بیس ہزار سوار اور ایک لاکھ پیدل اور پانسو ہاتھی دے کر سرحد پر بھیج کر کرشنا کے تمام گھاٹوں کو روک دیا اس کے بعد اُس نے اپنے بھائی ونکٹادری کو ایک بڑی بھاری فوج کے ساتھ روانہ کیا اور سب سے آخر خود بیجانگر کی باقی ماندہ فوج لے کر چلا اور اپنی پوری طاقت فراہمیِ لشکر میں صرف کر کے جہاں لڑائی ہونے والی تھی وہاں جا پہنچا۔ ؎ ۵

گرائید عفریتِ آشوبناک ستابندہ چوں اژدہا بر ہلاک

بیجانگر کا لشکر مختلف صوبوں سے جمع کیا گیا تھا اُس میں کنٹرے اور تلنگے سرحدی مقامات سے لیے گئے تھے۔ میسوری اور ملیباری غربی و وسطی حصۂ ملک سے اور تامل جنوبی اضلاع بعیدہ سے اکھٹے کیے تھے۔ ہر ملک کی فوج اپنے اپنے سرداروں کے تحت میں تھی۔ فوج میں جدید عہدے سپہ سالاروں کے قائم کر کے لشکر اُن کے تفویض کر دیا تھا۔ کوٹو نے لکھا ہی کہ اس موقعے پر چھ لاکھ پیادے اور ایک لاکھ سوار جمع تھے لیکن مسلمانوں کے پاس اس کی آدھی فوج بھی نہ تھی۔ بیجانگر کی فوج کس درجہ آراستہ و مسلح تھی اُس کا حال پینیز نے اس لڑائی سے (۴۵) برس پیشتر لکھا ہی جب کہ اُس نے بچشم خود ایک

سلہ کوٹو نے لکھا ہی کہ رام راج کو مسلمانوں کے لشکر کے بڑھنے کی خبر ہی نہ تھی اور جب تک لشکر اُس کے علاقے میں داخل نہیں ہوگیا اُسے کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ ایک دن یہ شب کو کھانا کھا رہا تھا کہ اُسے خبر ملی لیکن یہ بات بالکل خلافِ قیاس ہی کہ رام راج جیسا بے دار مغز ایسا غافل رہا ہو۔

بہت بڑی جنگی قواعد کے وقت دیکھی تھی اور وہ اُس کے وقائع میں ملاحظہ طلب ہی - پنیر نے جس فوج
کو دیکھا تھا وہ باقاعدہ تھی اِس کے علاوہ لڑائی کے وقت اَور نئی فوج بھرتی کرلی جاتی تھی جس میں
زیادہ پابندی لباس کی نہیں ہوتی تھی بلکہ بعض دھوتی کے سوائے کچھ نہ پہنتے تھے اور اُن کے
پاس برچھا یا خنجر کے سوائے کچھ ہتیار بھی نہ ہوتے تھے - یہی اِس زمانے کے بیڈروں کا لباس
ہی - یہ لوگ چھال میں کپڑوں کو رنگ لیتے تھے جو اِس زمانے کے خاکی فوجی لباس سے زیادہ
سُرخی مائل تھا اس میں ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ کسی کو زخم لگا تو خون کا دھبہ کم نمایاں ہوتا تھا
عموماً اُن کے ہاتھوں میں برچھے اور بعض کے پاس تلواریں - جنبیہ - اور خنجر رہا کرتے تھے
مسلمانوں کا لشکر کہیں دُور اُترا تھا - جاسوسوں نے آکر خبر دی کہ دشمنوں نے دریا کے سب گھاٹ
اِس طرح رُوک لیے ہیں کہ گزر وہم کا بھی نہیں ہوسکتا گنجائش فوج آنے کی کہاں - شاہانِ
اسلام نے یہ حالت دیکھ کر جاسوسوں کو دوڑایا کہ یہاں سے تین چار منزل ہٹ کر ندی سے
اُترنے کا مقام دریافت کرکے خبر لائیں تاکہ وہیں سے ہم لشکر کو اُتاریں - جاسوسوں نے
آکر خبر دی کہ دو تین جگہ گھاٹ اُترنے کے قابل تو ہیں اور پانی بھی کم ہی سامان کی ہنڈیاں
وغیرہ بھی گزر سکتی ہیں لیکن اِن سب مقامات کو دشمنوں نے روک رکھا ہی اور دیواریں کھینچ
کر اُن پر آتش بازی رکھ دی ہی وہاں سے گزر ناممکن ہی - اِس کے بعد سب بادشاہوں نے
مشورت کی اور باتفاقِ رائے یہ بات قرار پائی کہ اِس موقع پر چال چلنی چاہیئے بہ مصداق
الحرب خدعۃ[2] ہم کو ایک ایسے مقام پر جو یہاں سے دو تین منزل کے فاصلے پر ہو چلنا چاہیئے
وہاں سے اُترنے کا سامان کریں دشمن دھوکا کھا کر اُس طرف جھک پڑے گا تب ہم واپس
آکر اِسی مقام سے اُتر جائیں گے - حسبِ مشورہ لشکرِ اسلام برابر دو تین منزل کوچ کرکے اُس مقام پر
پہونچ گیا اور کشتی اور ٹوکرے وغیرہ سامانِ عبور کی طیاری کرنے لگے - ہندوں نے دریا کے
جنوب میں تمامی مقامات کی ناکہ بندی کرکے گھاٹوں پر توپیں لگا دی تھیں اور برابر پل پل

---

[1] ترٹوڑا ایک قسم کے چھوٹے چھوٹے پودے ہوتے ہیں جس کے زرد پھول ہوتے ہیں اِس ملک میں کثرت سے اُس کی جھاڑسی ہی
اور چمڑے کے رنگنے میں بہت کام آتا ہی اِس کی چھال سے کپڑا جو رنگا جاتا ہی اُس کا رنگ کتھے چونے کے گہرے رنگ کا ہوتا
ہی اور پختہ ہوتا ہی ۱۲ [2] لڑائی تو صرف ایک چھل دینا ہی ۱۲ -

کی نقل و حرکت کی خبر رکھتے تھے جب انھیں معلوم ہو گیا کہ مسلمان فلاں گھاٹ سے اُترنے والے ہیں اپنے مقامات خالی چھوڑ کر ٹھیک اُس مقام کے محاذی جہاں سے مسلمان پار اُترنے کا سامان کر رہے تھے روکنے کے لیئے جا پونہچے۔ مسلمان تو یہ چاہتے ہی تھے تھوڑی سی منتخب شاہی فوج تین دن کی منزل شبا شب یلغار طے کر کے غروب آفتاب تک اُس گھاٹ پر پلٹ آئی جہاں سے پہلے اُترنا مقصود تھا۔ رام راج کا لشکر پیچھے رہ گیا اور ابھی پونہچنے بھی نہ پایا تھا کہ مسلمانوں کی تھوڑی سی فوج ندی کے پار ہو گئی اِس کے بعد پھر کیا تھا باقی لشکر بھی بہ تدریج اُتر گیا۔ یہ مسلمانوں کی چالاکی اور ایک بڑا داؤ تھا۔ تین دن تک تو مسلمانوں کے لشکر خاموش پڑے رہے۔ چوتھے دن علی الصباح رام راج کے لشکر کی طرف روانہ ہوے۔ رام راج یہ خبر پاکر گھبرایا اور تمام شب فوج کی طیاری کرتا رہا اور سوا اِس کے مفر نہ تھا کہ جنگ کے لیئے آمادہ ہو جاے جس گھاٹ سے مسلمانوں کا لشکر اُترا تھا وہاں سے ہندوؤں کے لشکر کا صرف (۱۰) میل کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ ونکٹادری اور ترمل دونوں اپنے بھائی رام راج کے پاس پہلے ہی پونہچ چکے تھے۔

جنگ تالی کوٹہ اور مسلمانوں کی فتح کامل ۱۵۶۵ء

دوسرے روز ۲۳ جنوری ۱۵۶۵ء کو بروز شنبہ[۱] دونوں طرف طیاریاں ہو کر لڑائی شروع ہو گئی۔ تاریخ فرشتہ میں بیجانگری افواج کی تعداد نو لاکھ پیدل (۴۵) ہزار سوار۔ دو ہزار زنجیر فیل اور متفرق امدادی فوج پندرہ ہزار درج ہے۔ فرشتہ نے مختلف مقامات پر فوج کی تعداد مختلف بتلائی ہے اس سے اِس تعداد کے بالکل ٹھیک ہونے میں شک ہے تاہم یہ تو یقینی بات ہے کہ فوج کی تعداد بہت بڑھی ہوئی تھی۔ شاہان اسلام نے علم دوازدہ امام کے برپا کیئے اور صفیں لشکر کی آراستہ کیں میمنہ پر خود علی عادل شاہ موجود تھا۔ لشکر کے قلب میں حسین نظام شاہ اور میسرہ پر ابراہیم قطب شاہ و علی برید بادشاہان گول کنڈہ و بیدر تھے۔ احمد نگر اور گول کنڈہ کی افواج لمبان میں پھیل گئیں اور توپ خانے کو بیچ

[۱] اس لڑائی کی تاریخ فرشتہ نے ۲۰ جمادی الثانیہ ۹۷۲ھ روز جمعہ لکھی ہے لیکن جنتری کے حساب سے اِس تاریخ کو منگل کا دن پڑتا ہے نہ کہ جمعہ کا۔ ۱۲

میں لے لیا جنگی ہاتھیوں کو جا بجا حسبِ دستور و قاعدہ کھڑا کر دیا طبلِ سکندری و کرنائے اورنگی و طبل ڈھنکہ وغیرہ اس زور و شور سے گونجے کہ آسمان و زمین ہِل گئے۔ ؎

زغرّیدنِ کوسِ قلب تہی	در آمد بسر موے را فرہی
زبس تیز آوازیٔ نائے زر	بگوشِ صدف سُفتہ می شد گہر
زبس گفتی از یک دگر می دریدہ	سرافیل صورِ قیامت دمید

دوسری جانب سے راے بیجانگر کی افواج نے بھی افسرانِ فوج کو بلا کر استمالت کی اور فوج میں ہتیار تقسیم کیئے اور لشکر کی آراستگی شروع کی۔ میسرہ ترمل راج کے سپرد کیا گیا جو عین ابراہیم عادل شاہ کے مُقابلے میں تھا اور میمنہ وِنکٹادری کو بہ مقابل علی برید و قطب شاہ کے دیا اور قلبِ لشکر میں خود رام راج بہ مقابلہ حسین نظام شاہ کے رہا۔ دو ہزار زنجیرِ فیل اور ایک ہزار توپوں کو جا بجا حسبِ قاعدہ ترتیب دے دی۔ نظام شاہ[1] کے لشکر کے سامنے تین قطاروں میں چھ سو توپیں لگی ہوئی تھیں۔ سب سے آگے بڑی بڑی بھاری توپیں تھیں دوسری قطار میں اُس سے چھوٹی اور سب سے پچھلی قطار میں سب سے چھوٹی۔ نظام شاہ کے

---

[1] تالی کوٹے کی لڑائی میں علاوہ ہزاروں توپوں کے بیجانگر کی مشہور توپ مُلکِ میدان بھی لائی گئی تھی جو اس وقت بیجاپور میں ایک سب سے بڑی بُرج پر جو مکّا اور شاہ پور دروازے کے درمیان واقع ہی رکھی ہوئی ہی۔ یہ توپ بیجاپور میں سب سے بڑی توپ ہی اور میں خیال کرتا ہوں کہ اس قسم کی دو توپیں اُور ہیں ایک بیدر میں اور دوسری دولت آباد میں لیکن یہ اُن سب سے بڑی ہی۔ یہ توپ (۱۴) فٹ (۴) انچ لمبی ہی اس کا قُطر (۴) فٹ (۱۱) انچ ہی اور دہانہ دو فٹ چار انچ اس کا وزن ساٹھ کھنڈی ہی (ایک کھنڈی (۲۰) من کی ہوتی ہی) بعد میں اس کا وزن کیا گیا تو تین ہزار دو سو رطل تھا یہ توپ آٹھ دھاتوں سے بنائی گئی ہی۔ احمد نگر میں حسین نظام شاہ بادشاہ کے حکم سے ایک رومی کاریگر نے بنائی تھی جہاں ڈھالی گئی تھی وہ مقام اب تک موجود ہی۔ سلطان محمد بادشاہ غازی اس توپ کو قلعہ پرینڈہ پر لے گیا تھا جو بیجاپور سے سو میل کا فاصلہ ہی جب اُس قلعے کو فتح کرلیا تو ۵ اصفر ۱۰۴۲ھ مطابق ۱۶۳۲ء کو قلعے کی فتح کی یادگار میں بادشاہ کے حکم سے مُرارِی ہنڈت نے پرینڈہ سے لاکر بیجاپور میں رکھی۔ اس توپ کا دہانہ اژدہے کے مُنہ کی شکل کا ہی اور اس پر جو کتبے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ توپ ۹۵۶ھ مطابق ۱۵۴۹ء میں ابو الغازی نظام شاہ بادشاہ کے عہد میں محمد بن حسن رومی نے بنائی تھی اور اورنگ زیب نے (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

لشکر کے سامنے دو ہزار تیر اندازوں کا پرا جمع ہوا تھا اور ایسی زور و شور سے تیر اندازی ہو رہی تھی کہ مسلمانوں کا لشکر اُن کی آڑ میں بالکل محفوظ تھا جب ہندوؤں کی فوج بالکل نزدیک آ گئی تو تیر انداز ہٹ گئے اور گولہ باری اِس شد و مد سے ہوئی کہ غنیم کا بے انتہا نقصان ہوا اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ رام راج کی عمر اِس وقت (۸۰) سال کی تھی تھا تو وہ بڈھا لیکن ہمت جوانوں سے زیادہ تھی اُس نے سنگاسن (پالکی) میں سوار ہو کر میدانِ جنگ میں جانے کا ارادہ کیا۔ ہرچند مقربان نے التماس کی کہ حضور گھوڑے پر سوار ہوں مگر غایتِ عُجب و غرور سے قبول نہ کیا۔ ایسے موقع پر پالکی میں سوار ہونا ازبس خطرناک تھا کیوں کہ اگر پس پا ہونا پڑے تو بھاگنا ناممکن تھا۔ ہرچند لوگوں نے اصرار کیا لیکن اُس نے ایک نہ مانی اور جو کہا تھا وہی کیا اور جواب دیا کہ یہ جنگ ہے یا بچوں کا کھیل ہے مجھے گھوڑے پر سوار ہونے کی کچھ ضرورت نہیں میری فوج ایسی بہادر ہے کہ دشمن کی فوج اُن کے مقابلے میں طفلِ مکتب ہے اِن کی صورت دیکھتے ہی اُن کے اوسان خطا ہو جائیں گے اور بھاگتے ہی نظر آئیں گے۔ رام راج کو اپنی طاقت کا ایسا گھمنڈ تھا کہ اُس کو اپنی فتح کا یقینِ کامل تھا۔ رام راج نے اپنے آدمیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ حسین نظام شاہ کا سر کاٹ کر لائیں اور علی عادل شاہ اور ابراہیم قطب شاہ بادشاہانِ

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۸ جب بیجاپور فتح کیا تو اُس نے ۱۰۹۷ھ مطابق ۱۶۸۵ و ۱۶۸۶ء میں اپنی فتح کی تاریخ بھی کُھدوا دی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ توپ خوردہ (پیسے) بھر کر چلائی جاتی تھی اور جب چلتی تھی تو اطراف و اکناف کی عورتوں کے حمل ساقط ہو جاتے تھے ۱۸۵۴ء میں ستارہ کے کمشنر صاحب نے اس توپ کو فضول سمجھ کر تحصیلدار کو حکم دیا کہ نیلام کر دی جائے لوگوں کے یہ کس کام کی تھی سوائے اِس کے کہ توڑ کر کچھ بنا لیتے۔ نیلام میں سب سے اونچی بولی ڈیڑھ سو روپے ہوئی۔ اِتنی بڑی توپ کے ڈیڑھ سو روپے! چوں کہ یہ توپ ایک عجائباتِ زمانہ سے تھی اِس لیے بیدار مغز حکامِ مقامی نے اِس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ ایک مرتبہ یہ بھی ارادہ کیا گیا تھا کہ اِس توپ کو کسی بڑے عجائب خانے میں بھیج دیا جائے لیکن وہ کھسک نہ سکی۔ اِس توپ پر حسبِ ذیل عبارت کندہ ہے۔

الله
ولاسواہ

فی سنہ ۳۰ جلوس والا — مطابق سنہ ۱۰۹۷ھ

شاہ عالمگیرِ غازی بادشاہِ دیں پناہ — آں کہ دادِ عدل داد و ملکِ شاہاں را گرفت

فتحِ بیجاپور کردہ بہرِ تاریخِ ظفر — رو نمود اقبال گفتہ ملکِ میداں را گرفت

بنا ر سنہ ۹۵۶ھ۔ ابو الغازی نظام شاہ۔ خادمِ اہلِ بیتِ رسول اللہ۔ عمل محمد بن حسین رومی۔

بیجاپور و گول کنڈہ کو زندہ پکڑ کر لائیں تاکہ میں اُن کو اُن کی بقیہ عمر تک لوہے کے پنجروں میں قید کرکے رکھوں۔ اب لڑائی گھمسان ہوگئی ہندوؤں نے بھی گولہ باری اور بان پھینکنے شروع کیے مسلمانوں کے لشکر کا دایاں اور بایاں حصہ دست بدست تیر و تبر و نیزہ و تلوار سے لڑنے لگا۔

بجنبش درآمد دو لشکر چو کوہ
کزیں جنبش آمد زمیں را ستوہ

برآمد ز قلب دو لشکر خروش
رسید آسماں را قیامت بگوش

بہ جنبش درآمد دو دریائے خوں
شد از موج آتش زمیں لالہ گوں

زمیں گو بساطے بُد آراستہ
غبارے شد از جائے برخاستہ

ز بس تیر باراں کہ آمد بجوش
فگند ابر بارانی خود بدوش

ز مرغانِ چوبینِ فولاد دُم
شدہ راہ بر ماہ و خورشید گم

ز منقارِ پولاد پرّاں خدنگ
گرہ بستہ خوں در دلِ خارہ سنگ

کماں کج دا ابرو زہ مژگانِ تیر
ز پستانِ جوشن برآوردہ شیر

چو ہندوے بازی گر گرم خیز
معلّق زناں تیغ ہندیٔ تیز

ہندو لڑائی کی وجہ سے بہت نقصان اُٹھا کر منتشر ہوگئے اور قریب تھا کہ مسلمانوں کو فتح ہو کہ رام راج کو جوش آیا اور اپنی فوج کو ہمت دلانے کے لیئے پالکی سے اُتر کر ایک زرنگار اور مرصع تخت پر جس کے اوپر قرمزی مخمل کا کارچوبی شامیانہ تھا اور موتی کے جھالر لگے ہوئے تھے بیٹھا اور اپنے پاس روپیوں اور زر و جواہر کے ڈھیر لگا دیئے اور ترازوں میں تول تول کر اپنے لشکریوں میں تقسیم کیئے اور کہا کہ جو کوئی لشکرِ اسلام کو مغلوب کرکے فتح حاصل کرے گا اُسے طبق ہائے طلائی اور بے شمار جواہر دیئے جائیں گے۔ پھر کیا تھا ہندوؤں کی فوج میں تازہ روح آگئی اور سب بہادرانِ لشکرِ ہنود مع ترمل راج اور ونکٹادری اکھٹے ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے اور ہندوؤں نے دوسرا دھاوا اُن توپوں پر کیا کہ جو بیچ کی قطار میں تھیں۔ عام خیال یہ تھا کہ اب مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ جائیں گے۔ لشکرِ اسلام میں تہلکۂ عظیم برپا ہوا مقدمہ میمنہ و میسرہ لشکر کا پس پا ہونے لگا فتح سے مایوسی ہونے لگی

نظام شاہ نے یہ حالت دیکھ کر ایک معتبر امیر کو بھوا کر قطب شاہ اور برید کو اپنے قریب بلوا لیا اور پھر ہمت کر کے اپنی پہلی جگہ پر آ کر جم گیا اور کہا کہ غلبہ کفار کا زیادہ ہی قریب ہی کہ لشکرِ اسلام چشم زخم کھاے۔ ارادہ شہادت کا مستحکم کر لیا اور فراشانِ بارگاہ کو حکم دیا کہ رن کھم گاڑ دیں کہ کوئی شخص اِس جگہ سے ہٹ پا نہ ہو نظام شاہ کے ساتھ ہمیشہ محلات رہتے تھے جب لڑائی کی حالت دِگرگوں نظر آئی تو اُس نے ہر ہر سواری کے ساتھ ایک ایک خواجہ سرا کو تلواریں دے کر متعین کیا اور حکم دیا کہ اگر ہماری صورت نوع دیگر ہو جاے تو اِن سب کو فوراً مار ڈالنا۔ جب رام راج نے یہ حال دیکھا تو سمجھ گیا کہ مسلمان ہاتھ دھو کر بے طور پیچھے پڑے ہیں ان کا ٹلنا محال ہی۔ تاہم اپنی جمعیت کو اُمیدِ سرفرازی و بخشش کی دے دلا کر ثابت قدم رکھا۔ علی عادل شاہ سیدھی طرف ترمل راج کے مُقابلے میں تھا اُدھر آتش جنگ ایسی مشتعل تھی کہ ترمل راج تاب نہ لا سکا۔ عادل شاہ کی فوج دبائی چلی آرہی تھی یہاں تک پس پا کیا کہ ہٹتے ہٹتے رام راج کے لشکر میں پونہچ گئے۔ رام راج گھبرایا کہ اب مَیں بھی گرفتار ہو جاؤں گا آگے سے فوج نظام شاہ اور قطب شاہ کی اور پیچھے سے علی عادل شاہ میدان اِس کا تنگ کیے ہوے تھا تو ناچار اپنی موت دیکھ کر لڑنے پر آمادہ ہوا۔ نظام شاہ کو خبر نہ تھی کہ اُدھر کیا ہو رہا ہی۔ علی عادل شاہ کے لشکر کی جگہ خالی دیکھ کر اندیشہ ناک ہوا کہ خیر نہیں خدا معلوم کیا بات پیش آئی اُسی وقت رومی خاں داروغہ توپ خانے کو بُلا کر نظام شاہ نے حکم دیا کہ ہاں دیر کیا ہی ٹکٹ میدان میں خوردہ (پیسے) بھر کر مارو۔ بالکل نزدیک سے ایسی گولہ باری ہوئی کہ جس طرح درختوں کے پتے گرتے ہیں آدمی چھچنے لگے۔ پانچ ہزار ہندو ایک دم توپ خانے کے سامنے مُردہ پڑے گئے۔ اس بھاری نقصان سے ہندوؤں کے دلوں میں ایک سنسنی پھیل گئی اور جو جہاں تھا گھبرا گیا اِسی اثنا میں مسلمانوں کے پانچ ہزار سوار ہندوؤں کے لشکر میں مارتے کاٹتے گھُس گئے اور جہاں رام راج بیٹھا تھا ٹھیک اُسی جگہ جا پونہچے۔

رام راج کا قتل

رام راج تخت سے اُتر کر پالکی میں گھُسا ہی تھا کہ نظام شاہ کے لشکر کا غلام علی نامی ہاتھی ہندوؤں کے لشکر میں جا گھُسا۔ توپ کی دہشت اور ہاتھی کے

حملے سے ہر ایک گروہ متفرق ہو گیا کسی نے اپنے سرداروں تک کی پروا نہ کی کہار بھی گھبرا گئے اور پالکی پھینک دی فیل بان نے جو پالکی مرصع دیکھی تو لالچ آیا اور ہاتھی اُسی طرف بڑھایا۔ رام راج کو اتنی مہلت نہ ملی کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو جاتا کہ مسلمانوں کی فوج نے اُسے نرغے میں کر لیا ایک برہمن دلپت راؤ نامی اُس کا مقرب تھا۔ رام راج کے ساتھ شرطِ رفاقت بجالایا اور راجہ کو اپنی آڑ میں لے لیا اور مہاوت سے کہنے لگا کہ زنہار مہاراج کو کچھ آفت نہ پہنچاؤ اور اگر تم مہاراج کی سواری کے لیے ایک گھوڑا لے آؤ تو تمھارے ساتھ بہت کچھ سلوک کیا جائے گا اور اس کے معاوضے میں مہاراج تجھے بڑا بھاری امیر بنا دیں گے اور مالامال کر دیں گے۔ فیل بان نے مہاراج کا نام سنتے ہی ہاتھی کو اشارہ کیا اُس نے رام راج کو سونڈ میں اُدھر اُٹھا لیا۔ فیل بان کو گوہرِ مراد ہاتھ آیا ع یار در خانہ و ما گرد جہاں می گردیم۔ فوراً ہاتھی کو بجلی کی طرح دوڑا کر اپنے لشکر میں جا داخل ہوا اور رام راج کو رومی خاں داروغۂ توپ خانے کے پاس لے گیا اُس نے رام راج کو حسین نظام شاہ بادشاہِ احمد نگر کے حضور میں زندہ پہنچا دیا۔ نظام شاہ خلافِ امید ایسی کامیابی دیکھ کر بے انتہا خوش ہوا اور رام راج کو اپنے روبرو بٹھا کر پوچھا کہ "مہاراج کیا حال ہے"؟ رام راج نے کچھ جواب نہ دیا ہاتھ سے اشارہ اپنی پیشانی پر کیا یعنی تقدیر! حکیم قاسم بیگ تبریزی نے جو مقربانِ نظام شاہ سے تھا نہایت مضطربانہ بادشاہ سے عرض کیا کہ یہ کون سا وقت ہے کہ آپ باتیں کر رہے ہیں جلد اس کا خاتمہ کیجیے۔ علی عادل شاہ اس کی فرزندی کا دم مارتا ہے اگر اُسے خبر ملے گی تو آپ کے ہاتھ سے چھین لے گا پھر خدا جانے کیا معاملہ پیش آئے۔ بادشاہ نے سمجھا کہ حکیم ٹھیک کہتا ہے اور اُسی وقت رام راج کا سر تن سے جدا کر دا کر ایک بلند نیزے پر چڑھوا دیا اور ہنود کے لشکر کے سامنے کھڑا کرایا[۱]

---

[۱] اس واقعے کی تاریخ "فتح دیں مرگِ لعیں" ہے (۹۷۲ھ)۔ مورخ فرشتہ کے والد غلام علی استرآبادی نے اس کی تاریخ بطورِ تعمیہ اس مصرعے سے نکالی ہے ع بے نہایت خوب واقع گشت قتلِ رام راج "قتلِ رام راج" سے حرف نہایت یعنی آخری حرف ج جو کہ جیم ہے اس کے (۳) عدد خارج کر دیے جائیں تو وہی تاریخ نکلتی ہے (۹۷۲) ۱۲

سر گشتہ را چون زنند یک شاہ | ببرند بر نیزہ تا رزم گاہ
ہزبران لشکر پس آں دلیر | ہماں حملہ کردند چوں نرہ شیر
بہ ہندو غریو اندر افتاد پاک | فگندند یکسر تن اندر بہ خاک
کلاہ و کمر ہا بیا نداختند | خروشیدن مویہ پرداختند
فگندند منجوق و کوس نبرد | گریزاں بہ رفتند پُر از خون و گرد

سر کا نیزے پر چڑھانا تھا کہ بیجانگر کے لشکر میں کھلبلی اور بھاگڑ پڑ گئی لوگوں کے رہے سہے حواس جاتے رہے سمجھے کہ مسلمانوں کی فتح ہو گئی اور جو مردانگی اور بہادری معرکہ جنگ میں دکھلا رہے تھے اپنی اپنی جان بچا کر بھاگے جس کو دیکھو بھاگتا ہی نظر آیا۔ بھگوڑی فوج کے پیچھے مسلمانوں کا لشکر لگا اور بارہ کوس تک تعاقب کیا۔ یہ بارہ کوس کا میدان زر و جواہر اور ہاتھی۔ گھوڑوں۔ اور زخمیوں سے فرش زمین تھا اور لشکر میں منادی کر دی گئی تھی کہ سوائے ہاتھی۔ گھوڑے۔ توپ۔ علم۔ نشان اور نقاروں کے باقی سب چیزیں زر و جواہر وغیرہ کی لوٹ بھی لشکریوں کو معاف ہے۔ لوٹ کا یہ حال تھا کہ لشکرِ اسلام کا ہر سپاہی زیورات و جواہرات و مال و متاع و خیمہ و ہتیار اور لونڈی غلاموں سے مالا مال ہو گیا ؎

سرپرد و سراپردہ و تاج و تخت | نہ چنداں کہ آں بر توانند سخت
جواہر نہ چنداں کہ آں را دبیر | در آرد بہ انگشت یا در ضمیر
بلوریں طبقہا و خواں ہائے لعل | ظرائف کتاں را بفرسود نعل
ہماں تازی اسپانِ با زینِ زر | غلامانِ موزونِ زرّیں کمر
نور دِ ملوکانہ بیش از شمار | شتر ہار زرّینہ بیش از ہزار
دگر جنس ہائے کہ باشد غریب | ز دو مخزن و خانہ یابد نصیب
سلاح و سلب را قیاسے نبود | پرندہ را روشناسے نبود
غنی گشت لشکر ز بس خواستہ | سراسر سپہ گشت آراستہ

ہزار توپ اور بے انتہا بیش قیمت اسباب سرکارِ بادشاہانِ اسلام میں داخل ہوا۔ آناگُندی تک کہ دس کوس کا فاصلہ ہے تمام زمین مُردوں اور زخمیوں سے پٹی پڑی تھی منشیانِ تیز قلم

بارہ دن تک شمار مقتولین اور زخمیوں کا کرتے رہے اور ایسا قتلِ عام ہوا کہ کرشنا ندی جو میدانِ کارزار کے پاس تھی اُس کا پانی خون سے لال ہوگیا - اِس معرکے میں کم سے کم ایک لاکھ ہندوؤں کا قتل کیا جانا معتبر روایات سے ثابت ہی - مسلمانوں کی کامل فتح ہوئی تو بادشاہانِ اسلام نے سرِ عاجزی زمینِ خاکساری پر جھکایا اور شکرانہ درگاہِ ایزدی میں ادا کیا ؎

سرِ بادشاہانِ گردن فراز ۔۔۔ بدرگاہِ او بر زمینِ نیاز

ہندو بیجانگر بھاگے لیکن کچھ ایسے گھبرا گئے تھے کہ شہر کے اطراف میں جو پہاڑ تھے اُن کی بھی آڑ نہ پکڑی اور نہ بیجانگر کی فصیلوں اور مورچوں سے کچھ روک تھام کی بلکہ شہر کو کھلا چھوڑ دیا - خلاصہ یہ ہی کہ ہندوؤں کا لشکر بالکل برباد ہوگیا - اِس فتح کی خوش خبری کی اطلاع اطراف و اکناف میں فوراً بھیجی گئی ؎

بپرداخت منشیِ صاحب ہنر	سبے نامہ در باب فتح و ظفر
برانگیخت یکرانِ کلکِ دبیر	زمیدانِ کافور گردِ عبیر
رقم زد بسے داستانِ شریف	بخطِ لطیف و ادائے ظریف

کوٹو نے لکھا ہی کہ حسین نظام شاہ نے اپنے ہاتھ سے رام راج کا یہ کہتے ہوئے سر[1] کاٹا کہ "دریں نے مجھ سے اپنا بدلا تو لے لیا اب خدا جو چاہے سو کرے" عادل شاہ نے جب رام راج کے قتل کی خبر سُنی تو بہت افسوس کیا -

[1] کرنل برگز نے ترجمہ تاریخ فرشتہ میں ایک نوٹ دیا ہی کہ اِس واقعے سے تعجب خیز مثال اُس خصوصیتِ قلبی کی ملتی ہی کہ جو مسلمانوں کو ہندوؤں سے تھی اور یہ کہ اُس زمانے کے لوگوں کے خیالات کیسے خراب تھے کہ ہم نے بیجاپور میں رام راج کا سر پتھر میں تراشا دیکھا ہی جو اب تک موجود ہی اور جو قلعۂ بیجاپور کی نہری میں لگا یا گیا ہی اور ہم کو یہ بھی معلوم ہوا کہ رام راج کے اصلی سر کو ہر سال تیل اور عبیر لگا کر مسلمانانِ احمد نگر کو اس لڑائی کی سالگرہ کے دن ڈھائی سو سال تک دکھلایا جاتا رہا - یہ سر اب تک اُسی جلاد کے خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ چلا آتا ہی - یہ تحریر کرنل صاحب کی ۱۸۲۹ء کی ہی - ممکن ہی کہ اُس وقت ایسا ہو لیکن ہم نے تو احمد نگر یا بیجاپور میں یہ واقعہ سُنا نہیں - قلعۂ بیجاپور میں متعدد نہریاں ہیں اور اُن کو گئو مکھ وغیرہ کے شکل میں بنایا ہی لیکن ہم نے کہیں نہیں سُنا کہ رام راج کا سر بنا کر اُس میں سے بدرَو نکالی گئی ہو اور نہ اب اس لڑائی کی کوئی سالگرہ ہوتی ہی نہ رام راج کا سر مسلمانوں کو اس کی یادگار میں بتلایا جاتا ہی البتہ یہ روایت بیجاپور میں زبان زدِ خاص و عام ہی کہ لڑائی کے بعد رام راج کا سر قلعے کے صدر دروازے پر چند دن لٹکا رہا (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

بیجانگر کا ہول ناک سما

اس ہول ناک واقعے کی اطلاع بھاگی ہوئی فوج کے پونہچنے کے بیشتر ہی بیجانگر میں معلوم ہوگئی تھی۔ باشندگانِ بیجانگر خالی الذہن بے خوف وخطر اطمینان سے اپنے کاروبار میں مصروف تھے اُن کو یہ خبر نہ تھی کہ اس تھوڑے سے عرصے میں کایا پلٹ ہوگئی کیوں کہ اُن کو اس بات کا اطمینان تھا کہ راجہ ٹڈی دَل لشکر لے کر گیا ہی اور اُن لوگوں کو اپنی بہادری کے برتے پر کام یابی کا پورا بھروسا تھا لیکن دفعۃً معاملہ دگرگوں ہوگیا راجہ کی فوج کو شکست ہوئی اُمرا ورؤسا قتل کیئے گئے باقی ماندہ فوج واپس آرہی ہی لیکن ابھی اِن لوگوں کو تفصیلی واقعات معلوم نہ تھے کیوں کہ پچھلے مواقع پر اکثر غنیم کو پس پا کرکے واپس آجایا کرتے تھے یا یہ کہ کچھ تحائف دے دلا کر صلح کرلیتے تھے اِن وجوہ سے جنگ میں جو کچھ بھی ہوا ہو شہر پر کسی آفت کے آنے کا اندیشہ نہ تھا اور یہ لوگ ابھی تک خوابِ خرگوش میں تھے اور سمجھتے تھے کہ شہر کو کچھ کھٹکا نہیں ہی لیکن جب جنگ سے بھاگی ہوئی فوج واپس آنے لگی اور اُن میں راجہ کے خاندان کے سربرآوردہ لوگ سراسیمگی کی حالت میں واپس آے اور آتے ہی جھٹ پٹ اِن لوگوں نے اپنا مال واسباب جو کچھ محلات میں ہل سکا سمیٹنا شروع کیا جب تو شہر میں ایسی کھلبلی پڑی کہ توبہ ہی بھلی۔

راجہ کے علاقے داروں کی بھاگڑ

راجہ کے علاقے داروں نے ساڑھے پانسو ہاتھیوں پر زر وجواہرات جن کا اندازہ قریب دس کروڑ کی مالیت کے تھا لادلیا اور ریاست کے ماہی مراتب اور راجہ کا مرصع تخت لے کر شہر سے نکلے جس کی حفاظت کے لیئے اِن کے ہمراہ چند بچے کھچے سواروں کا بدرقہ تھا۔ ترمل راج (جو اپنے بھائیوں کے مارے جانے کے بعد ریجنٹ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹۴) جب وہ سٹر گیا تو بھیجا کا سرہنا کر بطور دائمی یادگار کے قلعے کے صدر دروازے پر لٹکا یا گیا تھا ۱۷۶۰ء میں کھرڈے کی لڑائی کے بعد جب بیجاپور پر پیشواؤں کا قبضہ ہوگیا تو اُنھوں نے پتھر کے سر کو اُتار کر تاج باؤلی میں پھینک دیا چند سال پیشتر باؤلی کی کیچڑ نکالتے وقت وہی سر ملا تھا جو اُٹھا کر بیجاپور کے عجائب خانے میں رکھ دیا گیا ہی اور اب تک موجود ہی ۱۲

یعنی نائب السلطنت ہو گیا تھا) راجہ سدا سیو کو (جو اُس کے پاس مقید تھا) اور اُس کے خاندان کے لوگ اور ملازمین وغیرہ کو لے کر جانب جنوب قلعہ پین کنڈہ کو بھاگ گیا۔

مسلمانوں کے شہر بیجانگر کو تاخت و تاراج کرنے کا افسوس ناک سین ۱۵۶۵ء

جب راجہ اور اُس کے لوگ شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تو شہر میں ایک اُودھم مچ گئی اور ہر شخص کو آیندہ آنے والی مصیبت کا اندازہ ہو گیا۔ یہ جنگ کاہے کو تھی بلکہ ایک طوفانِ عظیم کی رَو تھی کہ جو اُس کے سامنے آ گیا اُس کو بہالے گئی سب اُمیدوں کا خاتمہ ہو گیا شہر کے باشندے جو لاکھوں ہی تھے بے یار و مددگار رہ گئے سوائے چند کے اِن بیچاروں کو بھاگنے کا موقع بھی نہ ملا کیوں کہ باربرداری کی بیل گاڑیاں سب کی سب فوج کے ساتھ چلی گئی تھیں جو اب تک واپس نہیں آئی تھیں۔ ایسی حالت میں سوائے اِس کے بن نہ پڑی کہ خزانوں کو تو گاڑ دیا اور بڈھے اور عورتوں اور بچوں کے سوائے جوانوں نے ہتیار سنبھال لیے اور اُس آنے والی مصیبت کے منتظر ہو کر بیٹھ گئے۔ دوسرے دن بیجانگر کے اطراف کی جنگلی اقوام اور لٹیروں نے آکر شہر کو لوٹنا شروع کیا۔ بنجاروں۔ لمباڑوں۔ کوروؤں اور اِسی قسم کے لٹیروں کے گروہ کے گروہ بدنصیب باشندگانِ شہر پر آن پڑے اور مال و اسباب۔ دکانوں اور بازاروں کو لوٹ گھسوٹ کر ساری دولت لے گئے۔ کوٹو نے لکھا ہے کہ ایک دن میں اِن لوگوں نے اوپر تلے چھ حملے کیے۔ فتح یاب مسلمان زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیئے دس دن تک میدانِ جنگ میں ٹھیرے رہے اور چندے آرام لیا اس کے بعد بیجانگر کا رُخ کیا اور اُس دن سے لگا تار پانچ مہینے تک لوٹ مار کا بازار گرم رہا۔ لوگوں نے اپنا اپنا مال زمین میں گاڑ دیا تھا اور بیجا کچھ باؤلیوں میں ڈال دیا تھا لشکریوں نے مکان کھودنے اور جلانے شروع کیئے۔ ایک روز نظام شاہ بطورِ سیر سوار ہو کر نکلا دیکھا کہ ایک جگہ چند لشکریانِ علی عادل شاہ ایک طبقِ مروارید و جواہر سے بھرا ہوا لیئے ہوئے تقسیم پر لڑ رہے ہیں۔ نظام شاہ کی فوج نے چاہا کہ ہم بھی حصہ لیں دونوں کی آپس میں لڑائی ہونے لگی دونوں طرف کے آدمی مارے گئے

سلہ اقوام خانہ بدوش ۱۲۔

اور زخمی ہوئے یہ حالت دیکھ کر نظام شاہ نے ارکان دولت سے کہا کہ آپس میں لڑنے بھڑنے سے کیا فائدہ بہتر یہ ہے کہ شہر کو جلا دو تاکہ یہ قصہ فساد موقوف ہو۔ چنانچہ حکم شاہی کے موافق شہر کی تمام بڑی بڑی عمارتوں کو اور شہر کے اطراف میں بیس کوس تک قصبات کو جلا کر خاک سیاہ[۵۱] کر دیا۔ الغرض دشمن بے رحمی سے برابر لوٹ مار کرتے رہے جو ملا اُسے قتل کیا مندروں اور محلات کو مسمار کر دیا خصوصاً راجہ کے محلات کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اُن کی دست بُرد سے صرف چند بڑے سنگ بست مندر اور کہیں کہیں چار دیواریاں باقی رہ گئیں۔ جہاں ایک زمانے میں یہ چہل پہل تھی اور سر بہ فلک عمارتیں کھڑی تھیں اب وہاں صرف کھنڈر اور ملبوں کے ٹیلے دکھلائی دیتے تھے مسلمانوں نے تمام بت توڑ ڈالے اور نرسہوا کے بڑے بُت کے بھی دونوں بازو اُڑا دیئے مختصر یہ کہ کوئی چیز ان کے ہاتھ سے نہ بچ سکی۔ اِن[۵۲] لوگوں نے اُس بڑے منڈپ کو جو ایک بلند چبوترے پر واقع تھا جہاں سے راجہ بڑے بڑے تہواروں میں تماشا دیکھتا تھا توڑ کر زمین کے برابر کر دیا اور تمام نقش و نگار پتھروں کو اکھیڑ کر پھینک دیا۔ ان لوگوں نے آراستہ اور رشان دار وٹھل سوامی کے دیول میں جو دریا کے کنارے واقع ہے بڑے بڑے انبار آگ کے لگا دیئے اور بے نظیر اور قابل دید پتھر کی صناعی کو برباد کر دیا۔ الغرض آگ اور تلوار سے راتی اور کلہاڑیوں سے ہر روز شہر کی تباہی اور بربادی کرتے رہے۔

شہر بیجانگر کے اطراف میں سرنگیں اور چور رستے

شہر بیجانگر کے اطراف میں بڑے بڑے پہاڑ اور سرنگیں اور چور رستے اور عمیق غار ہیں جو اندر ہی اندر تین تین چار چار کوس تک چلے گئے ہیں رستے کہیں کشادہ کہیں کہیں تنگ اکثر جگہ اندھیرا ہے اور بعض جگہ آفتاب کی روشنی بھی دکھلائی دیتی ہے۔ اکثر باشندگان بیجانگر ان مقامات پر جا کر چھپ گئے تھے اور رات کے وقت خفیہ طور پر شہر میں آ کر سامانِ خور و نوش خرید لے جاتے تھے جب لشکریوں کو اس بات کی خبر ہو گئی تو ان لوگوں کو بھی پکڑنے لگے اور بے بھید لیئے نہ چھوڑتے تھے چنانچہ رفیع الدین شیرازی اس واقعے میں موجود تھا وہ لکھتا ہے کہ ہم نے ایک دن تین چار لوگوں کو پکڑ لیا اُن سے بہت کچھ پوچھا لیکن اُنھوں نے اپنا حال کچھ بیان نہیں کیا جب بہت ایذا پہنچائی گئی تو کہنے لگے کہ ہم لوگ فلاں پہاڑی کے غار میں چھپے ہوئے ہیں ہمارے بال بچے اور مال و اسباب بھی وہیں ہیں ہماری جان کا امن دو کہ ہمارے ساتھ ہو تو ہم تم لوگوں کو بہت سا روپیہ دیں گے جس میں بڑی خیر ہوتی ہے ہم میں سے کئی لوگ اُن کے ساتھ ہو لیئے۔ ہم نے اُن میں سے دو آدمی کے ہاتھ رسّی سے باندھ کر اُن کو آگے کر دیا ہم پیچھے پیچھے ہو لیئے جب تھوڑی دور سرنگ میں چلے جا بجا متفرق سرنگیں نظر آنے لگیں ہم کو اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں واپسی کے وقت رستہ بھول نہ جائیں اور مفت میں جان جائے اس لیئے جاتے وقت اپنے رستے پر کوئلے سے

[۵۱] اس آتش زنی کا نتیجہ ہے کہ وٹھل سوامی کے مشہور دیول کی تمام دیواریں جلانے سے کالی پڑ گئی ہیں بلکہ چھت تک لپٹ گئی ہے اور خزانے کی تلاش میں جا بجا زمین کو کھود کر گڑھے ڈال دیئے ہیں۔ کسی دیول میں بت کا پتہ نہیں ہے سب اُکھاڑ کر پھینک دیئے ہیں ۱۲ [۵۲] یہ مکان مہانومی دبہ یعنی تخت فتح و ظفر کہلاتا تھا اس مقام پر بڑے تہواروں میں راجہ تخت پر جلوس کرتا تھا اور فوج کا داخلہ بھی یہیں ہوتا تھا اب بھی یہ عالی شان عمارت جو کچھ بچ رہی ہے قابل دید ہے ۱۲

نشان کرتے گئے۔ دو تین مشعلیں ہمارے ساتھ تھیں سُرنگ میں بالکل اندھیرا تھا بعض بعض جگہ سوراخوں میں سے روشنی کی جھلک نظر آجاتی تھی اسی طرح قریب آدھ کوس کے اُس غارِ پُرخطر میں گئے ہونگے کہ ایک جگہ ایسی تنگ آئی کہ تین چار گز بہت مشکل سے بیٹھ کر گئے اُن دونوں شخصوں کو موقع ملا رسّی چھڑا کر اندھیرے میں بھاگ گئے سُرنگ میں بہت سے لوگوں کی آواز دُور سے آتی تھی لیکن اندھیرا گھُپ تھا کچھ دکھلائی نہیں دیتا تھا ہم لوگ ڈر گئے کہ اگر اَور اندر جائیں تو شاید ہم کو پکڑ نہ لیں تھوڑے مال کی طمع پر اپنی جانِ عزیز کھونا مناسب نہیں جانا وہاں سے اُنھیں کوئیلوں کے نشانات پر پلٹے اور اپنی جان سلامت لیکر واپس آگئے ایسی تباہی۔ بربادی اور ویرانی خصوصًا اس طرح دفعتًہ واقع ہونے کی مثال تمام دُنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں مل سکتی کہ آج جو شہر شاندار تھا اور جو دولت سے پھٹا پڑتا تھا اور جہاں کے باشندے نہایت مرفہ الحال تھے وہ کل اس بے رحمی سے پکڑے گئے لوٹے گئے اور برباد کیے گئے ایسے شہر میں جو نمونۂ بہشت تھا اور جہاں دن عید اور رات شب برات تھی خون کی ندی نالے بہ گئے۔ یہ ایسے واقعات ہیں کہ قلم سے اُن کا بیان کرنا ناممکن ہے صرف تصوّر ہی سے دل کانپ جاتا ہے۔

سینر رفریڈرک کے چشم دید حالات ۱۵۶۷ء

سینر رفریڈرک ایک اٹلی کے سیّاح نے جو اِس شہر کی تباہی کے دو سال بعد ۱۵۶۷ء میں وہاں گیا تھا لکھا ہے کہ "شہر کو لوٹنے کے بعد مسلمان اپنے ملک کو واپس چلے گئے۔ ترمل راج نے پھر شہر کے آباد کرنے کی کوشش کی لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی اگرچہ چند لوگ دلاسا اور طمانیت دینے سے پھر اپنے اپنے مکانوں میں آکر رہنے سہنے لگے مگر وہ بات کہاں شہر بیجانگر میں اب بھی کچھ مکانات باقی ہیں لیکن خالی اور ویران ہیں اور اُن میں سوائے بوزنچوں اور جنگلی جانوروں کے کوئی نہیں رہتا۔" اتنا بڑا آباد اور متموّل شہر جب لوٹا گیا تو ظاہر ہے کہ بے انتہا دولت لٹی ہوگی سکوٹو نے لکھا ہے کہ لوٹ میں علاوہ خزائن اور جواہرات کے ایک ہیرا انڈے کے برابر ملا جس کو عادل شاہ نے اپنے گھوڑے کی کلغی میں لگایا تھا بیجانگر جیسے بڑے اور شاندار شہر کا یہ انجام ہوا جو آٹھ آٹھ آنسو بہانے کے قابل ہے اور جب کوئی اُن کھنڈروں میں جاتا ہے تو اُس کو سوائے حسرت اور افسوس اور سخت عبرت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا ؎

ہیچ خارے نیست کز خونِ شکاری سُرخ نیست
آفتے بود آں شکار افگن کہ از صحرا گزشت

یہ شہر پھر کبھی نہ پنپا اور اسی طرح اُجاڑ اور ویران اب تک پڑا ہے۔ اس زمانے میں بھی بڑی بڑی اور مستحکم عمارات کے کچھ حصے باقی ہیں جن کے اطراف میں اب زراعت ہوتی ہے اور جا بجا ان عمارات کے کھنڈر کھڑے ہوئے اپنی حالتِ زار پر ماتم کر رہے ہیں اب آبادی کا نام نہیں ہے یہ زراعت بھی اطراف کے دیہات کے لوگ کرتے ہیں اِس شہر میں جو خام مکانات بکثرت تھے وہ نیست و نابود ہوگئے اُن کی مٹی کے ڈھیر موجود ہیں لیکن قدیم ذرائع آبپاشی یعنی نہریں اچھی حالت میں ہیں اور ان کی آبپاشی سے اب بھی بہت سے باغ اور کھیت سرسبز ہیں اور انہیں کی بدولت چاول اور نیشکر کی کثرت سے کاشت ہوتی ہے شہر بیجانگر

کا پتہ اب صفحۂ دُنیا پر باقی نہیں ہے اُس جگہ صرف چند جھونپڑوں کا جُھرمٹ ہے جس میں کاشتکار لوگ رہتے ہیں اور اُس کی حیثیت ایک چھوٹے سے چھوٹے گاؤں سے بھی بدتر ہے۔ بیجانگر کی اصل تاریخ تو اب ختم ہو گئی لیکن ہم نے مناسب خیال کیا کہ اِسی سلسلے میں آگے چند واقعاتِ مابعد کا بھی ذکر کر دیا جائے۔ ترمل راج پین کنڈہ میں رہنے لگا اور چند دنوں بعد اُس نے پرتگالیوں سے گوا میں کہلا بھیجا کہ اُس کو چند گھوڑوں کی ضرورت ہے۔ پرتگالیوں نے جو پہلے سے پرچے ہوئے تھے بہت سے گھوڑے بھیج دیئے۔ ترمل راج نے گو رسّی جل گئی تھی مگر بل نہیں گیا تھا گھوڑے تو لے لیئے لیکن اُن کی قیمت ایک دمڑی نہ دی اور جو آدمی لائے تھے اُن کو نکلوا دیا۔ فرڈریکی نے لکھا ہے کہ ترمل راج نے گھوڑوں کے سوداگروں کو پروانۂ راہداری دے دیا لیکن گھوڑوں کی قیمت ایک حبّہ نہ دی وہ بیچارے سوائے واویلا کے کیا کر سکتے تھے۔ اِس زمانے میں اِس مُلک میں کوئی حاکم ہی نہ تھا اِس وجہ سے فرڈریکی کو بیجانگر میں سات مہینے ٹھیرنا پڑا کیوں کہ اُس زمانہ میں چوروں اور لٹیروں کی وجہ سے رستے بند تھے فرڈریکی گوا کو جا نہیں سکتا تھا کیوں کہ کئی مرتبہ اُس کو اور اُس کے ہمراہیوں کو ڈاکوؤں نے پکڑ لیا اور بہت سا روپیہ لے کر چھوڑ دیا اور ایک مرتبہ تو ڈاکوؤں نے اِن کو گھیر کر خوب لوٹا۔ ترمل راج سداشیو کے ساتھ اب پین کنڈہ میں رہتا تھا امرائے ریاستِ بیجانگر ایک ایک کر کے الگ ہو گئے اور سب نے اپنی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ملک بادشاہ گردی اور بغاوت کی حالت میں تھا بیجانگر کی اتنی بڑی اور مستحکم سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا وہ معدوم ہوتی گئی۔

پرتگالیوں کی تجارت کا انحطاط اور اُن کا تنزل

پرتگالیوں کے لیئے یہ انقلاب بڑا اہم تھا فرڈریکی نے لکھا ہے کہ "گوا سے ہر سال سامانِ تجارت بیجانگر کو عربی گھوڑے۔ مخمل۔ شجر۔ ساٹن۔ تانبہ وغیرہ جاتا تھا اور وہاں سے ظروفِ چینی۔ زعفران گلناری پارچہ۔ فیروزہ۔ جواہرات اور پگوڈا[1] کے سکّے لاتے تھے۔ بیجانگر میں مخمل ساٹن مشجّر گلناری پارچے اور سفید کپڑے کی زیادہ کھپت تھی کیوں کہ یہی یہاں کے لوگوں کا لباس تھا۔ سر پر اُن کے لمبی لمبی ٹوپیاں ہوتی تھیں جسے وہ "کُلیا" کہتے تھے" (ہمارے خیال میں کلاہ کو بگاڑ لیا ہے) سا کسٹی سیاح ۱۵۶۷ء سے ۱۵۸۸ء تک ہندوستان میں تھا اُس نے اُس نقصانِ عظیم کا حال حسبِ ذیل لکھا ہے جو پرتگالیوں کو بیجانگر کی سلطنت کی تباہی سے پہونچا "مالِ تجارت کی درآمد برآمد اِس قدر کثرت سے تھی کہ اُس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ بیجانگر ایک بہت بڑا شہر تھا اور وہاں کے لوگ خوش حال اور متموّل تھے اُن کی امیری ہمارے وقت کی امیروں کی سی نہ تھی بلکہ لکھپتی اور کروڑپتی تھے جیسے کہ پُرانے زمانے کے اُمراء ہوا کرتے تھے الماس لعل و یاقوت ہر قسم کے جواہرات اور موتی کی بڑی تجارت گاہ تھا اِس کے سوائے گھوڑوں کا بیوپار کثرت سے ہوتا تھا اِس تجارت سے بارہ لاکھ سے لے کر پندرہ لاکھ ڈیوکٹ کی آمدنی گوا کو تھی جو گھٹتے گھٹتے چھ ہزار رہ گئی۔ کوٹو نے بھی یہی حالت لکھی ہے کہ "سلطنتِ بسنگا (بیجانگر) کی تباہی سے گوا کی تجارت بیخ و بنیاد سے ہل گئی کیوں کہ ہماری تجارت کا دار و مدار اِسی سلطنت پر تھا

[1] قدیم زمانے کا طلائی سکہ ہے جو ہندوستان میں رائج تھا وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اُس پر مندر کی تصویر بنی ہوتی تھی ۱۲۔

جہاں گھوڑے مخمل ساٹن اور دوسرے اقسام کا سامانِ تجارت بہ کثرت جاتا تھا اور ہم لوگوں کو بڑا نفع ہوتا تھا۔ بیجانگر کی تباہی سے محصول خانۂ چنگی کی آمدنی بالکل گھٹ گئی سلطنتِ بیجاپور کی بربادی کیا تھی گویا ہماری بربادی تھی کیونکہ اسی دن سے گوآ کے باشندوں کی مرفہ الحالی کا خاتمہ ہوگیا اور ٹوٹ گئے۔ گوآ اور فارس کی بڑی تجارت بانات اور عمدہ پارچہ جات کی ہی تھی جس کو سخت نقصان پہنچا ہر سال پانچ لاکھ پگوڈا جہاز پر بار کر کے پرتگال روانہ کیے جاتے تھے جس کی قیمت اُس زمانے میں ۷ ½ تنکہ[۵۱] تھی اور اب بوجہ کم یابی کے اس کی قیمت ۱۱ ½ تنکہ ہوگئی۔

پادریوں کی جماعت کے ہولناک مظالم اور قتل عام

ایک تو بیجانگر کی تباہی نے گوآ کی تجارت کو بٹھا دیا اور دوسرا سبب یہ ہوا کہ پادریوں نے باشندوں کے مذہبی معاملات میں مزاحمت شروع کی اور ایکدم اُن کو ادائے فرائضِ مذہبی سے جابرانہ طریقے سے روک دیا۔ مسجدوں اور دیولوں کو توڑ پھوڑ ڈالا۔ لوگوں کو بہت سخت پکڑا اور پریشان کیا اور طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے سب کو پکڑ پکڑ کر قید کر ڈالا اس پر بھی وہ لوگ اپنے مذہب پر قائم رہے تو اُن کو جان سے مروا ڈالا۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ یہاں رہنا تو موت کے منہ میں رہنا ہے تو اکثر جلاوطن[۵۲] ہوگئے۔ سنہ ۱۵۶۷ء میں ملک دکن ہند کی ملکی حالت یہ تھی کہ اگرچہ دکن کے شاہانِ اسلام ہندوؤں پر پوری فتح پا چکے تھے لیکن پھر بھی ان میں آپس میں پھوٹ چلی جاتی تھی اور گو ہر ایک کا ملک جدا جدا تھا تاہم ایک دوسرے کا جانی دشمن تھا۔ بیجانگر کی بڑی سلطنت تو تباہ ہونے کے بعد وہاں کے لوگوں نے پین کنڈہ میں پناہ لی تھی۔ سداشیو راجہ اب تک بھی ترمل راج کی قید میں تھا۔ تین بھائیوں میں سے صرف ترمل راج بچ گیا تھا اور وہی ٹوٹی پھوٹی حکومت کرتا تھا امرا سب کے سب ناراض اور بددل تھے ہر شخص اُس کے جوے سے نکلنا چاہتا تھا۔ ساحلِ سمندر پر پرتگالیوں کی تجارت دم توڑ رہی تھی۔ تالیکوٹہ کی لڑائی کے بعد کے واقعات کو تاریخ فرشتہ میں حسب ذیل لکھا ہے تالیکوٹہ کی لڑائی کے چند دن بعد بادشاہان رام راج کے ملک کی طرف بڑھے اور آناگندی[۵۳] تک پہنچ گئے لیکن اُن کی فوجیں بیجانگر میں جو دریا کے

---

۵۱ بالفتح کاف عربی بمعنی قرص رائج خواہ از زر یا نقرہ یا مس باشد و ایں معرب تنکہ است ۱۲

۵۲ فریر نامی سیاح نے سنہ ۱۶۷۵ء میں گوآ کے ہولناک مظالم کا چشم دید حال لکھا ہے کہ میں ایک دن صبح کو اُس مقام پر گیا جہاں کہ پادریوں کا دار القضا بنا ہوا تھا۔ دار القضا کیا تھا مقتل تھا۔ بازار کے بیچوں بیچ ایک بڑا بہت بھاری اونچا انجن سولی کی طرح کا کھڑا کیا گیا تھا جس کو ایک چرخ لگا ہوا تھا انجن پر پہنچنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں اس کو شراپیڈ Strapado کہتے ہیں جس کے ذریعے سے سزا دہی پہنچانے کا یہ طریقہ ہے کہ ایک بڑا شہتیر بلندی پر لگا ہوا ہے اُس پر کھینچ کر انسان کو چڑھا دیتے تھے اور وہاں سے اُسے گرا دیتے تھے جس کے صدمے سے اُس کی ہڈیاں چورا چورا ہو جاتی تھیں۔ وہیں قریب میں اوپر وار کو ایک جزیرہ تھا جہاں پادری کے فتوے کے موافق لوگوں کو زندہ آگ میں ڈال کر جلا دیتے تھے جن کے لیے یہ سزا تجویز کی جاتی تھی اُن کو دار القضا سے جھٹنے اور شیطان کا خوفناک لباس پہنا کر لاتے تھے اور جلاد کے حوالے کرتے تھے بازار میں سوائے سور کے گوشت کے اور کسی قسم کا گوشت کاٹنے کی ممانعت تھی جو ہندو اور مسلمان دونوں کے لیے ایک غضب کا سامنا تھا۔ ایک اور سیاح لنس کوٹن Linschoten سنہ ۱۵۸۳ء سے ۱۵۸۹ء تک ہندوستان میں رہا وہ بھی پادریوں کی انکوئزیشن کے مظالم باشندگان کے ذبح کرنے اور تکلیف دہی کی تائید کرتا ہے جس کا مادہ یہ تھا کہ عیسائیوں کے رومن کیتھولک فرقے میں Inquisition پادریوں کی اُس مقدس جماعت کا نام ہے جو برگشتہ اور مرتد لوگوں کے افعال اور مذہبی الزامات کی تحقیقات اور سزا دہی کے واسطے مقرر کی جاتی ہے ۱۲

۵۳ ہنگل ستادر گیرہ۔ کنک گیری مقامات پر سے ہوتے ہوئے آناگندی پہنچے جو (۵۵) میل کا فاصلہ ہے۔ یہ سب مقامات ریاست سرکار نظام ضلع رائچور میں ہیں کنک گیری میں ایک بہت بڑا دیول ہے۔ یہ دیول بہت عالی شان اور خوش نما بنا ہوا ہے اور ہمستان ہلی حیدر کے تفویض ہے۔ اور ہر سال پھاگن کے مہینے میں ایک بہت بڑی بھاری جاترا ہوتی ہے۔ یہاں کا لکڑی کا رتھ بہت عظیم الشان اور قابل دید ہے اور اُس میں نقش و نگار اور تصویروں کی بڑی صناعی کی گئی ہے جو بارہ برس میں طیار ہوا اور اُس کی لاگت قریب دس ہزار روپیہ کے ہے اس میں سیکڑوں آدمی ہوتے ہوں گے (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

اُس پار سے جا داخل ہوئیں اُنھوں نے جاتے ہی شہر کو لُوٹ ڈالا جو دریائے تنگ بھدرا کے اُس کنارے پر ہی اور عمارتوں کو مسمار کیا اور ہر طرح کا ظلم برپا کیا جب یہ لوگ شہر اور مضافات کو لُوٹ مار کر تاراج کر چکے وِنکٹادری نے (جو لڑائی میں سے جان بچا کر ایک دور دراز مقام پر قلعے میں پناہ گزین تھا) نہایت عاجزی سے بادشاہوں کی خدمت میں صلح کے لیئے عرض معروض کرائی اور جتنے مقامات کہ رام راج نے سلمانوں سے لیئے تھے ایک ایک کر کے سب واپس دیئے۔ فتح یاب مسلمانوں کو اور کیا چاہیئے تھا بیجانگر کی تو وہ اینٹ سے اینٹ بجا ہی چکے تھے اب اُس میں کیا دھرا تھا جو اُسے لیتے اس پر رضامند ہو گئے اور رائچور پونہچ کر سب ایک دوسرے سے رخصت ہوئے اور اپنی اپنی دارالخلافت کو روانہ ہوے راجہ بیجانگر کبھی اس جنگ کی آفت سے پنپ نہ سکا۔ شہر میں تو پہلے ہی دن کے وقت اُلّو بولتا تھا آدمی کا پتہ نہ تھا ملک اُس پر جو جہاں کا زمیندار یا قلعے دار تھا وہ بابیٹھا اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ راجہ بن گیا۔ مشہور ہے کہ ۱۵۶۸ء میں ترمل راج نے سداسیو راجہ کو بھی مار ڈالا اور خود تخت پر قابض ہو گیا۔ فی الحقیقت راجہ سداسیو برائے نام ہی تھا جو کچھ کیا دھرا اِن تینوں بھائیوں ہی نے کیا لیکن ترمل راج کو پھر بھی صبر نہ آیا اور سلطنت کی طمع میں ایسا سرشار تھا کہ سداسیو کی جان لے کر ہی چھوڑا۔ گو ترمل راج کا ہی راج تھا لیکن پھر بھی برائے بیت سداسیو ہی کا نام چلتا تھا چنانچہ دیلور میں چار مقامات پر راجہ ہی کے نام کے سنگی کتبے موجود ہیں جن کی تاریخ مطابق ۵ فروری ۱۵۶۷ء درج ہی۔

یہاں سے راجگانِ بیجانگر کا خاندانِ سوم شروع ہوا بشرطیکہ اسے خاندان کے معزز لقب سے نامزد کرنا مناسب حال ہو کیونکہ سلطنتِ بیجانگر اب دم توڑ رہی تھی اُس میں اب دھرا ہی کیا تھا۔

(باقی نوٹ صفحہ ۳۰۰) رسّے لگا کر کھینچتے ہیں اور پیچھے سے بڑی بڑی بلّیوں سے پہیّوں کو دھکیلتے ہیں رتھ پر پجاری سنکھ لے کر بیٹھتے ہیں اور دو پیہ مورچھل جھلتے رہتے ہیں دس پندرہ ہزار آدمیوں کا مجمع ہوتا ہی۔ اس دیول میں اب تک پجاری مقرر ہیں اور معاش من جانب سرکار عالی نظام جاری ہی اس دیول کے اندر بڑے بڑے پتھروں پر سنسکرت میں کتبے موجود ہیں جن میں اس دیول کی تاریخ اور عطیات و انعامات کی کیفیت کندہ ہی۔ اس دیول کے برآمدے میں بڑے بڑے پتھر کے ستون گھوڑوں کی شکل کے بنا کر لگائے ہیں اور ان پر عورتوں کی مورتیں بٹھائی ہیں چھت پر ہزارہا تصویریں بتوں کی پتھر میں تراشی ہیں اور بے انتہا محنت اور صرفے سے یہ کام پورا کیا گیا ہی اس موضع میں ایک عجیب غریب باؤلی بھی ہی جو بہت بڑی اور نہایت عمدہ سنگ بست بنائی گئی ہی اس باؤلی کے اطراف میں بطور برآمدہ کے لداؤ کے مکانات بنائے گئے ہیں کہ جن میں سیکڑوں آدمی ٹھیر سکتے ہیں اس باؤلی کا نام "لکھا" باؤلی ہی اور قابل دید ہی۔ نام سے معلوم ہوتا ہی کہ لاکھ روپئے کے صرفے سے بنی ہی اس کے علاوہ اس موضع میں ایک بہت بڑا سنگ بست حوض ہی کہ جسکا عمق ہاتھی سے زیادہ ہی اور اُس کے بیچ میں ایک خوش نما برجی بنی ہوئی ہی۔ بیان کیا جاتا ہی کہ کشتی میں سوار ہو کر اس حوض کی سیر کرتے تھے اور اس برج کے اندر بیٹھ کر تماشا دیکھتے تھے۔ سمستان آناگندی کی مختصر تاریخ یہ ہی کہ تمراج پسر رام راج نے وقت شکست بیجاپور علی عادل شاہ کے پاس پناہ لی تھی۔ اس نے معروضہ کیا کہ وِنکٹادری رام راج کا جانشین بن گیا ہی اور وہ رفتہ رفتہ قوت حاصل کرتا جاتا ہی اور ریاست کے تمام امرا و رؤسا اُسی کے ساتھ ہیں اور میں تن تنہا رہ گیا ہوں لہٰذا میری التماس ہی کہ بادشاہ جہاں پناہ مجھے ملازم رکھ کر قلعہ آناگندی عنایت فرمائیں بادشاہ اُسے اپنا بیٹا کہہ چکا تھا اُسے طلب فرمایا اور تسلی دی اور اُسی روز چتر و اثاثہ سلطنت کہ لازمہ راجگانِ بیجانگر ہی اُس کو دے کر حکومت آناگندی پر روانہ فرمایا۔ آناگندی بیجانگر سے قریب دریائے تنگ بھدرا کی دوسری طرف ایک بڑا قصبہ اب بھی موجود ہی اور حصار مستحکم ہی۔ بیجانگر سے بھی پہلے کا یہ شہر ہی۔ علی عادل شاہ نے بعد خرابی بیجانگر اس قصبے کو دوبارہ آباد کیا چند دنوں میں وہاں اچھی آبادی ہو گئی بھٹکے بھٹکاتے لوگ کثرت سے آکر جمع ہو گئے اسی سلسلے و خاندان کے راجہ یہاں اب تک قائم ہیں انگریزی علاقہ میں تین گاؤں ان کو جاگیر تھے وہ تو حال میں ضبط ہو گئے اب ۱۸۶۲ء سے پانسو روپیہ کی پنشن ملتی ہی اور سرکار نظام سے البتہ اکیس مواضع تخمیناً چالیس ہزار روپیہ سالانہ محاصل کے اب تک جاگیر ہیں نواب سر سالار جنگ اول مرحوم نے دس ہزار روپیہ سالانہ پیشکش ان پر لگا دیا تھا مگر وہ بھی آج تک انھوں نے نہیں دیا نہ سرکار سے مطالبہ ہوا اب یہی راجہ ہیں جو والی سمستان آناگندی ہیں اور یہی بیجانگر کے راجہ کے خاندان کی عظمت و ثروت کی یادگار ہیں دونوں سرکاروں میں ان کا بہت اعزاز و اکرام ہوتا ہی۔ (نوٹ صفحہ ہذا) ۵ دوسری روایت یہ ہی کہ ونکٹادری تالیکوٹہ کی لڑائی میں مارا گیا اور تینوں بھائیوں میں سے صرف ایک ترمل راج ہی بچا اور یہی صحیح ہی فرشتہ نے غالباً سنی سنائی بات لکھ دی ہی اور سہواً ترمل راج کی جگہ ونکٹادری کا نام لکھا گیا ہی۔

سولھواں باب

خاندانِ سوم

شجرۂ خاندانِ سوم

یہ شجرہ اپی گرفیکا انڈیکا سے علیحدہ ضمیمے پر نقل کیا جاتا ہی۔ اِس میں جو سلسلے وار نمبر دیے گئے ہیں وہ صحیح نہیں معلوم دیتے مثلاً رام راج کو دوم لکھا ہی جو حقیقت میں اوّل ہونا چاہیے کیوں کہ رام راج کے بزرگوں نے کبھی سلطنت نہیں کی اور ہمارے قول کی تائید احکام معافیات کنڈیاٹا بابت ۱۶۳۶ء دولاپاکا ۱۶۲۰ء وکلاگڑی ۱۶۴۴ء سے ہوتی ہی اگرچہ رام راج قدیم خاندان کا ممبر تھا مگر اُس کے صحیح تعلق کا آج تک پتہ نہیں چلا۔ اِس شجرے میں جو جو سنہ درج ہیں وہ کتبوں کے ہیں زمانۂ سلطنت کے نہیں ہیں۔

حال راجہ صاحب آناگُندی جن کے خاندان کا نام پمپاپتی ہی سرکارِ عالی نظام کی ریاست میں بمقام آناگندی رہتے ہیں اُنھوں نے اپنا شجرہ زمانۂ حال تک کا رابرٹ سیول صاحب کلکٹر بلھاری کو دیا[1] تھا۔ رنگا ششم عرف سری رنگا چتا دنکٹ سوم کے تین بیٹوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ بڑے لڑکے کا نام ویرادنکٹ پتی رایا تھا جو محروم الارث کر دیا گیا تھا۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں معلوم دیتی کیوں کہ شجرے میں اِسی کا سلسلہ قائم ہی گویا لا جو خاندان میں ایک چھوٹا ممبر تھا پہلے تخت نشین ہوا اِسی نے رنگا ششم کو متبنّٰی لیا جو خاندان کی شاخ کلاں میں سب سے چھوٹا شخص تھا۔

پمپاپتی راجہ کو گورنمنٹ نظام نے دو وجہ سے جائز وارث منظور فرما لیا ہی۔

اوّل اِس وجہ سے کہ پہلی اور بڑی شاخ معدوم ہوگئی اور راجۂ حال کو اُن کی بہن رانی کُپّما صاحبہ نے جو کرشنا دیو شاخ کلاں کی بیوی ہیں متبنّٰی لے لیا۔

[1] راجہ صاحب حال نے براہِ مہربانی مجھے بھی اپنے خاندان کا پورا شجرہ دیا ہی اِس میں اور سیول صاحب کے شجرے میں کچھ فرق نہیں ہی سوائے اِس کے کہ اِس میں پنشن خوار راجاؤں کے سنہ وفات اور زیادہ ہیں یہ مکمل شجرہ جداگانہ ضمیمے پر درج ہی ۱۲

دوسرا سبب یہ ہے کہ راجہ حال کے دو بڑے بھائی اپنے حق سے دست بردار ہو گئے اور اِن ہی کو راجہ تسلیم کر لیا۔ راجہ حال کا نام "سری منت سری رنگا دیو رایلو" ہے اور میں خوش نصیب ہوں کہ مجھے ایسے بڑے خاندان کے ممبر سے ذاتی ملاقات ہے۔ اِن کی عمر اِس وقت تخمیناً چالیس برس کی ہے۔ اب اِس عظیم الشان اور قدیم خاندان کے چشم و چراغ یہی ہیں۔ اِس خاندان میں اب صرف دو شخص ذکور میں سے رہ گئے ہیں ایک راجہ صاحب اور دوسرے کُمار رگھو جو راجہ صاحب کے متوفّٰی بھائی سداسیو کے بیٹے ہیں اور اِس حساب سے اُن کے بھتیجے ہوئے۔ رانی کپما صاحبہ بھی زندہ ہیں اور اُن کی خدمت میں بھی مجھے نیاز حاصل ہے۔ اب ہم کو بیجانگر کے تھوڑے سے حالات جو اُس کی ویرانی اور بربادی کے بعد ہوئے بیان کرنے باقی ہیں لہٰذا اُس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

سلاطینِ اسلام کا مجملی ذکر

بیجانگر کی تباہی کے بعد مسلمان بادشاہوں میں جو لڑائیاں اور جھگڑے ۱۵۶۵ء کے بعد پڑے اُن کو ہم چھوڑ دیتے ہیں کیوں کہ تاریخ بیجانگر کو اُس سے کوئی تعلق نہیں ہے البتہ چند واقعات جو اُس حصۂ مُلک سے متعلق ہیں جو سلطنتِ بیجانگر میں شامل تھا مختصراً بیان کیئے جاتے ہیں۔ حسبِ بیانِ مورخینِ گول کنڈہ تالی کوٹہ کی جنگ کے بعد جس کا افسوس ناک نتیجہ بیجانگر کی بربادی ہوئی۔ قطب شاہ کے علاقے کا ایک رئیس رفعت خاں لاری عرف مُلک نایک نے راج مندری پر چڑھائی کی اور ۹۷۹ھ مطابق ۱۵۷۲ء میں اُس کو ہندوؤں سے چھین لیا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ علی عادل شاہ نے بیجاپور آنے کے بعد پھر ایک مرتبہ بیجانگر کی طرف فوج کشی کی لیکن بادشاہ احمد نگر نے اُسے روکا اور وہ پلٹ گیا۔ اِس کے چند روز بعد عادل شاہ نے گوا پر چڑھائی کی لیکن ناکام رہا وہاں سے پلٹ کر اُس نے ادھونی پر حملہ کر دیا جو اُس زمانے میں بیجانگر کے ایک رئیس کے قبضے میں تھی اور جو خود مختار مالک بن بیٹھا تھا۔ ادھونی کو علی عادل شاہ نے فتح کر لیا اور نظام شاہ اِس بات پر رضامند ہو گیا کہ اگر بادشاہ بیجاپور اُس علاقے کو جو کرشنا کے جنوب میں واقع ہے اپنے تابع کرے تو ہم کو کوئی عذر نہیں ہے بشرطیکہ ہمارے ملکِ برار لینے میں حائل نہ ہو۔

علی عادل شاہ کا بنکاپور۔ کنڈا ویڑ بالم کنڈہ اور پین کنڈہ کو فتح کرنا ۱۵۷۳ء

اِس بنا پر ۱۵۷۳ء میں علی عادل شاہ نے دھارواڑ اور بنکاپور پر چڑھائی کی۔ بنکاپور پر ویلپا نایک سے

جو وہاں کا خود مختار حاکم تھا برابر ڈیڑھ سال مقابلہ رہا آخر کار محصورین عاجز ہو کر مطیع ہو گئے - تاریخ فرشتہ میں لکھا ہی کہ عادل شاہ نے بنکاپور میں ایک عالی شان مندر کو ڈھا دیا اور اُسی جگہ اپنے ہاتھ سے ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھا - ملک کوکن میں بھی بہت سی فتوحات ہوئیں - تین سال کے بعد بالم کنڈہ پر چڑھائی کی اور رائے بیجانگر خوف زدہ ہو کر بین کنڈہ سے چندراگیری کو آ گیا - اس لڑائی میں عادل شاہ کو کامیابی نہیں ہوئی کیوں کہ بادشاہ گول کنڈہ ہندوؤں کی مدد پر تھا - ۱۵۷۹ء میں بادشاہِ گول کنڈہ نے اپنے معاہدے کے خلاف دین کنڈہ اور کنڈہ ویڑ - کاچرلہ کوٹ اور کھم پر چڑھائی کی اور یہ تمام مقامات جو کرشنا کے جنوب میں تھے فتح کر لیئے -

علی عادل شاہِ اوّل کا قتل ۱۵۸۰ء

۱۵۸۰ء میں علی[۵۱] عادل شاہِ اوّل قتل کیا گیا -

ابراہیم قطب شاہ کا انتقال اور قلی قطب شاہ کی جانشینی ۱۵۸۰ء

ابراہیم قطب شاہ بادشاہ گول کنڈہ نے بھی ۹۸۹ھ م ۱۵۸۰ء میں تیس سال چھ ماہ کی سلطنت کے بعد انتقال کیا اور اُس کی جگہ اُس کا فرزندِ سوم محمد قلی قطب شاہ تخت نشین ہوا -

---

[۵۱] ابوالمظفر علی عادل شاہِ اول کا زمانہ سلطنت ۱۵۵۷ء سے ۱۵۸۰ء تک ہی - اس بادشاہ کے عہد میں بہت سے کام رفاہِ عام کے ہوئے جن کی تفصیل یہ ہی: شہرِ بیجانگر کی فصیل - گگن محل (۱۵۶۱ء) چاند باولی - مشہور جامع مسجد - آنند محل - قلعہ شاہ درگ (۹۶۶ھ م ۱۵۵۸ء زیر اہتمام میر نعمت اللہ) مضافاتِ شاہ پور (۹۶۷ھ م ۱۵۵۹ء زیر اہتمام کشور خان) ہریا محل (۹۶۸ھ م ۱۵۶۰ء) قلعہ دھاروار (۹۷۵ھ م ۱۵۶۷ء) قلعہ جات شاہ نور و بنکاپور (۹۸۱ھ م ۱۵۷۳ء) بارہ امام و باغ فدک (۹۷۴ھ و ۹۷۶ھ م ۱۵۶۶ء و ۱۵۶۸ء) شہزادہ ابراہیم کی رسم گل پوشی کا ایک واقعہ قابلِ تذکرہ ہی - ماہِ شوال ۹۸۷ھ میں بادشاہ نے بوجہ اس کے کہ اُس کو کوئی فرزند نہ تھا اپنے بھتیجے شاہزادہ ابراہیم بن طہماسپ کو ولی عہد مقرر کیا اور اُسی سال حسبِ سنت حضرت ابراہیم خلیل شاہزادہ کے ختنے کی شادی بڑی دھوم دھام سے کی جس رات شاہزادہ گھوڑی چڑھا اُس کو حسبِ دستورِ ملک دکن سُرخ لباس پہنا کر خسب گشت نکالا نوکروں میں آتش بازی تھی شاہ بازار میں دو طرفہ آتش بازی کے جھاڑ لگا دیے گئے تھے اُن میں اتفاقاً آگ لگ گئی جس سے سات سو تماشائی جل گئے لیکن خدا کی قدرت دیکھیے کہ اگرچہ شاہزادہ بھی اُس مجمع میں تھا مگر بال بال بچ گیا - علی عادل شاہ اول کے قتل کے واقعے کی تفصیل یہ ہی کہ بادشاہ باوجودے کہ تمامی اوصاف حمیدہ و خصائل پسندیدہ سے متصف تھا لیکن عیاش بہت تھا اور خوبصورت لڑکوں کی طرف زیادہ مائل تھا - بادشاہ نے علی برید کو کہلا بھیجا کہ مَیں سنتا ہوں کہ تمہارے پاس دو خواجہ سرا صاحب جمال ہیں اُن کو بہت جلد ہمارے پاس بھیجدو" ملک برید نے چند دن عذر و معذرت میں ٹال دیئے یہاں تک کہ مرتضیٰ نظام شاہ نے اُس پر فوج چڑھا دی اور عادل شاہ نے بھی ہزار سوار مدد کے لیئے بھیج دیئے مشکل یہ تھی کہ امیر برید خود ان خواجہ سراؤں کو بہت چاہتا تھا لیکن اب جب کہ جنگ و جدل کی نوبت پہونچی ناچار احمد آباد و بیدر سے ان دونوں کو بیجاپور بھجوا دیا - خواجہ سراؤں کو جس کام کے لیئے بلایا تھا وہ تاڑ گئے - اِن دونوں میں جو بڑا تھا وہ ایک چھری پائجامے میں چھپا کر لے گیا رات کے وقت جب بادشاہ اور وہ خلوت میں گئے تو اُس نے بادشاہ کو مار دیا -

دریغا کہ آں شاہ عالی نژاد
از و غیر افسانہ چیزے نماند
[illegible] او

کہ در عدل مثلش بہ گیتی نہ زاد
بجز خاک خوباں دریں دشت نیست
نبرز رد بریں رنج و آسیب او

بہ تیغ ستم نقد جاں برفشاند
بجز خونِ شاہاں دریں طشت نیست

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

حیدرآباد (دکن) کی بنا ۱۵۸۹ع

جس نے ۱۵۸۹ع میں بلدۂ حیدرآباد دکن کی بنیاد ڈالی اور اُس کا نام ابتدا بھاگ نگر رکھا۔ محمد قلی نے کرنول۔ کڑپہ کے اضلاع میں بالذات جنگ کی اور کرنول۔ نندی یال گنڈی کوٹہ۔ ان مقامات کو فتح کرلیا بلکہ اضلاع مشرقی میں نلور تک پہونچ گیا۔ ترمل راج کی جگہ ۱۵۷۵ع میں اُس کا فرزند دوم رنگا ثانی بیٹھا اس کے بعد اُس کا بھائی ونکٹ اول ۱۵۸۶ع میں حکمراں ہوا جس نے اٹھائیس سال سلطنت کی اور پختہ عمر میں ۱۶۱۴ع میں فوت ہوا اُس کے مرنے کے بعد اس ملک میں بغاوت اور ہنگامہ اور باہمی خانہ جنگیاں اور زیادہ ہوگئیں جس کا تفصیلی حال وقائع بڑا داس میں مندرج ہیں اِس کی سلطنت کا ایک کتبہ تانبے کے پتر ۱۶۰۱ع و ۱۶۰۲ع کا ہے ۱۵۹۳ع میں ابراہیم عادل شاہ بادشاہ بیجاپور نے میسور پر حملہ کیا یہ ملک اُس زمانے میں راے بیجانگر کے ماتحت تھا اور تین مہینے کے محاصرے کے بعد فتح کرلیا۔ اِسی سال بادشاہ بیجاپور کے بھائی اسمٰعیل عادل شاہ نے جو قلعۂ بلگاؤں میں قید تھا بغاوت کی اور اپنے کو اُس مقام کا خود مختار بادشاہ بنالیا۔ بادشاہ کی فوج نے بلگاؤں کا محاصرہ کیا لیکن بادشاہی فوج کی دغا بازی نے فتح نہ ہوسکی اور یہ ملک کچھ عرصے تک باقی رہا آخر کار فتح ہوگئی اور باغی مارا گیا۔

قلعۂ ادھونی مسلمانوں کے قبضے میں

اِسی زمانے میں ہندوؤں نے پھر اس بات کی کوشش کی کہ قلعۂ ادھونی لے لیں لیکن کامیابی نہیں ہوئی اور اسی زمانے میں پھر بادشاہانِ بیجاپور اور احمدنگر میں لڑائی چھڑ گئی۔ تاریخ فرشتہ میں اِس کے بعد کے بیجاپور کے حالات مندرج نہیں ہیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۴)
چسیں ست آئین گردندہ دہر ۔۔۔ کہ بخشد بہ رغبت ستاند بہ قہر

یہ حادثۂ عظمیٰ و واقعہ کبریٰ شب پنج شنبہ ۲۳ صفر ۹۸۸ھ میں ہوا۔ ملا محمد رضائی مشہدی نے حسب ذیل تاریخ لکھی ہے:-

آہ کہ دست اجل در چمنِ عدل و داد ۔۔۔ نخل فتوت بکند شاخ مروت برید

بر فلکِ خسروی گشت ازیں ماجرا ۔۔۔ مہر کرم منحفی ماہ سخا ناپدید

خسروِ عادل لقب شاہِ علی نام آنکہ ۔۔۔ ظلم بدورانِ او کس نشنید و ندید

وقت وداعِ جہاں تا نرود تلخ کام ۔۔۔ از کفِ ساقی دہر زہر شہادت چشید

منشی دورانِ غیب از پےِ تاریخ آں ۔۔۔ بر سرِ دفتر نوشت شاہِ جہاں شد شہید ۹۸۸

رفیع الدین شیرازی نے جو اِس دربار میں ایک معتمد عہدے پر مامور تھا اِس واقعہ کا چشم دید ۲۴ صفر ۹۸۸ھ یوم دوشنبہ مطابق ۱۱ اپریل ۱۵۸۰ع مرقوم لکھا ہے اس کا مقبرہ شہر بیجاپور کے جنوب مشرق کے کونے میں واقع ہے جو علی رَوضہ کے نام سے مشہور ہے ہنری کوزن صاحب نے لکھا ہے کہ چند زیورات کے بارے میں جھگڑا تھا جو بادشاہ نے اپنی لڑکی کو دیے تھے اُس کے تصفیے کے لیے ایک غلام گلبرگہ سے آیا تھا جس نے بادشاہ کے پیٹ میں خنجر بھونک دیا انتڑیاں نکل پڑیں اور بادشاہ فوراً جاں بحق تسلیم ہوا۔ رباعی

گویند بخشر گفتگو خواہد بود ۔ واں یارِ عزیز تندخو خواہد بود ۔ از خیرِ محض جز نکوئی ناید ۔ خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود

(نوٹ صفحہ ہذا) سلہ علی عادل شاہ نے ۱۵۶۸ع میں قلعۂ ادھونی پر ملک حسین خاں کو گورنر مقرر کیا تھا جو اُنتالیس برس رہا اِس کا مقبرہ اب تک اچھی حالت میں موجود ہے اور سرکار انگریزی نے بھی سالانہ عرس کے اخراجات کو جاری رکھا ہے اور اس مقبرے پر خدام اب تک مقرر ہیں نواب سدّی مسعود خاں ۱۶۶۲ع میں گورنر مقرر ہوا اور اُسی کے عہد میں جامع مسجد تعمیر ہوئی سلاطین بیجاپور کے آخری بادشاہ نے اس مسجد کے لیے ایک سنگ مرمر کی تختی بھجوائی تھی جس کے اوپر کتبہ ہے اور ہزار اشرفی نذر بھیجی۔ یہ تختی اب بھی اندرونی کمان میں لگی ہوئی ہے بادشاہ کے عطیے سے جامع مسجد کا سنہری اور آرائشی کام کیا گیا۔ اورنگ زیب نے ۱۶۸۶ع میں سلطنت بیجاپور کو جس میں بہت بڑا حصہ ملک کرناٹک کا شامل تھا فتح کرلیا اور نواب غازی الدین خاں کو بجائے سدّی مسعود خاں کے ادھونی کا گورنر مقرر کیا۔ اِن دونوں گورنروں میں لڑائی ہوئی۔ افواج بادشاہ دہلی نے مسجد پر توپیں لگادیں اور خالی آوازیں چلانے لگے سدّی مسعود خاں گھبرا گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسجد کو ڈھادیں وہ مسجد کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا لہٰذا اُس نے قلعہ حوالے کردیا اور نگ زیب نے ۱۶۸۷ع سے ۱۷۲۳ع تک بادشاہت ہند مع ملک دکن بہادر شاہ جہاندار شاہ فرخ سیر اور محمد شاہ کے قبضے میں رہی الغرض ادھونی پر نواب غازی الدین خاں کا خاندان ۱۷۵۲ع تک قابض رہا اس کے بعد یہ ملک حیدرآباد کے نواب بصالت جنگ کو دے دیا گیا جنھوں نے ۱۷۷۸ع میں انتقال کیا ان کا مقبرہ ابھی تک موجود ہے محمد شاہ کی سلطنت کے زمانے میں بتاریخ ۱۲ اکتوبر ۱۷۶۳ع نظام الملک آصف جاہ صوبہ داری دکن پر بحال ہوئے ۱۸۰۰ع میں نظام الملک بہادر نے ادھونی کو مع [illegible] اضلاع کرنول و کڈپہ [illegible] (بقیہ نوٹ آئندہ صفحہ)

بقیہ حالات کا مختصر بیان سترھویں صدی کے واقعاتِ ہند گڈمڈ اور بے معنی کے ہیں راجگانِ بیجانگر نے
بچی کھچی سلطنت کو بھی ضائع کر دیا حتّٰی کہ آگے چل کر تو بس برائے نام ہی راجہ رہ گئے اور پرانی اور مشہور سلطنت کا
ایک موہوم سا ڈھانچ باقی رہ گیا ۱۶۴۲ء تک بھی ونکٹ پتی مہاراجہ بیجانگر کے نام پر دیول کے نام کے عطیات
تانبے کے پتروں پر کندہ ہوئے ہیں اور اٹھارھویں صدی میں بھی اٹھ عطیات راجہ کے خاندان میں دینے کا کتبہ موجود ہے
۱۶۵۰ء تک اکیری اور بدنور کے رئیس لوگ اپنے آپ کو راجۂ بیجانگر کا ماتحت لکھتے تھے۔ ایک اطالیہ کا سیاح
پیٹرو ڈِلا ویلی (Pietro della Valle) جو ۱۶۲۳ء کے آخر میں مقام اکیری میں تھا لکھتا ہے کہ "راجور سے
وہ ایک ایلچی کے ساتھ اکیری گیا تھا وہاں کے راجہ کا نام ونکٹپا نایک تھا جو پہلے راجہ بیجانگر کا وزیر تھا لیکن اس ریاست
کے تباہ ہوجانے کے بعد وہ خود مختار ہوگیا اور چوں کہ وہ خود سپاہی نسل تھا اس نے اپنے علاقے کو وسعت بھی دی"
۱۶۱۰ء تک میسور میں بیجانگر کی جانب سے ایک نائب السلطنت مقرر رہا تھا اور آگے چل کر اسی خاندان میں سے راجگانِ
میسور ہوئے۔ مدرا۔ تانجور میں ۱۶۰۲ء تک نایکوں کی حکومت رہی سترھویں صدی کے آخر میں تمام بادشاہانِ دکن سلاطین
خاندانِ مغلیہ کے تحت میں آگئے اور تمام ملک دکن پران کا قبضہ ہوگیا۔ اسی زمانے میں مرہٹوں کا اس قدر زور ہوا کہ
خیال کیا جاتا تھا کہ تمام ہندوستان پران کا قبضہ ہوجائے گا ۱۶۷۳ء میں سیواجی نے تمام ملک کوکن کو فتح کرلیا
اور اس کے چار سال بعد اسی نے بیجانگر کی رہی سہی حکومت کا جو کرنول۔ گنگی اور ویلور میں باقی تھی اس کا بھی خاتمہ
کردیا سیواجی کے بھائی ایکوجی نے ۱۶۷۴ء میں تانجور کو فتح کرلیا اور وہاں اُن کے خاندان کی حکومت پوری ایک صدی
تک رہی ریاستِ میسور برابر ہندو راجاؤں کے خاندان میں خود مختار رہی لیکن بعد میں ٹیپو سلطان نے چھین لی اور
خود چالیس سال تک حکمراں رہا ۱۷۹۹ء میں ٹیپو سلطان نے سرنگاپٹن پر شکست کھائی اور انگریزوں نے ملک میسور کو ہندوؤں
کے حوالے کیا۔ مدراس میں جو قلعہ سینٹ جارج کا بنا ہوا ہے وہ زمین راجہ سری رنگ رایا ششم نے ۱۶۳۹ء میں جب کہ
وہ چندرگیری میں رہتا تھا انگریزوں کو دی سب سے پہلے مدراس میں انگریزوں کا کارخانہ ۱۶۲۰ء میں قائم ہوا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۲) کے سرکارِ انگریزی کے سپرد کردیا۔ بروئے عہد نامہ مورخہ ۲۱ مئی ۱۸۵۳ء جو مابین آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب نظام الملک آصف جاہ بہادر
خلد اللہ ملکہٗ ملک دوآبہ رائچور بادائی تنخواہ جمعیت کنٹنجنٹ کرنل ٹو صاحب بہادر ریذیڈنٹ سرکارِ عظمت مدار کے سپرد ہوا بروئے ضمیمہ عہد نامہ فیما بین ملکہ معظمہ کوئین وکٹوریا و ہزہائینس
نواب افضل الدولہ نظام الملک آصف جاہ بہادر مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۸۶۰ء بزمانہ کرنل ڈیوڈسن صاحب بہادر ریذیڈنٹ حیدرآباد ملک دوآبہ سرکارِ عالی کو مسترد ہوا جس میں ضلع رائچور اور
لنگسگور شامل تھا اور اب تک بافضالِ الٰہی اس ملک کے حکمراں نواب میر محبوب علیخاں آصف جاہ نظام الملک جی۔ سی۔ بی۔ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی خلد اللہ ملکہ میں ۱۸۵۰ء
میں لنگسگور کنٹنجنٹ کی فوج کا مستقر قرار پایا اور چھاؤنی مقرر ہوئی اس کے بعد ستمبر ۱۸۸۴ء میں چھاؤنی رائچور منتقل ہوگئی اور ۱۳۱۹ف مطابق ۱۹۱۰ء میں ملک
امانی بار سرکارِ عالی انگریزی کی تحویل میں دے دینے سے جمعیت کنٹنجنٹ شکست ہوگئی اور مثل دوسری چھاؤنیوں کے رائچور کی چھاؤنی بھی توڑ دی گئی ۱۳۱۹ف
میں ۱۹۰۵ء کی جدید ضلع بندی میں ضلع لنگسگور شکست ہو کر اس کے تعلقات اضلاع رائچور و گلبرگہ میں ضم ہوگئے ہیں۔ مرکز تحصیل لنگسگور کا ایک موضع رہ گیا ہے جہاں
پہلے تحصیل تھی اب وہ بھی لنگسگور اٹھ گئی اور لنگسگور میں صرف ایک ویران اسرار تحصیل دار رہتا ہے لنگسگور رائچور سے (۵۶) میل کا فاصلہ ہے اور مدگل
لنگسگور سے (۱۲) میل ہے۔

سترھواں باب

براڈاس کے بیان کردہ حالات ۱۶۱۴ء

چندر گیری کے حالات ۱۶۱۴ء

۱۶۱۴ء میں راجہ ونکٹ اوّل کے انتقال کے بعد جو واقعات چندر گیری میں پیش آئے وہ اس وجہ سے زیادہ دلچسپ ہیں کہ اب تک وہ پبلک کے سامنے پیش نہیں کیے گئے۔ یہ واقعات ۱۲ دسمبر ۱۶۱۶ء میں بمقام کوچین مینوئل براڈاس نے لکھے تھے جو حال میں سنہار لوپس کو قومی تاریخی کتب خانے میں بمقام لسبن دستیاب ہوئے اور جن کو سیول صاحب کے پاس لوپس صاحب نے بھیج دیا تھا اور صاحب موصوف نے ترجمہ کرکے اپنی کتاب میں درج کیے ہیں۔

"میں اب بنگل کے پرانے راجہ کی موت کا حال لکھتا ہوں جس کا نام ونکٹ پتی راملو تھا اور جس نے اس شخص کو جو عموماً راجہ کا بیٹا سمجھا جاتا تھا لیکن درحقیقت اُس کا بیٹا نہ تھا محروم کرکے اپنے بھتیجے چِکّا راملو کو اپنا جانشین مقرر کیا"۔

اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ:-

راجہ کی شادی جگّا رائے کی بیٹی بایّما سے ہوئی تھی لیکن بدنصیبی سے اُس کو باوجود ہر طرح کے علاج معالجے اور کوشش کے اولاد نہیں ہوئی۔ رانی کے میکے میں ایک برہمنی رہتی تھی اس کو معلوم تھا کہ رانی کو کس قدر تلملاہٹ اولاد کی ہے لیکن کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی تھی جس اتفاق سے برہمنی کو ایک مہینے کا حمل تھا اُس نے رانی کو صلاح دی کہ یہ موقع اچھا ہے تم راجہ سے کہو کہ تم کو ایک مہینے کا حمل ہے اور اس بات کو عام و خاص میں بھی مشہور کردو اور بظاہر اپنی حالت حاملہ عورتوں کی سی بنالو جب مجھے (برہمنی کو) بچہ ہوگا تو میں اس طرح تمہارے پاس بھیج دوں گی کہ کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوگی تب تم بآسانی یہ بات مشہور کرسکتی ہو کہ تمہارے ہاں بچہ ہوا رانی کی منہ مانگی مراد ملی اُسی دن سے وہ حاملہ عورتوں کی طرح بن گئی۔ برہمنی کے جب لڑکا ہوا تو اُس نے فوراً خفیہ طور پر رانی کے پاس بھیج دیا اور سارے محل میں رانی بایّما کے ہاں لڑکا ہونے کا شور و غل پڑ گیا۔ راجہ کو شبہ ضرور تھا مگر رانی کی محبت اُس پر ایسی غالب تھی کہ اُس نے پردہ فاش نہ کرنا چاہا اور لڑکے کے ہونے کا جشن بڑی دھوم دھام سے کیا اور اس لڑکے کا نام جگّا رایا رکھا جس نام سے ہمیشہ ولی عہد پکارا جاتا تھا لیکن راجہ کبھی اس لڑکے کو اپنے بیٹے کی طرح

سلہ دیکھو شجرۂ خاندانِ سوم ونکٹ اول ترملا کا (جو خاندانِ سوم کا پہلا حقیقی راجہ تھا) بیٹا تھا بھتیجا چکّا رایا جس کا ذکر آیا ہے غالباً رنگا سوم ہوگا چکّا کے معنے خورد کے ہیں لقب عموماً وارثِ تخت کو دیا جاتا تھا مذرین صورت بجّا کا بیٹا راما چہارم جو گئی بھائیوں میں کا ایک تھا وہی ہوگا جو اُس قتلِ عام سے بچ گیا جس کا ذکر ان وقائع میں ہے ۱۲

نہیں دیکھتا تھا بلکہ اُسے قلعۂ چندر گیری میں ڈلوا دیا تھا اور بلا اجازت باہر آنے جانے کی بھی ممانعت تھی البتہ خاص خاص مواقع
پر وہ اپنی ماں کے ساتھ نکلتا تھا۔ باایں ہمہ جب لڑکا چودہ برس کا ہوا تو راجہ نے اُس کی شادی اپنے سالے اکّو رایا کی لڑکی سے
کردی۔ راجہ نے اپنے مرنے سے تین دن پہلے اس فرضی لڑکے کو الگ تھلگ چھوڑ کر اپنے بھتیجے جگّا رایا کو (اس کا نام بھی وہی
تھا جو رانی بایما کے لڑکے کا تھا) سرِ دربار طلب کیا اور اپنا ہاتھ جس میں انگوٹھی تھی اُس کی طرف اس غرض سے بڑھایا کہ وہ انگوٹھی
لے اور وہی جانشین ہو۔ راجہ کا بھتیجا یہ حال دیکھ کر زار و قطار رونے لگا اور عرض کیا کہ مجھے آپ کی سلطنت نہیں چاہیے جس کو
بھی آپ کا دل چاہے یہ انگوٹھی دے دیں یہ کہہ کر وہ روتا ہوا راجہ کے قدموں میں گر پڑا۔ راجہ نے اشارہ کیا لوگوں نے جو کھڑے تھے
جگّا رایا کو اُٹھایا اور راجہ کے داہنے جانب بٹھا دیا۔ راجہ نے دوبارہ پھر اپنا ہاتھ اُس کی طرف بڑھایا کہ شاید اب وہ
انگوٹھی لے لیکن پھر بھی جگّا رایا نے ہاتھ جوڑ کر اپنے سر کے اوپر کر لیے جس کا منشا یہ تھا کہ وہ جانتا تھا کہ اس انگوٹھی
کی بدولت کیا کیا مصیبتیں اُس پر پڑیں گی اور راجہ سے کہا کہ برائے خدا مجھے معاف کیجیے۔ تب راجہ نے تیسری مرتبہ انگوٹھی
نکال کر انگلی کے پور پر رکھ کر اُس کی طرف بڑھائی۔ دربار میں جو لوگ حاضر تھے اُنھوں نے بہت کچھ سمجھایا تو ناچار جگّا رایا نے
انگوٹھی لے کر اپنے سر پر رکھ لی اور پھر انگلی میں پہن کر بہت دیر تک روتا رہا۔ راجہ نے اُسی وقت خلعت (جس کی قیمت دو لاکھ
کروڑ تھی) اور اپنے کان کے جواہرات جس کی قیمت چھ لاکھ کروڑ سے زیادہ تھی اور دوسرے زیورات دو لاکھ کروڑ کے
اور بہت سے جواہرات جو اس سے بھی زیادہ قیمت کے تھے) اکمع تمام لوازمۂ سلطنت منگوا کر اپنے بھتیجے کو دیا اور اُسے اپنا جانشین
مقرر کیا جس کی شہرت فوراً چار طرف دوڑ گئی۔ اس سے بعض لوگ تو خوش ہوئے اور بعض جل بھن گئے۔ تین دن کے بعد راجہ
سترسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اُس کا کریا کرم (موت مٹّی) اُسی کے باغ میں کیا گیا اور نعش کو صندل وغیرہ کی خوشبودار لکڑیوں سے
جلایا گیا۔ اُس کے بعد ہی تین رانیاں بڑی ہمت اور دلیری سے ستی ہوئیں۔ ایک تو راجہ ہی کی عمر کی تھی اور دو پینتیس پینتیس سال
کی تھیں۔ رانیاں بھاری بھرکم لباس میں جواہرات اور زیورات سے آراستہ ہو کر نکلیں اور چتا کے پاس پہنچ کر کچھ زیورات
تو اُنھوں نے اپنے رشتے داروں میں تقسیم کیے باقی اُن برہمنوں کو دیے جو مذہبی رسوم ادا کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ تب
وہ سب سے رخصت ہوئیں اور ایک اونچے چبوترہ پر چڑھ کر ایک دم جلتی اور بھڑکتی ہوئی آگ کے انبار میں کود پڑیں
اور جل کر راکھ ہوگئیں۔ تب نئے راجہ کا دورِ حکومت شروع ہوا۔

جگّا رائے کی بغاوت اور راجہ کے خاندان کا قتل

نئے راجہ نے بعض اُمرا کو تو نکال باہر کیا اور باقی لوگوں کو اپنے پاس رکھا اور سلطنت کے سب لوگوں نے راجہ کے دربار میں حاضر ہو کر بہ استثنائے تین
شخصوں کے اپنی وفاداری اور اطاعت کا اظہار کیا۔ ان تین شخصوں میں جو راجہ حال سے منحرف تھے ایک تو جگّا رائے

تھا جس کی آمدنی چھ لاکھ کروڑ یڈ کی تھی اور جس کے پاس بیس ہزار فوج تھی اور دوسرا تمّا نایک تھا جس کی چار لاکھ کی
آمدنی اور بارہ ہزار فوج تھی اور تیسرا مکّا راے تھا جس کی آمدنی دو لاکھ اور چھ ہزار فوج تھی۔ ان تینوں نے مل کر حلف
اٹھایا کہ کبھی اِس راجہ کی فرماں برداری نہ کریں گے بلکہ راجہ کے منہ بولے بیٹے کا ساتھ دیں گے جو جگّا راے کا نواسا
تھا ان تین باغی اُمرائے سلطنت میں جگّا راے ہی بانی مُبانی اس بغاوت کا تھا اسی کے سبب سے یہ جھمیلا پڑا ان
کے علاوہ نئے راجہ سے اور تین شخص ناراض ہوگئے۔ پہلا دلا تھا جو فوج کا سپہ سالار تھا اور پانچ لاکھ کروڑ یڈ سالانہ
خرچ دیتا تھا اُس سے یوں بگڑی کہ راجہ نے اپنے دونوں بیٹوں کو دینے کے لیے اُس سے تین قلعے چھڑا لینے چاہے۔
دوسرا وزیر تھا اُس سے راجہ نے ایک لاکھ کروڑ یڈ کا مطالبہ اس بنا پر کیا کہ متوفّی راجہ کے عہد میں اُس نے یہ رقم چرالی
تھی تیسرا نریا راے جو راجۂ متوفّی کا برادرِ نسبتی تھا اُس سے کہا کہ تمھاری بہن راجہ متوفّی کی زوجہ نے جو زیورات تم کو دیے
ہیں وہ واپس دو۔ ان تینوں شخصوں نے بظاہر تو راجہ کے احکام کی تعمیل کے لیے دو دن کی مہلت چاہی اور در پردہ
جگّا راو کی سازش میں شریک ہوگئے جو وہ اپنے نواسے کو راجہ بنانے کی کر رہا تھا اور سب نے مل کر یہ تدبیر کی کہ جگّا راے
نے راجہ سے کہلا بھیجا کہ میں تمّا نایک اور مکّا نایک تینوں آپ کی قدم بوسی کو آنا چاہتے ہیں چاہیے۔ راجہ نے اجازت دی جگّا راے فوج
میں سے پانچ ہزار چنیدہ آدمی اپنے ساتھ لے باقی کو باہر چھوڑ کر قلعے میں داخل ہوا باقی دونوں باغیوں نے بھی یہی کیا وہ بھی دو
دو ہزار منتخب جمعیت لے کر آئے۔ قلعے کی دو فصیلیں تھیں۔ جگّا راے نے پہلے دروازے پر ایک ہزار آدمی چھوڑ دیے اور دوسرے
دروازے پر ایک ہزار۔ دلوے نے قلعے کے دوسری طرف دو دروازوں کو روک لیا اتنے میں کچھ گڑبڑ ہوئی اور راجہ کو معلوم ہوا
کہ یہ لوگ باغیانہ نیت سے گھسے ہیں تو اُس نے قلعے کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا لیکن ان لوگوں نے آتے ہی دروازوں کو توڑ تاڑ کر
برابر کر دیا مکّا راے نے کہا کہ میں راجہ کو پکڑ لاتا ہوں اور راجہ کو کہلا بھیجا کہ اگر تم چپ چاپ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو گے تو
ہم تم کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے اور ہماری غرض صرف یہی ہے کہ ہر حال میں جگّا راے کا نواسہ جو متوفّی راجہ کا بیٹا
ہے راجہ ہونا چاہیے بے یار و مددگار راجہ کیا کر سکتا تھا چاروں طرف سے آ کے گھیر لیا تھا اُس کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا ناچار اپنے
بچوں کو لے کر قلعے سے نکلا دو طرفہ فوج کھڑی ہوئی تھی راجہ کا چہرہ اُترا ہوا تھا اور نگاہ زمین پر تھی راجہ کو کسی نے
ڈنڈوت (سلام) تک نہ کی راجہ کا قلعے کے باہر جانا ہی تھا کہ جگّا راے نے جھٹ اپنے نواسے کو گدی پر بٹھا دیا اور سب نے
اُس کی اطاعت پر سرِ تسلیم خم کیا۔ راجہ محل میں داخل ہوا اور سب مال متاع دولت و اسباب کا قابض ہو گیا علاوہ بے شمار دولت
کے صرف جواہرات سے بھرے ہوئے تین بڑے بڑے صندوق اُسے ملے۔ جگّا راے نے راجا معزول کو بڑے پہرے چوکی میں مقید
رکھا کوئی اس کے پاس پھٹکنے نہ پاتا تھا اس مصیبت میں صرف اچّما نایک نے اس کا ساتھ دیا جو اپنی آٹھ ہزار کی فوج لے کر قلعے

کے باہر ہی رہا اور جگّا رائے کے ساتھ شریک نہ ہوا اور جب اُس نے اِن لوگوں کی بغاوت کا حال سُنا تو وہ اپنی گڑھی میں جا کر بیٹھ گیا اور
خود فوج اکٹھی کرنے لگا۔ جگّا رائے نے کہلا بھیجا کہ راجۂ حال کے حضور میں حاضر ہو کر اطاعت و فرماں برداری کا اعتراف کرو اور اگر
تم نے ذرا بھی اِس میں پیش و پس کیا تو یاد رکھو کہ میں تم کو برباد ہی کر دوں گا۔ اچّما نایک نے کہلا بھیجا کہ میں وہ نہیں ہوں کہ ایسے شخص کو راجہ مان لوں
کہ جس کی نسبت یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کس کا بیٹا ہے اور نہ یہ معلوم کہ اُس کی ذات کیا ہے اور یہ جو مجھے دھمکی دی ہے تو میں پہلے
ہی سے تیار بیٹھا ہوں دل میں کوئی ارمان نہ رہے بسم اللہ یہیں گو یہیں میدان جگّا رائے سے کہو کہ باہر آ کر مجھ سے ذرا مقابلہ
تو کر کے دیکھے۔ جگّا رائے نے یہ جواب کی بتری جب سُنا تو ڈھیلا پڑ گیا اور پھر نرمی اور استمالت سے پیغام سلام کرنے لگا اور
بہت کچھ طمعِ سرفرازی اور افزونیِ مراتب کی دی لیکن یہ طمع بھی کارگر نہ ہوئی بلکہ اچّما نایک اپنی فوج سمیت لڑائی پر آمادہ
ہو میدان میں آ ہی گیا اور جگّا رائے سے کہلا بھیجا کہ اب دیر کیا ہے میدان میں نکلو تمہاری طرف تو آج ساری خدائی ہے
اور میں اکیلا ہوں پس اگر تم سے ہو سکے تو مجھے آ کر مار لو تب البتہ تمہارا بنایا ہوا راجہ بلا کسی قسم کی مزاحمت کے راجہ ہو جائے گا
جگّا رائے اچّما نایک کو تو دھمکی یا طمع دلا کر کسی طرح اپنے قابو میں نہ لا سکا لیکن دوسرے بہت سے امرا کو اُس نے دے دلا کر اور آیندہ
کا سبز باغ بتلا کر اپنی طرف کر لیا۔ جگّا رائے تو اپنے ان انتظامات میں لگا ہوا تھا اُدھر اچّما نایک اس فکر میں تھا کہ کسی نہ کسی
طرح اُس کی رسائی راجہ تک ہو جائے جو قید میں پڑا تھا لیکن اُس نے دیکھا کہ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے تو اُس نے کہا کہ خیر راجہ کا
ایک بیٹا ہی اگر مجھ تک آ جائے تو کافی ہے۔ اچّما نایک نے اُس دھوبی کو بُلا بھیجا جو قیدی راجہ کے کپڑے دھویا کرتا تھا اور اُس کو
بہت کچھ انعام اکرام کی اُمید دلا کر کہا تو کسی نہ کسی طرح راجہ کے منجھلے لڑکے کو مجھ تک لے آ۔ دھوبی نے کہا کہ اچھا میں اتنا کام تو کر دوں گا
مگر شرط یہ ہے کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ دھوبی کا جب دھُلے ہوئے کپڑے لے جانے کا دن آیا تو وہ معزول راجہ کے کپڑے قید خانے میں لے گیا اور ساتھ
ہی اُس کے اچّما نایک کا خط بھی لیتا گیا جو تاڑ کے پتّے پر لکھا ہوا تھا جس میں نہایت عاجزی اور اصرار سے لکھا تھا کہ آپ اپنے تینوں صاحبزادوں
میں سے جو آپ کے ساتھ ہیں کسی ایک کو میرے پاس بھیج دیں تو یہ دھوبی کسی نہ کسی طرح سے اپنے ساتھ لے آئے گا۔ راجہ نے اپنے فرزندِ دوم کو
جس کی عمر بارہ سال کی تھی دھوبی کے ساتھ کر دیا کیونکہ بڑے لڑکے کی عمر اٹھارہ سال تھی اُس کا باہر نکال لے جانا اور بھی مشکل کام تھا
دھوبی نے لڑکے کو اپنے میلے کپڑوں کی گٹھڑی میں باندھ لیا اور خوب جتلا دیا کہ ذرا چوں چرا نہ کرنا۔ دھوبی نے بمزید احتیاط گٹھڑی پر
گندے اور غلاظت میں لتھڑے ہوئے کپڑے رکھ لیے اور رستے سے ہٹو ہٹو پکارتا جاتا تھا لوگ خود بخود الگ ہٹ جاتے تھے اِس طرح دھوبی
صحیح سالم اپنے گھر پہنچ گیا اور اُس نے تین دن تک راجہ زادے کو اپنے گھر میں چھپا رکھا اور تیسرے دن اُسے اچّما نایک کے کیمپ میں جو تین میل کے
فاصلے پر تھا لے جا کر پہنچا دیا۔ اچّما نایک اور اُس کے ہمراہیوں کو راجہ زادے کے آنے کی بڑی ہی خوشی ہوئی رفتہ رفتہ یہ خبر چاروں طرف پھیل
گئی اور جگّا رائے کے کانوں تک بھی پہنچی اُس نے سارے محل کو ڈھنڈوایا تو معلوم ہوا کہ ہاں بات صحیح ہے اور معزول راجہ کا ایک لڑکا غائب ہے

محلِ راجہ گانِ چندر گیری
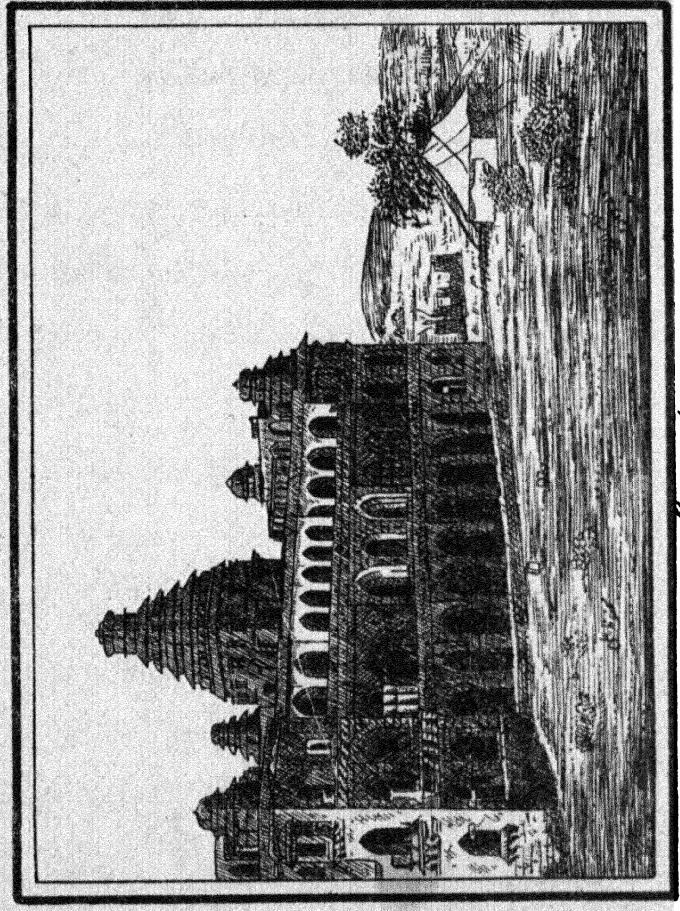
جگا رائے کو ایسا دہلا کا بیٹھا کہ کئی دن تو وہ اپنے گھر کے باہر نہیں نکلا اور معزول راجہ پر دوہرا پہرا لگا دیا دروازے بند کرا دیئے اور راجہ کو بھی سوائے چاول اور معمولی ترکاری کے کھانے کو اور کچھ دینے کی بندش کر دی جوں ہی اس امر کی تصدیق ہو گئی کہ راجہ کا بیٹا اچّما نایک کے پاس ہی تو جگا رائے نے چار سرداروں کو آٹھ ہزار فوج دے کر بھجوا دیا اچّما نایک کو اب اس بات کی فکر پڑی کہ کسی طرح راجہ کو قید سے نکالے اچّما نایک نے اپنی کل فوج میں سے بیس آدمی چن چن کر ایسے نکالے جنھوں نے وعدہ کیا تھا کہ ہم ایک ایسی سرنگ لگا دیں گے جو ٹھیک اس مقام تک پہنچ جائے گی جہاں کہ راجہ قید ہے اس غرض کے حاصل کرنے کے لیئے یہ لوگ امیدوار بن کر دلوائے کے پاس قلعے میں گئے اور نوکری کے خواہاں ہوئے اور وہاں نوکر بھی ہو گئے تنخواہ بھی ملنے لگی چند دنوں کے بعد ان لوگوں نے سرنگ کھودنی شروع کر دی اور رفتہ رفتہ جہاں راجہ قید تھا پہنچ گئے بے چارہ راجہ فوج کے سپاہیوں کو دیکھ کر گھبرایا کہ یہ کیا تازہ آفت آئی اور جب لوگ اس کو جھک کر آداب بجا لائے تو اور چوکنا ہوا آخر کار ان لوگوں نے اچّما نایک کا خط جو تاڑ کے پتّے پر لکھا ہوا تھا دیا اس میں لکھا تھا کہ یہ لوگ بالکل میرے بھروسے کے ہیں آپ ان پر اعتماد کر کے ان کے ساتھ ہو لیجیئے یہ لوگ آپ کو باہر نکال لائیں گے مرتا کیا نہ کرتا راجہ راضی ہو گیا راجہ نے اپنے سب کپڑے اُتار کر ایک دھوتی لپیٹ لی اپنی بیوی بچوں سے رخصت ہوا اور اُن کو طمانیت دلائی کہ گھبرانا نہیں اگر خدا نے مجھے اس قید سے چھڑا دیا تو پھر میں تم سب کو بلوا لوں گا لیکن تقدیر کا چکر کہاں جاتا ہے قلعے پر جو پہرے کے لوگ تھے اور مشعل لگا کر پہرہ دیتے تھے ٹھیک اُسی وقت اُن میں کا ایک سپاہی آتے آتے اتفاقاً گڑھے میں گر پڑا اس کے شور و غل سے سب دوڑے اُس کو نکالنے کے لیئے جو کھودا تو وہاں سرنگ معلوم ہوئی یہ لوگ اُس میں گھسے اور اندر ہی اندر معزول راجہ کے محل تک پہنچے دیکھا تو راجہ نکل رہا تھا پھر کیا تھا اس بے چارے کو تو وہیں گرفتار کر لیا اور جگا رائے کو خبر دی اس نے فوراً راجہ کو وہاں سے نکال کر دوسری جگہ قید کر دیا جو اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ مقام تھا اور ایسا سخت پہرہ لگایا کہ رہی سہی امید بھی گلوخلاصی کی جاتی رہی اچّما نایک نے جب دیکھا کہ بساط اُلٹ گئی اور کی کرائی محنت سب برباد گئی تو اس نے ایک فوجی سردار کو جس کا نام اَبلیسو تھا اور جس کے تحت میں قلعے کی پانچ سو فوج تھی بڑی رشوت دے کر ہموار کر کے اس بات پر آمادہ کر دیا کہ جب کبھی موقع ملے پہرے کے لوگوں کو قتل کر کے راجہ کو چھڑا دیا جائے ایک دن کیا اتفاق ہوا کہ جگا رائے اپنی ساری فوج لے کر ایک بڑے رئیس کی پیشوائی کو جا رہا تھا جو ان کی طرف مل گیا تھا اور قلعے میں فقط پانچ ہزار آدمی باقی رہ گئے تھے ابلیسو نے دیکھا کہ یہ موقع اچھا ہے اُس نے جھٹ ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر پہرے والوں کو قتل کر کے قلعے کے تینوں دروازوں پر قبضہ کر لیا اور اچّما نایک کے پاس ایک آدمی کو دوڑایا کہ جس قدر جلد ممکن ہو آن کر قلعے پر قبضہ کر لو لیکن جگا رائے کا ستارہ اقبال بھی چمک رہا تھا وہ اچّما نایک سے پہلے ہی اپنی ساری فوج سمیت پلٹ آیا اور ایک چور دروازے سے جس کی خبر اَبلیسو کو بھی نہ تھی قلعے میں داخل ہوا اور اسی وقت ابلیسو اور اس کے پانسو آدمیوں کو تہِ تیغ کیا جگا رائے کی آتشِ غضب اس قدر بھڑکی کہ اس نے ارادہ کر لیا کہ میں معزول شدہ راجہ کے سارے لوگوں ہی کو قتل کر ڈالوں کہ یہ روز کا جھگڑا ہی مٹے اور میرے نواسے کی راہ میں یہ خار سوز رہوں

جگا رائے نے یہ کام اپنے بھائی چنا ابالا رائے کے سپرد کیا اور کہا کہ تم اُس کے پاس جاؤ اور کہو کہ یا تو وہ اپنے آپ کو ہلاک کر لے ورنہ میں خود تلوار
سے اُس کا کام تمام کروں گا بے چارے راجہ نے بہت کچھ عذر معذرت کی اور کہا کہ حاشا کلا مجھے اِس ہنگامے کی اصلاً خبر نہیں میں بالکل لاعلم
اور بے قصور ہوں لیکن اُس نے دیکھا کہ چنا ابالا رائے اپنے ارادے پر تلا ہوا ہے اور کہتا ہے کہ دو باتوں سے خالی نہیں یا تم اپنی جان آپ لو یا کسی دوسرے
کے ہاتھ سے مرنا گوارا کرو اِس کے سوا مفر نہیں یہ کیسا افسوسناک سانحہ تھا اور آگے کے حالات اِس سے بھی زیادہ مہیب ہیں بد نصیب راجہ نے
اپنی بیوی کو بلوایا اور تھوڑی دیر اُس سے کچھ سن کر اپنے ہاتھ سے اُس کا سر اُس کے تن سے جدا کیا پھر باری باری سے ایک ایک کر کے اپنے
چھوٹے بیٹے اور چھوٹی لڑکی کو بلا کر اسی طرح اُن کو بھی دنیا سے رخصت کیا سب سے آخر اپنے بڑے بیٹے کو بلوایا جو بیاہا ہوا تھا اور
اُس کے ہاتھ سے اُس کی بیوی کا سر اڑوا دیا جب سارے خاندان کا صفایا کر چکا تو ایک لمبی اور چار انگل چوڑی تلوار نکالی اور اُس پر گر کر
اپنے آپ کو ہلاک کیا بڑے بیٹے نے جب یہ حال دیکھا اُس نے بھی باپ کی طرح اپنا خاتمہ کیا اب راجہ کی صرف ایک کم سن لڑکی بچ رہی
جس کو ماتا کے مارے راجہ کا ہاتھ نہ اٹھ سکا لیکن ظالم چنا ابالا رائے نے اُس معصوم کو بھی تلوار سے دو ٹکڑے کر دیا مطلب یہ تھا کہ اِس
خاندان میں کا کوئی متنفس بچ نہ رہے اور سلطنت کا بلا دغدغہ راجہ قابض حال ہی مالک بن جائے۔

اچما نایک کی وفاداری بہت سے سردار و اُمرا اِس وحشیانہ قتل عام سے سکتے کے عالم میں رہ گئے اور اِس سنگ دلی و بے رحمی
سے لوگوں کے ذبح کیے جانے پر ایسے برافروختہ ہوئے کہ وہ خود اچما نایک کے پاس گئے اور کہا کہ اب خاندان کا صرف ایک ہی لڑکا بچ رہا ہے
(جسے دھوبی چھپا کر لایا تھا) ہم سب اُس کے تھارے ہیں اچما نایک ان شرمناک وحشیانہ مظالم سے آگ بگولا ہو رہا تھا اور جانتا تھا کہ
یہی حق پر ہیں اُس نے اپنی فوج میں سے دس ہزار بہترین و منتخب لوگوں کو چن لیا اور جگا رائے کو جنگ کا اعلان دے دیا۔ جگا رائے کے
پاس ساٹھ ہزار فوج اور اسی مناسبت سے ہاتھی اور گھوڑے تھے اچما نایک نے کہلا بھیجا کہ "تو تو اپنے راجہ اور اُس کے سارے خاندان کو قتل
کر چکا اب صرف ایک بھونسڑا باقی ہے جسے میں تیرے پنجے سے چھڑا لایا ہوں وہ میری حفاظت میں ہے مرد بن کر اپنی ساری فوج لے کر
میدان میں نکل اُسے بھی مار اور مجھے بھی مار تب تیرے نواسے کے لیے میدان صاف ہو جائے گا جگا رائے کچھ دنوں تو ٹالتا رہا لیکن
جب دیکھا کہ اچما نایک کو اصرار ہے تو اُس نے بھی لڑائی کا ارادہ کر لیا اور اُس کی ہر طرح خاطر جمع تھی کہ میرے پاس اُن سے کہیں زیادہ فوج
ہے مجھے نہ صرف یہی کھیت فتح ہوگی بلکہ میں اچما نایک اور راجہ زادے دونوں کو گرفتار بھی کر لاؤں گا جگا رائے خود اپنی ساری فوج
لے کر میدانِ جنگ میں گیا اچما نایک نے اپنے کیمپ میں (۴۰ میل پر) دس ہزار فوج کی حفاظت میں راجہ زادے کو چھوڑ دیا اور بقیہ دس ہزار
فوج سے جگا رائے کے حملے کی مدافعت ہی نہیں کی بلکہ خود اُن پر جا چڑھا اور اِس زور اور شدت کا حملہ کیا کہ جگا رائے اور اُس کے حالی
موالی جو راجہ کے حلقہ کیے ہوئے تھے سب ہی ایک طرف کو دبک گئے اچما نایک کی فوج کو موقع ملا وہ دشمنان کے لشکر میں گھس پڑی
اور چن چن کے ایک ایک کو قتل کیا۔ اچما نایک مظفر و منصور جگا رائے کے ڈیرے میں گھس گیا دیکھتا کیا ہے کہ وہاں سب لانہ مراجگی ہے

مراتب وغیرہ موجود ہیں جو متوفی راجہ کے تھے یہ تو اس نے لے کر سب راجہ زادے کو دیئے اور اسی وقت جگا راے مقتول کے بیٹے کو راجہ فرماں روائے سلطنت بسنگا مقرر ہونے کا اعلان کر دیا۔ مالِ غنیمت کیا ٹھکانا تھا کہا جاتا ہے کہ بیس لاکھ کے تو صرف جواہرات ملے تھے۔ شہر ہی فتح کے نقارچی ایک دم سے سب امرا لوٹ مار کر اچا نایک سے آن ملے اور چند ہی دنوں میں اس کے پاس پچاس ہزار جنگی فوج فراہم ہوئی اور جگا راے اپنی مع ہزار فوج کے ساتھ جنگلوں کی طرف نکل گیا۔ یہاں اُس کے ساتھ پھر لوگ جمع ہو گئے اور دو سال تک سلسلہ لڑائی کا جاری رہا کبھی یہ جیتتے تھے کبھی وہ لیکن غلبہ ہمیشہ راجہ ہی کو رہا۔ مدرا کا نایک جو راجہ بیجا نگر کا باج گذار تھا وہ سالانہ چھ لاکھ پگوڈا خراج دیتا تھا اور اُس کے ملک کی آمدنی بیس لاکھ تھی کہ ٹریونکور بھی اُسی کے ماتحت تھا وہ جگا راے کی طرف ہو گیا اور اُس سے تانجور کے نایک سے ایک لڑائی ہوئی اگرچہ تانجور کا نایک ایسا زبردست نہ تھا کہ مدرا کے نایک کا مقابلہ کر سکتا مگر اُسے راجہ کی مدد تھی تریچناپلی کے کھلے میدانوں میں دونوں طرف کے لاکھوں آدمی جمع تھے بلکہ لڑنے والے سپاہیوں کی تعداد دس لاکھ تھی۔

شہر سینٹ ٹامی پر پرتگالیوں کا خود مختارانہ قبضہ

ان کی آپس کی خانہ جنگیوں سے شہر سینٹ ٹامی جو راجہ بیجا نگر کے مقبوضات میں تھا اور سالانہ محاصل اور محصولِ چنگی راجہ کو دیا کرتا تھا بد عملی میں مبتلا تھا۔ راجہ نے اپنی طرف سے اس شہر پر دو سردار مقرر کر رکھے تھے پرتگالیوں کی ان سرداروں سے ہمیشہ اَن بن رہتی تھی ان ہی وجوہ سے رعایا تنگ آ گئی تھی انھوں نے چاہا کہ روز کے جھگڑوں سے کسی ایک کے بھی تو ہو رہنا بہتر ہے۔ رعایا و دیسر اپر تگال سے درخواست کی کہ ہمارے شہر کو آپ شاہ پرتگال کی عمل داری میں لے لیں تاکہ ہم بد عملی سے نجات پائیں۔ اس زمانے میں پرتگالیوں کا حاکم مینول ڈی فریاس تھا اُس نے دیکھا کہ شہر کے پاس ایک گڑھی تھی پہلے اس پر قبضہ کرنا چاہیے کیوں کہ راجہ بیجانگر کا والی تو یوں چپ چاپ قبضہ نہ دیگا آخر کار گڑھی کا محاصرہ کیا اور ایسا رستہ بند کیا کہ کوئی نکل نہ سکتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ پرتگالی فتح یاب ہوئے گڑھی پر قبضہ ہو گیا اور (۱۵۰۰) آدمی جو گڑھی کی محافظت پر تھے وہ تاب نہ لا کر مطیع ہو گئے اور رہی سہی کسر اس بیڑے نے آ کر نکال دی جو سمندر کی راہ سے یہاں عین وقت پر پہنچ گیا تھا۔ یہ واقعات ہیں جن کا ذکر سوائے اس خط کے اور کسی تاریخ میں نہیں ہے اور اس وجہ سے اُن کا معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہیں ہے۔ ہم کو چاہیے کہ خوشی سے ہم کے لیے ان سب واقعات کو صحیح باور کر لیں اور شجرۂ خاندان سوم سے ملا کر اس کو پڑھیں۔

تاریخی واقعات میں حصہ لینے والوں کا مجمل ذکر

راجہ وینکٹ اول (۱۵۸۶ تا ۱۶۱۴ء) کے ایک بہن تھی جس کی شادی چینا اوبالا راے سے ہوئی تھی ہم کو شجرے سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ راجہ کے دو بھتیجے تھے ترمل دوم اور رنگا سوم جو اُس کے بھائی راما سوم کے بیٹے تھے چونکہ ترمل دوم لاولد تھا اور رنگا سوم کا بیٹا راما سوم تھا جن کی نسبت لکھتو میں لکھا ہے کہ

ملہ یہ خط ۱۶۱۱ء کا لکھا ہوا ہے ۱۲ ملہ اس کا نام ۔۔۔ ۔۔۔ تھا جو ۱۶۰۹ء سے ۱۶۲۳ء تک ایک تھا سر ۔۔۔ نے اپنی کتاب تاریخ ملک ۔۔۔ میں لکھا ہے کہ اس نایک کے زمانے میں تانجور کے نایک سے ایک لڑائی ہوئی تھی ۱۲ ملہ مدراس کے قریب ہی عموماً میلاپور کہتا ہے لنس کا شن نے سولھویں صدی کے آخر میں ان واقعات کے وقوع سے چند سال پیشتر لکھا ہے کہ "یہ قصبہ راجہ بیجانگر کے مقبوضات میں ایک بڑا شہر ہے ساحلِ کورومنڈل پر واقع ہے" ۔

کئی عیسائیوں میں کا ایک تھا اس لیئے یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ براڈاس نے جس بھتیجے کا ذکر کیا ہی جو کہ ونکٹ اول کے مرنے پر سنہ ۱۶۱۴ء میں گدّی نشین ہوا اور جس کے تین بیٹے تھے رنگا سوم ہی تھا جسے براڈاس نے چکّا راے (ولی عہد) لکھا ہی۔ اس حساب سے چکّا راے سنہ ۱۶۱۴ء میں راجہ کا جانشین ہوا اور تھوڑے ہی دنوں بعد معزول ہوا پھر مقید ہوا اور آخرکار اپنی جان آپ دینے پر مجبور کیا گیا۔ اُس کے بڑے بیٹے نے بھی اُسی طرح اپنی جان دی اور چھوٹے بیٹے کو تو خود باپ ہی نے قتل کر دیا تھا۔ منجھلا لڑکا دھوبی کے گھر سے بھاگ نکلا تھا اور اچما نایک کی نمک حلالی اور وفاداری سے وہ تخت نشین ہوا۔ راجہ ونکٹ اول کی دو بیویاں تھیں بایما دختر جگّا راے اور ایک دوسری رانی تھی جس کا نام معلوم نہیں مگر وہ جگّا راے کی بہن تھی۔ راجہ ونکٹ اول کی ایک بھتیجی کی شادی ایک برہمن سے ہوئی تھی جس کو بایما نے چوری سے نامعلوم طور پر محل میں داخل کر لیا تھا اور راجہ ونکٹ کا فرزند ظاہر کر کے تعلیم دلائی تھی جو سازش اسے مسند نشین کرنے کی ہوئی تھی وہ چند روز کے لیئے تو کامیاب ہوئی کہ رنگا سوم اور تمام راجہ کے خاندان کے لوگ قتل کیئے گئے صرف ایک رنگا چہارم بچ رہا جو آگے چل کر تخت پر بیٹھا جو قصہ براڈاس نے بیان کیا ہی خدا معلوم کس حد تک صحیح ہی لیکن یہ بالکل ناممکن ہی کہ سارے کا سارا جھوٹ ہو اور ہم کو فی الحال اسے صحیح ہی مان لینا چاہیئے۔ ان واقعات کا وقوع سنہ ۱۶۱۴ء و سنہ ۱۶۱۶ء میں مانا جاتا ہی کیوں کہ براڈاس کا خط ۱۲ دسمبر سنہ ۱۶۱۶ء کا لکھا ہوا ہی۔ شجرہ جو ہم نے ایپگرفیکا انڈیکا سے نقل کیا ہی اُس میں تم اور ونکٹ دوم کا زمانہ سنہ ۱۶۱۴ء تا سنہ ۱۶۲۳ء درج ہی اس کے درمیانی سالوں میں کسی اور کا نام نہیں ہی مگر سیول صاحب نے اپنی کتاب سکچز آف دی ڈائنسٹیز آف سدرن انڈیا میں ذیل کے نام کتبوں سے درج کیئے ہیں لیکن خود اُن کو ان کی کامل صحت پر بھروسا نہیں ہی لیکن بحالت موجودہ یہ سلسلہ ہی۔

رنگا	سنہ ۱۶۱۹ء	ونکٹا	سنہ ۱۶۲۴ء
راما	سنہ ۱۶۲۰ء تا سنہ ۱۶۲۲ء	راما	سنہ ۱۶۲۹ء
رنگا	سنہ ۱۶۲۳ء	ونکٹا	سنہ ۱۶۳۶ء

آخری نام اور سال دونوں معتبر اور صحیح ہیں۔

معاملات پُلی کٹ

سنہ ۱۶۳۰ء میں راجہ بیجانگر کی مدد سے جو چندرگیری میں رہتا تھا پرتگالیوں نے پُلی کٹ سے ڈچوں کے نکالنے کا ارادہ کیا اور یہ بات ٹھہر گئی کہ پرتگالی تو سمندر کی طرف سے چڑھائی کریں اور راجہ خشکی کی طرف سے۔ پرتگالیوں کے ویسراے نے تو حسب قرارداد بارہ جہاز بھیج دیئے لیکن راجہ نے خلاف وعدگی کی اور وجہ یہ بیان کی کہ اُن کے ملک کے اندرونی حصے میں خود اس قسم کے فسادات اُٹھ کھڑے ہوے تھے جن کے فرو کرنے میں فوج کی ضرورت تھی۔ دوبارہ حملے میں بھی پرتگالیوں کو اسی وجہ سے ناکامیابی رہی کہ راجہ نے باوجود وعدے کے ساتھ نہ دیا۔ پرتگالیوں کے جہاز چلے جانے کے بعد راجہ نے ڈچوں کی چھاؤنی پر حملہ کیا لیکن اُنھوں نے بہت کچھ دے دلا کر راجہ کو راضی کر لیا اور ڈچ اپنی جگہ بدستور قائم رہے۔ سینہار لوبس نے اس کے متعلق بہت سے کاغذات قومی تاریخی کتب خانے میں دیکھے ہیں جو معزول کپتان میلاپور، پادری ہیرونکیا اور بشپ نے لکھے ہیں۔ ان میں ایک ترجمہ راجہ بیجانگر کے دو خطوں کا ہی جو تاڑ کے پتوں پر لکھے ہوے تھے اور اس زمانے میں لکھے گئے تھے جب کہ راجہ ویلور میں تھا

اِن خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تاراج کی بغاوت کے سبب سے راجہ کی رہی سہی طاقت بھی سلب ہوگئی تھی۔

فہرستِ فرماں روایان

ہم کو معلوم ہے کہ سنہ ۱۶۳۹ء میں بیجانگر کے راجہ کا نام رنگا یا سری رنگا تھا ۔ اور وہ اُس زمانے میں چندر گیری میں رہتا تھا کیوں کہ اُسی نے مسٹر ڈے کو جو انگریز تاجروں کا ایجنٹ تھا ایک خطۂ زمین کا ایک میل چوڑا اور پانچ میل لمبا دیا تھا جس پر آیندہ چل کر قلعہ سینٹ جارج تعمیر کیا گیا۔ اُس زمانے میں مدراس کے اطراف کے ملک پر ایک نایک بطور حاکم کے رہتا تھا جو اِس قدر خود مختار ہو رہا تھا کہ اپنے راجہ کی طرف سے بے پروا تھا کہ اگرچہ راجہ نے حکم دیا تھا کہ نئے شہر کا نام اُس کے نام پر سری رنگا رایا پٹنم رکھا جائے مگر نایک نے اپنے باپ کے نام پر اُس کا چِنّا پٹنم رکھا جس نام سے آج تک ہنود میں مشہور ہے یہ روایت مقامی لوگوں کی ہے اس زمانے میں رنگا ششم راجہ تھا جو سنہ ۱۶۹۲ء میں زندہ تھا۔ اِس کے بعد کتبوں کی رُو سے ذیل کے نام اور تاریخوں کا سلسلہ قرار پاتا ہے جو ایک حد تک محتاجِ تصدیق و تحقیق ہے:-

رنگا ———— ۱۶۴۳-۴۷-۵۵-۶۲-۶۳-۶۵-۶۶-۶۸-

ونکٹا ———— ۱۶۷۸-۱۶۸۰-

رنگا ———— ۱۶۹۲-

ونکٹا ———— ۱۷۰۶-

رنگا ———— ۱۷۱۶-

مہادیوا ———— ۱۷۲۴-

رنگا ———— ۱۷۲۹-

ونکٹا ———— ۱۷۳۲-

راما ———— ۱۷۳۹-(؟)

ونکٹا ———— ۱۷۴۴-

ونکٹا ———— ۱۷۹۱-۹۲-۹۳-

خاتمہ

سر طامس منرو کے کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارھویں صدی کے شروع میں آناگندی کی قدیم ریاست کا علاقہ راجگان کے قبضے میں بطور باجگزار بادشاہانِ مغلیہ کے تھا۔ سنہ ۱۷۴۹ء میں اِس علاقے پر مرہٹوں نے قبضہ کیا اور سنہ ۱۷۷۵ء میں حیدر علی والیِ میسور نے فتح کیا اور ٹیپو سلطان کے ابتدائی عہد میں بدستور ریاست کی حیثیت سے قائم رہا لیکن ٹیپو سلطان نے سنہ ۱۷۸۶ء میں اپنی سلطنت میں مستقل طور پر شامل کیا۔ تیرہ برس بعد ٹیپو سلطان سرنگاپٹن پر شہید ہوا اور اس کے انتظام میں آناگندی کا چھوٹا سا علاقہ سرکارِ عالی نظام کے سپرد کیا گیا اور دریائے تنگ بھدرا کے اِس طرف جس قدر ملک تھا وہ انگریزوں کے قبضے میں رہا جس کے معاوضے میں برٹش گورنمنٹ سے راجہ کستان آناگندی کو اب تک پنشن ملتی ہے۔

پہلا ضمیمہ

وقائع ڈومنگو پیز

سنہ ۱۵۲۰ع تا سنہ ۱۵۲۲ع

جس میں سلطنت بیجانگر کے متعلق وہ باتیں درج ہیں جو کہ میں نے خود دیکھی ہیں یا کہ مجھے دریافت سے معلوم ہوئیں۔[1] گوآ سے بیجانگر کی سلطنت کو جانے کے لیے سمندر کے کنارے کنارے جانا پڑتا ہے رستے میں ایک سلسلہ پہاڑوں کا ملتا ہے جو اس سلطنت اور دوسرے علاقہ جات

---

[1] پرتگالی دو سیاحوں کے اصلی وقائع اُن کی مادری زبان میں ببلی او تھک نیشنیل Bibliotheque Nationale میں بمقام پیرس ایک چھوٹی جلد میں محفوظ ہیں اور قلمی نسخے جات میں ان کا نمبر (۶۵) ہے ان تحریرات کو پہلے پہل انگریزی میں مسٹر رابرٹ سیول کلکٹر بلھاری نے ترجمہ کیا۔ اس جلد میں چار خطوط منقول ہیں پہلا فرنانو نیونز کا ہے اور دوسرا ڈومنگو پیز کا۔ اس کے علاوہ دو اور خطوط ملک چین سے سنہ ۱۵۲۰ء کے لکھے ہوئے آخر میں درج ہیں۔ بیجانگر کے متعلق دو خطوط کسی نے گوآ سے یورپ میں کسی کے نام اپنے تمہیدی خط کے ساتھ روانہ کیے تھے کاتب اور مکتوب الیہ میں سے کسی کا نام درج نہیں ہے لیکن اغلب یہ ہے کہ یہ خط مورخ بیرس کے نام بمقام لسبن بھیجے گئے تھے یہ خط مختلف اوقات میں پرتگالی سیاحاں یا تاجران بیجانگر نے لکھے تھے۔ پہلا خط سنہ ۱۵۲۰ء میں اور دوسرا سنہ ۱۵۳۶ء میں لکھا گیا ہے لیکن دونوں کا خط ایک ہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصل خط نہیں ہیں بلکہ اُن کی نقل ہے۔ ان دونوں سیاحوں میں پیز کا زمانہ پہلے تھا اس لیے ہم نے اسے پہلے نقل کیا ہے اور بعد میں نیونز کا۔ ہم نے قیاس کیا ہے کہ یہ خطوط مشہور مورخ بیرس کو لکھے گئے تھے کیوں کہ طرز عبارت سے ایسا ہی مستنبط ہوتا ہے علاوہ اس کے بیرس کی کتاب ڈی کیڈا Da Kada میں جو محاصرہ اور جنگ رائچور کا حال لکھا گیا ہے وہ ہو بہو ان ہی خطوں سے منقول ہے اس مجلد میں دو خط چین کے بھی ہیں یہ خط سنہ ۱۵۲۰ء کے بعد واسکو کالوو اور کرسٹوواو ویرا نے لکھے تھے۔ مسٹر فرگسن نے لکھا ہے کہ بیرس نے ڈی کیڈا حصہ سوم میں چند نکتے بیجانگر کے متعلق لفظ بہ لفظ نیونز سے نقل کیے ہیں اور لکھا ہے کہ "ہمارے لوگوں کے اُن خطوں سے جو واسکو کالو اور کرسٹوواؤ ویرا Vasco Calvo and Christovao Vieyra نے انھیں دو تین سال بعد لکھے تھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ کینٹن میں قید تھے وغیرہ ذالک" اس سے یہ امر بالکل محقق ہو جاتا ہے کہ بیروس نے ان دو خطوں کو ضرور دیکھا ہوگا۔ یہ بات کچھ اہم نہیں ہے کہ ان خطوط کا مخاطب بیرس تھا یا کوئی اور لیکن اتنا ضروری ہے کہ بیرس نے ان خطوں کو دیکھا ہے بلکہ اغلب یہ ہے کہ پیرس میں جو ان خطوط کی نقلیں محفوظ کی گئی ہیں وہ بھی بیرس ہی کے لیے کی گئی تھیں۔ بیرس خود کبھی ملک ہندوستان میں نہیں آیا لیکن انڈیا آفس لسبن میں ایک بڑے عہدے پر تھا۔ اس کی تاریخ کے چار حصے ہیں۔ کوٹو نے اسی کے سلسلے میں اور آٹھ حصے لکھے ہیں پہلے تین حصے بیرس کی تاریخ کے سنہ ۱۵۵۲ء و سنہ ۱۵۵۳ء میں چھپے ہیں جس میں سنہ ۱۵۲۶ء تک کے تاریخی واقعات درج ہیں۔ چوتھا حصہ جو کوٹو نے چھپوایا ہے سنہ ۱۵۲۶ء سے سنہ ۱۵۳۸ء تک کا ہے اس میں لوپو واز ڈی سیم پے او اور نیونو ڈا کنہا Lopo Vaz de Sampaio and Nuno da Cunha کے گورنری کے زمانے کے واقعات درج ہیں۔ کوٹو کے ذاتی لکھے ہوئے آٹھ حصوں میں سنہ ۱۶۰۰ء تک کے واقعات ہیں یہ دونوں کتابیں مل کر "ڈا ایشیا" کے نام سے موسوم ہیں جن کو خود کوٹو نے سنہ ۱۶۱۶ء میں چھپوایا تھا۔ کوٹو کی زندگی کا بڑا حصہ ہندوستان ہی میں گذرا ہے جہاں وہ سنہ ۱۵۵۶ء میں آیا اور سنہ ۱۶۱۶ء میں اُس کا انتقال ہوا۔

یہ دونوں وقائع جن کو ہم نے ترجمہ کر کے ضمیمے میں لگایا ہے بے مثل اور نہایت دلچسپ ہیں۔ پیز کے وقائع اس واسطے قابل قدر ہیں کہ اُس نے اپنے ذاتی تجربے اور مشاہدے سے ہندوؤں کی عظیم الشان دارالسلطنت بیجانگر کے اُس زمانے کے مفصل وار درست حالات لکھے ہیں جب کہ اُس کا عروج کمال پر پہنچا ہوا تھا۔ نیونز کے وقائع یوں قابل توجہ ہیں کہ اُن میں تاریخی حالات چشم دید بیان کیے گئے ہیں جو بمصداق قصہ زمین برسر زمین زیادہ معتبر ہیں۔ اس میں متعدد اہم حالات کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے جن کو اُس نے یا تو خود دیکھ بھال کر لکھا ہے یا غایت دانی الباب کسی ایسے شخص سے سُن کر لکھا ہے جو اُن کا دیکھنے والا رہا ہو۔ بیرس وغیرہ مورخین کی روایات کا ماخذ یہی وقائع ہیں اور انھیں سے اُن کی کتابوں میں جان پڑ گئی ہے سنہار رونیس جس نے یہ وقائع اصلی زبان میں اپنی کتاب کرانیکا دوس ریس ڈی بسنگا Chronica Reis da Bisnaga مطبوعہ سنہ ۱۸۹۷ء میں لکھے ہیں ان کے متعلق لکھتا ہے کہ "کسی زبان میں ایسے وقائع نہیں ہیں جو ان سے مقابلہ کر سکیں خواہ تاریخی واقعات کے لحاظ سے یا ملک کی عام حالت کے بیانات اور خصوصاً دار السلطنت کے حالات اس کی پیداوار اور وہاں کے رسم و رواج و امثال ذالک کے اعتبار سے۔ اٹلی کے سیاحان نکولو ڈی کانٹی عبدالرزاق اور فیڈریکی (بقیہ صفحہ آئندہ)

ہیں جو ساحلِ سمندر پر واقع ہیں حدِ فاصل ہی۔ یہ پہاڑی سلسلہ سمندر کے کنارے کنارے چلا گیا ہی اس میں جا بجا گھاٹیاں ہیں جن میں سے اندرونی حصّہ ملک کا رستہ ہی باقی ماندہ سلسلے سے گزرنا ممکن ہی کیوں کہ پہاڑوں اور گھنے جنگل کی وجہ سے رستہ بند ہی اِس سلطنت کے مقبوضات میں بہت سے بندر سمندر کے کنارے کنارے ہیں جن میں سے بعض مقامات پر ہمارے کارخانجات بھی ہیں جیسے ہنا ور بھٹکل وغیرہ۔ اس پہاڑ کے طی کرنے کے بعد ہم کو اوکر چٹیل میدان ملتا ہی جہاں بڑے بڑے پہاڑ تو نہیں ہیں مگر چند چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں بھٹکل سے قصبہ سنڈور کی سڑک پر کچھ پہاڑیاں اور جنگل ملتا ہی تاہم سڑک ہموار اور مسطح ہی۔ بھٹکل سے سنڈور چالیس لیگ کا فاصلہ ہی اور رستے میں بہت سے نالے ندیاں ملتی ہیں۔ چوں کہ پانی کی افراط ہی اسی وجہ سے بھٹکل بڑی تجارت گاہ ہی یہاں ہر سال پانچ چھ ہزار لدو بیل سامان کے آتے ہیں اس ملک میں سوائے چھوٹے پہاڑوں کے سلسلے کے چند راجنگل بھی ہی جس کا سلسلہ دو دو تین تین لیگ تک چلا جاتا ہی شہروں اور قصبات کے قریب امرائیاں املی بن۔ شریفے کی جھاڑیاں اور متفرق اقسام بڑے بڑے درخت لگے ہوے ہیں جن سے مسافروں اور تاجروں کو سایہ اور اُترنے کا بڑا آرام ملتا ہی ایک مقام پر ہم کو ایک بڑ کا ایسا درخت ملا کہ جس کے سایہ میں ہم نے تین سو بیس گھوڑے باندھے۔ غرض تمام ملک سبزہ زار ہی جہاں دیکھو چھوٹے بڑے درخت موجود ہیں یہ حصّہ ملک بہت زرخیز اور شاداب ہی اور کثرت سے زراعت ہوتی ہی رعایا کے پاس مویشی کی وافر تعداد ہی زمینوں میں غلّہ۔ گندم۔ دالیں۔ ترکاریاں۔ اور کثرت سے روئی کی کاشت کی جاتی ہی جا بجا کثرت سے شہر و قصبات آباد ہیں ہر جگہ مٹی کے کچے حصار گاؤں کے اطراف میں بنے ہوے ہیں پختہ فصیل بنانے کی اجازت سوائے اُن مقامات کے نہیں ملتی جو کہ سرحد پر ہوں۔ چوں کہ یہ ملک مسطح ہی اس واسطے ہولے کے چھکڑ کثرت سے چلتے رہتے ہیں تیل عموماً تل مارندی۔ السی۔ کرڑ وغیرہ غلّے سے کولھوؤں میں نکالا جاتا ہی چوں کہ ندی نالے بہت کم ہیں اس سبب سے پانی کی عموماً قلت ہی اس لیے جا بجا تالاب بنائے گئے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱۶) نے بھی اِس ملک کے حالات لکھے ہیں لیکن وہ لحاظ۔ تجارت اور دستورات کے بالکل مختصر ہیں اور انھوں نے کوئی حال وقائع کے پیرایہ میں نہیں چھوڑا پیٹر لونڈ مونز کے وقائع فی الواقع ایک بیش بہا چیز ہیں اور اُن سے حالات پر بجز ایک غیر معمولی روشنی پڑتی ہی اور جن بہت سے تاریخی واقعات میں کہ شک پڑ جاتا ہو جاتے ہیں مثلاً نیونز نے صاف طور بیان واقعات کا ذکر کیا ہی جو خاندان اول کے زوال کے باعث ہوے اور جن کی وجہ سے نرسمہراے نے سلطنت پر غاصبانہ قبضہ کرکے دوسرے خاندان کی بنیاد ڈالی۔ ستمار روپس کے ان وقائع کے ہم پہنچنے کے پیشتر ہمارے لیے ان واقعات کا کوئی رہنا نقشا سوائے چند مبہم اور غیر کافی حالات کے کہ جو فرشتہ نے لکھے ہیں فرشتہ کا اصلی نام ملا محمد قاسم ہندو شاہ استرابادی تھا وہ ایرانی اور ایک معزز خاندان کا تھا اور ۱۵۷۰ء میں پیدا ہوا تھا وہ کم عمری میں اپنے باپ کے ساتھ ہندستان میں آیا تھا اور وسط العمر دربار نظام شاہی میں بمقام احمد نگر رہا اور ۹۹۸ھ میں بیجاپور آیا۔ اس نے ۱۰۱۵ء میں تاریخ لکھنی شروع کی اور سلاطین بیجاپور کے حالات ۱۵۹۶ء میں ختم کرکے اُس کو ۱۶۱۲ء میں منتقل کیا ہیرز اور نیونز دونوں کے وقائع سے ثابت ہوتا ہی کہ کرشن دیو رائے فی الحقیقت راجگان بیجانگر میں سب سے بڑا راجہ تھا پیز نے اُس کو بار ہا دیکھا ہی اور نہایت عمدہ الفاظ میں اُس کا ذکر کیا ہی اور نیونز بھی لکھتا ہی کہ وہ ہمیشہ بالذات لشکر کشی کیا کرتا تھا۔ نیونز نے بھی کرشن دیو رائے کے حالات پر صراحت لکھے ہیں اور نیز یہ کہ اس کے جانشینوں اچیتا کی کمزوری۔ خود غرضی بزدلی اور بے رحمی ہی اس عظیم الشان سلطنت کی بربادی کا باعث ہوئی۔ یہ دونوں خط گوا سے پرتگال کو ۱۵۳۷ء میں جس خط کے ساتھ روانہ کیے گئے تھے اُس کے مضمون کا خلاصہ یہ ہی "چوں کہ میں اب تک اس شہر گوا میں بارہ چکا ہوں اب بلحاظ حضور کے اس ارشاد کی تعمیل ضروری کہ جو لوگ سلطنت بیجانگر میں رہے ہوے ہوں اُن کی تلاش کروں میں جانتا ہوں کہ جو کوئی وہاں جاتا ہی وہاں کے حالات کی یادداشت سے لیکن یہ ست کا غذ کا ضرور لیپ لاتا ہی دو منگو پیز سے مجھے یہ خلاصہ ملا ہی جو وہاں آتا جاتا رہتا ہی اور جو راجہ کرشن رائے کے عہد میں بیجانگر میں موجود تھا اور اسی زمانے میں فکرید وغیرہ بھی وہیں تھا۔ یہ دوسرا خلاصہ حالات مجھے فرناؤ نیونز سے دستیاب ہوا ہی جو وہاں تین سال تک گھوڑوں کی تجارت کرتا تھا چوں کہ ایک شخص سب واقعات بیان نہیں کر سکتا ایک شخص جو واقعات لکھتا ہی وہ دوسرا دوسری طرز پر لکھتا ہی اور یہاں بیان کرتا ہی اس لیے میں دونوں وقائع گزرانتا ہوں۔ ایک تو کرشن رائے کے زمانے کے حالات ہیں اور دوسرے کچھ پہلے کے جو وہاں منضبط ہو کر آئے ہیں اب آپ ان دونوں میں سے جو پسند ہوں انتخاب فرمائیں اور دونوں کے ملانے سے جو بات مشتبہ ہی وہ زیادہ بھروسے کی بھی ہو جائے گی۔"

ہیں جن میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے بعض تالابوں میں قدرتی جھرے بھی ہیں جو زیادہ مستقل ذریعہ ہے کیوں کہ جن تالابوں کا
دارومدار بارش کے پانی پر ہے وہ آگے چل کر سوکھ جاتے ہیں اور اُن کے شکم میں زراعت ہونے لگتی ہے جب پانی کی قلت ہوتی ہے
تو لوگ شکم تالاب میں جابجا چشمے کھود لیتے ہیں جن تالابوں میں جھرے نہیں ہوتے اُن کا پانی عموماً ناصاف رہتا ہے کیوں کہ
یہ ملک رتیلا ہے خاک بہت اُڑتی ہے جو پانی کو میلا کر دیتی ہے اور پھر مویشی بھی ان ہی میں پانی پیتے ہیں جس کی وجہ سے پانی اَور زیادہ
خراب ہو جاتا ہے۔ ہندو گائے کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور اُس کا ذبح کرنا اُن کے ہاں سخت ممنوع ہے۔ بیلوں سے بار برداری کا کام لیا
جاتا ہے۔ ہندو گائے کی پوجا کرتے ہیں اور اپنے مندروں میں پتھر کے بیل کی مورت بنا کر رکھتے ہیں اور دیوتاؤں کے نام پر بہت سے سانڈ
چھوڑ دیتے ہیں جو جابجا پھرتے رہتے ہیں اور کوئی اُن کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ گدھے اِس ملک کے چھوٹے ہیں اور اُن سے زیادہ تر
دھوبی ہی کام لیتے ہیں۔ اِس سلطنت کا طول تین سو گراؤ ہے (ایک گراؤ ۲ میل کا ہوتا ہے) جو بالاگھاٹ اور ساحل کارومنڈل
پر تمام ہوتا ہے اور عرض ایک سو ساٹھ گراؤ ہے۔ یہ سلطنت ایک طرف تو ملک بنگالہ تک پہنچی ہے اور دوسری طرف اُڑیسہ تک اور
جانب شمال ملک دکن سے مل گئی ہے جو عادل شاہ بادشاہِ بیجاپور اور نظام شاہ بادشاہِ احمد نگر کے مقبوضات میں ہیں ہم (پرتگالیوں) سے عادل شاہ
بندر گوا کی بابت ہمیشہ لڑائی رہتی ہے کیوں کہ یہ بندر پہلے اُن ہی کا تھا ہم نے اُن سے چھین لیا ہے اُڑیسہ کی سلطنت بیجانگر سے بھی بہت بڑی
ہوتی ہے جو کیمبے اور دکن تک پہنچ گئی ہے اور کہا جاتا ہے کہ ملک فارس سے جا ملی ہے اِس ملک کے لوگوں کی کاٹھی بہت اچھی ہے عموماً توانا
ہیں۔ یہاں کے راجہ کے پاس بہت بڑا خزانہ اور فوج اور کثرت سے ہاتھی ہیں کیوں کہ اس ملک میں ہاتھی کثرت سے پیدا ہوتے ہیں ان وقائع
میں ہم بخوفِ طوالت سلطنت بیجانگر کے شہروں اور قصبات کا حال چھوڑ دیتے ہیں صرف شہر دھارواڑ کا ذکر کرتے ہیں جس میں ایک قابل
دید مندر ہے۔ اِس شہر کے اطراف میں ایک خام فصیل ہے بستی کے غربی رُخ پر ایک خوبصورت دریا رواں ہے۔ مشرقی جانب ایک مسطح میدان
ہے فصیل کے اطراف میں ایک خندق ہے۔ یہاں ایک ایسا خوبصورت مندر ہے کہ اطراف و اکناف میں دور دور اُس کا ثانی نہیں ہے یہ مندر
مدوّر شکل کا ہے اور ایک ہی پتھر میں تراشا گیا ہے۔ دروازوں کے پتھر اِس خوبی سے جوڑے گئے ہیں کہ جوڑ معلوم نہیں دیتا۔ اِس مندر
میں بُت تراشی اور نقاشی کا کام ایسا عمدہ ہے کہ اِس سے بہتر ہونا ممکن نہیں ہے اِس مندر کے سائبان اور برآمدے چھت اور فرش سب پتھر
کے ہیں کہیں لکڑی کا نام نہیں ہے ستون اِس صفائی اور خوبی سے بنائے گئے ہیں کہ اٹلی کی صناعی معلوم دیتی ہے مندر کے چاروں طرف بطور
حصار پتھر کی ترشی ہوئی جالیاں ہیں اُس کے باہر ایک مضبوط سنگی چار دیواری ہے اِس مندر کے تین بہت بڑے عالی شان اور خوبصورت
پھاٹک ہیں مشرقی جانب مندر کا صدر دروازہ ہے جس میں متعدد بلند اور پست برآمدے ہیں جن میں جوگی اور سنیاسی رہتے ہیں احاطے کے اندر چھوٹے چھوٹے
سُرخ رنگ کے مندر ہیں صحن میں ایک بہت بڑا ہشت پہل ستون ایک بلند مربع چبوترے پر کھڑا ہے ہنود بتوں کی پوجا کرتے ہیں بُت انواع و اقسام
کے عورت مرد بیل اور بندروں کی شکل کے ہوتے ہیں بعض خالی گول پتھر کو بھی پوجتے ہیں اس مندر کے دیو کا جسم تو انسان کا ہے مگر چہرہ ہاتھی کا ہے جس کے سونڈ
اور دانت بھی ہیں دونوں طرف تین تین بازو اور چھ ہاتھ ہیں ہنود کا مقولہ ہے کہ چار بازو تو ٹوٹ گئے ہیں جب باقی بھی گر جائیں گے تو قیامت آ جائے گی
دیوتا کو ہر روز کھانا کھلایا جاتا ہے کیوں کہ ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ دیوتا کھاتا ہے اور کھانا کھلانے کے وقت عورتیں (مرلیاں) جو اس دیوتا کی مخصوص ہیں
ناچتی گاتی رہتی ہیں ان مرلیوں کی لڑکیاں بھی نسلاً بعد نسل اِسی مندر کی خدمت گزار رہتی ہیں ان کا خرچ جاگیر سے جن کی ہوتی اور شہر کے بازاروں کے عمدہ عمدہ
مقامات پر آراستہ مکانات میں رہتی ہیں چوں کہ یہ معبد دیو کے نام پُن کی گئی ہیں اس واسطے اِن کی عزت و توقیر کی جاتی ہے اور اِن کے ہاں آنا جانا کوئی

عیب نہیں سمجھا جاتا۔ یہ مُرلیاں راجہ کے محل میں بھی جاتی ہیں اور رانیوں کے ساتھ بیٹھ کر پان کھاتی ہیں
جو ایک بڑی عزت کی بات ہی اور ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ دھار وارڑسے بیجانگر اٹھارہ لیگ
کا فاصلہ ہی رستے میں کئی شہر اور قصبے ملتے ہیں جو فصیلوں سے محصور ہیں۔ بیجانگر سے دو میل اِس
طرف ایک بہت بلند پہاڑ ملتا ہی جس میں گھاٹیاں بنی ہوئی ہیں اور یہی دروازے کہلاتے ہیں اِن
میں ہی سے شہر کے اندر جانے کا رستہ ہی اِن کے سوائے دوسرا رستہ نہیں ہی۔ یہ سلسلہ پہاڑوں
کا چوبیس لیگ کے دَور میں شہر کو گھیرے ہوے ہی اور اُن کے اندر بھی ایک سلسلہ پہاڑوں کا ہی
جو اندرونی حصے کو گھیرے ہوے ہی۔ جہاں کہیں اِن پہاڑوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا ہی وہاں دیواریں کھینچ
کر تکمیل کردی گئی ہی صرف سڑکیں گزرنے کے لیئے دروازوں میں رستہ چھوڑ دیا ہی باقی کہیں سے
کوئی آجا نہیں سکتا۔ اِن دونوں فصیلوں کے درمیان میدان بھی ہیں جہاں چانول کی کاشت ہوتی ہی
اور بہت سے باغ ہیں جن میں نارنگی لیموں چکوترے وغیرہ کے درختوں کے علاوہ ہر قسم کی ترکاریاں
بوئی جاتی ہیں۔ یہاں کے پہاڑ بھی کچھ عجیب و غریب ہیں کہ اوّل تو یہ سفید پتھر کے ہیں اور پھر بڑے
بڑے پتھر ایک کے اوپر ایک معلق رکھے ہوے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہی کہ کسی نے ایک پتھر پر دوسرے
کو چڑھا دیا ہی ذرا سی ٹھیس لگ جاے تو ابھی دھڑام سے آن پڑے مگر پتھر بہت بڑے بڑے
ہیں اِس طرح گر نہیں سکتے۔ اِسی قسم کے پتھروں سے شہر چاروں طرف سے گھرا ہوا ہی اور بیچ
میں آبادی ہی۔ یہ پہاڑوں کا سلسلہ دکن تک چلا گیا ہی اور سلطنتِ بیجاپور کی سرحد اور رائچور
تک پہونچا ہی۔ وہاں بھی اِسی قسم کے پتھر ہیں۔ رائچور پر بہت سی لڑائیاں راجۂ بیجانگر اور عادل شاہ
کے درمیان ہوئی ہیں۔ اُڑیسہ کی سلطنت کی طرف بھی پہاڑ حدِ فاصل ہیں مگر وہ اَور قسم کے
پہاڑ ہیں جن پر جھاڑی جنگل ہی اور جا بجا بڑے بڑے میدان بھی ہیں۔ سلطنتِ بیجانگر اور
بیجاپور کی مشرقی انتہا پر بہت گھنا جنگل ہی جس میں درندے جانور رہتے ہیں اور یہ بیجانگر کی
محافظت کے لیئے ایک قدرتی حد ہی۔ کہیں کہیں اِن میں درے اور گھاٹیاں ہیں اور اُن ہی
میں سے رستہ ہی۔ اِن دروں پر راجۂ بیجانگر کی فوج حفاظت کے لیئے رہتی ہی لیکن گوآ کی طرف
کوئی حفاظت نہیں کی گئی ہی گوآ کی جانب پہلے پہاڑوں کے سلسلے میں مغرب کی طرف صدر دروازہ
ہی اِس کے اندر راجہ نے ایک بہت بڑا شہر (ناگلا پور) بسایا ہی اِس کو فصیل اور برجوں سے

محفوظ و مستحکم کیا گیا ہی اور اسی مناسبت سے دروازے بھی مضبوط بنائے گئے ہیں اور دروازوں پر بُرج بھی ہیں۔ یہ حصار اور دوسرے شہروں کی طرح کا کچا پکا نہیں ہی بلکہ ایسا سنگین اور پختہ ہی کہ شاید کسی اور شہر میں ایک آدھ جگہ ہی ہو۔ شہر کے اندر بہت خوب صورت قطار عمارتوں کی ہی جن کی چھتیں سطح ہیں۔ اِس شہر میں بہت سے تاجر رہتے ہیں اور اُس کی آبادی اِس وجہ سے بہت بڑی ہی کہ راجہ خود مال دار تاجروں کو دوسرے شہروں سے یہاں آکر رہنے کی ترغیب دیتا ہی اور پانی بھی یہاں وافر ہی۔ راجہ نے خود ایک بڑا تالاب بنوایا ہی جس کا عرض ایک گولی کے ٹپ کا ہی۔ یہ تالاب دو پہاڑوں کے سرے پر بنایا گیا ہی جس سے سارا پانی اِدھر اُدھر سے بہ کر یہاں جمع ہوتا ہی علاوہ اِس کے تالاب میں تین لیگ سے نلوں کے ذریعے سے پانی پہنچتا ہی۔ یہ نل پہاڑوں کے سلسلے کے دامن میں لگائے گئے ہیں۔ ان نلوں میں ایک بڑی جھیل سے پانی آتا ہی جو اِس قدر بڑی ہی کہ اُبل کر ندی میں گرتی ہی۔ تالاب میں تین بڑے مینار پانی کے خزانے کے بنے ہوے ہیں جن پر نہایت خوب صورتی سے تصاویر کھودی گئی ہیں۔ ان میناروں کا سلسلہ نلوں سے ملا ہوا ہی اور جب باغات یا زراعت کے لیے پانی کی ضرورت ہوتی ہی تو اُن کے ذریعے سے پانی پہنچایا جاتا ہی۔ شکم تالاب کے لیے زمین نہ تھی اس لیے راجہ نے ایک پہاڑ ترڑوا کر سطح زمین کو برابر کرایا ہی۔ تالاب کی مد میں مَیں نے پندرہ بیس ہزار مزدور ایک دم لگے دیکھے ہیں۔ مزدور اِس کثرت سے تھے کہ چیونٹیوں کی طرح پھیلے ہوے تھے۔ سارے میدان میں آدمی ہی آدمی دکھلائی دیتے تھے سطحِ زمین نظر نہ آتی تھی۔ راجہ نے اس تالاب کی تعمیر کا کام اپنے اُمرا میں ٹکڑے ٹکڑے کرکے تقسیم کر دیا تھا ہر ایک کے سپرد کافی تعداد مزدوروں کی تھی اور وہ اپنے اپنے حصے کا کام اپنی ذمہ داری سے بنواتے تھے۔ اتفاقاً تالاب دو تین مرتبہ پھوٹ گیا۔ راجہ نے برہمنوں سے کہا کہ تم دیوتا سے دریافت کرو کہ یہ تالاب بار بار کیوں ٹوٹ جاتا ہی۔ برہمنوں نے کہا کہ دیوتا ناراض ہی اور بلدان مانگتا ہی چاہیے کہ انسان گھوڑے اور بھینسوں کا خون چڑھایا جائے۔ یہ سُنتے ہی راجہ نے حکم دیا کہ دیول کے دروازے پر ساٹھ آدمیوں کے سر چڑھائے جائیں اور کچھ گھوڑے اور بھینسے بھی قربانی کیے جائیں چنانچہ راجہ کے حکم کی تعمیل

فوراً آگئی گئی۔ ہنود میں برہمن بہت متبرک سمجھے جاتے ہیں خصوصاً جو کہ دیولوں کے پجاری ہوتے ہیں اور یہ لوگ ذی علم عابد اور زاہد بھی ہوتے ہیں اور ریاضت کرتے ہیں۔ یہ لوگ بجز ترکاری کے کسی قسم کا گوشت یا مچھلی وغیرہ نہیں کھاتے۔ یہ لوگ عموماً متاہل ہوتے ہیں ان کی عورتیں بہت خوب صورت ہوتی ہیں ان کی مستورات بالعموم گھروں میں رہتی ہیں اور باہر کم نکلتی ہیں سب عورتوں کے کھلے اور صاف رنگ ہوتے ہیں اور خوب صورتی میں بھی یہ دوسری اقوام سے برتر ہیں۔ دوسری اقوام میں بہت کم لوگوں کے رنگ کھلے ہوئے ہوتے ہیں ناگلاپور کے نئے شہر کا نام راجہ نے اپنی چہیتی بیوی پر رکھا ہی۔ شہر کے اطراف میں لوگوں کے باغات ہیں۔ اِس شہر میں راجہ نے ایک بہت عمدہ مندر بھی بنوایا ہی جس میں بہت سے بُت ہیں۔ شہر میں متعدد عمدہ باولیاں ہیں۔ یہاں کے مکانات دو منزلہ سہ منزلہ نہیں ہوتے بلکہ ایک ہی منزل کے مسطح چھتوں کے ہیں جن میں وسیع دالان برآمدے حجرے اور کوٹھڑیاں ہوتی ہیں۔ ہر مکان کی ایک چار دیواری ہوتی ہی۔ راجہ کے محل کے دو بڑے بڑے دروازے ہیں جن پر بہت بڑا پہرہ چوکی رہتا ہی۔ سوائے اُمرا کے کوئی بلا اجازت اندر نہیں جا سکتا اِن دروازوں کے درمیان ایک بڑا وسیع صحن ہی جس کے چاروں طرف مکانات ہیں جن میں اُمرا و روٗسا حاضر باش رہتے ہیں اور جب یاد ہوتی ہی تو راجہ کے حضور میں حاضر ہو جاتے ہیں راجہ متوسط القامت اور کھلے رنگ کا ہی اُس کی شکل و صورت اچھی ہی۔ بدن گداز ہی۔ چہرے پر سیتلا کے داغ ہیں۔ اِس کا رعب داب بہت ہی اور ہر طرح بادشاہت کے لیے موزوں اور کامل الصفات ہی۔ نہایت خوش مزاج اور خوش طبع ہی۔ غیر ملکیوں کی ہمیشہ قدر و منزلت کرتا ہی اور اُن سے بہت مہربانی اور ملنساری سے پیش آتا ہی اور ان کے تمام حالات جزو کل دریافت کرتا ہی۔ یہ شخص بڑا حاکم وقت اور بڑا منصف مزاج ہی لیکن بعض وقت غصہ غالب آجاتا ہی۔ اِس کا نام "وکشن راؤ مہاراجہ شاہنشاہ راجۂ راجگان ہند مالک تین سمندروں اور ملک کا ہی"۔ یہ خطاب اِس کا اِس وجہ سے ہی کہ یہ سب سے بڑا راجہ ہی اس کے پاس سب سے زیادہ علاقہ اور فوج ہی علاوہ اِس کے وہ خود بڑا بہادر اور ہر فن میں کامل ہی۔ راجہ اُڑیسہ سے ہمیشہ اِس راجہ کی لڑائی رہی۔ یہ راجہ اُس کے ملک پر چڑھ گیا بہت سے شہروں اور قصبوں کو برباد

کر دیا۔ فوج کو منتشر اور پریشان کر دیا۔ ہاتھیوں کو تباہ کر دیا اور راجہ کے بیٹے کو گرفتار کر کے عرصے تک بیجانگر میں قید رکھا جہاں وہ آخر کار مرگیا۔ راجہ اڑلیسہ نے اس غرض سے کہ کسی طرح ان روز کی لڑائیوں سے نجات ملے راجۂ بیجانگر سے اپنی ایک لڑکی بیاہ دی۔ راجہ کی اصلی رانیاں بارہ ہیں ان میں بھی تین کو تفوق ہے صرف ان ہی کی اولادِ نرینہ وارثِ تخت و تاج ہوتی ہے۔ ان میں ہی کی ایک راجۂ اڑلیسہ کی لڑکی ہے اور دوسری سرنگاپٹن کے راجہ کی بیٹی ہے۔ تیسری ایک کنچنی تھی جس سے راجہ کا تعلق تخت نشینی سے پہلے زمانۂ راجکمارگی سے تھا اور اس سے راجہ نے وعدہ کر لیا تھا کہ جب میں راجہ ہوں گا تو تجھے اپنی خاص بیویوں میں شامل کروں گا۔ اسی کے نام پر راجہ نے ناگلا پور آباد کیا ان میں سے ہر ہر رانی کا محل الگ ہے ان کی لونڈیاں۔ باندیاں۔ ملازمین پہرے دارنیاں جدا جدا ہیں۔ ان محلات میں مرد پھٹک نہیں سکتا سب کام عورتوں کے ذمے ہے البتہ دروازوں پر خواجہ سراؤں کا پہرہ رہتا ہے۔ جب کبھی باہر نکلنے کی ضرورت ہوتی ہے تو پالکیوں میں برآمد ہوتی ہیں پردہ ایسا گہرا ہوتا ہے کہ کوئی دیکھ نہیں سکتا تین چار سو خواجہ سرا پالکی کو گھیرے رہتے ہیں باقی مرد سواری سے دُور دُور رہتے ہیں۔ ان رانیوں کے زیورات جواہرات اور دولت کا کیا پوچھنا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس ساٹھ ساٹھ دوشیزہ مصاحب یا سہیلیاں رہتی ہیں جو از سرتاپا زیورات اور جواہرات سے لدی رہتی ہیں ہم نے بھی ایک مرتبہ اس نظارے کو ایک تہوار کے موقعے پر دیکھا ہے جسے دیکھ کر ہم ہک دھک رہ گئے جس کا ذکر ہم آیندہ کریں گے۔ ان سہیلیوں کے ساتھ بارہ ہزار اور لونڈی باندیاں ملازمہ ہیں کیوں کہ عورتیں بھی تلوار اور ڈھال باندھتی ہیں اور کسرت اور کُشتی کرتی ہیں کچھ ترئی اور انواع و اقسام کے باجے بجاتی ہیں۔ عورتیں ہی کہاروں کا کام دیتی ہیں۔ الغرض جتنی خدمات زنانے محلات میں ہیں سب عورتوں ہی کے سپرد ہیں اور جس طرح کہ راجہ کے ہاں مرد عہدے دار ہیں اسی طرح محلات میں عورتیں مختلف عہدوں پر مامور ہیں۔ ان تینوں رانیوں کے پاس سب لوازم یکساں ہیں ذرا فرق نہیں تاکہ کسی کو کمی وبیشی کی شکایت نہ ہو جس سے نااتفاقی اور رنجش پیدا ہو۔ یہ تینوں رانیاں آپس میں بہت ملی جلی اور ایک دوسرے کی سہیلیاں ہیں۔ ہر ایک اپنے اپنے محل میں علیحدہ علیحدہ رہتی ہیں۔ اسی سے اندازہ کیا

جاسکتا ہی کہ محل کا احاطہ کس قدر وسیع ہوگا۔ مکانات کیسے ہوں گے جن میں اِس قدر لوگ رہتے ہیں
یہاں کے بازار گلیاں اور محلّے کیسے کچھ ہوں گے۔ راجہ خود ایک محل میں رہتا ہی اور جب اُس کا
دل جس رانی کو چاہتا ہی بذریعۂ خواجہ سرا کے مبلوا بھیجتا ہی۔ خواجہ سرا جاکر گارڈنوں (وہ عورتیں
جو پہرے پر رہتی ہیں) کو راجہ کا پیغام پونہچا دیتا ہی۔ اور وہ چیمبرمیڈ (سہیلی یا مصاحب) کو
مطلع کرتی ہیں وہ رانی سے عرض کرتی ہی۔ یا تو رانی خود راجہ کے محل میں چلی جاتی ہی یا راجہ
خود وہیں آجاتا ہی۔ راجہ اپنا وقت آرام و آسایش سے اِس طرح گزار دیتا ہی کہ دوسری رانیوں
کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی۔ خواجہ سراؤں میں سے بعض بیش قرار تنخواہ پاتے ہیں اور
راجہ کے بڑے منہ چڑھے ہیں بلکہ وہ راجہ کی خواب گاہ ہی میں سوتے بھی ہیں۔ راجہ دِن
نکلنے کے پیشتر ہر روز روغن کنجد پیتا ہی۔ اور اسی تیل کی مالش تمام بدن پر کی جاتی ہی۔ راجہ
عموماً دھوتی پہنتا ہی۔ مگدروں کی جوڑی ہلاتا ہی بعد کو تلوار کی پھینک کرتا ہی۔ وہ اِس قدر ورزش
کرتا ہی کہ تمام بدن میں پسینہ آکر تیل جذب ہو جاتا ہی تب وہ کُشتی لڑتا ہی۔ اِس کے بعد وہ
گھوڑے پر سوار ہو کر ہوا خوری کو باہر چلا جاتا ہی اور دن نکلنے کے اوّل یہ سب ورزش
ختم کرکے واپس آجاتا ہی تب غسل کرتا ہی غسل کرانا ایک مقدس برہمن کے سپرد ہی جو راجہ کا
خاص مقرب ہی اور بڑا متموّل شخص ہی بعد غسل کے محل کے اندر جو دیول ہی اُس میں پوجا کرتا ہی
تب وہ دیوان خانے میں برآمد ہوتا ہی جس کے اطراف میں صرف ستون ہیں دیوار نہیں ہی ستونوں
پر بیش قیمت خوب صورت کپڑے لپٹے ہوے ہیں۔ چھت اور کھم انواع واقسام کے رنگا آمیزی
کام سے آراستہ ہی۔ اِس دیوان خانے کی دونوں طرف دو عورتوں کی نہایت خوب صورت
مورتیں کھڑی ہیں۔ اِسی دیوان خانے میں راجہ سلطنت کا کاروبار کرتا ہی اور مصاحبین امراء
وغیرہ بھی یہیں باریاب ہوتے ہیں سب سے زیادہ مقرب اور ایک معمّر شخص تمارلج ہی (سالوتمّاونیم)
یہی تمامی امورِ سلطنت کا بڑا کارپرداز ہی اور سب اُمراء واہلِ غرض اِس کی بڑی تعظیم وتکریم
کرتے ہیں۔ راجہ جب اپنے مصاحبین وغیرہ سے بات چیت کرکے فارغ ہو جاتا ہی تو پھر دوسرے
درباریوں کی باریابی ہوتی ہی۔ یہ لوگ آتے ہی جھُک کر آداب بجالاتے ہیں اور دُور ایک طرف
کو قرینے سے خاموش بیٹھ جاتے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے سے بات چیت بھی نہیں کرسکتے

نہ وہاں پان کھا سکتے ہیں بلکہ دست بستہ مؤدب بیٹھے رہتے ہیں اور زمین پر اُن کی نگاہ رہتی ہی
اگر راجہ اِن میں سے کسی کی طرف مخاطب ہوتا ہی تو ایک شخص ثالث کے ذریعے سے گفتگو
کی جاتی ہی۔ جس کو اجازت عرض معروض کی ملتی ہی وہ راجہ کے رو برو کھڑے ہو کر جو عرض کرنا
ہو عرض کرتا ہی اور پھر اپنی جاے پر بیٹھ جاتا ہی۔ اِسی طرح تھوڑی دیر کے بعد دربار برخاست
ہو جاتا ہی اور سب سلام کر کے رُخصت ہوتے ہیں۔ اِن لوگوں کا سلام اِس طرح ہوتا ہی
کہ دونوں ہاتھ جوڑ کر سر کے اوپر اونچے کر لیتے ہیں۔ ہم جب اِس ملک میں آے تو راجہ ناگلاپور
میں تھا۔ میں اور کرسٹوواؤ ڈی فگریڈو[۵۱] اور چند لوگ جو ہمارے ساتھ تھے مِل کر راجہ کے
پاس گئے۔ ہم سب نے اپنے ملک کا عمدہ لباس پہنا تھا۔ راجہ فگریڈو سے بہت اچھی طرح
ملا اور بہت خاطر داری سے پیش آیا۔ راجہ اُس سے مِل کر ایسا خوش ہوا جیسے کوئی اپنے
عزیز سے مِل کر خوش ہوتا ہی اور ہم سب کے ساتھ بھی بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ ہم سب
راجہ کے ایسے قریب بیٹھے تھے کہ اُس کا بدن ہم سے چھو رہا تھا۔ فگریڈو نے راے ڈی ملو کپتان
میجر کے خطوط اور تحائف پیش کیے جس سے راجہ بہت خوش ہوا خصوصاً ارگن باجوں سے
راجہ سفید زرّیں لباس میں تھا۔ راجہ کے گلے میں ایک کنٹھا بیش قیمت جواہرات کا تھا
اُس کے سر پر ایک خود نما کمخواب کی ٹوپی تھی مگر برہنہ پا تھا کیونکہ راجہ کے حضور میں جو جاتا
ہی وہ جوتیاں اُتار کے جاتا ہی اور عموماً اِس ملک میں لوگ ننگے پاؤں بھی پھرا کرتے ہیں۔ یہاں
کے جوتے لمبی نوک کے[۵۲] ہوتے ہیں اور بعض کے صرف تلوے ہی تلوے ہوتے ہیں جن میں
اوپر وار کو تسمے پاؤں ڈالنے کے لیے بنے ہوے ہوتے ہیں۔ راجہ نے رُخصت کے وقت
کرسٹوواؤ کو ایک کمخواب کا چغہ اور ایک ٹوپی اُسی طرز کی جیسے کہ خود پہنے ہوے تھا دی اور

---

[۵۱] حسب بیان کوریا فگریڈو کو بو یورسس گورنر نے سنہ ۱۵۱۸ء میں ہاتھی گھوڑے بطور تحفہ دے کر بیجانگر بھجوایا تھا۔ فگریڈو گوا کا صدر تھانے دار تھا اور مردورے کے مندر میں رہتا تھا۔ سنہ ۱۵۲۳ء میں جو لڑائیاں اسد خاں اور پرتگالیوں کے درمیان ہوئیں ان میں بھی فگریڈو موجود تھا اور اسی وجہ سے فگریڈو اور اسد خاں کی باہمی دوستی تھی ۱۲

[۵۲] ہندوستان کے گھیتلے جوتوں کی وضع کے اِن کو اب "پاپوش شاہی" جوتے کہتے ہیں جن کے صرف تلوے ہوتے ہیں وہ چپّل کہلاتی ہی جو سلیپر کی وضع کی ہوتی ہی مگر پنجہ نہیں ہوتا کھڑاؤوں کی طرح کے تسموں سے پاؤں میں اٹک جاتی ہی ۱۲۔

اور ہم سب کو بھی ایک ایک پارچہ جس پر زر دوزی کی تصویریں بنی ہوئی تھیں دیا اور یہ راجہ کا دستور ہے کہ جن سے دوستانہ تعلقات ہوتے ہیں سب کو کچھ نہ کچھ دیتا ہے۔ راجہ سے رخصت ہو کر کرسٹوو اڈ بیجانگر آیا جو ناگلاپور کے نئے شہر سے تین میل ہے۔ ہم لوگ یہاں عمدہ مکانات میں رہنے لگے اور یہاں راجہ کی طرف سے بہت سے رُوسار اور اُمرار فگریڈو سے ملنے آیا کرتے تھے۔ راجہ بھی تحفے تحائف بکرے۔ مرغیاں۔ گھی۔ اور شہد کے گھڑے اور بہت سی چیزیں بھیجا کرتا تھا جو فگریڈو اپنے ہمرائیوں میں تقسیم کر دیتا تھا۔ راجہ نے فگریڈو سے بادشاہ پرتگال کے حالات بھی پوچھے اور وہاں کا حال سُن کر بہت خوش ہوا۔ بیجانگر سے ناگلاپور کو ایک بہت چوڑی سڑک جاتی ہے جس کے دونوں طرف مکانوں اور دکانوں کی قطار ہے۔ دکانوں میں ہر قسم کی اشیائے مایحتاج میسر آتی ہیں۔ سڑک کے دو رویہ درخت سایہ دار لگے ہوئے ہیں۔ جو اسی راجہ نے نصب کرائے ہیں۔ اسی سڑک پر راجہ نے ایک بہت خوب صورت سنگین مندر[1] بنوایا ہے اس کے علاوہ اور بہت سے مندر امرار کے بنوائے ہوئے موجود ہیں۔ بیجانگر کے شہر کے دروازوں میں داخل ہونے سے پیشتر ایک بہت بڑا دروازہ ملتا ہے جو مستحکم اور سنگین فصیل کا ہے۔ یہ فصیل بیرونی ہے جو سارے شہر کے گرداگرد ہے جس میں جابجا مورچے بنے ہوئے ہیں لیکن فی زمانا بعض بعض مقامات پر یہ فصیل شکستہ ہو گئی ہے اس فصیل کے اطراف میں خندق بھی ہے۔ اس بڑی فصیل کے علاوہ ایک اور فصیل خاص وضع کی ہے۔ قدِ آدم نوک دار پتھروں کے کھم برابر گاڑ دیئے گئے ہیں بیرونی فصیل سے شہر کو بہت فصل ہے۔ درمیان میں کثرت سے زراعت ہوتی ہے اور باغات ہیں جن میں تالابوں کا پانی آتا ہے اور ناریل اور پھل دار درخت بطور خانہ باغ کے لگے ہوئے ہیں فصیل کے باہر ہی ایک چھوٹا سا تالاب ہے۔ اُس کے بعد فصیل ملتی ہے۔ دروازے میں داخل ہونے کے لیے فصیل مُڑ گئی ہے اس جگہ دروازے کی دونوں طرف دو بڑے بڑے برج بنے ہوئے ہیں۔ دروازے میں سے گزرنے کے بعد دو چھوٹے چھوٹے مندر ملتے ہیں ایک کے احاطے

---

[1] اس سے مراد اِنتا سوامی کا خوب صورت مندر ہے جو ہوسپیٹ سے ایک میل پر کاملاپور کی سڑک پر واقع ہے۔ درخت اب بھی جا بجا موجود ہیں ۱۲۔

میں بہت سے درخت لگے ہوئے ہیں اور دوسرے میں بہت سے مکانات ہیں - اس کے بعد ایک اور دروازہ اور فصیل ملتی ہی یہ دوسری فصیل شہر کے گرداگرد ہی - یہاں سے راجہ کے محل تک بڑی سڑک ہی جس پر اُمرار اور معززین کے خوب صورت مکانات واقع ہیں جو بہت شاندار اور آراستہ ہیں جن پر پتھر کی تصویریں کثرت سے بنی ہوئی ہیں اور دیکھنے میں بہت خوش نما معلوم دیتے ہیں اسی سڑک پر آگے چل کر شہر کا ایک بڑا اندرونی[1] دروازہ راجہ کے محل کے محاذی ہی اور اس کے مقابلے میں دوسری طرف اور ایک دروازہ ہی جو شہر کی دوسری جانب کے رستے پر واقع ہی - اس سڑک پر سے تمام گاڑیاں غلے اور ہر قسم کے سامان کی گزرتی رہتی ہیں - راجہ کے محل کے اطراف میں ایک بہت بڑا پختہ احاطہ ہی - راجہ کے محل سے آگے بڑھ کر دوسرے دروازے کے باہر دونوں جانب دو مندر ہیں ان میں سے ایک کے دروازے پر ہر روز بکروں کا سر کاٹ کر خون دیو پر چڑھایا جاتا ہی اور سر دیول کے پجاریوں کو دے دیا جاتا ہی باقی گوشت لوگوں کے مصرف میں آتا ہی - ان قربانیوں کے وقت دیول کا پجاری موجود رہتا ہی اُس کو بھی یہ لوگ فی بکرا کچھ دیتے ہیں - جونہی بکرے کا سر اُڑایا جاتا ہی تو پجاری سینگ بجاتا ہی جو دیوتا کے قربانی قبول کرنے کی علامت ہی - ان مندروں کے پاس ایک رتھ ہی جس پر نقش و نگار اور مورتیں گھدی ہوئی ہیں - یہ رتھ ہر سال ایک مقررہ دن پر شہر میں پھرایا جاتا ہی اور اتنا بڑا ہی کہ سیدھی سڑک کے سوائے موڑ توڑ پر نہیں جا سکتا - اس کے بعد ایک اور چوڑی اور خوش نما سڑک ہی اس کے دو طرفہ بھی عمدہ عمدہ مکانات ہیں جن کی شان و شوکت سے معلوم ہوتا ہی کہ ان میں بھی بڑے بڑے لوگ رہتے ہیں - اس بازار میں اکثر سوداگر اور بیوپاری بھی رہتے ہیں ان کی دکانوں میں ہر قسم کے ہیرے جواہرات لعل - یاقوت - زمرد - موتی اور انواع و اقسام کے کپڑے اور ہر قسم کی اشیاے مایحتاج جو روے زمین پر پیدا ہوتی ہیں بہ کثرت موجود رہتی ہیں ہر روز شام کو جانوروں کا بازار الگ لگتا ہی جس میں گھوڑے اور ٹٹو بکتے ہیں علی ہذا میوہ جات - لیموں - نارنگیاں - اور ہر قسم کی ترکاریاں سب چیزیں بازار میں ملتی ہیں - اس بازار کے اخیر میں ایک دروازہ فصیل سے

[1] جس دروازے کا یہاں ذکر ہی اس سے غالباً راجہ کے محل کا صدر دروازہ مراد ہی یہ موضع کاملاپور کے شمال میں واقع ہی ۱۲

بازار بیجانگر کا باقی ماندہ حصّہ
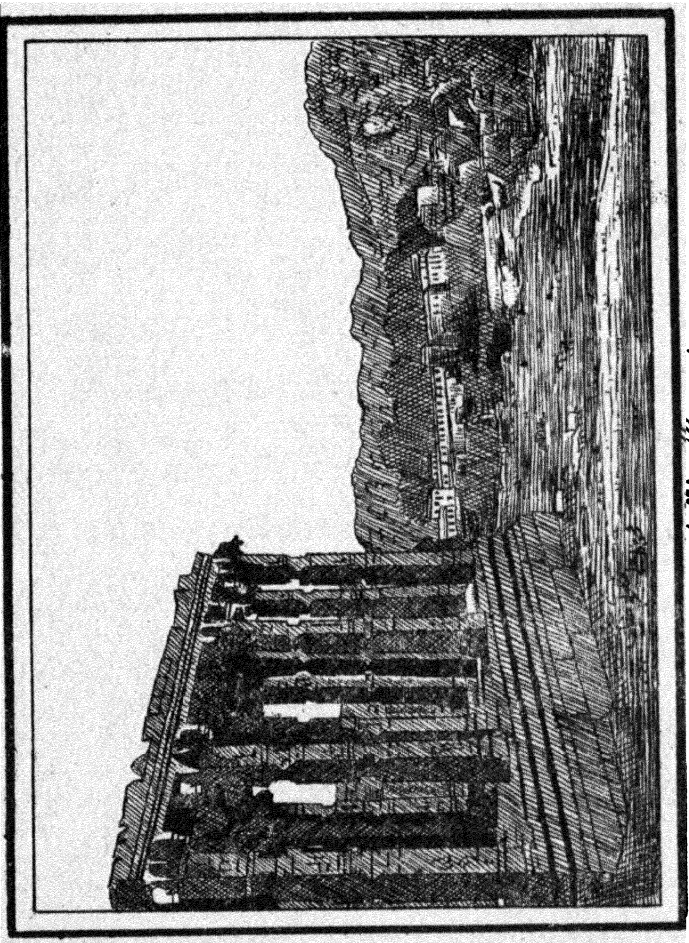
ملا ہوا ہے جس کے باہر اَور ایک بازار ہے جہاں عموماً پیشہ ور لوگ رہتے ہیں اور اپنی بنائی ہوئی چیزیں بیچتے ہیں اِس بازار میں بھی چھوٹے چھوٹے دو مندر ہیں۔ اِسی طرح تمام شہر میں متعدد مندر ہیں لیکن بڑے بڑے مندر شہر کے باہر ہیں۔ اِسی بازار میں فگر یڈو رہتا تھا۔ ہر جمعہ کو بازار لگتا ہے جس میں ہر قسم کے چرند و پرند کا گوشت اور سمندر کی سوکھی مچھلیاں اور انواع و اقسام کا غلّہ بکتا ہے اِس بازار کے اخیر میں مسلمان رہتے ہیں جو راجہ کے ملازم ہیں۔ اِس شہر میں ہر قوم اور مذہب کے لوگ موجود ہیں کیوں کہ تجارت بکثرت ہے خصوصاً جواہرات اور ہیرے کا بیوپار بہت ہوتا ہے یہ شہر کتنا بڑا ہے اِس کا اندازہ نہیں ہو سکتا کیوں کہ کسی خاص مقام سے سارا شہر دکھلائی نہیں دیتا مَیں نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر شہر کا ایک بڑا حصّہ دیکھا ہے تاہم سارے شہر کو نہیں دیکھ سکا کیوں کہ بہت سے پہاڑ حائل ہیں۔ میں اندازہ کرتا ہوں کہ یہ شہر روم کے برابر ہے اور اِس کا منظر بہت خوب صورت ہے شہر کے اندر درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ ہیں۔ مکانوں کے اندر باغات ہیں اور جا بجا نہریں دَوڑتی ہیں اور چھوٹے چھوٹے تالاب بھی ہیں۔ راجہ کے محل کے پاس ایک باغ ناریل کے درختوں کا ہے اُس میں اَور میوہ دار درخت بھی ہیں۔ مسلمانوں کے محلّے کے پاس ایک چھوٹی ندی ہے اِس مقام پر بہت سے باغ میوے دار درختوں کے ہیں جن میں اکثر آم۔ چھالیہ۔ کٹھل۔ لیموں۔ نارنگی اور چکوتروں کے درخت ہیں یہ باغات ایسے شاداب اور گنجان ہیں کہ ایک گھنا جنگل معلوم ہوتا ہے اِن میں سفید انگور اور انار بھی کثرت سے ہوتے ہیں۔ تمام شہر میں پانی انھیں دو تالابوں سے آتا ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اِس شہر کی مردم شماری بے شمار ہے اگر میں اُس کی تعداد لکھوں تو شاید لوگ اعتبار نہ کریں گے۔ میرے خیال میں یہ شہر ساری دُنیا کے مشہور شہروں میں بہترین شہر ہے۔ اِس میں چاول۔ گیہوں انواع و اقسام کا غلّہ ہر قسم کی دالیں۔ چنا وغیرہ جو اِس ملک کی پیداوار اور خوراک ہے بے انتہا اور وافر موجود رہتا ہے اور بہت ارزاں فروخت ہوتا ہے۔ گیہوں کی کھپت کم ہے کہ سوائے مسلمانوں کے اَور کوئی نہیں کھاتا۔ میرے بیان کا اندازہ اِس سے سمجھ میں آئے گا کہ گلیاں اور بازار بے شمار لدو بیلوں سے ایسے پٹے پڑے رہتے ہیں کہ رستہ ملنا مشکل ہو جاتا ہے بعض بعض وقت تو تھوڑی دیر کے لیے اِن کے گزرنے کے لیئے رستہ بند ہو جاتا ہے اَور لوگوں کو

دوسرے رستوں سے جانا پڑتا ہی - مرغیاں بہت ارزاں ہیں - بازار خرگوش - تیتر - بٹیر - فاختہ - کبوتر - بطخ - اور انواع و اقسام کے پرند اور آبی جانوروں سے بھرا رہتا ہی کیوں کہ تالابوں اور جھیلوں میں جانور بکثرت ہیں اور اِسی وجہ سے ارزاں بکتے ہیں - بکروں - مینڈھوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں کیوں کہ ہر محلے میں ریوڑ کے ریوڑ بیچنے کے لیئے لوگ لے کر پھرتے رہتے ہیں بازاروں میں جو گوشت فروخت ہوتا ہی وہ نہایت صاف عمدہ اور فربہ ہوتا ہی بعض بازاروں میں سور کا گوشت بہت عمدہ اور سفید بکتا ہی - گٹھلے کے گٹھلے لیموں اور نارنگیوں - بیگن اور ترکاریوں کے آتے ہیں کہ اُن کی افراط کو دیکھ کر آدمی چکرا جاتا ہی - اِس شہر کی حالت دوسرے شہروں کی سی نہیں ہی - جہاں چیزوں کا توڑا پڑ جاتا ہی بلکہ ہر چیز افراط سے ہر وقت موجود رہتی ہی - منوں گھی - تیل - اور دودھ ہر روز فروخت ہوتا ہی - گائے - بھینسوں کے ریوڑ کے ریوڑ شہر کے باہر چرنے کو جاتے ہیں اور اِس کثرت سے ہیں کہ شاید اَور کہیں دیکھنے میں آئیں - شہر کے شمال میں ایک بہت بڑا دریا ہی جس میں مچھلی کثرت سے ہوتی ہی - دریا کے کنارے قدیم شہر آناگُندی کا واقع ہی جو سابق میں دارالسلطنت تھا لیکن اب وہاں چند لوگ رہتے ہیں - آناگُندی کے اطراف میں بھی عمدہ اور بہت خوب مضبوط فصیل ہی یہ بستی دو پہاڑوں کے بیچ میں ہی اور اندر جانے کے لیئے وہی رستے ہیں - اِس شہر میں راجہ کی طرف سے ایک حاکم رہتا ہی - لوگ ٹوکروں میں بیٹھ کر دریا پار جاتے ہیں جن کے اوپر چمڑا منڈھا ہوا ہوتا ہی جس میں پندرہ بیس آدمی آسانی سے بیٹھ سکتے ہیں اگر ضرورت ہو تو گھوڑے اور بیل بھی بٹھائیے جاتے ہیں لیکن عموماً یہ جانور تیر کر اُتر جاتے ہیں - ان ٹوکروں کو ملّاح چپّو سے کھیتے ہیں - ٹوکرا کشتی کی طرح سیدھا نہیں جاتا بلکہ چکر پھرتا ہوا جاتا ہی اور اِس ملک میں ہر ندی میں اسی کا رواج ہی - جانور فروخت کرنے کے مقامات علیٰحدہ بنے ہوئے ہیں - شہر کے پاس کھیتوں میں بکروں - مینڈھوں - گائے - بھینسوں کے ریوڑ کے ریوڑ نظر آتے ہیں بعض بکرے اور مینڈھے

ہ مُٹھ سوامی کے دیول کے پاس دریاے تُنگ بھدرا پر ایک سنگین پُل کا ٹوٹا ہوا حصّہ اب تک موجود ہی جو پتھروں کے بڑے بڑے گنڈوں پر بنایا گیا تھا معلوم ہوتا ہی کہ یہ پُل جو بیجانگر اور آناگُندی کے درمیان تھا اِس وقائع نگار کے بعد بنا ہوگا کیوں کہ اُس نے اِس کا کچھ ذکر نہیں کیا ۱۲

وٹھل سوامی کے مندر کا ایک مسقف حصہ
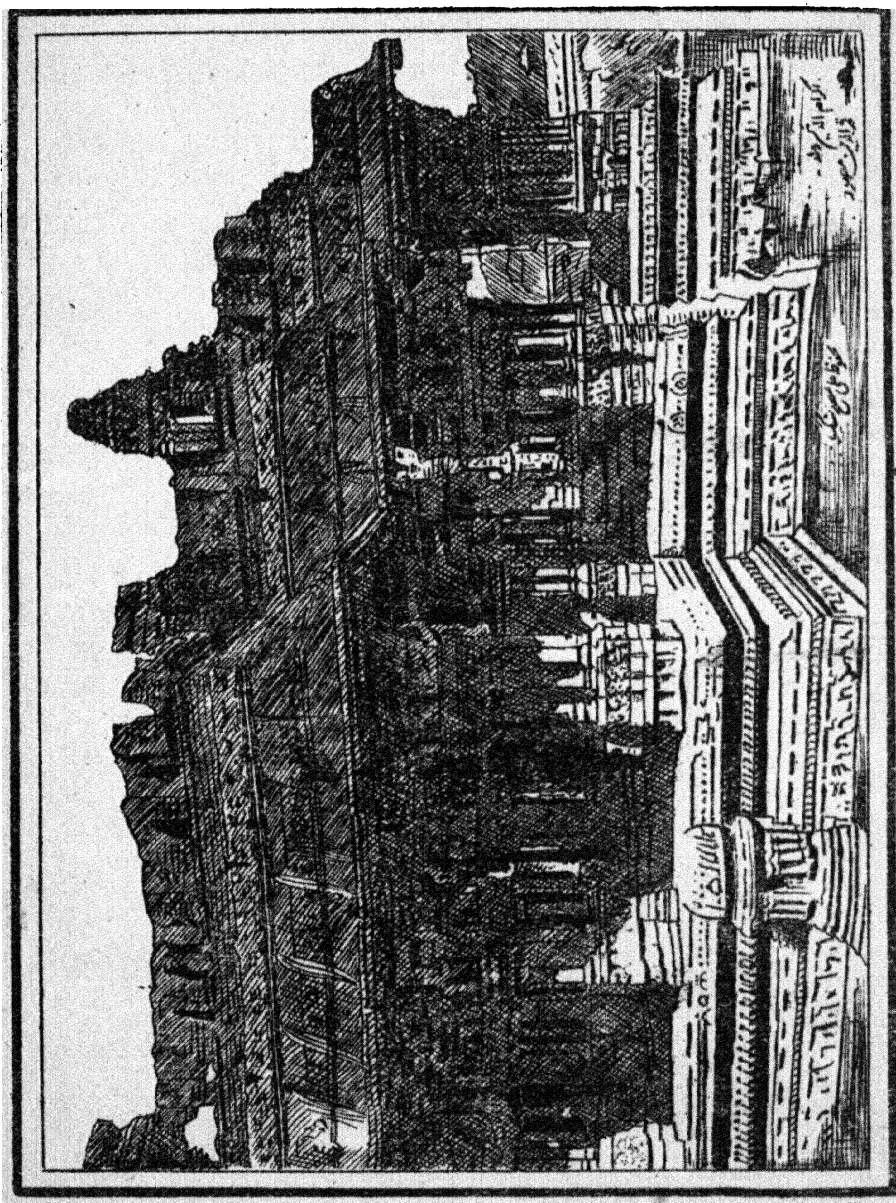
ایسے بڑے بڑے ہوتے ہیں کہ اُن کو لگام اور زین لگی رہتی ہی اور لڑکے اکثر اُن پر سوار ہوتے ہیں
شہر کے باہر شمالی جانب تین بہت خوب صورت مندر ہیں جن میں سے ایک وٹھل سوامی کا
کہلاتا ہی جو شہر آناگُندی کے محاذی اور دوسرا ہمپی کا دیول ہی جسے وِیرپاکش کا دیول بھی کہتے
ہیں ہمپی کے دیول کی ہنود بہت عظمت کرتے ہیں اور اکثر اسی میں پوجا پاٹ ہوتا ہی۔ اس مندر
کے صدر دروازے کے محاذی ایک نہایت خوب صورت بازار خوش نما مکانات کا ہی جس میں
شہ نشین اور محرابیں بنی ہوئی ہیں۔ اسی میں زائرین آکر اترا کرتے ہیں اور اُمرا لوگ بھی رہتے
ہیں چنانچہ خود راجہ کا ایک مکان اسی بازار میں ہی وہ جب کبھی دیول میں آتا ہی تو اسی مکان
میں ٹھیرتا ہی۔ دیول کے دروازے پر انواع و اقسام کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اس کا قبہ
بہت بلند ہی جس پر مرد عورتوں اور شکار کی تصویریں بنی ہوئی ہیں جوں جوں قبہ بلند ہوتا
جاتا ہی اوپر اوپر کو چھوٹا ہوتا جاتا ہی کیوں کہ مخروطی شکل کا ہی اور اسی مناسبت سے تصویریں
بھی چھوٹی ہوتی جاتی ہیں۔ اس دروازے میں سے گزر کر ہم ایک وسیع صحن میں داخل ہوتے
ہیں۔ اس میں ایک اور دروازہ اُسی قسم کا ملتا ہی لیکن یہ ذرا چھوٹا ہی۔ اس دروازے کے بعد
پھر ایک بڑا صحن ہی جس کے چاروں طرف ستونوں پر برآمدے ہیں اور وسط میں دیو کی جگہ
ہی۔ صدر دروازے کے سامنے چار ستون کھڑے ہیں دو ملمّع کے ہیں دو تانبے کے۔ بوجہ
استدادِ زمانہ اِن پر سے سونا گم ہو گیا ہی اور تانبے کے تو بدستور قائم ہیں۔ دروازے کے
پاس والا کھم حال کے راجہ کشن راؤ نے بنوایا ہی اور باقی پہلے کے راجاؤں کے بنوائے ہوئے
ہیں۔ دیول کے بیرونی دروازے کے تمام پٹوں پر تانبے کا پتّر مڑھ کر سونا چڑھا دیا ہی اور
دونوں طرف دو شیروں کے سنہری بُت ہیں۔ دیول کے اندر جہاں دیو ہی۔ ہر ستون میں چراغ
جلانے کے طاقچے بنے ہوئے ہیں جن میں ڈھائی ہزار سے تین ہزار چراغ تک ہر روز رات
کو جلتے ہیں۔ اس کے بعد وہ خاص مقام ہی جہاں دیو کی مورت رکھی ہوئی ہی وہ جاے بالکل
تیرہ و تار ہی مگر ہر وقت چراغوں کی روشنی رہتی ہی۔ اس میں سوائے برہمن پجاریوں کے
دوسرا کوئی جا نہیں سکتا لیکن میں پجاریوں کو کچھ دے دلا کر اندر چلا گیا۔ بیرونی اور اندرونی
دروازے کے درمیان اور بہت سے چھوٹے چھوٹے بُت بنے ہوئے ہیں۔ اصل دیو صرف

ایک گول پتھر ہی جس پر کوئی تصویر نہیں۔ ہندو اس کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ اس عمارت کے تمام بیرونی حصّے پر تانبے کے پتّر پر سونے کا ملمّع کیا ہوا ہی۔ اس کے عقب میں ایک سنگِ مرمر کی مورت ہی جس کے چھے ہاتھ ہیں اور ایک ہاتھ میں تلوار ہی دوسرے میں ... باقی ہاتھوں میں اور مقدس مذہبی چیزیں ہیں۔ یہ دیو ایک بھینسے کو اپنے پاؤں سے دبائے ہوئے ہی اور ایک دوسرا بڑا جانور بھینسے کے مارنے میں مدد کر رہا ہی۔ یہاں برہمنوں کے رہنے کے لیئے متعدد مکانات اور باغ ہیں جن میں وہ لوگ اپنے کھانے کی ترکاریوں کی کاشت کرتے ہیں۔ جاترا کے وقت میں رتھ کشی ہوتی ہی جس کے ساتھ طوائف اور دوسری عورتیں اور باجہ گاجہ رہتا ہی۔ ہنود میں تہواروں کے دن مقرر ہیں اور یہ لوگ روزے بھی رکھتے ہیں جس میں سارے دن اور نصف شب تک کچھ کھاتے نہیں۔ جب کوئی بڑا تہوار ہوتا ہی تو راجہ ناگلا پور سے بیجانگر میں آجاتا ہی۔ ایسے موقع پر تمام اُمرا ور رؤسا و جاگیردار مع اپنی اپنی فوج کے بُلائے جاتے ہیں اور اطراف و اکناف کی سب رنڈیاں جمع کی جاتی ہیں۔ ہنود کا بڑا تہوار ۱۲ ستمبر کو شروع ہوتا ہی اور نَو دن برابر رہتا ہی۔ یہ جشن راجہ کے محل میں ہوتا ہی راجہ کا محل اس وضع کا ہی کہ پہلے ایک بڑا دروازہ ہی جس پر ایک بڑا بلند قُبّہ بنا ہوا ہی۔ جس میں برآمدے ہیں اسی کے ساتھ احاطے کی دیوار ہی۔ دروازے پر بہت سارے پہرے والے ہیں جن کے پاس چرمی کوڑے اور لکڑیاں ہوتی ہیں اور وہ سوائے اُمرا کے کسی کو بدون اپنے افسر کی اجازت کے اندر جانے نہیں دیتے۔ اس دروازے کے اندر ایک وسیع صحن ہی اور پھر ایک ویسا ہی دروازہ ہی جیسا کہ پہلا تھا اس پر بھی پہرہ ہی اور اس کے بعد پھر صحن ہی جس میں برآمدے بنے ہوئے ہیں جن میں اُمرا بیٹھ کر تماشا دیکھتے ہیں اور اس کی بائیں طرف شمالی رُخ پر ایک بڑی یک منزلہ عمارت ہی جس کے ستون ہاتھی وغیرہ مختلف شکلوں کے بنے ہوئے ہیں۔ اس مکان کے اوپر جانے کے لیئے بہت سی پتھر کی سیڑھیاں گرداگرد ہیں۔ اس چبوترے پر بھی پتھر کا فرش ہی اور اسی پر لوگ کھڑے رہ کر تماشہ دیکھتے ہیں۔ اس مکان کا نام "فتح منزل" ہی کیوں کہ اس مکان کو راجہ نے فتح اُڑیسہ کے بعد بنوایا تھا

لہ اصل میں یہ لفظ متروک ہی ۱۲۔

اس کی سیدھی طرف لکڑی کے بلند منڈوے بنائے گئے ہیں جن پر لال سبز مخمل اور دوسری قسم کے ریشمین کپڑے ازسرتاپا لپیٹے رہتے ہیں۔ اِس قسم کے گیارہ منڈوے ہیں جو عارضی طور سے اس تقریب میں بنائے جاتے ہیں۔ دروازوں کے پاس دو احاطے طوائف کے لیئے بنائے جاتے ہیں جن میں طوائف نہایت زرق برق پوشاک اور بیش قیمت زیورات سے سج سجا کر بیٹھا کرتی ہیں۔ دروازے کے محاذی مشرقی رُخ کے صحن کے بیچوں بیچ دو مکانات اُسی نمونے کے جیسا کہ فتح منزل ہی بنائے جاتے ہیں ان میں بھی خوب صورت سیڑھیاں ہیں۔ ان مکانوں میں بھی۔ دیواروں۔ چھت۔ ستون سب پر قیمتی کپڑے لپیٹے جاتے ہیں دیواروں کے کپڑوں پر طرح بہ طرح کی زردوزی تصویریں بنائی جاتی ہیں۔ یہ عمارتیں دو منزلہ ہیں ان میں اُمراء کے صاحب زادے خواجہ سرا وغیرہ جمع ہوتے ہیں۔ ایک مکان کی اوپر کی منزل پر نگرپڈو اور اُس کے ہمراہی بٹھلائے گئے تھے کیوں کہ راجہ نے حکم دیا تھا کہ ہم لوگوں کو ایسے مقام پر بٹھایا جائے جہاں سے تماشا اچھی طرح نظر آسکے۔ محلات میں راجہ اور رانیاں اور اُن کے حشم خدم سب رہتے ہیں محل کے احاطے کے اندر ہی اندر چونتیس گلیاں ہیں جن میں سے رانیاں ادھر اُدھر آجا سکتی ہیں۔ فتح منزل میں راجہ کا ایک کمرہ کپڑے کا بنا ہوا ہی اُس کی ایک طرف تو دیو کا گھر ہی اور وسط میں ایک چبوترہ ہی جس کے نیچے سیڑھیاں ہیں اس پر راجہ کا تخت ہی۔ یہ تخت مربع اور مسطح ہی جس پر گول چھتری ہی اور بیچ میں بیٹھنے کی جگہ بنی ہوئی ہی۔ یہ تخت لکڑی کا ہی جس پر ریشمین کپڑا مڑھا ہوا ہی اور خالص سونے کے شیر بنے ہوے ہیں اور جا بجا سونے کے موٹے پتر لگے ہوے ہیں جن میں موتی لعل۔ جواہرات جڑے ہوے ہیں اور چوطرف سنہری تصویریں دیوتاؤں کی بنی ہوئی ہیں جن پر بہت کچھ کام بنا ہوا ہی۔ اِس کے بیچ میں ایک کرسی پر ایک مورت سونے کی رکھی ہوئی ہی جو گلاب کے اور دوسرے پھولوں سے لدی ہوئی ہی۔ اِس کرسی کے ایک طرف چبوترے کے نیچے ایک بالشت اونچی ایک لمبی ٹوپی رکھی ہی جو اوپر سے گول ہی اِس پر بہت سے لعل و یاقوت و جواہرات جڑے ہوے ہیں جس کے سرے پر چھالیہ کے برابر ایک موتی ہی یہیں دوسری طرف ایک پاؤں کا توڑا رکھا ہی یہ بھی بڑے بڑے موتیوں۔ لعلوں۔ زمرد اور ہیروں اور

بیجانگر کے محل میں مہانومی ڈبہ یعنی "فتح منزل" کا باقی ماندہ حصّہ
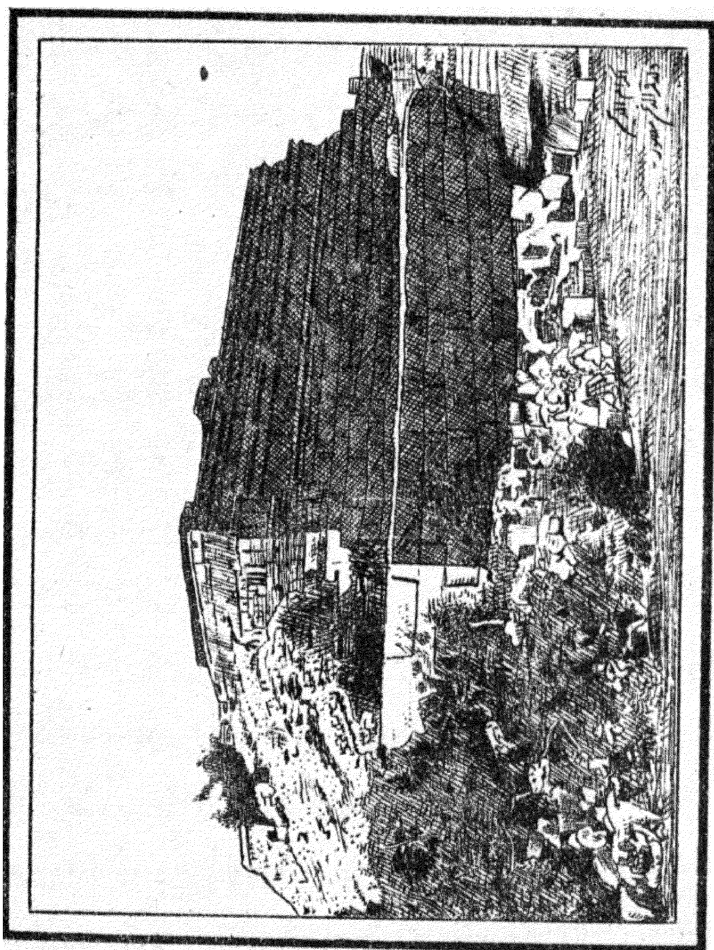
اور وہاں مرد اور عورت پہلوانوں کی کُشتیاں اور انواع و اقسام کے تماشے ہونے لگتے ہیں
یہاں کا سب انتظام سالوتما وزیر کے ذمّے ہے جو سب پر نگرانی کرتا ہے اور راجہ بھی اُس کو اپنے
باپ کی جگہ سمجھتا ہے کیوں کہ اِسی کے سبب سے کشن دیو راے کو سلطنت ملی تھی۔ راجہ اس کو سالوتما
پکارتا ہے اور تمام اُمرا و رؤسا اِس کو آداب بجالاتے ہیں۔ جب سب انتظام اور طیاری
ہوجاتی ہے تو راجہ تخت پر جلوس فرماتا ہے اور سب حاضرین آداب بجالاتے ہیں۔ پہلوان
اِس میدان میں بیٹھ جاتے ہیں سواے اِن کے راجہ کے سامنے کوئی بیٹھ نہیں سکتا سب
کھڑے رہتے ہیں بعد یہ لوگ پان بھی کھاتے ہیں اِن کے اور طوائف کے سوا راجہ کے سامنے
کوئی پان نہیں کھا سکتا۔ راجہ تخت پر بیٹھنے کے بعد صرف دو چار اُمرا کو جو بڑے بڑے
راجہ یا راجہ کے قرابت دار قریبہ یا خُسر ہوتے ہیں بیٹھنے کی اجازت ملتی ہے۔ ان راجاؤں
میں ایک سرنگاپٹن[1] اور ملیبار کا راجہ ہے جس کو کُما رکہتے ہیں یہ سب سے آگے بیٹھتا ہے باقی لوگ
اِس کے پیچھے رہتے ہیں۔ راجہ ہمیشہ سفید لباس میں رہتا ہے جو زردوزی کام کا ہوتا ہے اور بہت سے
جواہرات پہنتا ہے اس کے پیچھے تنبول بردار چوبدار وغیرہ ماہی مراتب لے کر کھڑے رہتے ہیں
برہمن تخت کے گرد کھڑے ہوے دیو کو مورچھل ہلاتے رہتے ہیں جن کی ٹونڈیاں سونے کی ہوتی ہیں
راجہ پر بھی مورچھل ہلایا جاتا ہے جو بڑے عزت و امتیاز کی چیز ہے پھر باری باری سے اُمرا مع اپنے
ہمرائیوں کے داخل ہوتے ہیں اور راجہ کو سلام کرکے اپنے اپنے قرینے سے بیٹھ جاتے ہیں
پھر فوجی لوگ اپنے برچھے اور ڈھالیں لے کر آتے ہیں پھر تیر اندازوں کے سردار آکر ہاتھیوں
کے آگے تماشے گاہ میں کھڑے رہتے ہیں جو راجہ کا باڈی گارڈ ہے کیوں کہ ایسی جگہ سواے

---

[1] اِس زمانے میں سرنگاپٹن کے راجہ کا نام بٹا داچام رایا تھا جو ملک میسور میں ۱۵۱۳ء سے ۱۵۵۳ء تک حکمران تھا۔ اِس کے
تین بیٹے تھے۔ راجہ کی وفات پر دونوں بڑے لڑکوں کو اپنے اپنے حصّے کا ملک ملا مگر دونوں لاولد مرے۔ تیسرا لڑکا ہرس چِٹ
تھا۔ یہ سب میں سربرآوردہ تھا اور راجہ اِسی کو زیادہ چاہتا تھا اِس سبب سے اِس کے حصّے میں خاص خطّۂ شہر میسور مع
مُضافات کے آیا ۱۵۶۵ء میں بیجانگر کی تباہی کے بعد یہ خود مختار ہوگیا اور ۱۵۷۰ء تک برسرِ حکومت رہا اسی سال میں راجہ
اُودے یار نے اِس کو بے دخل کر کے ملک پر قبضہ کرلیا۔ راجہ کے فرزند کو کُمار کہتے ہیں ان تہواروں میں خود راجہ شریک نہ تھا
بلکہ اُس کا لڑکا موجود تھا جس کا نام ویرا تھا ۱۲ م

ان کے اندر کوئی شخص مسلح نہیں آسکتا نہ راجہ کے قریب کوئی ہتیار لے کر جا سکتا ہی۔ جب سب جمعیت جا بجا کھڑی ہو جاتی ہی تب طوائف کا ناچ شروع ہوتا ہی۔ بھلا کون پوری طرح ان کے زیورات کا حال بیان کر سکتا ہی۔ گلے میں سونے۔ موتی۔ ہیرے اور لعل و جواہر کے زیورات بازو اور کلائی میں زیورات کمر پیٹے زرین علیٰ ہذا پاؤں کے زیورات۔ تعجب اس بات کا ہی کہ طوائف اس قدر متمول ہیں بعض کو تو ان میں سے انعامات اور جاگیریں اور سواری کی پالکیاں ہیں اور ان کے پاس اکثر بہت سی لونڈیاں اور نوکر بھی ہیں۔ اسی شہر میں ایک طوائف ایک لاکھ پگوڈا[1] کی مالک ہی اور مجھے اس کا یقین اس وجہ سے ہی کہ میں نے اُسے خود دیکھا ہی۔ جب کشتی پھری گدکا اور پھینک شروع ہو جاتی ہی تو اس قدر زور و شور سے ہوتی ہی کہ بعض لوگوں کے دانت ٹوٹ جاتے اور آنکھیں پھوٹ جاتی ہیں اور چہرے بدنما ہو جاتے ہیں اور بعض ایسے بے ہوش ہو کر گرتے ہیں کہ اُن کو اُٹھا کر لے جاتے ہیں۔ اِن جوڑیوں کے اُستاد اور پنچ ہوتے ہیں جو ہار جیت کا فیصلہ کرتے ہیں۔ تیسرے پہر سے شام تک اسی طرح ناچ اور مختلف اقسام کے کھیل تماشے ہوتے رہتے ہیں۔ بعد غروب آفتاب بڑی بڑی مشعلیں روشن کی جاتی ہیں اور تمام میدان میں گاڑ دی جاتی ہیں کہ اُن کی روشنی سے دن معلوم ہونے لگتا ہی۔ تمام فصیلوں اور دیواروں پر چراغ روشن کیے جاتے ہیں اور جہاں راجہ بیٹھتا ہی وہ جگہ مشعلوں سے بھری رہتی ہی اس کے بعد پھر انواع و اقسام کے کھیل اور تماشے شروع ہوتے ہیں جو سب راجہ کے سامنے سے گزرتے ہیں۔ لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر آپس میں لڑتے ہیں بعض بعض لوگ بڑے بڑے مچھلی پکڑنے کے جال لاتے ہیں اور بہ طور تماشے کے مجمع میں جو لوگ ہوتے ہیں اُن کو پکڑتے ہیں پھر انواع و اقسام کی آتش بازی۔ ہوائیاں اور بان۔ چھوڑی جاتی ہیں آتش بازی کے قلعے بنائے جاتے ہیں جن میں سے گولے اور تارہ منڈل اُڑتے ہیں آتش بازی ختم ہو چکنے کے بعد اُمرا کی رتھیں نہایت مکلف طور سے آتی ہیں سب سے آگے سالو تما کی رتھ

---

[1] ایک طلائی سکہ ہی۔ عبدالرزاق نے (۱۴۴۳ء) اس سکے کو نصف پیگوڈا کے برابر لکھا ہی۔ درتھا (۱۵۰۳ و ۱۵۰۷ء) ایک پیگوڈا کے مساوی بتلاتا ہی اور یہی صحیح بھی ہی۔ پیرجاس نے لکھا ہی کہ اس کی قیمت اُن دنوں فلمش ڈالر کے برابر تھی۔ فی زمانہ پیگوڈا کی قیمت ۳ روپے ہی ۱۲۔

ہوتی ہو اُس کے پیچھے سلسلہ بہ سلسلہ دوسرے اُمرا کی - اِن رتھوں پر زر دوزی کے پردے پڑے رہتے ہیں جن پر مختلف قسم کی تصاویر طوائف کے ناچ وغیرہ کی بنی رہتی ہیں - اِس کے بعد گھوڑوں کا جلوس آتا ہی یہ گھوڑے عمدہ زین اور مغرق جھولوں - زیورات اور پھولوں کے ہاروں سے سجے ہوے ہوتے ہیں اِن کے زین پوش راجہ کے بانے کے رنگ کے ہوتے ہیں - اِن کی لگامیں تمام سنہری ہوتی ہیں - سب گھوڑوں کے آگے ایک گھوڑا راجہ کے خاصے کا ہوتا ہی جس پر دو چتر لگے رہتے ہیں اور یہی سب سے زیادہ آراستہ ہوتا ہی یہ سب گھوڑے کُلیل کرتے ہوے اور اُچھلتے کودتے اور ناچتے ہوے ٹلنگ جاتے ہیں - جس کی خاص طور پر اِن کو تعلیم دی جاتی ہی - یہ گھوڑا خاص راجہ کے جلوس کا ہوتا ہی اور جو کوئی راجہ ہوتا ہی اِسی پر راجگی کے جشن کے وقت سوار کرایا جاتا ہی اگر یہ گھوڑا مرجاے تو دوسرا گھوڑا اِس کام کے لیئے مخصوص کیا جاتا ہی - اگر کوئی راجہ گھوڑے پر پہلے پہل جلوس کے وقت نہ نکلے تو ہاتھی اِس کام کے لیئے لایا جاتا ہی تب اُس ہاتھی کی بھی ایسی ہی عزت ہونے لگتی ہی - سب گھوڑے میدان میں دو چکر لگا کر بیچ میں ٹھیر جاتے ہیں اور اُن کی پانچ یا چھ قطاریں راجہ کے سامنے کھڑی رہتی ہیں جن میں سب سے آگے راجہ کے خاصے کا گھوڑا رہتا ہی - تب ایک بہت بڑا برہمن ایک عود دان لیئے ہوے آتا ہی جس میں بخور اور پھول اور چاول ہوتے ہیں اِس کے ساتھ دو اَور برہمن پانی کے گھڑے لیئے ہوے ہوتے ہیں یہ گھوڑوں کے گرد پھر کر کچھ مذہبی مراسم ادا کر کے واپس چلے جاتے ہیں - اِس کے بعد اندر سے پچیس یا تیس دربان عورتیں نکلتی ہیں جن کے ہاتھوں میں چھڑیاں اور کندھوں پر چابک پڑے رہتے ہیں اِن کے ساتھ ہی بہت سے خواجہ سرا ہوتے ہیں اور پھر بہت سی عورتیں ڈھول - شہنائی - سارنگیاں اور بہت سے دوسری قسم کے باجے بجاتی ہوئی نکلتی ہیں اِن کے بعد بیس عورتیں ہاتھوں میں چاندی کے بلم لے کر آتی ہیں - اُن کے پیچھے اَور بہت سی عورتیں نہایت عمدہ اور قیمتی لباس پہنے ہوے سروں پر اُونچی اُونچی ٹوپیاں اوڑھے جن پر بڑے بڑے موتیوں کے پھول بنے ہوے ہوتے ہیں - سر سے پانوں تک زیورات اور جواہرات میں لدی ہوئی ہاتھوں میں پانی کی سُنہری صُراحیاں اور سونے کے طبق اور

اُن کے اندر چراغ جلتے ہوئے لے کر ایک قطار سے آتی ہیں اور ان کی تعداد قریب ساٹھ عورتوں کے ہوتی ہے یہ نہایت خوب صورت اور جوان سولہ سے لے کر بیس سال کی عمر کی ہوتی ہیں ان عورتوں کے جسم پر کے زیورات کی مالیت کا اندازہ مشکل ہے سونے کے زیورات کمر پٹوں۔ چوڑیوں اور کڑوں کا اِس قدر وزن ہوتا ہے کہ وہ سنبھال نہیں سکتیں اس لئے دوسری عورتیں اُن کو سہارا دیئے رہتی ہیں۔ یہ کُل پارٹی تین مرتبہ گھوڑوں کے گرد پھر کر محل میں واپس چلی جاتی ہے۔ یہ عورتیں رانیوں کی مصاحب ہیں۔ اِس تہوار میں نَو دن تک ہر ہر رانی اپنے اپنے علاقے کی عورتوں کو بنا سنوار کر بھیجتی ہے۔ جو خوب بناؤ سنگھار کر کے آتی ہیں اور اپنے لباس اور زیورات کے لحاظ سے ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ہوتی ہے اِس تہوار کا انتظام ہر روز ایک امیر کے سپرد رہتا ہے اِن کی باری راجہ مقرر کرتا ہے۔ عورتوں کے چلے جانے کے بعد ہاتھی آتے ہیں اور سلام کر کے چلے جاتے ہیں اس کے بعد راجہ محل میں چلا جاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد راجہ پھر دیوی کی پوجا کے لئے برآمد ہوتا ہے اور پھر بھینسے اور بکرے قربانی کیئے جاتے ہیں اور طوائف ناچتی رہتی ہیں اس کے بعد راجہ کھانے کو چلا جاتا ہے۔ اِس تہوار میں نَو دن تک ہنود دِن کو کھانا نہیں کھاتے بلکہ نصف شب کو کھاتے ہیں۔ اِس تہوار کے آخری دن ڈھائی سو بھینسے اور ساڑھے چار ہزار بکرے قربانی کیئے جاتے ہیں۔ اِس تہوار کے ختم ہونے کے بعد راجہ اپنی فوج کا ملاحظہ کرتا ہے۔ راجہ کا مخملی ڈیرہ شہر سے تین میل کے فاصلے پر ایک مقررہ جگہ پر استادہ کیا جاتا ہے اور اسی میں دیوی کی مورت بھی رکھی جاتی ہے۔ ڈیرے سے لے کر راجہ کے محل تک فوج صف بستہ دو رُویہ کھڑی رہتی ہے اور ہر علاقے کی فوج اپنی اپنی شان اور مرتبے سے جمائی جاتی ہے اِن کی قطاریں دوہری دوہری اور تہری تہری بھی ہوتی ہیں غرض سارا میدان بلکہ پہاڑیاں تک فوج سے بھر جاتی ہیں۔ آگے پیدل پیچھے سوار اور اُن کے پیچھے ہاتھی گھوڑے رہتے ہیں جو اُمرا شہر کے اندر رہتے ہیں وہ اپنی فوج بازار کی گلیوں میں جا کر دونوں طرف کے رستے باڑ باندھ کر بند کر دیتے ہیں۔ سوار لوگ عمدہ عمدہ ساز و سامان کے گھوڑوں پر سوار رہتے ہیں۔ گھوڑوں کی پیشانی پر روپہلی اور اکثر سنہری جڑاؤ ٹیکے لگے

رہتے ہیں اور زردوزی زین پوش اور ریشم کی ڈوری کی باگیں رہتی ہیں۔ زین پوش کاشانی مخمل کمخواب۔ اطلس وغیرہ قیمتی اور عمدہ کپڑے کے ہوتے ہیں جن کی جھالر پر موتی ٹکے رہتے ہیں بعض گھوڑوں کی پیشانیوں پر سانپ کا پھن یا کسی دوسرے جانور کا چہرہ اس خوب صورتی سے لگایا جاتا ہی کہ اُس کی صنّاعی دیکھنے کے قابل ہوتی ہی۔ سوار زرہؔ اور چلتہ پہنتے ہیں بعض مخمل اور کمخواب وغیرہ کپڑوں کا کوٹ پہنتے ہیں۔ اِس چلتے میں خام چمڑے کی تہیں دی جاتی ہیں اور آہنی پتّر بھی لگائے جاتے ہیں جس سے وہ بہت مضبوط ہو جاتے ہیں بعض کے اندر اور باہر ملمع کے پتّر ہوتے تھے بعض چاندی کے پتّر لگاتے ہیں۔ اُن کی پگڑیاں خود کی طرح کی ہوتی ہیں جن سے گردن بھی ڈھنکی رہتی ہی اور چہرے کی بھی حفاظت ہوتی ہی۔ یہ لوگ گردن کا بختر بھی پہنتے ہیں جو تمام زر کا ہوتا ہی بعض نقرئی ہوتے ہیں جن پر سنہری اور رُپہلی پٹیاں لگی ہوئی ہوتی ہیں بعض فولاد کے ایسے شفاف ہوتے ہیں جیسے آئینہ کمر میں تلواریں اور کلھاڑیاں ہوتی ہیں اور ہاتھ میں چھوٹی چھوٹی برچھیاں جن کی چھڑ سونے اور چاندی کے پتّر سے مڑھی ہوئی ہوتی ہی رکھتے ہیں۔ جمعدار اور سردار مخمل اور مشجر اور رنگ برنگ کے چتر اپنے اپنے گھوڑوں پر لگائے رہتے ہیں ان لوگوں کے نشانوں کے جھنڈے ہر ایک کے الگ الگ رنگ کے ہوتے ہیں۔ ہاتھیوں پر اسی قسم کی سنعتی

سلہ یہ لوگ موٹی تہ بہ تہ گدڑی نما مرزائی یا ایک قسم کا کوٹ پہنتے تھے جس کے نیچے چمڑے یا کسی دھات کے پتّر کی تہ رہتی تھی۔ قدیم زمانے میں اِس ملک کی فوج کا یہی لباس تھا۔ لوگ اپنے شوق سے اِس پر زردوزی کا کام کرا لیتے تھے۔ اِس پر تلوار کام نہیں کر سکتی تھی۔ کلیان منڈپ کی دیول میں جو ویلور شمالی ارکاٹ کے قلعے میں واقع ہی اور جو وجیانگر کی سلطنت کے زمانے میں بنا تھا اِس میں بہت کچھ صنّاعی ہی اِس کے ستونوں پر سواروں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں وہ جو صدری پہنے ہوئے ہیں بظاہر چمڑے کی معلوم دیتی ہی اور بٹن اور تکمے لگے ہوئے ہیں۔ غالباً اِسی کا ذکر وقائع نگار نے کیا ہی۔ نیوس نے بھی ۱۵۲۰ء میں جنگ رائچور کے وقت سواروں کا یہی لباس لکھا ہی اسی قسم کی سوزنی کا کپڑا جسم اور سر اور بازوؤں پر رہتا تھا جس میں نہ تلوار کاٹ کر سکتی تھی نہ برچھی گھس سکتی تھی۔ گھوڑوں اور ہاتھیوں کی حفاظت بھی اِسی قسم کے کپڑوں سے کی جاتی تھی ۱۲۔

رنگ برنگ کی جھولیں پڑی رہتی ہیں اور دونوں طرف بڑے بڑے گھنٹے لٹکتے رہتے ہیں ہاتھیوں کے مستک پر انواع واقسام کی تصویریں بنائی جاتی ہیں ۔ ہاتھیوں پر تین یا چار آدمی مسلح بیٹھتے ہیں ۔ پیدل جمعیت کی یہ حالت ہی کہ اُن کی تعداد کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا ایک ٹڈی دل ہی کہ جنگل میدان میں جابجا پھیلا ہوا ہی اِس نظارے کا مقابلہ تمام دُنیا میں اَور کہیں نہیں ہوسکتا اِن لوگوں کی وردیاں رنگ برنگ کی اور نہایت قیمتی ہوتی ہیں ۔ ڈھالوں پر سونے اور چاندی کے پھول اور شیر اور درندے جانوروں کی تصویریں بنی رہتی ہیں بعض پر چاندی کا پتر مڑھا ہوا ہوتا ہی جس پر نہایت عمدہ نقاشی کا کام ہوتا ہی بعض سیاہ اور ایسی شفاف ہوتی ہیں کہ اُن میں آئینے کی طرح مُنہ دکھلائی دیتا ہی اِن کی تلواروں کے قبضے مرصع ہوتے ہیں ۔ تیر اندازوں کی کمانیں سونے اور چاندی سے مڑھی ہوئی ہوتی ہیں اِن کے تیر نہایت صاف اور بہت ہلکے اور عمدہ ہوتے ہیں کمر میں خنجر ۔ کٹار ۔ جمبیہ اور کلھاڑیاں جن کے دستوں پر سونے اور چاندی کا کام ہوتا ہی رہتی ہیں بندوقیں بھی صاف اور عمدہ ہوتی ہیں اِن کی آراستگی اور بہادری قابلِ دید ہی ۔ راجہ کے پاس مُسلمانوں کی فوج بھی ہی جو ڈھال ۔ برچھوں تیر ۔ کمان وغیرہ سے آراستہ ہی ۔ مجھے اِن لوگوں کے کرتب دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ وہ اِن ہتیاروں کی کثرت بہت عمدگی سے کرتے ہیں ۔ راجہ اُسی گھوڑے پر سوار ہو کر محل سے نکلتا ہی جس کا ذکر ہم نے اُوپر کیا ہی اُس کا لباس سفید ہوتا ہی اور قرمزی مخمل کے کارچوبی کام کے چتر اُس پر لگے رہتے ہیں ۔ راجہ ایسے جلوس کے مواقع پر بہت بیش قیمت زیورات پہنتا ہی ۔ اُمرا اور ذی مرتبت لوگوں کی شان وشوکت اور عظمت مَیں بیان نہیں کرسکتا اور اگر میں کچھ کہوں تو لوگ اعتبار نہ کریں گے یہ لوگ اور اِن کے گھوڑے تمام ہتیاروں سے اِس قدر سجے ہوئے ہوتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہی اور جو کچھ کہ مَیں نے دیکھا ہی اگر میں کوشش بھی کروں تو اُس کا بیان ناممکن ہی کیوں کہ میں جب اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اِن کو دیکھتا تھا تو میری گردن مڑی کی مُڑی رہ جاتی تھی اور بعض وقت مَیں اِس قدر جھک جاتا تھا کہ گرنے کے قریب ہو جاتا تھا اور میرے حواس باختہ ہو جاتے تھے مجھ کو تعجب ہی کہ اِس سرزمین میں ایسی دولت کہاں سے بھٹ پڑی اور یہاں کے لوگ

ایسے دولت مند کیوں کر ہو گئے۔ راجہ کے آگے آگے ہاتھی اور بیس گھوڑے جن پر کارچوبی جھولیں اور سونے اور جواہرات کے زیورات ہوتے تھے چلتے تھے اس پر سے سواری کے جلوس کی شان و شوکت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ راجہ کے ساتھ ساتھ ایک پنجرہ نما پالکی رہتی تھی وہ بھی سنہری ہوتی ہے اور بہت بڑی جو چاندی کی بنی ہوئی تھی اُس کو سولہ آدمی اُٹھائے ہوئے تھے۔ آٹھ آگے آٹھ پیچھے اور یہ لوگ باری باری سے بدلتے رہتے تھے اس پالکی میں دیو بٹھایا جاتا ہے۔ اِس شان و شوکت سے راجہ اپنی فوج کو دیکھتا ہوا گزرتا ہے جو راجہ کو دیکھ کر خوشی کے نعرے بلند کرتے ہیں گھوڑے ہنہنانے لگتے ہیں ہاتھی چنگھاڑتے ہیں شور و غل سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہر تہ و بالا ہو جائے گا۔ پہاڑ اور جنگل اور تمام زمین بندوقوں کی آواز سے لرزنے لگتی تھی ہزارہا گولے بان وغیرہ چھوٹتے تھے جن کی آواز سے حیرت ہوتی تھی۔ فی الحقیقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری دُنیا اِس مقام پر سمٹ آئی ہے۔ اِس طرح فوج میں سے گزرتا ہوا راجہ اپنے خیمے میں داخل ہو جاتا تھا اور وہاں پہنچ کر پوجا کرتا تھا۔ جب تک راجہ فوج میں سے گزرتا ہے تمام فوج اپنی اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑی رہتی ہے۔ راجہ پوجا کے بعد پھر اُسی طرح گھوڑے پر سوار ہو کر شہر میں داخل ہوتا ہے اور واپسی کے وقت راجہ کے گزر جانے کے بعد فوج منتشر ہو جاتی ہے۔ اِس وقت کا اژدحام اور شور و غل قابل دیکھنے کے ہوتا ہے کہ لوگ پہاڑوں اور نشیبی مقامات اور میدانوں سے خوشی کے نعرے مارتے ہوئے آتے ہیں۔ سچ بات یہ ہے کہ میں نے جب یہ نظارہ دیکھا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ فوج کے لوگ اپنے اپنے خیموں میں جو بے شمار ہیں چلے جاتے ہیں صرف اُمراء اور سردار راجہ کے ساتھ اُس کے محل تک جا کر وہاں سے رُخصت ہوتے ہیں۔ یہاں کے راجہ کے پاس دوامی طور پر لڑنے بھڑنے والی دس لاکھ فوج ملازم ہے جس میں پینتیس ہزار مسلح سوار ہیں جو ہر وقت جنگ پر بھیجنے کے لیے ہمہ وقت طیار رہتے ہیں۔ چنانچہ میری موجودگی میں ایک مرتبہ ساحل سمندر پر راجہ نے پچاس افسران کے ساتھ ڈیڑھ لاکھ فوج بھجوائی تھی جن میں بہت سے سوار بھی تھے راجہ کے پاس بہت سے ہاتھی بھی ہیں جب کبھی راجہ اپنے ہم سرحد تین بادشاہوں کو اپنی قوت دکھلانی چاہتا ہے تو وہ بیس لاکھ فوج میدانِ جنگ میں جمع کر لیتا ہے جس کی وجہ سے اِس فوج میں

راجہ کا بڑا رعب داب چھایا ہوا ہی۔ اگرچہ راجہ ایک آنِ واحد میں اِس قدر خطیر جمعیت میدانِ جنگ میں فراہم کرسکتا ہی مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ملک خالی ہوجاتا ہی بلکہ ملک جوں کا توں مخلوق سے بھرا رہتا ہی اور ایک آدمی کی کمی بھی نہیں معلوم ہوتی کیوں کہ تاجروں کی اِس قدر کثرت ہی کہ کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ شہر میں سے کون نکل گیا۔ علاوہ اِس کے بہت سے لوگ اہلِ حرفہ اور مزارعین اور گروہِ برہمنان کا ہی جس سے آبادی ہمیشہ بھری پُری رہتی ہی۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اِس راجہ کی کیا آمدنی ہی اور اس کے پاس کتنا خزانہ ہی جو اتنی بڑی فوج رکھتا ہی تو اُس کا جواب یہ ہی کہ سلطنت میں بہت سے بڑے بڑے اُمرا ہیں جن کی ذاتی آمدنی بہت بڑی ہی اور فوج پر جتنے افسر ہیں سب اُمرا اور جاگیردار ہیں جو کئی کئی گاؤں کے مالک ہیں جن میں سے دس پندرہ لاکھ اور بعض ایک دو اور تین اور پانچ لاکھ پرڈاؤ[1] کی آمدنی رکھتے ہیں اور چوں کہ اِن لوگوں کی اِس قدر معتدبہ آمدنی ہی اس لیے راجہ اُن کے لیئے تعداد پیدل۔ سوار اور ہاتھیوں کی فوج کی حسبِ حیثیت مقرر کر دیتا ہی جو ہمیشہ طیار کر رکھی جاتی ہی اور جہاں کہیں اُن کی ضرورت ہو وہ بھیجے جاتے ہیں اور اِس طرح راجہ کے پاس لاکھوں کی تعداد میں فوج موجود رہتی ہی۔ ہر امیر کی یہ خواہش ہوتی ہی کہ اُس کی فوج بڑھتی چڑھتی رہے کیوں کہ وہ معقول تنخواہیں دیتا ہی۔ مہانومی کی روز میں نے نہایت عمدہ جوان آدمیوں کو دیکھا ہی جو شاید کسی اَور فوج میں سو دکھلائی دے سکیں۔ اِس ساری فوج میں مَیں نے ایک آدمی بھی ناکارہ اور بُزدل نہیں دیکھا۔ افواج کی مقررہ تعداد رکھنے کے علاوہ اُمرا سالانہ خراج بھی راجہ کو دیتے ہیں۔ اُمرا کی افواج کے علاوہ راجہ کی ذاتی فوج بھی ہی جن کو وہ خود تنخواہ دیتا ہی۔ راجہ کے پاس اُس کے ذاتی آٹھ سو ہاتھی اور پانسو گھوڑے ہیں جو ہمیشہ اصطبل میں بندھے رہتے ہیں اور اِن کے اخراجات کے لیے راجہ نے شہر بیجانگر کی آمدنی علیحدہ کر دی ہی۔ تم خیال کر سکتے ہو کہ اِن کا خرچ کتنا بڑا ہوگا۔ اِس کے علاوہ سائیس اور مہاوت اور دیگر ملازمین کی تنخواہیں ہیں اِس پر سے قیاس کرلو

[1] پرڈاؤ ایک مدوّر طلائی سکہ ہی جو اِس سلطنت میں مسکوک ہوتا ہی اس کی ایک جانب دو تصویریں ہوتی ہیں اور دوسری طرف راجہ کا نام ہوتا ہی۔ راجہ حال کے پرڈاؤ میں صرف ایک ہی تصویر ہوتی ہی یہ سکہ تمام ہندوستان میں چلتا ہی ۔

اصطبلِ فیلانِ بیجانگر
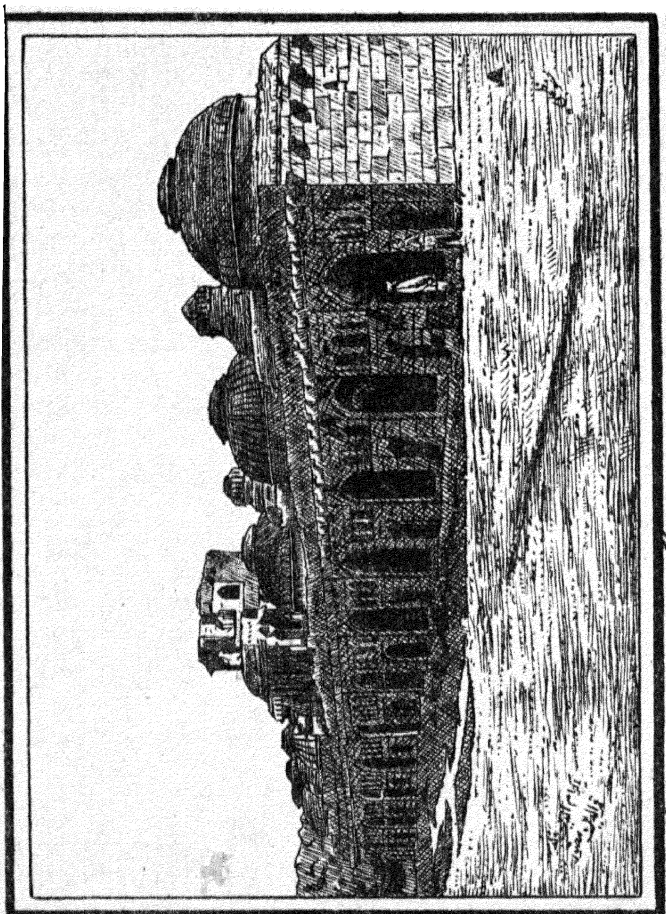
کر شہر بیجانگر کی آمدنی کیا کچھ ہوگی راجہ بیجانگر کے ماتحت علاوہ اُمرا اور بڑے بڑے جاگیرداروں کے جن کی بڑی بڑی آمدنی ہی پانچ راجہ بھی ماتحت ہیں جب کبھی راجہ کے ہاں بیٹا یا بیٹی پیدا ہوتا ہی تو تمام سلطنت کے اُمرا اُس کو تحفے تحائف - جواہرات - اور روپیہ نذر دیتے ہیں اور اِسی طرح راجہ کی ہر سال گرہ پر ہوتا ہی - مہانومی کے تہوار کے گیارہ دِن بعد اوائلِ ماہ اکتوبر میں ایک بڑا تہوار سالِ نو کا ہوتا ہی - جس میں ہر شخص نئے اور قیمتی اور خوب صورت کپڑے اپنی اپنی پسند کے پہنتا ہی اور اُمرا اپنے آدمیوں کو رنگ بہ رنگ کے کپڑے جو ہر ہر کے بانے اور وضع قطع کے علاحدہ ہوتے ہیں دیتے ہیں اُسی دن یہ لوگ راجہ کی خدمت میں بڑے بڑے تحفے اور نقدیات پیش کرتے ہیں - بیان کیا جاتا ہی کہ اُس ایک دِن میں پندرہ لاکھ پرڈاؤ راجہ کو نذر دیئے جاتے ہیں (ایک پرڈاؤ ساڑھے تین روپے کلدار کے مساوی ہوتا ہی) اس پر سے تموّل کا اندازہ ہو سکتا ہی - ہندوؤں کا سالِ نو اِسی مہینے کے غُرّے سے شروع ہوتا ہی اور ان لوگوں کے مہینے قمری ہیں - اِس سلطنت کے خزانے کی یہ حالت ہی کہ یہاں کل راجہ زمانۂ قدیم سے خزانہ جمع کرتے چلے آئے ہیں جو راجہ کی وفات کے بعد جوں کا توں سر بہ مہر محفوظ رکھا رہتا ہی جدید راجہ بھی اُسے نہیں کھولتا اور اس وجہ سے کسی کو نہیں معلوم دیتا کہ اِس میں کیا ہی اور کس قدر روپیہ ہی - یہ خزانہ ضرورتِ شدید کے بدون کبھی نہیں کھولا جاتا اور اِس وجہ سے بے شمار خزانہ جمع ہی - راجۂ حال نے پُرانا طریقہ بدل دیا اور سالانہ دس لاکھ پرڈاؤ پس انداز کرتا ہی اِس میں سے ایک حبّے کو ہاتھ نہیں لگاتا - تمام اخراجات اور محلات کے اخراجات (جس میں بارہ ہزار عورتیں ہیں) کے بعد جو کچھ بچتا ہی وہ راجہ کی ملک رہتی ہی اِس سے اِس سلطنت کے تموّل کا اندازہ کیا جا سکتا ہی اور جس قدر وافر دولت راجہ نے جمع کی ہوگی وہ بھی سمجھ میں آ سکتا ہی - اِن تہواروں کے بعد راجہ ناگلاپور کے نئے شہر کو چلا جاتا ہی جہاں اُس کا دل بہت لگتا ہی کیوں کہ اُسی نے اس شہر کو آباد کیا ہی - دو برس کے عرصے میں راجہ نے اس شہر کی تعمیر کرائی - جب راجہ شہر میں داخل ہوتا ہی تو بڑی دُھوم دھام سے اُس کا استقبال کیا جاتا ہی - جلسے اور دعوتوں کے علاوہ تمام گلی - کوچوں - اور بازاروں میں جابجا

ا۵ یہ پانچ راجہ بنکاپور - گیرسوپا - بکانور - بھاٹکل اور ہنگل کے تھے ۱۲ -

جھنڈیاں اور قیمتی کپڑے آویزاں کیے جاتے ہیں جس رستے سے راجہ گزرتا ہے بہت سی خیر مقدم کی کمانیں بنائی جاتی ہیں۔ یہاں راجہ نے ہو نہج کردوبارہ اپنی ہمراہی فوج کا جائزہ لیا اور اُن کی ماہوارات تقسیم کیں کیوں کہ یہ زمانہ آغاز سال کا تھا اور یہاں عموماً سالیانہ بٹا کرتا ہے۔ سر رشتہ دار وغیرہ داخلہ دیکھ کر جمعیت کی نام نویسی اور چہرہ لکھ لیتے ہیں۔ راجہ کے باڈی گارڈ میں چھ سو پرڈاؤ سے لے کر ہزار پرڈاؤ تک علی قدر مراتب کم و بیش تنخوا ہیں مقرر ہیں جو لوگ بڑے بڑے عہدوں پر ہیں وہ سلحداری گھوڑے بھی رکھتے ہیں۔ اس فوج کے بھی جدا جدا افسر ہیں جو باری باری سے نشست اور نوکری پر حاضر رہتے ہیں۔ راجہ کے محل کے دروازے پر پانسو سوار ہر وقت مسلح محافظ رہتے ہیں۔ اندر محل کے اور دو پہرے ہیں جو تلوار اور ڈھال سے مسلح ہیں۔ راجہ ناگلا پور ہی میں تھا کہ فگریڈو نے راجہ سے عرض کیا کہ اُس کے ہمراہیوں نے کبھی راجۂ بیجا نگر کا محل نہیں دیکھا اور یہ آرزو اُن کی دل کے دل ہی میں رہ جائے گی اگر حضور کی اجازت ہو تو وہ لوگ محل دیکھ لیں تاکہ اپنے ملک میں جا کر یہاں کے حالات بیان کریں۔ راجہ نے فوراً حکم دے دیا اور وہاں کے گورنر گمداراج نے جو سالوتما کا بھائی تھا ہم سب کو محلات دکھلا دیئے۔ ہم جب محل کے دروازے پر پہنچے تو ہم سب کو قطار سے کھڑا کر کے گن لیا اور ایک ایک کر کے ہم کو اندر صحن میں لے گئے جس کی سفید دیواریں اور پختہ زمین تھی۔ اس صحن کے ایک طرف اُس دروازے کے مقابل کہ جس سے ہم داخل ہوئے تھے ایک دروازہ بائیں ہاتھ کو ہے جو بند تھا اور کہتے ہیں کہ وہ راجہ کے رہنے کا مکان ہے اس دروازے کے باہر دونوں جانب دو رنگین بت ایسی عمدگی سے بنائے گئے ہیں کہ بالکل

سلہ اب کہیں اِن عمارتوں کا پتہ نہیں ہے لیکن اگر احتیاط سے چڑھی ہوئی مٹی ہٹائی جائے اور کھود اجائے تو ضرور ہے کہ راجہ کے محلات کا تمام نقشہ کھل جائے گا اور بقیے میں ضرور وہ خوب صورت پتلے اور مورتیں جن کا ذکر جابجا آیا ہے مل جائیں گی۔ جس مقام پر سے کہ راجہ نے یہ تماشہ دیکھا تھا اس آراستہ منڈپ کے عقب میں اور اُس دروازے کے متصل جس کا ذکر فگریڈو نے کیا ہے اب بھی دو بڑے بڑے سنگین دروازوں کے پٹ مٹی میں دبے ہوئے دکھلائی دیتے ہیں جو ایک ہی پتھر کے ہیں۔ پتھر کو کاٹ کر اُس میں تختے کی شکل اس خوب صورتی سے بنائی ہے کہ لکڑی کے معلوم ہوتے ہیں جس میں بڑے بڑے قلابے بھی پتھر ہی کے لگے ہوئے ہیں ۱۲۔

زندہ معلوم ہوتے ہیں۔ سیدھے ہاتھ کو راجہ کے باپ کا بت ہی اور بائیں کو خود اس راجہ کا۔ راجہ کے باپ کا رنگ کالا تھا لیکن وہ سڈول تھا اور اپنے بیٹے کی بہ نسبت فربہ اندام۔ یہ دونوں مجسمے اسی قسم کا لباس پہنے ہوئے ہیں کہ جو زندگی میں پہنتے تھے۔ اس دروازے کے اندر جاتے وقت ہم لوگوں کو پھرکنا او ہم ایک چھوٹے مکان میں داخل ہوئے جس کی بائیں جانب دو کمرے اوپر تلے ہیں۔ نیچے والا سطح زمین کے اندر ہی (غالباً تہ خانہ ہوگا) اس پر دو سیڑھیاں ہیں جن پر سونے کا پتر مڑھا ہوا ہی۔ سیڑھیوں سے لے کر چھت تک تمام سونے کا پتر جڑا ہوا ہی اور اوپر سے یہ مکان ایک گنبد کی شکل کا ہی۔ اس کے سامنے ایک مربع پیش دالان ہی جس میں لعل اور سب قسم کے جواہرات اور موتی جڑے ہوئے ہیں اور اس کی چھت میں دو آویزے سنہری جواہرات کے دل کی شکل کے لٹک رہے ہیں اور ان دونوں کے بیچ میں ایک موتی بل دار لڑی موتیوں کی ہی اور گنبد میں بھی اسی قسم کے آویزے لٹک رہے ہیں۔ اسی کمرے میں ایک پلنگ تھا جس کے پائے اور پٹیاں سونے کی تھیں اور اس پر ایک سیاہ اطلس کی توشک پڑی ہوئی تھی جس میں ایک بالشت چوڑی موتیوں کی جھالر لٹک رہی تھی پلنگ پر دو تکیے رکھے ہوئے تھے۔ بالائی کمرے میں نہیں گیا اس وجہ سے نہیں کہہ سکتا کہ اس میں کیا تھا۔ اس مکان میں ایک اور کمرہ ہی جس کے ستون پتھر کے تراشے ہوئے ہیں لیکن تمام کمرہ ہاتھی دانت کا بنا ہوا ہی۔ چھت سے لے کر زمین تک اور تمام دیواریں حتیٰ کہ کڑیاں سب ہاتھی دانت کی ہیں جن میں نہایت خوب صورت پھول تراشے گئے ہیں اس میں ایسی صناعی کی گئی ہی کہ اس سے بہتر ہونا ناممکن ہی اس پر اتنا روپیہ خرچ کیا گیا ہی اور ایسا خوب صورت بنایا گیا ہی کہ غالباً اس کی نظیر اور کہیں نہ ملے گی۔ اس مکان میں انواع و اقسام کی تصویریں ہر قوم کے لوگوں کی کھودی گئی ہیں پر منگالیوں کا بھی ایک نقشہ کھدا ہوا ہی حتیٰ کہ اندھوں اور بھک منگوں تک کو بتلایا ہی غرض اس سے یہ ہی کہ رانیاں گھر بیٹھے ہر ملک اور ہر قوم کے لوگوں کی طرز ماند و بود کی حالت سے واقف ہو جائیں۔ اسی مکان میں دو تخت سونے کے مڑھے ہوئے ہیں اور ایک چاندی کی مسہری ہی جس پر پردہ پڑا ہوا ہی۔ یہاں میں نے سنگ زبرجد کی ایک سل دیکھی اسی کے پاس ایک بند دروازہ ہی جس میں قفل پڑے ہوئے ہیں لوگ کہتے تھے کہ اس میں سابق کے راجاؤں کا خزانہ ہی۔ اس مکان کی سیر ختم کر کے پھر ہم ایک بڑے بھاری صحن میں پہنچے۔ اس کی زمین پر بھی بہت عمدہ گچ کی ہوئی تھی۔ اس صحن کے بیچوں بیچ چوبی کھمب گڑے ہوئے

ہیں اُن پر ایک آڑی شہتیر پڑی ہوئی ہو ان پر تانبے کے پتّر مڑھ سونے کا ملمع کیا گیا ہو اور درمیان میں چاندی کی چار زنجیریں کنڈوں سے لٹک رہی ہیں یہ رانیوں کا جھولا ہو - اِس صحن کے اطراف میں چار پانچ سیڑھیوں کی بلندی پر متعدد خوب صورت ایک منزلہ مکانات بنے ہوے ہیں - اِسی احاطے میں ایک پتھر کی عمارت ہو جس کے بہت سے ستون ہیں اس تمام عمارت پر سونا چڑھایا گیا ہو دور سے تمام عمارت سونے کا ڈلا معلوم دیتی ہو اس عمارت کے دروازے پر ایک برآمدہ چار ستونوں پر کھڑا ہوا ہو اس میں بہت سی عورتوں کی تصویریں ہیں جو ناچ رہی ہیں اور بہت سی پتھر کی چھوٹی چھوٹی تصویریں بھی ہیں یہ تمام عمارت بھی سونے کے پتّر سے مڑھی ہوئی ہو اور اِس کے اندر کے رُخ پر نقاشی کر کے سُرخ رنگ بھی کیا گیا ہو یہ ایک دیول ہو - جب اِس کی جاترا ہوتی ہو تو دیوکو ایک سونے کے تخت پر بٹھلا کر اُس پر شامیانہ لگا کر نکالتے ہیں اور برہمن آکر پوجا کرتے ہیں اور طوائف ناچتی ہیں - اِن عمارات سے نکل کر ہم صحن کے بائیں جانب گئے وہاں ہم کو ایک لمبا چھتہ ملا اِس میں ایک پلنگ چاندی کی زنجیروں سے لٹک رہا تھا - پلنگ کے پایے ٹھوس سونے کے بنے ہوے تھے اور پٹیوں پر سونے کا پتّر چڑھا ہوا تھا - یہ پایے بڑی صنعت اور عمدگی سے بنائے گئے تھے اِس کے سامنے ہی ایک دوسرا پلنگ تھا جو سونے کی زنجیروں سے لٹک رہا تھا اِس کے پایے بھی سونے کے تھے اور جواہرات جڑے ہوے تھے اور پٹیوں پر سونے کا پتّر مڑھا ہوا تھا - اِسی کے اندر اور ایک چھوٹا کمرہ تھا اُس میں کچھ سامان نہ تھا اُس میں بھی ملمع اور رنگ چڑھا ہوا تھا - اِس چھتے کے سامنے ایک کمرہ راجہ حال نے بنوایا ہو جس کے باہر عورتوں کی تصویریں تیر کمان لیے ہوے کھڑی ہیں - اِس کمرے میں رنگ آمیزی کا کام ہو رہا تھا اور کاریگر کہتے تھے کہ یہ سب دوسری عمارتوں سے بھی بہتر ہوگا - اِس کی دیواروں پر بھی سونا چڑھایا جائے گا بلکہ زمین پر بھی سونے کا پتّر بچھایا جائے گا - اِس چھتے کے باہر او پر وار کو ہم نے تین بڑی بڑی سونے کی دیگیں دیکھیں کہ جن میں ایک ایک پلہ[1] کھانا پک سکتا تھا اور وہیں اِس سے بھی بڑی چاندی کی دیگیں دیکھیں اور چھوٹے بڑے برتن مختلف اقسام کے سونے کے بھی تھے - اِس کے بعد ہم کچھ سیڑھیاں چڑھ کر ایک چھوٹے دروازے سے گزر کر ایک اَور مکان میں گئے - یہ وہ مکان

---

[1] دکن میں پلہ عموماً ایک سو بیس سیر پختہ کا ہوتا ہو ۱۲

ہے جہاں راجہ کی عورتیں ناچ گانے کی تعلیم پاتی ہیں - یہ ایک بہت لمبا ہال ہے جو بہت چوڑا ہے - اس کے پتھر کے ستونوں پر تمام نقاشی کا کام کیا ہوا ہے اور پھول تینوں میں سونا جڑا ہوا ہے - ہاتھی اور دوسرے جانوروں کی شکل کے چبوترے بنا کر اُن پر ستون کھڑے کر دیئے ہیں اور تمام مکان میں صدہا قسم کی تصویریں کھدی ہوئی ہیں اور انواع و اقسام کے نقش و نگار بنائے گئے ہیں جن پر طرح طرح کی رنگ آمیزی کی گئی ہے - بعض تصویریں ہاتھیوں پر بیٹھی ہوئی ہیں اور عورتیں ڈھول لے کر ناچ رہی ہیں ناچنے والی عورتوں کی تصویریں اِس طرز سے بنائی گئی ہیں کہ اُن کو دیکھ دیکھ کر عورتیں تمام گتیں اور ناچ کا طرز و انداز بآسانی سیکھ جائیں - اِس کے پاس ہی ایک اکھاڑا ہے جہاں عورتیں انواع و اقسام کی کسرت کرتی ہیں کہ جس سے وہ ہر طرح کے موڑ توڑ اور اُلٹ پلٹ کی خوگر ہو جاتی ہیں - اس عمارت کے ایک طرف راجہ کے بیٹھنے کی شہ نشین ہے وہ بہت آراستہ ہے اُس کی دیواریں اور چھت اور زمین سب سونے سے مڑھی ہوئی ہے اس کی ایک دیوار پر ایک بارہ برس کی خوب صورت لڑکی کی تصویر بنی ہوئی ہے جو ناچ رہی ہے - اِسی مقام پر بیٹھ کر راجہ ناچ کی سیر دیکھتا ہے - اِس کے سوائے زنانے محلات ہم کو نہیں دکھلائے گئے کیوں کہ وہاں سوائے خواجہ سراؤں کے اَور کوئی نہیں جا سکتا یہ تمام سیر دیکھ کر ہم اُسی رستے سے جہاں سے کہ آئے تھے واپس ہوئے اور چلتے وقت پھر ہم سب کی گنتی لی گئی - بیان کیا جاتا ہے کہ شہر بیجانگر میں ایک لاکھ مکانات ہیں جن میں سے اکثر یک منزلہ اور سطح چھت کے ہیں اور عموماً مکانوں کے اطراف میں احاطہ ہے - شہر کے شمال میں پہاڑیاں ہیں جن کے بیچ میں سے دریا بہتا ہے - شہر کی فصیلیں اِن پہاڑیوں کے اوپر سے گزرتی ہیں اور قصبہ آناگندی پر جا کر ختم ہو جاتی ہیں - اِس شہر کے تین بڑے دروازے ہیں ایک دریا کے کنارے ہے جس پر سے لوگ کشتیوں میں سوار ہو کر پار ہو جاتے ہیں - ایک دوسرا دروازہ اِس سے زیادہ مضبوط دریا کے اُس پار ہے اور ایک شمال و مغرب کے گوشے میں ہے - ایک چھوٹا دروازہ دو پہاڑیوں کے بیچ میں بھی بنا ہوا ہے لیکن وہاں رستہ ایسا خراب اور تنگ ہے کہ سوائے ایک سوار کے دوسرا وقتِ واحد میں جا نہیں سکتا - شہر بیجانگر کے پاس جانب شمال و مغرب ایک دوسرا شہر موسومہ کشناپور آباد ہے اِس میں اکثر ہندوؤں کے مندر ہیں اور اِس کی آمدنی پجاریوں ہی کو دے دی گئی ہے - بیان کیا جاتا ہے کہ اِس کی آمدنی ایک لاکھ پرڈاؤ ہے

یہ تمام مندر نہایت عظیم الشان ہیں اور اِن میں انواع و اقسام کی تصویریں شہوت انگیز بنی ہوئی ہیں
بیجانگر کے جنوب میں شہر ناگلاپور[1] ہی جس کو راجہ نے اپنی رانی کے نام پر بسایا تھا۔ اس میں عادل شاہ
بیجانگر کے محاصرے کے وقت اپنی افواج لے کر ٹھیرا تھا اُس نے اِس شہر کو ایسا برباد کیا کہ زمین
کے برابر کر دیا لیکن راجہ نے پھر از سر نَو بنوا دیا۔ شہر بیجانگر کے مشرق میں ایک دوسرا شہر
آناگُندی ہی جو ایک قدیم بستی ہی۔

[1] یہ شہر اب ہوسپیٹ کہلاتا ہی ۱۲
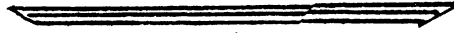
دوسرا ضمیمہ

وقائع فرنا ؤنیونز

پہلا باب

خلاصۂ واقعات سلطنتِ راجگانِ بسنگا جو وہاں کی عام تباہی[2] اور بربادی کے بعد حکم راں رہے سنہ ۱۳۲۰ء میں ملکِ ہند پر ایک ایسا بادشاہ حکم راں تھا کہ جس سے بڑے اور کسی بادشاہ نے کبھی ملکِ ہند میں سلطنت نہیں کی۔ یہ دلّی کا بادشاہ تھا جو اپنی فوج کی قوّت کی بدولت سالہا سال سلطنتِ کمبایا سے لڑتا رہا جو ملکِ گجرات میں واقع ہے اور آخرکار اُسے برباد کرکے خود وہاں کا حاکم بن گیا۔ اِس فتح یابی پر بادشاہ قانع نہیں رہا بلکہ اُس نے بڑی فوج پیدلوں اور سواروں کی راجۂ بسنگا[1] (بیجانگر) سے لڑنے کے لیے طیّار کی اور اپنے کارپردازوں کو اپنے ملک میں قلعوں کی حفاظت اور دشمنوں کی مدافعت کے لیے چھوڑا کیوں کہ دشمنوں کی کچھ کمی نہ تھی اور اُسی زمانے میں اِس بادشاہ (محمد تغلق) سے بنگالے سے لڑائی چھڑی ہوئی تھی اور اِس کے علاوہ ترکوں سے ملک شیخ اسمٰعیل (فارس) میں بھی لڑائی درپیش تھی۔ بادشاہ کی فوج کے لوگ تو تی الجتہ اور صبیح تھے جن کے پاس بہت سے گھوڑے تھے اِن ہی لوگوں نے لڑکر کمبایا کو تباہ کر دیا تھا اور اُس ملک کے فتح کرنے کے بعد بھی اُن کے پاس آٹھ لاکھ سوار موجود تھے۔ بالآخر بیجانگر کی طرف رُخ کیا۔

---

[1] پرتگالی بیجانگر کو بسنگا کہتے تھے ۱۲

[2] عام تباہی کا اشارہ محمد تغلق کے آناگندی کو فتح کرنے کے واقعے کی طرف ہے ۱۲

پیدلوں کا تو کچھ شمار ہی نہ تھا کیوں کہ کسی نے گنا نہیں۔ بادشاہ نے یہ فوج لے کر کمبایا سے چل کر پہلے تو ملک بالاگھاٹ[۵۱] پر چڑھائی کی (جو اَب عادل شاہ کی سلطنت میں ہے) اور بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا بہتوں کو برباد کیا یہاں تک کہ لوگ ایسے عاجز آگئے کہ خود بخود مطیع ہو کر اپنا مال و اسباب دینے لگے۔ بالاگھاٹ کے سارے ملک کو فتح کر کے دریائے[۵۲] دری سے جو علاقے جات بالاگھاٹ اور راجۂ بیجانگر کی سلطنت میں حدِ فاصل ہے ٹوکروں میں بیٹھ کر بلا روک ٹوک پار ہوا۔ اِس زمانے میں سلطنت بیجانگر میں سوائے شہر آناگُندی کے اَور کوئی بڑا یا آباد شہر نہ تھا۔ اِسی شہر میں راجہ[۵۳] محصور ہو کر اِس آنے والی مُصیبت کا منتظر بیٹھا رہا۔ دریا سے آناگُندی (۲۵) لیگ تھا اور دریا سے لے کر آناگُندی تک سارا ہموار میدان ہی تھا جہاں فوج کے خیام لگانے کا اچھا موقع تھا اور دریا کے کنارے لشکر کو پانی کی آسانی بھی تھی۔ چوں کہ گرمیوں کا موسم تھا پانی کی ازحد قلت تھی چھوٹے چھوٹے تالابوں کا پانی اتنی بڑی فوج گھوڑوں اور ہاتھیوں کے لیئے دس دن کو بھی کافی نہیں ہوسکتا تھا اِسی وجہ سے بادشاہ چند روز بارش کے شروع ہونے تک دریا کے کنارے ہی پڑا رہا جب پانی برس گیا اور کھیتوں اور تالابوں میں جابجا پانی بھر گیا اور اِتنی بڑی فوج کے لیئے پانی کا سہارا ہو گیا تب آگے بڑھا اور آناگُندی کے قریب جا پہنچا۔ راجہ اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کر گھبرا گیا اور شہر چھوڑ کر بھاگ جانے کا ارادہ کیا اِس شہر کے پاس بھی دریا تھا جو ناگُندی[۵۴] کہلاتا تھا اور اب بھی ہے اور اِسی دریا کی وجہ سے شہر کا نام بھی ناگُندی پڑا۔ راجہ شہر چھوڑ کر سری[۵۵] نامِلّا کے قلعے کو بھاگ گیا جو دریا کے کنارے پر تھا اور جس میں بہت کچھ رسد پہلے سے جمع تھی اور پانی بھی وافر موجود تھا۔ لیکن پھر بھی وہاں اتنی جگہ نہ تھی کہ راجہ کے ساتھ جو پچاس ہزار (۵۰۰۰۰)

---

۵۱ بالاگھاٹ سے مراد وہ ملک ہے جو پہاڑوں کی بلندی پر واقع ہے یہ بلند اور مسطح خطہ بالاگھاٹ اور دکن کہلاتا ہے اور بہت آباد ہے اور حسبِ بیان لنس کائن اِس خطے میں کئی راجہ حکمراں تھے۔ اِسی میں بیجانگر۔ بالاگھاٹ اور کمبے بھی شامل تھا ۱۲۔

۵۲ یہ بیان "مالپریھا" دریا سے منطبق ہوتا ہے اور "دری" سے غالباً دھارواڑ مراد ہے ۱۲۔

۵۳ اِس زمانے میں صرف آناگُندی ہی کی ریاست قائم تھی۔ شہر بیجانگر کی بنیاد بھی نہیں پڑی تھی ۱۲

۵۴ اب اِس دریا کا نام تنگ بھدرا ہے ۱۲

۵۵ یہ غالباً اُس گڑھی کا نام ہے جو پہاڑوں کی بلندی پر آناگُندی میں بنی ہوئی ہو ۱۲۔

آدمی تھے اُن کو پناہ دے سکے - اس لیئے راجہ نے پانچ ہزار آدمی چُن لیئے اور اُن کو لے کر گڑھی میں جا بیٹھا باقی لوگوں کو ایک دوسرے قلعے میں چلے جانے کا حکم دیا جو اِسی راجہ کی سلطنت میں تھا - بادشاہی فوج نے جو پہلے بھی اِن سے بارہ[۱] برس سے لڑ رہی تھی ہر طرف سے گڑھی کو گھیر لیا - گڑھی کے اندر لوگ بہت تھے چند ہی روز میں وہ سب جمع شدہ غلّہ کھا پی گئے لہذا تھوڑے ہی دن محاصرے کی ضرورت پڑی - راجہ نے دیکھ لیا کہ یہ مسلمانوں کی فوج بدون ہم سب کا خاتمہ کیئے جان نہ چھوڑے گی اور اُن کے مُنہ پر آنے کے سوائے چارہ نہیں لہذا اُس نے بادشاہ سے مقابلہ کرنے کی ٹھان کر سب کو جمع کر کے کہا کہ " یہ بادشاہ اپنے ملک کو تو تباہ کر چُکا[۲] اب ہم پر آفت لایا ہی - پس اب ہمارے لیئے کوئی مفر نہیں ہی اور موت ہمارے سامنے دکھلائی دے رہی ہی کیوں کہ نہ ہمارے لیئے کھانے کو کچھ باقی رہا ہی نہ پانی ہی ہی اور میں نے پچاس ہزار آدمیوں میں سے صرف تم کو اپنا جاں نثار اور دوست سمجھ کر منتخب کیا ہی پس تم کو چاہیئے کہ مرتے دم تک بہادری سے میرا ساتھ دو جیسا کہ آج تک دیتے رہے سب جانو کہ میرے پاس صرف یہ ایک گڑھی اور تم چند لوگ رہ گئے پس تم کو چاہیئے کہ ہتیار سنبھال لو اور میرے ساتھ میدانِ جنگ میں مرنے کو طیار رہو جاؤ اور جس دشمن نے کہ تمھارا ملک چھین لیا ہی اُس کو اپنی جان بھی دے دو کہ کہیں پاپ کٹے " راجہ کی پُر اثر اور پُر درد سپیچ سُنتے ہی لوگوں میں ایک جوش پھیل گیا اور سب کمرِ ہمت باندھ کر جھٹ پٹ طیار ہو گئے تب راجہ دوبارہ یوں مخاطب ہوا کہ " قبل اِس کے کہ ہم میدانِ جنگ میں جائیں ہمیں ایک اور لڑائی کا سامنا ہی جو ہمارے بیٹوں بیٹیوں اور بیویوں کے مقابلے میں ہی کیوں کہ ہماری غیرت اِس بات کی متقاضی نہیں ہی کہ ہم اِن کو اِس لیئے چھوڑ جائیں کہ ہمارے بعد ہمارے دشمن اِن کو پکڑیں تکلیفیں دیں اور بے عزت کریں اِس لیئے سب سے پہلے میں ہی اپنے بیوی بچوں کا خاتمہ کرتا ہوں " یہ سب لوگ گڑھی

---

[۱] بادشاہانِ اسلام اور راجہ آناگُندی سے کسی خاص لڑائی کا ہونا نہیں پایا جاتا لیکن اتنا ضرور تھا کہ قرب وجوار کی لڑائیوں کے اثر سے وہ بھی محفوظ نہ تھا - جو لڑائیاں بادشاہانِ دہلی کی ہندو راجگان سے ہوئی سالا بالا - راجگانِ ورنگل اور گجرات سے ہوئی تھیں وہ بالواسطہ راجہ آناگُندی پر بھی مؤثر تھیں ۱۲

[۲] سلطان محمد تغلق کے وحشیانہ اور ظالمانہ حرکات ایسے تھے جس سے اُس کا ملک خود تباہ ہو گیا تھا جس کا تفصیلی ذکر اِس کتاب میں مُوقع مناسب پر آچکا ہی ۱۲

کے سامنے کے میدان میں کھڑے ہوئے تھے وہیں راجہ نے اپنی پچاس بیویوں اور اس کے سوا لڑکے لڑکیوں کو تہ تیغ کیا اور پھر جملہ حاضرین نے اسی طرح اپنے بال بچوں کا کام تمام کیا جو لڑکے بڑے تھے اور برابر کے لڑنے والے تھے صرف وہی اس قتل عام سے بچ رہے۔ جب یہ افسوس ناک حالت ختم ہوئی تو ان لوگوں نے گڑھی کے دروازے کھول دیئے۔ پھر کیا تھا دشمن ایک دم گھس آئے اور چن چن کر سب کو مارا صرف چھ بڈھے بچے جو کسی مکان کے ایک کونے میں چھپ گئے تھے۔ آخر ان کو بھی پکڑ کر بادشاہ کے سامنے لے گئے بادشاہ نے پوچھا کہ تم کون ہو کیسے بچ گئے انھوں نے اپنا حال کہا بادشاہ سن کر بہت خوش ہوا کیوں کہ ایک تو ان میں وزیر تھا اور ایک خزانچی تھا باقی بھی بڑے بڑے رئیس تھے۔ بادشاہ نے ان سے پوچھا کہ تمھارے راجہ کا خزانہ کہاں کہاں ہی اور دریافت کر کے جہاں جہاں تہ خانوں میں گڑا ہوا تھا نکال لیا اور ان ہی لوگوں سے ملک کے محاصل اور آمدنی کی تعداد بھی معلوم کر لی تب نعشوں کو جلانے کا حکم دیا غنیمت ہی کہ راجہ کی نعش ان چھ بیس ماندگاں کی عرض معروض سے بڑی شان و شوکت سے آنا گندی پہونچائی گئی جب سے آنا گندی ہی راجگان بیجانگر کی ہڑواڑ قرار پائی ہی۔ اب بھی آنا گندی کے لوگ اس راجہ کی قبر کی بڑی عظمت کرتے ہیں اور پوجا کرتے ہیں۔

دوسرا باب

راجہ کے قتل کے بعد ملک کی کایا پلٹ راجہ کے کسی حامی و مددگار کا باقی نہ رہنا اور بادشاہ دہلی کا تسلط

قلعے پر قبضہ کرنے کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ تمام شہر اور قصبوں کو جنھوں نے مقابلہ کیا تھا لوٹ ڈالو اور جو لوگ ہمارے طرف دار رہے ان کو امان دو۔ راجہ کے قتل کے بعد بادشاہ دو برس تک قلعے میں پڑا رہا پہلے ہی وہ بارہ برس سے اس ملک میں لڑ رہا تھا۔ بادشاہ کا ملک یہاں سے بہت دور قریب پانسو لیگ کے تھا اور لشکر چوطرف پھیلا ہوا تھا کہ اتنے میں ملک مفتوحہ کی بغاوت کی خبر آئی۔ یہ خبر سنتے ہی بادشاہ نے پھر لشکر سمیٹنا شروع کیا اور اس قلعے میں جو بہت مستحکم تھا اس قدر

وافر رسد فراہم کی کہ آیندہ وقت ضرورت کام آے بہت سی فوج بھی قلعے کی حفاظت کو چھوڑی اور اُن کو بہت کچھ انعام واکرام و زمینیں ایسی دیں کہ سب مالا مال ہو گئے اور کچھ ایسا دلاسا اور تشفی دی کہ ہر شخص اپنا مُلک چھوڑ کر یہیں رہ پڑنے پر آمادہ ہو گیا تب بادشاہ قلعے کو اپنے نائب ملک ہنی کے سپرد کر کے یہاں سے روانہ ہوا۔

تیسرا باب

(بادشاہِ دہلی اور اُس کی فوج کے چھئوں قیدیوں سمیت روانگی)

لوگوں کو جب بادشاہ کے چلے جانے کی خبر معلوم ہوئی اور اُنھوں نے دیکھا کہ میدان خالی ہی تو جو لوگ ڈر کے مارے جنگل اور پہاڑوں میں جا چھپے تھے اور جنھوں نے اپنے ملک کے لیئے عہد و پیمان کیا تھا ایک دم باغی ہو گئے اور یورش کی اور قلعے میں رسد جانی قطعًا بند کر دی اور ایسے خودسر ہوے کہ محاصل اور محصولات سب دینے بند کر دیئے۔ ملک ہنی نے دیکھا کہ اب یہاں رہنا بے سود ہی چو طرف بغاوت کی آگ پھیل رہی ہی اور بادشاہ اتنی دُور ہی کہ مدد آتے آتے تک یہاں کام تمام ہو جاے گا تو اُس نے فورًا بادشاہ کو خبر بھیجی کہ یہاں ایک دم سے سب باغی ہو گئے ہیں اور جو جہاں ہی خود مختار بن بیٹھا ہی اور میری طرف کوئی بھی نہیں ہی اب جہاں پناہ کو جو مُناسب معلوم ہو حکم فرمایا جاے۔ بادشاہ نے اپنے مصاحبین سے صلاح لی اور ملک ہنی کے معروضے کو دُہرایا اور کہا کہ ایسی صورت میں ہم کو کیا کرنا چاہیئے کہ ایسا عمدہ اور زرخیز ملک ہمارے ہاتھ سے نہ نکل جاے جس کے حاصل کرنے میں علاوہ بے انتہا مشقت کے ہمارا بے شمار روپیہ خرچ ہوا ہی اور ہزاروں جانیں بھی تلف ہوئی ہیں۔ سب نے عرض کی کہ بادشاہ سلامت پہلے اُن چھئوں قیدیوں سے تو دریافت فرمائیں کہ ان میں سے راجہ کا قرابت دارِ قریبہ کون ہی۔ بادشاہ نے انھیں بُلا کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایسا کوئی بھی نہیں ہی جو کہ بروے استحقاق وارثِ سلطنت قرار دیا جا سکے البتہ اُن چھئ قیدیوں میں صرف ایک وزیر تھا گو وہ راجہ کا تو کوئی رشتے دار نہ تھا تاہم راجہ کے بعد سب سے بڑا سردار وہی تھا۔ سب کی صلاح یہی ٹھیری کہ سلطنت اِسی کے سپرد کی جاے اور یہ بات بادشاہ کو بھی پسند آئی۔ اِس قرارداد کے بعد فورًا چھئوں قیدیوں کو چھوڑ دیا

اور اُن کی بہت خاطر مدارات دل جوئی اور عزت افزائی فرمائی۔ ان میں سے وزیر کو راجہ بنا دیا اور خزانچی کو وہاں کا والی۔ ان دونوں سے اطاعت و فرماں برداری کے قول و قرار اور معاہدے کے بعد ان سب کو بہت سی فوج کے ساتھ ان کے ملک کو واپس جانے کی اجازت دی گئی۔ یہ لوگ جب آناگنڈی پہنچے تو دیکھا کہ شہر تو ویران پڑا ہی خالی مکان بھائیں بھائیں کر رہے ہیں معدودے چند لوگ باقی رہ گئے ہیں۔ دلی سے دیو راے[1] کے واپس آجانے کی خبر چوطرف پھیل گئی کہ وہ دلی کے بادشاہ کی طرف سے راجہ مقرر ہو کر آیا ہی لوگوں نے اسے بھی غنیمت سمجھا کہ ایک غیر مذہب والے کی رعیت بن کر رہنے سے تو یہ بہتر ہی اس پر سب نے بڑے جشن کیے اور خوشیاں منائیں جن لوگوں نے سارے علاقے جات اور زمینیں دبالی تھیں واپس دینے لگے اور اس کی اطاعت بدل و جان قبول کی۔ ملک نبی نے جب یہ خبر پائی تو دل میں شکر کیا کہ اچھا ہوا کہ گلو خلاصی ہوئی جان بچی لاکھوں پائے فوراً قلعہ اور ملک اس کے حوالے کر جھٹ پٹ اپنا رستہ لیا۔ دیو راے نے سب سے پہلے تو لوگوں کی استمالت کی کہ جو باغی ہو گئے تھے اُن کو امان دی اور ہر ہر شہر اور قصبے میں خود جا کر اُن کی اشک شوئی کی اور سب کو ہموار کیا۔ جو ملک قبضے سے جا چکا تھا اُسے چھوڑنا پڑا کیوں کہ اس کے پاس اتنی فوج کہاں تھی کہ لڑائی کرتا اور پھر یہ معمر و مسن بھی تھا۔

چوتھا باب

(دیو راے کا شہر بسنگا کا آباد کرنا)

راجہ کو شکار کا بہت شوق تھا وہ ایک دن حسب معمول دریاے تنگ بھدرا کے اُس پار شکار کو گیا جہاں کہ اب شہر بسنگا (بیجانگر) آباد ہی۔ یہ مقام سارا جھاڑی جنگل سے بھرا ہوا تھا اور شکار بہت تھا اس جگہ کو راجہ نے اپنے شکار کے لیے محفوظ کر رکھا تھا۔ ایک دن راجہ اپنے شکاری کتے اور شکار کا سامان لے کر وہاں پہنچا ہانکے میں ایک خرگوش اُٹھا کتے اُس پر جھپٹے

---

[1] یہی وزیر تھا۔ یہ لقب عموماً راجگان بیجانگر کا ہی مثلاً ہری ہر دیو راے۔ بکا دیو راے۔ کشن دیو راے وغیرہ بعض نے وزیر کا اصلی نام نہیں بتلایا۔ اس نام کے دو راجہ مشہور ہیں ایک دیو راے اوّل اور دوسرا دیو راے دوم لیکن ان کے بھی ذاتی نام تاریخ میں نہیں ہیں ۱۲۔

بجائے[۵۱] اس کے کہ خرگوش کان دبا کے بھاگ جاتا اُس نے اُلٹا کتوں پر حملہ کیا اور کاٹنے لگا اور ایسا غالب آیا کہ کُتّے دُم دبا کر بھاگے اور رہیئے پڑ گئے راجہ کو تعجب ہوا کہ یہی کتّے شیر کو زیر کر ڈالتے تھے کیا وجہ ہی کہ ایک خرگوش سے ڈر گئے ہو نہ ہو اس میں کچھ بھید ہی۔ راس پس دپیش میں وُہ آناگندی واپس چلا آرہا تھا کہ رستے میں دریا کے کنارے اس نے دیکھا کہ ایک سنیاسی ٹہل رہا ہی جو بظاہر بہت بزرگ و متبرک معلوم دیتا تھا راجہ نے اُس سے سارا ماجرا بیان کیا وہ بھی متحیّر ہوا اور راجہ سے کہا کہ اچھا چل کر مجھے وہ جگہ تو دکھلا دُجہاں کہ ایسا عجیب وغریب واقعہ ہوا۔ راجہ لے پلٹ کر وہ جگہ بتلائی۔ سنیاسی نے کہا کہ یہاں آپ ایک شہر بسائیے یہ فال نیک اس بات کی ہی کہ وہ شہر ایسا ہوگا کہ ساری دُنیا کے شہروں سے مستحکم ہوگا اور کبھی غنیم اُس کو فتح نہ کرسکے گا اور تمھاری عملداری میں سب سے بڑا شہر یہی ہوگا۔ اُسی دن سے راجہ نے وہاں مکانات کی بُنیاد ڈال دی اور شہر کی فصیل بنوائی اور پھر آناگندی چھوڑ کر وہیں رہنے سہنے لگا اور رفتہ رفتہ بہت سے لوگ آباد ہوگئے اور اِس شہر کا نام سنیاسی کے نام پر ٹرو[۵۲] دیا جُنار رکھا گیا کیوں کہ اسی کے کہنے سے شہر بسایا گیا تھا لیکن رفتہ رفتہ بگڑ بگڑا کر اب تو بسنگا کہلاتا ہی۔ اسی شہر میں سنیاسی کے مرنے کے بعد راجہ نے اُس کی یادگار میں ایک بہت بڑا دیول[۵۳] بنوایا جس کے لیے بہت سی معاش بھی مقرر کی۔ اب تک بھی جب کوئی نیا راجہ تخت نشین ہوتا ہی تو وہ سب سے پہلے اسی دیول میں پوجا کرتا ہی جب اپنے گھر میں جاتا ہی۔ دیورائے نے سات برس سلطنت کی مگر اس عرصے میں کوئی لڑائی بھڑائی نہیں ہوئی بلکہ راجہ بہت صلحِ کُل تھا وہ اپنی بھڑکی ہوئی رعایا کو افہام و تفہیم کرکے راہِ راست پر لاتا رہا اور ملک کو امن و امان کی حالت میں چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوا۔ اس کے بعد بکّارائے راجہ ہوا اُس نے بہت سے مقامات جو پہلے باغی ہوگئے تھے پھر فتح کیے اور سلطنتِ اُڑیسہ کو بھی فتح کرلیا جو بنگالے سے ملی ہوئی ہی۔ اِس نے (۲۷) برس

---

۵۱ شہروں کے بسانے کے متعلق جنوبی ہند میں اکثر اسی قسم کی روایات مشہور ہیں۔ تذکرۃ الملوک میں یہی حال سلطان احمد شاہ بہمنی (۸۲۳ تا ۸۳۵ھ) کا لکھا ہی کہ اسی طرح شکار میں خرگوش کی ہمت دیکھ کر اُس نے شہر بیدر کو بنا دارالسلطنت قرار دیا ۱۲

۵۲ یہ سرن گری کا بڑا گرو مادھو اچاری عرف ودیارانیا یعنی "صحرائے علم" تھا۔ لیکن یہ وجہ تسمیہ بیجانگر کی صحیح نہیں ہی ۱۲

۵۳ یہ وہی بڑا دیول ہی جو موضع ہمپی میں ہی اور ویرپاکشا کے دیول کے نام سے مشہور ہی ۱۲

سلطنت کی۔ یہ اپنی رعایا میں بہت ہر دل عزیز تھا اور جتنا لوگ اِسے عزیز رکھتے تھے اُتنا ہی اِس کا
رعب و داب بھی تھا۔ اِس کی وفات کے بعد اِس کا بیٹا ہریوری (ہریہرا دیو راؤ) تخت نشین ہوا
جس کے معنی کنٹری زبان میں "طاقت ور حاکم" کے ہیں اور اِس[۱] نے پرڈاؤ کا سکّہ چلایا جو اب تک
"ہریوری دیو راؤ" کہلاتا ہی۔ اِس کے بعد سے یہ طریقہ پڑگیا کہ جس راجہ کے زمانے کا سکّہ ہوتا
تھا اُسی کے نام سے موسوم رہتا تھا یہی وجہ ہی کہ پرڈاؤ کے بہت سے نام مروّج ہیں۔ اِس راجہ
کے زمانِ حکومت میں کوئی معرکہ نہیں ہوا بلکہ راجہ اپنی موت کے وقت اپنے باپ کا اور اپنا
فتح کیا ہوا ملک چھوڑ گیا۔ اِس کے بعد اِس کا بیٹا[۲] اُجے راؤ تخت نشین ہوا اِس نے (۴۳) سال
سلطنت کی جس میں مسلمانوں سے بسا اوقات لڑائی رہی اور اُس نے گوآ۔ دابل۔ چاؤل۔ سرآمدیت
اور تمام ملک کاروسنڈل کا فتح کرلیا۔ یہ وہی ملک تھا جو پہلے معرکہ محمد تغلق کے وقت باغی ہوگیا
تھا اور اس راجہ نے اور بھی بہت سے کام کیے جو یہاں (بخوفِ طوالت) بیان نہیں کیے گئے
اِس راجہ نے شہر بیجانگر میں بہت سی فصیلیں اور مورچے بنوائے اور اُسے از سرِ نو محصور کیا
لیکن اِس شہر میں پانی کی اِس قدر قلّت تھی کہ کسی کام کا نہ تھا لوگوں کو تکلیف تھی باغ نہیں لگائے
جاسکتے تھے دریا کا پانی جو تھا وہ دور تھا اور جو پانی اطراف میں تھا وہ کھاری تھا اور باغات
یا زراعت کے کام کا نہ تھا۔ راجہ نے اِس خیال سے کہ شہر آباد ہو اور پھلے پھولے دریا سے
(۵) لیگ لمبی ایک بڑی نہر شہر میں لانے کا ارادہ کیا اور اِس ارادے کو پورا کیا۔ دریا میں ایک
عظیم الشان بند باندھا اور جیسا کہ مشہور ہی ایک اتنا بڑا پتھر ڈلوایا کہ دریا کا رُخ خود بخود پلٹ گیا۔
اِس پتھر کو بہت سے ہاتھی کھینچ کر لے گئے یہاں ہاتھیوں کی کیا کمی تھی۔ غرض نہر شہر میں لائی گئی
اور جا بجا اُس کے ذریعے سے پانی پہونچایا گیا۔ اِس پانی سے شہر شاداب ہوگیا اور آمدنی میں ساڑھے
تین لاکھ پرڈاؤ سالانہ کا اضافہ ہوا۔ اِسی پانی کی مدد سے شہر کے اطراف میں بہت سے باغات اور بڑے

---

[۱] یہ صحیح نہیں ہی کہ پہلے پہل اسی نے پرڈاؤ کا سکّہ چلایا بلکہ اس سے پہلے بھی بکّا اوّل کے عہد کا پرڈاؤ (پیگوڈا) موجود ہی ۱۲

[۲] اس نام کے کسی راجہ کا پتہ ہم کو نہیں ملا۔ نہ ہریہر دوم کا جانشین اُجے راؤ ہوا نہ اُس نے (۴۳) برس سلطنت کی بلکہ جو زمانہ اُجے راؤ کی سلطنت کا بیان کیا جاتا ہی فی الحقیقت وہ زمانہ بکّا دوم اور دیو راے اوّل کا ہوتا ہی اور ان دونوں نے بھی صرف چودہ سال سلطنت کی ہی نہ کہ اِس سے زیادہ ۱۲۔

بڑے باغ اور اُمرائیاں انگوروں کے منڈوے لیموں نارنگیاں انواع و اقسام کے پھولوں اور میووں کے باغ لگائے گئے۔ اتنا ضرور ہوا کہ اس نہر کے لانے میں راجہ نے سارا خزانہ جو اُس کے باپ سے ملا تھا اور جو بے شمار تھا صرف کر دیا۔ اِس راجہ کے بعد اُس کا بیٹا وجایا راؤ تخت نشین ہوا جو چھ برس سلطنت کر کے مر گیا اس کے زمانے میں کوئی بات قابلِ ذکر نہیں ہوئی۔ اِس کے بعد اس کا بیٹا دیو رائے تخت نشین ہوا جس نے (۲۵) سال سلطنت کی اِس کو دولت جمع کرنے کا بڑا شوق تھا لیکن آئے دن کی لڑائیوں کی وجہ سے صرف بقدر (۵۰) ملین کے سونا جمع کیا جواہرات کا تو حساب ہی نہیں یہ رقم بہ مقابلے اس کے مقبوضات کے کچھ زیادہ نہیں ہے کیوں کہ راجگانِ کوئیلان۔سیلان۔پُلی کٹ (متصلِ مدراس) پیگو۔تناسرم۔ اور ایسے ہی بہت سے راجہ اُس کے خراج گزار تھے۔ اس کی وفات کے بعد اِس کے بیٹے پنّا راؤ نے بارہ سال سلطنت کی۔ یہ راؤ بڑا جوتشی اور علم کا شوقین تھا اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور اپنی سلطنت میں بہت سے قواعد اور قانون جاری کیے اس کے زمانے میں بیس وزیر تھے حالاں کہ ہمیشہ ایک ہی وزیر رہا کرتا تھا۔ راجہ بہت دانش مند اور فریس تھا اپنے فرائضِ منصبی سے خوب واقف تھا اور ایسا ذی شعور اور صاحبِ صفاتِ حسنہ تھا کہ یہ لوگ اُسے پنّا راجہ کہتے تھے جس کے معنی کنڑی[۱] میں دانش مند کے ہیں۔ اس راجہ کو دغا بازی سے اس کے بھتیجے نے مار ڈالا[۲] جس کی اُس نے مثل اپنے بیٹے کے پرورش کی تھی۔ اِس بھتیجے کی شادی ٹھہر گئی تھی اور اِس نے اپنی شادی کے لیئے اپنے چچا یعنی راجہ سے درخواست کی کہ اگر صاحب زادہ بلند اقبال کو میری شادی میں شریک ہونے کی پروانگی دی جاوے تو فدوی کی بڑی عزّت افزائی ہم چشموں میں ہوگی۔ راجہ تو پہلے ہی سے اِسے بہت چاہتا تھا اور اس کی شادی سے بہت خوش تھا اس نے اپنے بیٹے کو بخوشی اجازت دی بلکہ اور وزرا اور اُمرا سب کو بھی شادی میں شریک ہونے کا حکم دیا۔ دولھا نے سب کچھ طیاری کر لی اور جب سب مہمان گھر میں آ کر کھانے پر بیٹھے تو

---

[۱] تلنگی میں پنّا یا پنّا اور کنڑی میں چکّا کے معنے خورد کے ہیں۔ ولی عہد کو عموماً پنّا راے یا چکّا راے کہتے تھے مؤلف نے جو اس کے معنے عقل مند کے لکھے ہیں صریح غلط ہے ۱۲۔

[۲] عبدالرزاق نے بھی یہی واقعہ بیان کیا ہے اور نومبر ۱۴۴۲ء و اپریل ۱۴۴۳ء کے درمیان اِس سانحے کا ہونا لکھا ہے جب کہ وہ خود کالی کوٹ میں تھا ۱۲۔

اُس نے پہلے ہی سے لوگوں کو چھپا رکھا تھا وہ لوگ ایک دم آن پڑے اور سارے مہمانوں کو خنجر وں سے اِس طرح قتل کر ڈالا کہ باہر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کیوں کہ ہنود کے دستور کے موافق پنگت میں کوئی دوسری ذات والا بیٹھ نہیں سکتا نہ نوکر چاکر ساتھ رہ سکتے ہیں نہ باہر قریب میں کوئی تھا اس وجہ سے باہر والے بے خبر رہے کہ اندر کیا ہوا۔ جب راجہ کا بھتیجا سب کا کام تمام کر چکا تو وہ راجہ کی طرف سوار ہو کر اس طرح چلا کہ گویا راجہ کے واسطے کچھ تحفے تحائف لے جا رہا ہے۔ راجہ کے محل پر پہونچ کر اُس نے اطلاع کرائی کہ میں درِ دولت پر حاضر ہوں اور حسبِ دستور حضور کے واسطے نذر لایا ہوں راجہ خالی الذہن اپنی بیویوں کے ساتھ خلوت میں تھا سُنتے ہی اُسے اندر بُلا لیا۔ اِس نے آتے ہی ایک سونے کے تھال میں زہر کا بُجھا ہوا خنجر رکھ کر نذر پکڑا اور دفعۃً راجہ پر وار چلا یا۔ راجہ تلوار کی چلت پھرت میں خوب مشاق تھا بلکہ ایسا ماہر تھا کہ تلوار کے داؤ گھات اُس سے بہتر سلطنت بھر میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ راجہ نے بہت سے وار خالی دیئے اور بہت اچھی طرح اپنے آپ کو بچایا اور خود ایک نیچے کا ایسا وار کیا کہ اپنے بھتیجے کا وہیں کام تمام کر دیا اور پھر حکم دیا کہ گھوڑے پر زین دھرو اور فوراً سوار ہو بھتیجے کا سر ہاتھ میں لٹکا سیدھا اُس کے مکان کا رستہ لیا کہ دیکھوں تو سہی کہیں اس مردود نے میرے بیٹے کو بھی نہ مار ڈالا ہو۔ راجہ جوں ہی مکان پر پہونچا تو ہر بات سے دغا بازی اور بے ایمانی ٹپک رہی تھی وہاں پہونچتے ہی معلوم ہوا کہ اِس ظالم نے کیسا غضب ڈھایا کہ راجہ کے بیٹے اور سب اُمرا کا خاتمہ کر چکا تھا بلکہ اگر قابو پاتا تو راجہ کا بھی فیصلہ کر ہی دیا تھا۔ راجہ کی آتشِ غضب بھڑک اُٹھی اُس نے تمام باغیوں کو فوراً قتل کر ڈالنے کا حکم دیا اور اس میں بہت سے بے گناہ بھی دھر لیے گئے اور آٹے کے ساتھ گھُن بھی پس گیا۔ راجہ کو زہر آلود خنجر سے بے ڈھب زخم لگے تھے جس سے وہ ریگتا رہا اور آخر کار اِن ہی زخموں سے گھُل گھُل کر چھ مہینے میں مر گیا۔ راجہ کا ایک اور لڑکا[1] بچ گیا تھا اور وہی راجہ کے بعد تخت نشین ہوا۔ اِس نے اپنے وزرار اور خزانچیوں اور متصدیوں کو بُلا کر ملک کے محاصل کی کیفیت پوچھی تو معلوم ہوا کہ تیرہ ملین زرِ سُرخ کی آمدنی ہے۔ اُسی وقت راجہ نے پنجم حصہ محاصل کا دیولوں کے نام وقف کر دیا۔ جس ملک میں جہاں اِتنے بڑے بڑے دیول ہوں بھلا وہاں کوئی قانون قاعدہ چل سکتا ہے یہاں تو برہمنوں کا دَور دورہ ہی ہی دیتی

[1] اصل خط میں اس لڑکے کا نام درج نہیں۔ ک۔

پیشوا ہیں اور ان ہی کی بدولت لوگ نقصان میں پڑ رہے ہیں۔ اس کے بعد ویر پاکشا راے تخت نشین ہوا اُس نے بہت بُری طرح سلطنت کی اُس کو سواے عورتوں کی صحبت کے اور کسی بات سے سروکار نہ تھا رات دن عیش ونشاط و شراب خواری میں مخمور رہتا تھا۔ کبھی باہر برآمد ہی نہ ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی دنوں میں باپ دادا کا پیدا کیا ہوا ملک ہاتھ سے نکل گیا۔ اُمرا نے جب راجہ کی یہ حالت دیکھی تو سب کے سب کھلم کھلا باغی ہوگئے اور جس کے پاس جو ملک تھا دبا بیٹھا چنانچہ شہر گوآ۔ دابل اور چاول اور بہت سا ملک نکل گیا۔ راجہ نے اپنی حالت مدہوشی میں بہت سے اُمرا کو خواہ مخواہ مروا ڈالا بطور تمثیل یہاں ایک واقعہ لکھا جاتا ہی کہ راجہ نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ فلاں امیر اُس کے محل میں اُسے مار ڈالنے کو گھس آیا ہی۔ صبح ہی اُس کو بُلوا بھیجا اور کہا کہ مَیں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ تُو مجھے مار ڈالنے کے ارادے سے محل میں گھس آیا تھا اور صرف اسی ولہمے میں اُسے مروا ڈالا۔ اِس راجہ کے دو جوان لڑکے تھے اُنھوں نے اپنے باپ کی شرارت اور بدکرداری اور نیز اِس سے کہ ملک تباہ ہو رہا ہی اور ہاتھ سے نکلا چلا جا رہا ہی اپنے باپ کے قتل کرنے کا ارادہ کرلیا اور بڑے بیٹے نے اِس کام کو پورا کیا کہ باپ کو قتل کر ڈالا۔ جب لوگوں نے اُسے راجہ بنانا چاہا تو اُس نے کہا کہ "گو وراثتاً یہ سلطنت مجھے پہنچی ہی لیکن چوں کہ مَیں نے خود اپنے باپ کے خون میں ہاتھ رنگے ہیں میں سلطنت کا خواہاں نہیں کیوں کہ مَیں نے ایسا بُرا کام کیا کہ جو مجھے ہرگز سزاوار نہ تھا اور ایسے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہوں کہ مجھ۔ جیسے نالائق کو سلطنت کرنا شایاں نہیں ہی تم میرے بھائی پڑیا راجہ کو تخت پر بٹھاؤ کیوں کہ وہ اِس پاپ سے پاک ہی" لوگوں نے ایسا ہی کیا اور چھوٹا بھائی حکم راں ہوا تب وزرا نے صلح دی کہ پہلے تو آپ اپنے بڑے بھائی کو مروا ڈالیے کیوں کہ جب اُس نے باپ کا لحاظ نہیں کیا تو آپ کو ضرور ایک نہ ایک دن قتل کر ڈالے گا۔ راجہ نے بھی دل میں کہا کہ ہاں بات تو ٹھیک ہی اور بھائی کے مروا ڈالنے پر تُل گیا اور اپنے ہاتھ سے اُسے قتل کیا اور بہ مصداق چاہ کَن را چاہ درپیش جیسا اُس نے کیا تھا ویسا ہی اُس کے آگے آیا۔ بھائی کے قتل کے بعد اِس نے بھی باپ کی روش اختیار کی اور اُسی طرح گھر گھُسنا بن گیا۔ سلطنت کدھر ہی کیا ہو رہا ہی اسے کچھ خبر نہ تھی۔ باہر کبھی نکلتا نہ تھا۔ اِس کے وزیر نرسہواں نے جو اِس کا

قرابت دار بھی تھا جب راجہ کی ایسی حالت دیکھی تو وہ جان گیا کہ اِس کے دَور میں سوائے ملک کی بربادی اور تباہی اور ابتری کے کچھ نہ ہوگا اُس نے ملک پر لشکر کشی کر دی۔ نرسہواں نے امرائے ملک کو لکھا کہ یہ کیسی بُری بات ہی کہ تم پر کوئی راجہ باقاعدہ حکومت کرنے والا نہیں ہی اور راجۂ حال کے طرزِ عمل سے کچھ تعجب نہیں کہ یہ شخص اپنے باپ سے بھی بڑھ کر ملک کو تباہ کر دے اور رفتہ رفتہ سارا ملک اِس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ نرسہواں نے اِن امرا کو بہت کچھ تحفے تحائف دے دلا کر ملا لیا اور جب بہت سے لوگ اِس کی طرف ہو گئے تب اُس نے بیجانگر پر چڑھائی کی۔ جب راجہ سے لوگوں نے نرسہواں کی بغاوت اور اُس کے ملک پر قابض ہو جانے اور ایک جمِ غفیر اُمرا کا اُس کے ساتھ ہو جانے کا حال کہا تو راجہ نے ذرا بھی پروا نہ کی اِس کان سُنا اُس کان اُڑا دیا بلکہ اُلٹا اُسی غریب کو قتل کروا دیا جس نے خیر خواہانہ یہ خبر پونہچائی تھی آخرِ کار نرسہواں کے علاقے کا ایک افسر شہرِ بیجانگر کے دروازے پر آن پونہچا تو دیکھا کہ دروازے پر ایک چڑیا بھی حفاظت کے لیئے موجود نہیں ہی۔ جب راجہ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو بھی اُسے یقین نہ آیا اور اُس نے غلطِ محض سمجھا۔ آخرِ کار وہ سردار شہر میں گھس آیا جب تک راجہ جھوٹ ہی سمجھتا رہا۔ نوبت بہ اِیں جا رسید کہ بڑھتے بڑھتے راجہ کے محل میں بھی جا گھُسا اور راجہ کے کمرے کے دروازے پر پونہچ کر کئی عورتوں کو بھی قتل کیا تب کہیں راجہ کی آنکھیں کھُلیں اور سمجھا کہ ہاں واقعی معاملہ ایسا بے ڈھب آن بنا ہی تو گھبرا کر ایک چور دروازے سے شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اِس سردار کو جب راجہ کے بھاگ جانے کا حال معلوم ہوا تو اِس نے راجہ کا تعاقب کرنا بے سود سمجھا بلکہ شہر اور خزانے پر قبضہ کر کے نرسہواں کو خبر دی۔ نرسہواں فوراً آن پونہچا اور میدان خالی تھا وہی راجہ بن بیٹھا۔ یہ بڑا مدبر طاقت ور شخص تھا لوگ اِس سے پہلے ہی خوش تھے اِس کے عہد سے سلطنتِ بسنگا اسی کے نام پر سلطنتِ نرسنگا کہلانے لگی۔ اِس راجہ نے بیجانگر پونہچ کر بہت سے کام عدل و انصاف کے کیئے اور اِس نے ایک ایک سے اپنا ملک جو وہ غیر مستحق طور پر دبا بیٹھے تھے واپس لیا۔ اِس راجہ نے چوالیس سال سلطنت کی اور اپنے مرتے وقت سلطنت کو نہایت امن و امان کی حالت میں چھوڑا اور جتنا ملک پیچھے راجاؤں کے وقت میں نکل گیا تھا سب پھر فتح کر لیا۔ یہ راجہ ہرمز اور عدن سے گھوڑے منگوایا کرتا تھا جن کی بدولت سوداگروں کو بڑی منفعت تھی کیوں کہ مُنہ مانگی قیمت دیتا تھا۔ یہ سر راس زندہ و مردہ ملا کر ہر ادہر پڑاؤ کے تین گھوڑے لیتا تھا۔ لاتے وقت جہاز میں

جو گھوڑے مر جاتے تھے سوداگر صرف سقط شدہ گھوڑے کی دُم کاٹ لاتے تھے صرف وہ دکھلا کر پوری قیمت گِنا لیتے تھے۔ اِس راجہ کی وفات کے وقت صرف تین قلعے اس سے باغی رہ گئے جن پر وہ فتح نہ پا سکا۔ سانچور، اُدے گری اور کنڈاویڑ۔ یہ تینوں بڑے بڑے مقامات تھے۔ راجہ نے دو لڑکے اور ایک وزیر نرسانایک چھوڑے۔ یہ نرسانایک ہی بیجانگر کے آیندہ راجہ کا باپ تھا۔ راجہ نرسنہواں نے مرتے وقت نرسانایک کو بُلا کر کہا کہ "مَیں تم کو اپنے وصیت نامے کی رُو سے دونوں لڑکوں کے سنِ رُشد کو پُہنچنے تک (ریجنٹ) حاکم وقت مقرر کرتا ہوں تم سارے خزائن پر قبضہ کر لو۔ تم کو معلوم ہی کہ مَیں نے اِس سلطنت کو بزورِ شمشیر فتح کیا ہی اب صرف تین قلعے فتح کرنے باقی رہ گئے تھے کہ میری عمر کا جام لبریز ہو گیا۔ تم کو چاہیئے کہ ملک کی نگرانی اور حفاظت اچھی طرح کرو اور ان دونوں لڑکوں میں سے جو زیادہ لائق اور اِس اہم ذمّےداری کے قابل ہو اُسے ملک سپرد کر دینا"۔ نرسنہواں کی وفات کے بعد نرسانایک ہی حکم راں رہا۔ چند روز بعد اُس نے ایک راجہ زادے کو تخت پر بٹھا دیا لیکن خزانہ اور ملک کی آمدنی کُل اپنے ہی ہاتھ میں رکھی۔ ایک امیر ریاست نرسانایک کا دشمن تھا اُس نے چاہا کہ میں راجہ کو مار ڈالوں اور جب پوچھ گچھ ہو تو مَیں نرسانایک کو سمیٹ لوں کہ مَیں نے تو اُس کے ایما سے یہ کام کیا ہی اس پر ضرور ہی کہ نرسانایک کے سر یہ الزام تھُپ جائے گا اور اِس بغاوت کے الزام میں لوگ اُسے مار ڈالیں گے۔ اِس امیر نے بندوبست کر لیا اور اپنے ایک غلام کو کچھ دے دلا کر ایک رات راجہ کو تلوار سے قتل کروا دیا۔ جب نرسانایک کو راجہ کے قتل کی خبر ملی اور یہ بھی سُنا کہ لوگ مجھ ہی کو اس قتل کا بانی مُبانی سمجھتے ہیں تو اُس نے فوراً پہلے راجہ کے دوسرے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا جس کا نام تماراے تھا۔ قاتل کو اِس وقت سزا دینے کا موقع نہ تھا کیوں کہ اُس کے حامی اُس کے بہت سے رشتے دار موجود تھے۔ ان ہی دنوں نرسانایک ایک دن شکار کے بہانے سے آناگُندی چلا گیا اور وہاں سے (۲۴) لیگ کے فاصلے پر پین کنڈا جا پُہنچا۔ وہاں جا کر اُس نے بڑا لشکر جمع کیا جس میں بہت سے ہاتھی اور گھوڑے بھی تھے اور تب تماراے سے اپنے چلے آنے کی اصلی وجہ کہلا بھیجی کہ تماراج نے نمک حرامی سے تمھارے بھائی کو قتل کروایا ہی اور اُس کی بے وقت موت کی وجہ سے تم وارث قرار پائے۔ لیکن تمھارے باپ نے کل سلطنت حتّیٰ کہ تم دونوں

سلہ نرسادم کے اس رشتے کی تائید کتابِ دیگر سے نہیں ہوتی بلکہ نرسادم نرسنہواں کا بڑا بیٹا تھا اور کشن دیو راے چھوٹا ۱۲

سلہ یہ تماراج نہیں ہی جسے سالو تمابھی کہتے تھے اور جو کشن دیو راے کا وزیر ہوتا بلکہ یہ کوئی دوسرا شخص اُسی کے ہم نام تھا ۱۲

بھائیوں کو بھی میرے سپرد کیا تھا اور میرا فرض ہی کہ تمھارے بھائی کے خون کا بدلہ اُس باغی سے لوں
کیوں کہ ممکن ہی کہ وہ تمھارے ساتھ بھی اسی طرح پیش آئے لہذا اُس کو اُس کے کردار نا سزا کی سزا ضرور
ملنی چاہیئے۔ لیکن راجہ تمارا ج کا حامی تھا کیوں کہ اُسی کی بدولت اُسے سلطنت ملی تھی نہ وہ اس کے
بھائی کو مارتا نہ یہ تخت نشین ہوتا۔ پس راجہ بجاے اُس کی سرکوبی کے اُس کی جانب داری اور حمایت کرنے
لگا۔ نرسا نایک نے جب یہ دیکھا کہ راجہ اُسی کی طرف ہی تو اُس نے خود راجہ پر چڑھائی کر دی اور چار پانچ
روز تک شہر کا محاصرہ کیئے پڑا رہا اور راجہ پر دباؤ ڈالا۔ راجہ نے جب دیکھا کہ نرسا نایک قول کا دھنی ہی
اور یہ مصیبت ٹل نہ سکے گی تو اُس نے تمارا ج کو مروا ڈالا اور اُس کا سر کاٹ کر نرسا نایک کے پاس
بھجوا دیا تب نرسا نایک اپنی کامیابی پر بہت خوش ہوا اور تمام فوج کو واپس کر کے خود شہر میں گیا جہاں
سب نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا کیوں کہ لوگ اُس کے انصاف سے بہت خوش تھے اور سب اسے پسند
کرتے تھے۔ الغرض اسی حالت میں کئی برس گزر گئے۔ نرسا نایک نے بخیال راجہ کی صغرسنی کے اُسے
پین کنڈہ میں رکھنے کا ارادہ کیا اور ایک بڑی فوج اُس کی جان و مال اور حفاظت کے لیئے رکھنی چاہی
اور اُس کے خرچ اخراجات کے لیئے بیس ہزار کروزیڈ سُرخ مقرر کیئے اور خود سلطنت کا کاروبار انجام
دینے لگا کیوں کہ فی الحقیقت متوفی راجہ نے اسی کے ہاتھ میں ملک تفویض کیا تھا۔ چنانچہ راجہ کو پین کنڈہ
میں رکھ کر نرسا نایک نے کہا کہ اب میں بیجانگر جاتا ہوں مجھے وہاں کچھ ضروری اور اہم کام ہیں راجہ نے
بھی اس کو منظور کر لیا کیوں کہ وہ سمجھا کہ اس کے غیاب میں مجھے ذرا آزادی ملے گی اور اس کی ہر وقت
کی نگرانی سے جان بچے گی۔ نرسا نایک نے بیجانگر پہنچ کر بیس ہزار کی فوج راجہ کی حفاظت کے لیئے
بھیج دی اور ان پر تمپا نایک کو متعین کیا جو اُس کا معتمد علیہ اعظم تھا اور اُسے تاکید کر دی کہ راجہ کو شہر
سے کہیں باہر نہ نکلنے دے اور ہر طرح سے اُس کی جان و مال کی حفاظت کرے۔ نرسا نایک کو اس
انتظام کے بعد فرصت ملی تو اُس نے بہت سے مقامات پر جنگ چھیڑ دی شہروں پر قبضہ کرتا چلا جاتا تھا
اور بطور سزاے بغاوت اُن کو ڈھا ڈھو کر برابر کر دیتا تھا نرسا نایک کو بعض اُمرا نے صلاح دی
کہ راجہ کو مار ڈالنا چاہیئے کیوں کہ وہ حکومت کے نااہل ہی۔ نرسا نایک یہ بات سُن کر چپ ہو جاتا تھا لیکن
اپنے دل ہی دل میں منصوبے گانٹھ رہا تھا کہ اگر یہ بات ہو جاے تو پھر میرے لیئے میدان خالی ہو جاے گا
اب تو میں صرف ایک وزیر کی حیثیت رکھتا ہوں۔ ایک دن نرسا نایک نے انھیں اُمرا کو جو راجہ کے قتل پر

آمادہ ہے بُلوایا اور کہا کہ "کوئی تدبیر ایسی نکالو کہ راجہ تو مارا جائے مگر میرا نام نہ ہو" تب کدم ریڈی نے کہا کہ میں
ایک عمدہ تدبیر بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آپ بظاہر مجھ سے کشیدہ ہو کر مجھے اپنے دربار میں طلب کیجیے میں
آپ کے حکم کی تعمیل نہ کروں گا آپ اس عدول حکمی میں میرے لیے کچھ سزا تجویز کیجیے میں آپ کا حکم سُنتے
ہی پین کنڈہ کو بھاگ جاؤں گا اور وہاں جا کر راجہ کو آپ کے خلاف اُبھاروں گا اور جب میں راجہ کے
مزاج میں درخور حاصل کر لوں گا تو ایسی چال چلوں گا کہ وہ تم سے برگشتہ ہو جائے اور اُس کو اور زیادہ
بھڑکانے کے لیے میں دوسرے اُمراء کے جعلی خطوط بنا کر پیش کروں گا جس میں یہ صلاح ہوگی کہ آپ اس
شہر کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوں جہاں آپ کو قیدی بنا کر رکھا گیا ہے اصلی راجہ تو آپ ہی ہیں مگر نرسا نایک
جو آپ کا تابعدار ہے آپ کو مسلوب الاختیار کر کے خود مختار ہو گیا ہے اور آپ کو پین کنڈہ میں قید کر رکھا
ہے اور در پردہ باغی ہو گیا ہے۔ میں راجہ کو آمادہ کروں گا کہ وہ خفیہ طور پر شہر سے نکل چلے اور جن
اُمراء کے خط آئے ہیں اُن میں سے کسی ایک کی گڑھی میں چل کر ٹھیرے اور وہاں جا کر لوگ جمع کر کے
نرسا نایک کے مقابلے کی طیاری کرے میں یہ بھی پٹی پڑھاؤں گا کہ جب امراء کو آپ کا ارادہ معلوم ہوگا
تو وہ سب کے سب آپ کی طرف جھک پڑیں گے اور آپ کو دل و جان سے مدد دے کر نرسا نایک کو
مغلوب کر کے اُس کو اسی جگہ قید کر دیں گے جہاں کہ اب اُس نے آپ کو مقیّد رکھا ہے اور پھر آپ کے لیے
کچھ رُوک ٹوک نہ رہے گی اور کُھلے خزانے آپ ہی راجہ بن جائیں گے۔ کدم ریڈی نے کہا کہ جب میں اپنے
ارادے میں کامیاب ہو جاؤں گا اور راجہ میرے کہنے پر چل کھڑا ہو گا تو رستے میں اُسے موقع دیکھ کر
مار ڈالوں گا تب آپ (نرسا نایک) بلا غل و غش راجگی کا اعلان کر دیجیے گا۔ نرسا نایک نے اس ساری
پیش بندی کو غور سے سُنا اور اس امیر کی تدبیر سے بہت خوش ہوا اور اس کی بہت توقیر کرنے لگا
چند دنوں کے بعد کدم ریڈی غائب ہو گیا اور مشہور کر دیا کہ وہ بھاگ گیا اور پین کنڈہ پہونچ کر جیسا کہ وہ
کہہ سن آیا تھا اپنا جال پھیلانے لگا۔ کدم ریڈی کا پین کنڈہ پہونچنا بھی سب کو معلوم ہو گیا۔ ہر روز وہ
اُمراء کے خطوط راجہ کو بتلایا کرتا تھا آج فلاں امیر کا یہ خط آیا اور کل دوسرے امیر کا اس مضمون کا خط آیا
راجہ دامِ تزویر میں آ کر ان سب خطوں کو سچا اور ان میں جو تدابیر مندرج تھیں اُن کو قابلِ امضا سمجھتا
تھا لیکن پھر بھی نرسا نایک سے مقابلہ کرنے کی اُسے جرأت نہ پڑتی تھی کیوں کہ علاوہ وزیر ہونے
کے ساری فوج۔ گھوڑے۔ ہاتھی۔ خزانہ سب اُسی کے ہاتھ میں تھا پس کیوں کر ممکن تھا کہ خالی ہاتھ

اُس پر چڑھ جاتا۔ کدم ریڈی نے جب راجہ کی یہ باتیں سُنیں تو اُس نے کہا کہ حضور کا ارشاد بالکل بجا ہے لیکن تمام ملک اُس سے نالاں اور تمام اُمراء اُس سے ناراض ہیں جب ملک میں آپ کے چندر گیری[1] تشریف لے جانے کی خبر مشہور ہوگی تو آپ دیکھیئے گا کہ ساری خلقت آپ کی طرف ٹوٹ پڑے گی کیوں کہ سب جانتے ہیں کہ اصلی اور مستحق مالک تو آپ ہی ہیں۔ راجہ نے کہا کہ "جب ایسا ہے تو اچھا یہ بتاؤ کہ میں اِس قید خانے سے کیسے نکلوں کہ کسی کو خبر نہ ہو کیوں کہ بیس ہزار فوج مجھے گھیرے پڑی ہے"۔

کدم ریڈی۔ "میں حضور سے ایک سہل تدبیر عرض کرتا ہوں۔ میں اور آپ خانہ باغ میں چلیں گے اور اِسی باغ سے ملا ہوا فصیل کا ایک چور دروازہ ہے جو مجھے خوب معلوم ہے اُس میں سے آپ نکل چلیں پہرے والے آپ کو تنِ تنہا جاتے ہوئے دیکھ کر پہچان تھوڑا ہی سکیں گے کہ آپ راجہ ہیں اور آپ بلا روک ٹوک بہ آسانی شہر کے باہر پہونچ جائیں گے وہاں یہ غلام گھوڑے لے کر حاضر رہے گا پھر کیا ہے جدھر دل چاہے گا چلے جائیں گے۔" راجہ نے بھی حامی بھر لی۔ اُدھر کدم ریڈی نے باغ کے پہرے والوں سے دوستی گانٹھی جدھر کہ راجہ بھاگنے والا تھا (یہ باغ راجہ کے محل سے ملا ہوا تھا راجہ اُس میں اکثر تفریح کو جایا کرتا تھا رانیاں بھی ساتھ رہا کرتی تھیں اور تین سو آدمیوں کا پہرہ اس باغ پر تھا) پہرے والوں سے اس نے کہا کہ فلاں وقت تم میرے ساتھ کسی اور آدمی کو دیکھو تو اُسے فوراً قتل کر ڈالنا کہ اُس شخص نے مجھ سے ایسا بُرا سلوک کیا ہے کہ وہ گردن زدنی ہے۔ میں تم کو بہت کچھ انعام واکرام دوں گا۔ پہرے والوں نے کہا کہ یہ کونسی بڑی بات ہے بخت ور ہو گئی تو یہ بدمعاش راجہ کے پاس گیا اور راجہ سے کہا کہ میں نے سب ٹھیک ٹھاک کر لیا ہے وقت مقررہ پر گھوڑے بھی حاضر رہیں گے۔ کار امروز را بہ فردا مگزار۔ میں نے ایسا بندوبست کیا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی حتیٰ کہ آپ کی رانیوں کو بھی معلوم نہ ہوگا دوسروں کا تو کیا ذکر۔ راجہ نے کہا کہ اچھا۔ رات کو جب مقررہ وقت پہونچا تو راجہ چھپا تے نکلا۔ کدم ریڈی پہلے ہی سے گھات میں بیٹھا ہوا تھا اُس نے پہرے والوں کو اشارہ کیا اور جوں ہی راجہ باغ میں پہونچا پہرے والے اُس پر ٹوٹ پڑے اور آناً فاناً میں راجہ کو قتل کر ڈالا اور وہیں ایک درخت کے نیچے گاڑ دیا۔ جوانوں کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ ہم نے کس کا کام تمام کیا۔ کدم ریڈی بہت خوش ہوا اور اِن لوگوں کو طمانیت دلا کر اپنے

[1] کدم ریڈی نے راجہ کو صلاح دی تھی کہ قلعہ چندر گیری میں جا کر رہیں۔ یہ قلعہ اُن دنوں خود مختار تھا۔

ٹھکانے پر آیا اور اپنے چلنے کی طیاری کرنے لگا۔ دوسرے دن صبح ہی شور وغل پڑگیا کہ راجہ کا کہیں پتہ نہیں۔ کونا کونا ڈھونڈھ لیا سارا شہر چھان مارا کہیں اُس کا پتہ نہ لگا تب لوگوں نے سمجھا کہ راجہ قید سے تنگ آکر کہیں بھاگ گیا ہی اب وہاں سے نرسانایک کا مقابلہ کرے گا۔ راجہ کے یوں چھُپا چھُپاتے غائب ہوجانے کی خبر فوراً نرسانایک کو دی گئی۔ اُس نے بہ ظاہر بہت تشویش ظاہر کی اور افسوس کیا اور ساتھ ہی ساتھ فوج کی طیاری بھی کرنے لگا کہ مبادا راجہ کے غائب ہوجانے سے کچھ گڑبڑ نہ ہوجاے یا بغاوت پھیل جاسے۔ اِس وقت تک نرسانایک کو بھی اصلی حال معلوم نہ تھا سوائے اِس کے کہ راجہ کا پتہ نہیں ہی۔ اِس کے بعد کدم ریڈی آیا اور اُس نے سب حال بیان کیا کہ کس چالاکی سے اُس نے راجہ کو قتل کروایا ہی کہ جن لوگوں نے مارا ہی وہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کون تھا۔ نرسانایک بہت خوش ہوا اور اُسے بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔ نرسانایک تو پہلے ہی سے مختارِ کُل تھا جب راجہ کا پتہ نہ چلا کہ زمین پھٹ گئی اور وہ سماگیا یا آسمان کھا گیا تب یہ خود راجہ بن گیا۔ اِس نے پانچ لڑکے چھوڑے[1] بسبل راؤ۔ کرشنا راؤ۔ ٹیٹا راؤ۔ رامی گپا۔ ایامی سوا یا۔ نرسانایک کی وفات کے بعد بسبل راؤ تخت نشین ہوا اور اس نے چھ برس سلطنت کی۔ یہ تمام زمانہ جنگ و جدل میں ہی گزرا کیوں کہ نرسانایک کے مرنے کے بعد ایک عام بغاوت پھیل گئی جس کے فرو کرنے امرا سے لڑنے اور ملک کو اصلی حالت میں لانے کے لیئے بہت سی لڑائیاں ہوئیں جب کہیں ملک کا محاصل پھر آٹھ ملین طلائی پرڈاؤ پر آکر ٹھیرا۔ بسبل راؤ بیجانگر میں بیماری سے مرا۔ اِس نے اپنے مرنے سے پہلے اپنے وزیر سالوتما[2] کے سامنے اپنے لڑکے کو جس کی عمر (۸) سال کی تھی بُلوا کر کہا کہ دیکھو میرے بعد میرے اِس لڑکے کو گو وہ کم عمر ہی سہی تخت پر بٹھانا اور گو بعض لوگوں کا خیال ہو کہ میرے بعد میرا بھائی کشن راؤ مستحقِ سلطنت ہی لیکن تم کو چاہیئے کہ کشن رائے کی آنکھیں فوراً نکلوا کر میرے سامنے لاؤ تاکہ میرے بعد کسی قسم کا جھگڑا نہ پڑے سالو تما نے عرض کیا کہ حضور کے حکم کی بسر و چشم

---

[1] کہیں کتبوں میں ان ناموں کا ذکر نہیں ہی۔ کرسما راؤ غالباً کشن دیو راے تھا جو نرسنہوان اول کا بیٹا تھا اور نرسا دوم کا بھائی جسے ویرا نرسنہوان بھی کہتے تھے ۱۲

[2] یہ شخص کشن دیو راے کا مشہور وزیر تھا۔ آخرکار قید کی حالت میں اندھا کیا گیا اور وہیں مرگیا۔ اِس کے زمانے کے متعدد کتبوں میں اِس کا نام موجود ہی ۱۲

تعمیل کو حاضر ہوں اور جلتے ہی کشن راؤ کو بلوایا اور اُسے علیحدہ لے جاکر کہا کہ راجہ نے تمھاری آنکھیں نکلوا کر اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھانے کا حکم دیا ہی۔ کشن راؤ نے کہا کہ اگر سچ پوچھتے ہو تو مَیں ہی مستحق سلطنت ہوں مگر مجھے ذرا بھی سلطنت کی تمنّا نہیں ہی نہ مجھے کاروبارِ سلطنت سے کچھ سروکار ہی میں تو اپنی بقیۂ عمر فقیری میں جوگی بن کر گزار دینا چاہتا ہوں۔ تم میری آنکھیں ناحق نکلواتے ہو مَیں نہ سلطنت کا دعوی دار ہوں نہ مَیں نے اپنے بھائی کے ساتھ کچھ بُرائی کی ہی کہ میرے لیئے یہ سزا تجویز کی جاے۔ سالوتما یہ سُن کر متاثر ہوا اور دل میں کہا کہ یہ تو بیس برس کا جوان ہی اور فی الواقع یہی سلطنت کی قابلیت رکھتا ہی اور بسبل راؤ کا بیٹا تو آٹھ برس کا لونڈا ہی سالوتما نے کیا کیا کہ ایک بکری کی آنکھیں نکلوا کر راجہ کے سامنے لے گیا۔ راجہ تو بسترِ مرگ پر دم توڑ رہا تھا اُسے کچھ خبر نہ تھی جوں ہی اُس کا دم نکلا کشن راے ہی کو راجہ بنایا گیا۔

پانچواں باب

کشن راے کی سلطنت کے کارنامے

کشن راے جب تخت پر بیٹھا تو اس نے بھی سالوتما کو جو بسبل[1] راؤ کا وزیر تھا اپنا وزیر مقرّر کیا۔ راجہ نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے بھتیجے یعنی بسبل راؤ کے بیٹے اور اپنے تینوں بھائیوں کو چندرگیری کے قلعے میں بھجوا دیا۔ بسبل راؤ کا بیٹا تو دمِ آخر تک وہیں رہا اور وہیں مرا۔ جب راجہ کو دعوی دارانِ سلطنت کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو وہ خود شہر بیجانگر میں رہنے لگا اور ڈیڑھ سال تک کہیں باہر نہیں گیا بلکہ وہیں رہ کر ملک کے حالات انتظامات اور پچھلے راجاؤں کی طرز حکومت اور وصیّتوں سے واقفیت حاصل کرتا رہا۔ سنینِ ماضیہ کے کاغذات میں اُسے ایک وصیّت نامہ راجہ نرسنہواں کا ملا (جس کا وزیر اس راجہ کا باپ رہ چکا تھا) جس میں لکھا تھا کہ میرے بیٹے یا جو کوئی میرا جانشین ہو اُس کو معلوم رہنا چاہیئے کہ یہ ملک مَیں نے بزورِ شمشیر حاصل کیا ہی لیکن تین قلعوں کو میں فتح نہ کر سکا اور میرے آخری وقت تک وہ مجھ سے باغی رہے

[1] شاید بسوا راؤ ہو لیکن کشن دیو راے کا کوئی بھائی اس نام کا بھی نہ تھا ۱۲

مجھے اتنی مہلت نہ ملی کہ ان کو فتح کرتا ایک ان میں کار لچور ہی دوسرا اُنڈگل تیسرے اُودی گیری۔میرے جانشین کا فرض ہی کہ ان مقامات کو ضرور فتح کرے۔کشن رائے نے جب یہ وصیت دیکھی تو اُسے معلوم ہوا کہ سابق کے راجاؤں نے تو اس کی کچھ بھی تعمیل نہ کی۔لیکن اس نے فوراً کمر ہمت باندھی پہلے اُس نے اودی گیری کا عزم کیا جو راجگانِ اوریا (اڑیسہ) کے قبضے میں تھا۔راجہ چونتیس ہزار پیدل آٹھ سو ہاتھی جمع کر کے اودی گیری پر جا پونہچا۔اس زمانے میں اودی گیری میں دس ہزار پیدل اور چار سو سوار موجود تھے۔یہاں کا قلعہ ایسا مضبوط تھا کہ زیادہ فوج کی ضرورت نہ تھی اِس کے فتح کرنے کی سوائے اس کے کوئی شکل نہ تھی کہ رسد بند کر کے لوگوں کو بھوک کی مار دی جائے۔راجہ برابر ڈیڑھ برس محاصرہ کیئے پڑا رہا۔اس عرصے میں راجہ نے بہت سے پہاڑ کاٹ کاٹ کر اپنی فوج کے لیئے رستہ نکالا۔قلعے تک پونہچنے کے لیئے پہلے ایک ہی رستہ تھا اور وہ بھی ایسا تنگ کہ سوائے ایک آدمی کے دوسرا برابر جا ہی نہیں سکتا تھا اس لیئے چوڑا رستہ بنانا پڑا کہ ساری فوج قلعے کے دامن تک پونہچ سکے۔الغرض راجہ نے فوج کی قوت سے قلعے کو فتح کیا اور یا کے راجہ کی چچی کو جو قلعے میں تھی گرفتار کر کے اُسے عزت و احترام سے جو اُس کے مرتبے کے شایاں تھا اپنے ساتھ لے گیا۔اِس فتح کے بعد راجہ نے سالوتما کو بلا کر کہا کہ تم نے دیکھا کہ مَیں نے کس طرح نرسنہواں رائے کی وصیت کی تعمیل کی لیکن میرا دل اس چھوٹی سی کامیابی سے کچھ بھی خوش نہیں ہوا۔میں یہاں سے سو لیگ کی مسافت طے کر کے ملک اوریا کو جانا چاہتا ہوں پس تم فوراً طیاری کرو اور سب لوگوں کی تنخواہیں بانٹ دو۔اِس کے بعد راجہ کنڈہ ویڑ گیا (جو اودیا کے راجہ کی سلطنت کا ایک بڑا شہر تھا) اور محاصرہ کر لیا۔اوریا کے راجہ کو جب خبر ملی تو وہ بھی مقابلے کو آن پونہچا۔اُس کے ساتھ تیرہ سو ہاتھی اور بیس ہزار سوار اور پانچ لاکھ پیدل تھے کشن رائے نے جب یہ خبر سُنی تو اُس شہر کا محاصرہ چھوڑ دیا اور کہا کہ میں شہر پر نہیں لڑتا میں تو راجہ اور اُس کے لشکر سے باہر جا کر مقابلہ کروں گا۔شہر کے فتح کر لینے کے لیئے بڑی مہلت ہی۔چنانچہ چار لیگ ہٹ کر مقام کیا اور شہر کے گرداگرد تھوڑی فوج چھوڑ دی تاکہ شہر کے لوگ باہر نہ نکل بھاگیں راجہ کا مقام ایک کھاری پانی کے دریا کے کنارے ہوا جہاں گھاٹ تھا دریا کے اُس پار اوریا کا

ف کنڈہ ویڑ کے آس پاس یا بارہ میل کے ارد گرد کوئی دریا موجود نہیں ہی ۱۲

راجہ خیمہ زن تھا کشن رائے نے کہلا بھیجا کہ اگر تمھارا ارادہ لڑائی کا ہی تو مَیں دریا سے دو میل اُدھر ادھر ہٹ جاتا ہوں تاکہ تم اطمینانِ خاطر سے اِس پار اُتر آؤ اور پھر لڑائی ہو۔ اوریا کے راجہ نے اِس کا کچھ جواب نہ دیا اور وہیں لڑائی کی طیاری کرنے لگا۔ کشن رائے نے جب دیکھا کہ اُدھر جنگ کی طیاریاں ہو رہی ہیں تو وہ خود دریا کے پار اُترنے لگا اور اِس میں کئی معرکے ہوئے جس میں طرفین کے بہت لوگ مارے گئے لیکن پھر بھی کشن رائے مع اپنے لشکر کے پار اُتر ہی گیا اور ایسی جواں مردی سے لڑا کہ راجۂ اوریا کو شکست ہوئی اور وہ دُم دبا کے بھاگا۔ پھر کشن رائے نے اپنے وزیر سے کہا کہ اب قلعے کی طرف پلٹ چلو کہ ذرا اُن کو بھی تو ہم اپنی قوت کا مزہ چکھائیں چنانچہ دو مہینے محاصرہ کیے پڑا رہا اور آخر کار فتح کر کے ہی چھوڑا۔ پھر قلعے کو ساولتما کے سپرد کیا اُس نے اپنے ایک بھائی کو وہاں کا ایک قلعہ دار مقرر کیا کیوں کہ ساولتما بھی راجہ کے ساتھ راجہ اوریا کے تعاقب میں جانا چاہتا تھا۔ راجہ پھر دریا اُتر کر اوریا کے راجہ کے پیچھے چلا اور رستے میں جو شہر ملا اُسے لوٹتا ہوا کنڈہ پلی پونہچا جہاں راجہ اوریا کے سب اُمرا رہا کرتے تھے کیوں کہ یہی اُن کی سلطنت کا سب سے بڑا شہر تھا۔ راجہ تین مہینے محاصرہ کیے پڑا رہا مگر شہر کو فتح نہ کر سکا آخر کار اپنی کثیر التعداد فوج کی بدولت اِسے بھی فتح کر لیا اور قلعے میں جو بہت سے بڑے بڑے اُمرا تھے اُن سب کو بھی قید کر لیا۔ اِس طرح راجہ کی بیوی اور ایک لڑکا اور سات نامور اُمرائے سلطنت گرفتار ہوئے اِن سب کو قید کر کے راجہ نے بیجانگر بھیج دیا۔

راجۂ بیجانگر سو لیگ تک سلطنتِ اوریا میں گھس گیا رستے میں کوئی بھی مزاحم نہ ہوا یہاں تک کہ شہر سمہادری[1] کو پونہچ گیا جو بہت بڑا شہر تھا اور یہاں چھ مہینے تک راجۂ اوریا کے آنے کے انتظار میں پڑا رہا اور کئی دفعہ کہلا بھیجا کہ مَیں تمھارے انتظار میں میدانِ جنگ میں پڑا ہوا ہوں لیکن وہ نہ آیا

---

[1] اِس شہر کا نام سمہاچلم ہی اور قدیم نام سمہادری تھا۔ یہ شہر ضلع وزیگاپٹم میں ہی یہاں وشنو کے دیول میں دو کتبے ۱۵۱۶ و ۱۵۱۵ء کے موجود ہیں جن میں اودے گیری۔ کنڈاویڑ۔ کنڈہ پلی۔ اور راج مندری مقامات کو راجۂ بیجانگر کے فتح کرنے کا ذکر ہی اور یہ بھی لکھا ہی کہ بیجانگر کی دو رانیوں نے دیول پر زیورات چڑھائے اور دوسرے پتھر پر کندہ ہی کہ راجۂ بیجانگر نے کئی گاؤں اوریا کے علاقے کے دیول کو جاگیر دے دیئے۔ چدامبرم کے دیول میں ایک کتبہ ہی جس میں لکھا ہی کہ راجہ کشن دیو رائے نے سمہادری سے واپس آکر دیول میں ایک قبّہ بنوایا اور ایک کھمبا اپنی فتح کی یادگار میں استادہ کرایا اِس زمانے میں اوریا کا راجہ پرتاب رُدر گجپتی تھا ۱۲

اس شہر میں راجہ بیجا نگر نے بہت سے عمدہ کام کیے بہت کچھ خیرات تقسیم کی اور ایک بہت بڑا مندر بنوایا اور اس کے تحت بہت سی زمینیں بھی دیں اور اسی مندر میں ایک پتھر کندہ کروایا جس پر یہ عبارت ہے "شاید جب کہ یہ حروف محو ہو جائیں گے تب کہیں اڈریا کا راجہ راجۂ بیجا نگر سے لڑنے آئے تو آئے اور اگر راجہ اڈریا نے اِن حرفوں کو مٹوا دیا تو (یاد رہے کہ) ہم اُس کی جورو کو (جو راجۂ بیجا نگر کے ہاں مقید ہے) اپنے نعل بندوں کو دے دیں گے" آخرکار بہت سا ملک دیولوں کی نذر کر کے راجۂ بیجا نگر واپس چلا آیا اور یہاں پہنچ کر چندے آرام کیا۔ راجہ نے اوریا کے راجہ زادے کو جو قلعے میں قید تھا بُلا کر کہا کہ ہم سُنتے ہیں کہ تم بڑے بہادر ہو اور تلوار کے چلانے میں تم کو بڑی مشاقی ہے پس ہم تمھاری پھینک دیکھنا چاہتے ہیں۔ راجہ زادے نے کہا کہ میں آپ کے ارشاد کی تعمیل کو بسر وچشم حاضر ہوں لیکن اگر کل پر یہ بات رکھی جائے تو مناسب ہے۔ دوسرے دن راجہ نے پھر اُسے بُلا بھیجا اور اپنی طرف سے ایک شخص کو جو تلوار کی کثرت میں مشہور تھا منتخب کیا۔ اوریا کے راجہ کے بیٹے نے جب اپنے مقابلے پر ایک کم قدر درجے کے شخص کو دیکھا تو اُسے سخت ناگوار گزرا کہ مجھے حقیر سمجھا اور میرے مقابلے پر ایک ادنےٰ شخص کو کھڑا کیا میری جوڑ کے لیے تو راجہ کے خاندان کا کوئی شخص ہونا چاہیئے تھا اور کہا کہ "بھگوان ایسا نہ کرے کہ میں اپنا ہاتھ ایسے شخص سے ملا کر خراب کروں جو خاندانِ شاہی سے نہیں ہے" اور یہ کہہ کر اپنے پیٹ میں تلوار بھونک لی۔ اس کے باپ کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے سالوتمنا کو لکھا کہ لڑکا تو میرا یوں جان سے گیا اب صرف میری بیوی راجہ کی قید میں رہ گئی ہے خیر اُسی کی مخلصی کی کوئی تدبیر بتاؤ۔ سالوتمنا نے جواب دیا کہ اگر آپ اپنی بیٹی ہمارے راجہ سے بیاہ دیں تو راجہ آپ کی بیوی اور مفتوحہ ملک کو واپس دے گا۔ راجہ اڈریا نے ناچار یہ شرط منظور کر کے اپنے ایلچی بیجا نگر بھیجے تاکہ شادی کے متعلق گفت وشنود کر کے طے کریں۔ راجۂ بیجا نگر نے خوشی خوشی شادی منظور کی اور اُسی کے مطابق شادی ہو بھی گئی اور دونوں میں مصالحت ہو گئی کشن راے نے راجۂ اڈریا کی بیوی کو واپس کر دیا اور دریا کے اُس پار کے کل مقامات واپس دے دیے صرف اِس پار اپنا قبضہ باقی رکھا۔

چھٹا باب

راجا اوریا سے مصالحت کے بعد راجۂ بیجانگر کا ملک کاٹیور[1] پر چڑھائی کرنا

راجہ اوریا سے صلح کے بعد کشن رائے نے کاٹیور پر چڑھائی کی غرض سے لشکر جمع کرنا شروع کیا۔ وہاں کا راجہ پچاس سال سے اِن سے باغی تھا یہ علاقہ کیرومنڈل کے ساحل پر واقع ہی۔ کشن دیو رائے وہاں پونہچا اور اُس بڑے شہر کا محاصرہ کیا جہاں کہ راجہ رہتا تھا (اصل میں شہر کا نام نہیں ہی) یہ شہر چاروں طرف پانی سے گھرا ہوا تھا جس موسم میں محاصرہ کیا گیا جاڑے کے دن تھے اِس وجہ سے دریا ایسا طغیانی پر تھا کہ کچھ کرتے دھرتے بَن نہ پڑی۔ کشن رائے نے دیکھا کہ دن بے کار چلے جا رہے ہیں تو اُس نے حکم دیا کہ دریا میں سے بہت سی نہریں کاٹ دی جائیں تاکہ دریا کا زور کم ہو۔ راجہ کے پاس فوج کی کمی نہ تھی تھوڑے دنوں میں پچاس نہریں کاٹ دی گئیں اور جب دریا کا پانی اُن میں چھوڑا گیا تو ایک دم سے دریا کا زور ٹوٹ گیا اور ایسا ہو گیا کہ تہ دکھلائی دینے لگی اور بالکل پایاب ہو گیا تب راجہ قلعے کی فصیل تک جا پونہچا شہر کے اندر ایک لاکھ پیدل اور تین ہزار سوار تھے وہ بڑی بہادری سے جان توڑ کر لڑے لیکن کشن رائے ہمت نہ ہارا اور گھستا چلا گیا آخر کار جو بچ رہے تھے اُن سب کو قتل کیا۔ راجہ کو بہت بڑا خزانہ ملا۔ سولھا لاکھ تو صرف طلائی پرڈاؤ ملے اِس کے علاوہ جواہرات اور بہت سے ہاتھی گھوڑے ہاتھ آئے فتح کے بعد کشن رائے نے ساری دولت اپنے ہمراہیوں میں بانٹ دی اور راجہ کو قید کرکے بیجانگر لایا جہاں وہ بے چارہ قید میں ہی مر گیا۔ راجہ نے بیجانگر کو پونہچ کر سالوتما کو کنڈہ ویڑ بھجوا دیا کیوں کہ اصل میں یہی وہاں کا حاکم مقرر کیا گیا تھا گو عارضی طور پر اُس کا بھائی وہاں نگراں تھا راجہ خود پھر کنڈہ ویڑ کو نہ جا سکا اِس لیئے سالوتما کا جانا ضرور تھا۔ سالوتما کو رستے میں اُس نواح کے[2] بادشاہ کے ایک سردار موسوم بہ مدار ملوک نے ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ روکا۔ سالوتما کے ساتھ دو لاکھ کا

---

[1] اب اس نام کا نہ کوئی شہر ہی نہ ملک۔ شہر کے حالات سے معلوم ہوتا ہی کہ غالبًا ویلور کا ذکر ہی جو شمالی ارکاٹ میں واقع ہی جہاں کے عمدہ قلعے کے اطراف میں ایک گہری خندق ہی اور یہ روایت بھی مشہور ہی کہ کشن دیو رائے نے اِس ملک کو ایک ریڈی کے قبضے سے فتح کیا تھا ۱۲

[2] اِس نواح کے بادشاہ سے غالبًا بادشاہِ دکن مراد ہی اور غالبًا یہ فوج سلطان قلی قطب شاہ گول کنڈہ کی ہوگی جیسا کہ ہم تاریخ کے دسویں باب کے آخر میں لکھ آئے ہیں ۱۲

لشکر تھا اُسے کیا ڈر تھا خوب لڑا اور شکست دے کر اُسے مع اُس کی بیوی اور بیٹے کے قید کرلیا۔ ہاتھی گھوڑے جواہرات۔ نقدیات چھین کر سب کشن رائے کے حضور میں بھیج دیئے۔ راجہ نے اِن لوگوں کو جیل خانے میں ڈلوا دیا۔ جہاں وہ سڑ سڑ کر مر گئے۔ سالوتما کنڈہ وِیڑ پونہچا اور وہاں چند دن ٹھیر کر سب انتظام درست کرکے پھر راجہ کے حضور میں واپس آیا۔ راجہ اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور بڑے تپاک سے پیش آیا۔

ساتواں باب

کشن رائے کا رایچور پر چڑھائی کرنے کا عزم اور اُس کی وجہ

چند روز کے بعد راجہ نے سالوتما سے کہا کہ میرا ارادہ یہ ہی کہ نرسنہواں راجہ کی وصیت کی حرف بحرف تعمیل کروں جن میں سے رایچور جیسے بڑے بھاری قلعے کا فتح کرنا بھی میرا اہم فریضہ ہی کیوں کہ رایچور کو عادل شاہ نے ہمارے ہی آباؤ اجداد سے زبردستی چھین کر اپنا قبضہ کرلیا ہی۔ لیکن ہمارے اُن کے چالیس سال سے صلح چلی آرہی ہی پس لڑائی کے لیئے کوئی حیلہ نکالنا چاہیئے۔ سالوتما نے عرض کیا کہ صلح کی تو بہت سی شرائط تھیں جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اگر کوئی قابض اراضی یا سردار یا اَور کوئی شخص بغاوت کرکے کسی کے ہاں پناہ لے تو عند الطلب اُسے فوراً سپرد کردیا جائے گا۔ پس صلح کو کالعدم کرنے کا ایک بڑا سبب تو یہی ہی کہ ہمارے ہاں کے بہت سے زمیں دار اور قرض دار وہاں جا چھپے ہیں اِس لیئے پہلے تو آپ اِن لوگوں کا مطالبہ کیجیئے اور اگر وہاں سے اِنکاری جواب ملے تو بس یہی بات لڑائی چھیڑنے کے لیئے کافی ہی۔ بہت سے لوگوں نے سالوتما کی اِس صلح کی مخالفت کی کہ زبردستی کی لڑائی مول لینا اچھی بات نہیں مگر اُن کی کچھ نہ چلی۔ راجہ نے اِس زمانے میں ایک شخص سدّی مرکار نامی کو چالیس ہزار پرڈاؤ دے کر گھوڑے خریدنے کو گوا بھجوایا۔ اِس سدّی نے بہت سے بڑے بڑے کام کیئے تھے جس کی وجہ سے راجہ کو اُس پر بڑا بھروسہ ہوگیا تھا۔ یہ شخص روپیہ لے کر جب گوا کے قریب پونڈا میں پونہچا جو گوا سے دو لیگ اِدھر ہی اور جہاں مسلمانوں کی آبادی تھی تو بھاگ کر عادل شاہ کے پاس سب روپیہ لے کر چلتا بنا۔ راجہ کو جوں ہی خبر ملی کہ سدّی روپیہ لے کر چمپت ہوا تو راجہ نے کہا کہ چوں کہ ہم سے اور عادل شاہ سے مصالحت ہی لہذا ہم اُن کو لکھیں گے کہ سدّی کو ہمارے حوالے کردیں۔ چنانچہ راجہ نے ایک اشتفاق نامہ لکھا کہ ہمارے آپ کے سالہا سال سے صلح قائم ہی جس میں بافضالِ الٰہی آج تک کوئی نقص واقع نہیں ہوا۔ مجھے قوی امید ہی کہ ہمارا ایک باغی اِس قدیم

دوستی میں رخنہ اندازی کا باعث نہ ہوگا لہٰذا گزارش ہے کہ آپ براہِ مہربانی فوراً سدی مرکار کو ہمارے تفویض
فرما دیجیے۔ خریطے کے پہونچتے ہی بادشاہ نے قضات اور اُمراء وارکانِ سلطنت کو طلب کیا اور کہا کہ راجہ
بیجانگر کے اِس شقے کو پڑھو۔ سب نے دیکھ کر مختلف رائیں پیش کیں جتنے مُنہ اُتنی باتیں۔ بالآخر سب اِس
امر پر متفق ہوے کہ سدی کو جو مسلمان ہے کبھی (ایک کافر کے) سپرد نہ کرنا چاہیے۔ عادل شاہ نے ایک
حیلہ یہ نکالا کہ سدی کو دابل پر مقرر کر کے بھجوا دیا تاکہ یہ کہنے کا موقع ملے کہ وہ شخص ہمارے پاس ہی
ہی نہیں۔ راجہ کے لوگ جب یہ جواب لے کر گئے کہ سدی وہاں نہیں ہے تو راجہ بہت بگڑا اور اُس نے
کہا کہ اب صلح کا خاتمہ ہے اور ارکانِ سلطنت کو طلب کیا اور عادل شاہ کے جواب کو بہ آواز بلند سر دربار
پڑھوایا اور کہا کہ اب کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں ہے جنگ کی طیاری کرنی چاہیے۔ میں اِس کا بدلہ
لیے بغیر چپ رہنے والا نہیں۔ لیکن اُمراء نے عرض کیا کہ ایک تھوڑی سی رقم کے لیے بگاڑ کرنا کچھ
مناسب نہیں معلوم ہوتا اور حضور غور فرمائیں کہ دُنیا کیا کہے گی کہ ایک پُرانے اتحاد کو ذرا سی بات پر
ملیامیٹ کر دیا اور قدیم دوستی کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا حضور کو معلوم ہے کہ مسلمان عموماً بڑے دغا باز ہوتے
ہیں اور اِس میں تو سراسر سدی کا قصور ہے دوسرے ناحق لپیٹ میں آگئے ہیں آپ تو سدی سے
بدلا لینا چاہتے ہیں لیکن سدی تو خود اس لڑائی میں آنے سے رہا مفت میں دوسرے پٹ جائیں گے
جب لوگوں نے دیکھا کہ راجہ لڑائی پر تُلا ہوا ہے اور کہے سُنے کا کچھ اثر نہیں ہوتا تو اُن سب نے باہم صلح
مشورہ کر کے عرض کیا کہ "خیر حضور کا ارادہ جنگ ہی کرنے کا ہے تو دابل کی طرف تشریف نہ لے جائیے
بلکہ رایچور پر چڑھائی کیجیے جو پہلے ہمارے ہی قبضے میں تھا بعد میں عادل شاہ چھین کر قابض ہو گیا ہے۔
آپ کی چڑھائی سُن کر لامحالہ عادل شاہ مقابلے میں آئے گا تب آپ کو دونوں باتوں کا بدلا لینے کا اختیار
ہے" راجہ نے بھی یہ صلاح پسند کی اور راضی ہو گیا اور جنگ کی طیاریاں کرنے لگا۔ راجہ نے عادل شاہ بلار تھا؟

سلہ پردس مورخ نے صلح نامہ راجہ بیجانگر و عادل شاہ کے شرائط بیان کی ہیں جس میں ایک شرط طرفین کے ملازمین کی تحویل تھی سدی مرکار کا
واقعہ یہ لکھا ہے کہ کشن راے نے عادل شاہ کو جال میں پھنسانے کی غرض سے اپنے ایک قدیم ملازم سدی مرکار کو بُلا کر چالیس ہزار پرداؤ
دے کر گوآ کو فارس سے آتے ہوے گھوڑے خریدنے کے واسطے بھجوایا۔ کشن راے نے پرتگالی حاکم گوآ کے نام خط بھی لکھ دیا۔ سدی کی
کی نیت یا تو اتنے بہت سے روپے دیکھ کر ڈانواں ڈول ہوئی یا اُس خط سے بھڑک گیا جو کہا جاتا ہے کہ عادل شاہ نے اُسے لکھا تھا الغرض
جب وہ گوآ سے (۲۰) لیگ اِس طرف تھانہ داری پونڈا پر پہونچا تو عادل شاہ کی طرف چل دیا۔ عادل شاہ نے اُس کے آنے کی خبر
سُن کر اُسے بندر چال کا حاکم مقرر کر دیا کیوں کہ وہ مسلمان اور معزز شخص تھا لیکن چند دن کے بعد وہ وہاں سے بھی روپوش ہو گیا
دوسری روایت یہ ہے کہ عادل شاہ نے اُس سے روپیہ لے لوا کر اُسے مروا ڈالا ۱۲

بریدبیدر اور نظام شاہ اور قلی قطب شاہ کو خطوط لکھے جن میں عادل شاہ سے لڑائی ٹھن جانے کی وجوہ بشرح وبسط لکھیں۔ سب نے جواب دیا کہ آپ نے جو ارادہ کیا ہے ٹھیک ہے اور ہم سب بھی آپ کے ساتھ ہیں لیکن قلی قطب شاہ کی بہن عادل شاہ سے منسوب تھی وہ البتہ الگ رہا اور عادل شاہ کی طرف داری کی۔ راجہ نے بڑی چترائی کی کہ اپنے نواح کے بادشاہوں کو ہموار کرلیا۔ فوج کی تو درحقیقت اُسے ضرورت نہ تھی لیکن اگر یہ سب مسلمان بادشاہ عادل شاہ کے طرف دار ہو جاتے تو البتہ کام بابی محال تھی لیکن چوں کہ عادل شاہ ان سب بادشاہوں میں بڑا تھا سب اس سے خار کھاتے تھے کیوں کہ مسلمانوں میں یک دلی اور اتحاد کہاں یہ تو ایک دوسرے کو کاٹے کھاتے ہیں اور دوسرے کی تباہی اور بربادی پر بغلیں بجاتے ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آگے چل کر بیان کیا جائے گا کہ ماہ مئی ۱۵۲۲ء میں عادل شاہ کو لڑائی میں شکست ہوئی راجہ نے پہلے پوجا پاٹ کی اور اپنے دیوتوں پر نذر نیاز کی قربانی چڑھائی اور پھر بیجانگر سے فوج لے کر نکلا جس کی تفصیل یہ ہے:-

مقدمۃ الجیش بہ سرکردگی کامانایک تیس ہزار پیدل جن میں تیرانداز۔ بندوقچی اور نیزے اور برچھے والے تھے اور ہزار سوار اور سولہ ہاتھی تھے۔

ترسبی کارا کی سرکردگی میں پچاس ہزار پیدل دو ہزار سوار اور بیس ہاتھی۔

تمپاناایک کے تحت ساٹھ ہزار پیدل ساڑھے تین ہزار سوار اور تیس ہاتھی

آدپاناایک کے پاس ایک لاکھ پیدل پانچ ہزار سوار اور پچاس ہاتھی۔

کمار مار کے پاس ایک لاکھ بیس ہزار پیدل۔ چھ ہزار سوار۔ اور ساٹھ ہاتھی۔

گنڈا راجہ والی شہر بیجانگر برادر سالوتما وزیر کے تحت اُس کا سارا لشکر تھا اُس کے علاوہ اسی کے علاقے کے ایک سردار کے ساتھ تیس ہزار پیدل اور ایک ہزار سوار اور دس ہاتھی تھے۔

راجہ کے تنبول بردار کے ساتھ پندرہ ہزار پیدل اور دو سو سوار۔

کمارو یریا میسور[1] کے ساتھ۔ آٹھ ہزار پیدل۔ چار سو سوار۔ بیس ہاتھی۔

فوج علاقہ راجہ بنکاپور کی جو تعداد میں بہت تھی اور اسی طرح دوسرے اُمراء کی افواج دس سے لے کر بارہ ہزار تک مختلف تعداد میں جن کے نام مجھے معلوم نہیں ہیں سب اپنے اپنے علاقوں سے رستے میں جاکر شامل ہوگئے۔

---

[1] یہ والی مدھرہ تھا جو زوال سلطنت بیجانگر کے بعد خود مختار ہوگیا تھا ۱۲

راجہ نے خاصے کی فوج میں سے چھ ہزار سوار اور چالیس ہزار پیدل جو بہ لحاظِ آراستگی تمام لشکر کی جان تھی مع تین سو ہاتھیوں کے اپنے ساتھ لیے۔ یہ ساری فوج ہتیاروں سے مسلح تھی کسی کے پاس تلوار اور ڈھال تھی کسی کے پاس برچھے اور تیر کمان کسی کے پاس بندوق سب کے سب چیتوں کی مرزائیاں پہنے ہوے تھے پیٹھ پر ڈھالیں اور کمر میں جنبیے خنجر کٹار لگے ہوے تھے۔ ڈھالیں ایسی بڑی بڑی تھیں کہ سارے جسم کو ڈھانک لیا تھا اور یہی حفاظت کو کافی تھیں زرہ کی ضرورت نہ تھی۔ گھوڑے ساز و سامان سے آراستہ۔ بعض لوگ زرہ اور سر پر خود پہنے ہوے تھے اور ہاتھوں میں ہتیار تھے۔ جنگی ہاتھیوں پر ہودے کسے ہوے تھے جن پر چار چار آدمی دو دو طرف بیٹھ کر لڑتے تھے ہاتھیوں پر بڑی بڑی جھولیں پڑی ہوئی تھیں اور دانتوں پر خوب تیز اور دھار دار نیمچے لگے تھے جو لڑائی میں بہت کام آتے ہیں لشکر کے ساتھ بہت سی توپیں تھیں۔ لشکر کے ساتھ انواع و اقسام کے لوگ کثرت سے تھے دھوبیوں کا تو شمار نہ تھا جو ساری فوج کے کپڑے دھوتے تھے۔ طوائف کا بھی جمِ غفیر تھا بیس ہزار تو صرف راجہ ہی کے ساتھ تھیں۔ اتنے بڑے لشکر کے ساتھ باربرداری کا سامان کس قدر ہوگا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ جب لشکر کا کوچ ہوتا تھا تو رستے کے دورویہ صرف بارہ ہزار سقّے[1] مشکیں لیے کھڑے رہتے تھے اور یہی لوگ لشکر میں پانی ڈالتے تھے۔ رستے میں ایسا انتظام کیا جاتا تھا کہ کوئی شخص پیاس کی تکلیف نہ اُٹھائے۔ لشکر کی روانگی سے پہلے تین چار لیگ آگے آگے چالیس پچاس ہزار آدمی بطور جاسوسوں کے بھیجے جاتے تھے ان کے دونوں طرف دائیں بائیں دو ہزار سوار بھی ساتھ رہتے تھے ان کا کام تھا کہ آگے آگے رہیں اور جہاں جہاں سے لشکر کا گزر ہو وہاں کے مقامات کو دیکھتے بھالتے رہیں اور چوکنا رہیں۔ یہ سب مشّاق تیرانداز ہوتے تھے قصّہ مختصر اس ترتیب سے لشکر بجانگر سے روانہ ہوا تھا ان کے ساتھ ہر قسم کے تاجر بھی تھے اور بہت سے لوگ سامانِ خور و نوش لے کر پہلے ہی سے مقامات پر پہنچ گئے تھے خلاصہ یہ کہ جو چیز درکار ہوتی تھی سب ہی تو ملتی تھی۔ ہر ہر امیر اور جاگیردار کی فوج کے ساتھ اُس کا بازار جداگانہ رہتا تھا اُس کے بنیے بقّال سربراہ کار علٰحدہ تھے۔ راجہ کے خواب گاہ کے خیمے کے اطراف میں ایک باڑھ کانٹوں کی لگادی جاتی تھی جو پہلے ہی سے ہر ہر منزل پر طیار رہتی تھی یہ بات ہم نے عجیب دیکھی کہ رستے میں جو ندی نالے ملتے تھے جب لشکر کا گزرنا شروع ہوا تو اُن میں گھٹنوں گھٹنوں پانی رہتا تھا اور تھوڑی دیر بعد دیکھو تو قطرہ ندارد لوگ چلّے[2] کھود کھود کر پانی نکالتے تھے۔ اسی طرح روز کوچ مقام کرتا ہوا راجہ

---

[1] یعنی اِس قدر کثرت سے لوگ ہوتے تھے کہ چلّو چلّو پانی بھی پیا تو نالے خالی ہو جاتے تھے ۱۲

[2] چلہ اُس گڑھے کو کہتے ہیں جو ندی کے شکم میں ریتی میں عارضی طور پر پانی نکالنے کو کھود لیتے ہیں ۱۲

ملیا بندٹ[1] کو پونہچا جو رایچور کے قریب ایک قصبہ ہے یہاں راجہ تھکی ہوئی فوج کو سستا لینے کے لیے ٹھیر گیا اس مقام پر راجہ رایچور کے محاصرے کی طیاری کر رہا تھا کہ بنکاپور۔ ڈومارو غیرہ کے اُمرا کی بقیہ فوج بھی آن پونہچی۔ جب سارا لشکر اکٹھا ہو گیا اور برہمنوں نے پوجا پاٹ کر کے مہورت دیکھ لی تب راجہ سے کہا کہ یہی گھڑی ساعت لڑائی کے لیے مبارک وساز گار ہے۔ راجہ نے سب سے پہلے تو اپنی فوج سے مسلمانوں کا لشکر بہ سرکردگی کا مانایک روانہ کیا جو قلعہ رایچور کی خندق کے پاس جا اُترے اور باقی ماندہ لشکر کے لیے جو جو جگہ مقرر کی گئی تھی سب اپنی اپنی جگہ جا کر جم گئے قلعے کے لوگوں نے گولہ باری شروع کی گولیاں اور تیر برسانے لگے اور بان چھوڑنے لگے جس کی وجہ سے جو لوگ قلعے سے بہت قریب تھے اُن کا ٹھہراؤ ہو گیا اور قریب تھا کہ پس پا ہوں کہ راجہ نے للکارا کہ کیا کم ہمتی اور بُزدلی کرتے ہو میں نے تم کو شہر میں گھس پڑنے کے لیے بھیجا ہے یا بھاگنے کے لیے اگر تم شہر میں نہ گھس سکے تو یاد رکھو کہ سب نہیں مرو گے ایک کو جانا نہ ملے گا ناچار پھر زور شور اور بہادری سے لوگوں نے حملہ کیا اور خوب لڑائی ہوئی اِدھر کے بڑے بڑے بہادر کام آئے کیوں کہ قلعے کے لوگ مقامی حالت سے خوب واقف تھے اور اِن کو تاک تاک کر نشانہ بنا رہے تھے لیکن پھر بھی راجہ کی فوج پیا پے شہر پر حملے کیے چلی جا رہی تھی۔ راجہ کی فوج کے سرداروں نے جب دیکھا کہ کچھ نتیجہ نہیں ہوتا اور اِدھر کے لوگ ہر روز مارے جا رہے ہیں تو وہ ایک عمدہ چال چلے اور اُنھوں نے سپاہیوں سے قلعے کی دیوار اور برجوں کے پتھر بہ قیمت خریدنے شروع کیے اور ایک ایک پتھر کے لیے دس سے پچاس فانم[2] تک معاوضہ دینے لگے۔ اس لالچ میں سپاہیوں نے قلعے کی فصیل اور برجوں کو جا بجا سے ڈھانا شروع کر دیا اور فصیل میں جا بجا رخنے پڑ جانے سے شہر میں گھسنے کے رستے پڑ گئے مگر شہر ایسی مضبوطی سے محصور تھا کہ کچھ اثر نہ ہوا اور قلعے کے لوگ ایسے چُنندہ جنگ آزمودہ اور جری تھے کہ ہراساں نہ ہوے بلکہ اور زور و شور سے مار دھاڑ کرنے لگے اور راجہ کی فوج کے بہت سے لوگوں کو تہ تیغ کیا۔ لیکن اِدھر کے لوگ بھی بلا کی طرح چمٹ گئے تھے مرتے جاتے تھے اور لڑتے جاتے تھے اور ہر روز طیار ہو کر زیادہ دلیری سے

---

[1] اب ملیا باد کہلاتا ہے رایچور سے (۲) میل ہے۔ رایچور میں قلعہ بنانے کے پیشتر یہی راجاؤں کے رہنے کی جگہ تھی یہاں بھی ایک قلعہ ہے جو بنتے بنتے رہ گیا۔ اُس زمانے میں یہ اچھا خاصہ شہر ہو گا اب تو ایک معمولی سا گاؤں ہے ۱۲

[2] ایک سی سکہ ہے ۱۲

دعا کرتے تھے کیوں کہ طمع زر نے جو انھیں قلعے کے پتھر پر ملتا تھا موت کا خوف اِن کے دلوں سے مٹا دیا تھا۔ مزید براں ہر مُردے کی نعش گھسیٹ لانے پر بھی کچھ انعام مقرر کر دیا تھا غرض اسی طرح برابر تین مہینے تک لڑائی جاری رہی جب کہیں عادل شاہ اپنی فوج لے کر آیا۔ اب ذرا شہر رائچور اور وہاں کے لوگوں کا حال سُن لیجیے۔ یہ شہر دو بڑے دریاؤں کے درمیان ایک بڑے مسطح میدان پر واقع ہی جہاں چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں کے سوا بڑے بڑے درخت نہیں ہیں۔ البتہ بڑے بڑے پتھروں کے گنڈ ہیں۔ دونوں دریاؤں سے شہر کا فاصلہ تین لیگ کا ہی اِن میں سے ایک دریا شمالی سرحد ہی اُس کے پار عادل شاہ کا علاقہ ہی اور دوسرا دریا جنوبی حد ریاست بیجانگر کی ہی۔ اِن دونوں دریاؤں کے مابین ایک میدان ہی جس میں بہت سے تالاب اور نالے اور کوئیں ہیں اور ایک پہاڑ قدرتی طور پر بشکل عورت کی پستان کے کھڑا ہوا ہی شہر کی نہری سنگین مضبوط فصیلیں ہیں جن میں چونے کا نام نہیں بلکہ سلیں اوپر تلے جمی ہوئی ہیں جن کے بیچ میں کچھ مٹی دی ہوئی ہی۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک بلند گنبد کی طرح کا قلعہ بنا ہوا ہی جو بہت بلند اور بہت مستحکم ہی اور پہاڑ کے اوپر ایک پانی کا چشمہ بھی ہی جو بارہ مہینے لبریز رہتا ہی اور اِسی وجہ سے اُسے متبرک بھی سمجھتے ہیں کہ اتنے اونچے پر پانی کا چشمہ ہی اور وہ بھی ایسا کہ کسی موسم میں خشک نہیں ہوتا۔ اِس چشمے کے پاس ہی اور کئی ٹانکیاں پانی کی اور باولیاں ہیں جن کی وجہ سے پانی کے کال کا تو کہیں وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا اِس کے علاوہ کھانے کی رسد بھی اس اِفراط سے جمع ہی کہ پانچ سال کے لیئے بخوبی کافی ہو سکتی ہی۔ قلعے کی محافظت کے لیئے آٹھ ہزار پیدل چار سو سوار اور چالیس ہاتھی اور تیس (منجنیق) پتھر پھینکنے کے آتے تھے جو بڑے بڑے پتھر لڑھکا کر غضب ڈھاتے تھے موجود تھے۔ بُرج ایسے پاس پاس بنے ہوئے ہیں کہ ایک بُرج پر سے دوسرے بُرج کی ذرا سی بات بھی صاف سُنائی دیتی ہی۔ اِن تمام بُرجوں پر دو سو بھاری بھاری توپیں چڑھی ہوئی تھیں چھوٹے چھوٹے ریکلوں کی تو گنتی نہ تھی جب قلعے والوں کو بادشاہ کے آن پہنچنے کی خبر لی اور ایک سردار کچھ فوج کی مدد لے کر شہر میں بھی آگیا تو اِن سب نے قلعے کے دروازوں کو تیغہ کرا دیا۔ قلعے کا شمالی اور جنوبی حصّہ تو پہاڑوں کی وجہ سے ایسا مضبوط تھا کہ اُدھر رُخ کرنا ہی فضول تھا گو شہر کو چاروں طرف سے دشمنوں نے گھیر رکھا تھا مگر اصلی معرکہ شرقی کی طرف تھا اور اِسی رُخ پر راجہ کا کیمپ بھی تھا۔

سلہ یہ دونوں دریا کرشنا اور تنگ بھدرا ہیں اور اسی وجہ سے اِس ملک کو دوآبہ کہتے ہیں ۱۲

آٹھواں باب

راجہ بیجانگر کے کیمپ کا حال

راجہ کے ڈیرے کے اطراف میں ایک گھنی باڑھ کانٹے کی لگی ہوئی تھی جس میں جانے کا ایک ہی رستہ تھا جس پر بھاری پہرہ چوکی تھا۔ اس احاطے کے اندر راجہ کا ہمراہی برہمن جو اشنان کراتا ہے اور پوجا پاٹ کرتا ہے وہ اور دوسرے حشم خدم اور چند خواجہ سرا رہتے تھے۔ احاطے کے باہر گرداگرد متعدد پہرے لگے ہوئے تھے جن کے ناکے رات کو حفاظت کے لیئے مقرر تھے ان ہی کے پاس خاصہ کے ملازمین بھی اُترے ہوئے تھے اور ان سے آگے بڑھ کر ہر ہر امیر رئیس اور افسر اپنے اپنے مراتب و مدارج کے لحاظ سے فروکش تھا۔ کیمپ کے اطراف میں اُنھیں جاسوسوں کا کیمپ تھا جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے وہ تمام رات گشت لگاتے پھرتے تھے کہ غنیم کا جاسوس تو نہیں گھس آیا ایک طرف سارے دھوبی اُترے ہوئے تھے۔ سارا کیمپ باقاعدہ حصّوں پر تقسیم تھا جابجا سڑکیں بنی ہوئی تھیں۔ ہر امیر کے کیمپ کے ساتھ جُداگانہ بازار تھا جہاں ہر قسم کے جانور بھیڑ۔ بکریاں۔ سور۔ مرغیاں خرگوش۔ تیتر۔ بٹیر اور دوسرے پرند جانور اس کثرت سے بکتے تھے کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہم شہر بیجانگر ہی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ قسم قسم کے چاول انواع و اقسام کا غلہ دالیں جو چاہو موجود تھا اس غلے ترکاری اور روزانہ کھانے پینے کے اشیاء کے سوا ایک اَور بازار تھا وہاں ہمہ قسم کی اشیاء بہ افراط ملتی تھیں ان بازاروں میں وہ چیزیں بھی موجود تھیں جو شہروں میں پھیری والے بیچا کرتے ہیں۔ بازاروں میں کام پیشہ کاریگر اپنا اپنا کام کرتے تھے۔ سُنار اپنی دُکان لگائے زیورات گھڑ رہا تھا۔ جوہری ہر قسم کے جواہرات فروخت کر رہا تھا۔ پارچہ فروش تو بہت ہی کثرت سے تھے کیوں کہ لوگوں کو اسی کی زیادہ ضرورت رہتی تھی۔ گھانس اور پیال کے گٹھوں کا کچھ شمار نہ تھا میں نہیں سمجھ سکتا کہ کون یہاں کے سین وعن حالات بیان کر سکتا ہے اور جس نے نہیں دیکھا ہے وہ راجپوت جیسے بنجر اور ریتیلے مُلک میں ایسی کچھ افراط چیزوں کی ہونا کیوں کر یقین کر سکتا ہے۔ مجھے خود حیرت ہے کہ اتنی چیزیں کہاں سے اُمنڈ آتی تھیں۔ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ اتنے بڑے لشکر کے لیئے صرف گھاس اور پیال ہی کی کس قدر ضرورت تھی

جس میں (۲۲۰۰۰) گھوڑے اور (۵۵۱) ہاتھی تھے پھر پرتل کے ٹٹو اور خچر الگ بار برداری کے بیلوں کی تو کچھ گنتی ہی نہیں تھی جو لادنے کے علاوہ بنڈیوں میں لگتے تھے اور ڈیرے اور سیکڑوں قسم کے سامان لاتے تھے جس نے اپنی آنکھ سے یہ حالات نہ دیکھے ہوں اُس کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا کہ یہ کیمپ جنگ کا تھا بلکہ ہم کو تو ایک بسا بسایا شہر معلوم دیتا تھا۔ تاشے۔ ڈنکے۔ دھپڑے۔ ڈھول۔ نفیری قرنے۔ ترئی۔ سینگ۔ دُنیا بھر کے تو باجے یہاں تھے۔ جب لڑائی کا طبل بجتا تھا اور اُس کے ساتھ اور سب باجے بجائے جاتے تھے تو کان گنگ ہو جاتے تھے الاماں الاماں شور وغل سے یہ معلوم دیتا تھا کہ آسمان اب پھٹ پڑے گا اور اگر ایسے وقت میں کوئی آفت کا مارا پرند آن نکلا تو وہ حواس باختہ ہو کر ایسا گھبرا جاتا تھا کہ لوگ ہاتھوں سے پکڑ لیتے تھے یا وہ خود گر پڑتا تھا چنانچہ بہت سی چیلیں منڈلاتے منڈلاتے گر پڑیں اور لوگوں نے پکڑ لیں۔

نواں باب

جنگِ رائچور

جب کہ راجہ رائچور کے محاصرے میں مصروف تھا وہیں اُسے عادل شاہ کے آنے کی خبر ملی کہ بادشاہ آگیا اور اُس نے دریائے کرشنا کے شمالی کنارے پر ڈیرے ڈال دیئے ہیں۔ راجہ نے اُسی وقت اپنے جاسوسوں کو حکم دیا کہ دشمن کی نقل وحرکت اور طیاری کی پل پل کی خبر ہمیں پہنچاتے رہیں۔ بادشاہ کے کرشنا پار پہنچ جانے کی خبر سے عموماً سب لوگ چونک پڑے خصوصاً سپاہیوں میں تو کھلبلی مچ گئی کیوں کہ اُن کے دلوں میں مسلمانوں کی سطوت وجبروت کا دہاکا مدتوں سے بیٹھا ہوا تھا۔ عادل شاہ چند دن دریا پر ٹھیر کر دیکھتا رہا کہ راجہ کے ہاں کیا سامان ہو رہا ہے اور خدا معلوم وہ دریا پار آکر لڑتا ہی جیسا کہ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ بھرا بیٹھا ہے ہمارے آنے کی خبر سنتے ہی ٹوٹ پڑے گا اور اگر ایسا ہو تو دریا کی روک ہمارے لڑنے کے لیئے اچھی آڑ ہے کیوں کہ صرف ایک ہی گھاٹ اُترنے کے قابل تھا جو شاہی کیمپ کے سامنے ہی تھا اور اِس پر روک تھام کا پورا بندوبست کر لیا گیا تھا اور پھر مسلمان اِن کرناٹکیوں کی کچھ حقیقت نہ سمجھتے تھے۔ گو راجہ کو معلوم تھا کہ بادشاہ دریا پار پڑا ہوا ہے لیکن اُس نے ذرا بھی ہل چل نہ کی نہ اپنی جگہ سے ایک قدم کھسکا۔ عادل شاہ نے جب دیکھا کہ غنیم تو مطمئن بیٹھا ہے تب بادشاہ نے

مشورہ کیا یہاں جس کو دیکھو اپنی اپنی گاتا تھا اور ہر شخص اپنی سمجھ کے موافق ایک نئی توجیہ راجہ کے پیش قدمی
نہ کرنے کی بیان کرتا تھا۔ بعضوں نے کہا کہ راجہ کو بڑا غرور ہی وہ ہمیں خاطر تلے کب لاتا ہی اور اُسے اپنی طاقت
کا ایسا گھمنڈ ہی کہ جنبش تک نہ کی اور ضرور وہ اس بات کا منتظر ہی کہ ہماری طرف سے پہل ہو کہ دریا پار اُتر کر
ہم ہی دھاوا کریں۔ اُمرا ہمراہی میں سب سے بڑا سربرآوردہ انکس خاں تھا جو پونڈے کا گورنر تھا (یہ وہ زمانہ
ہی جب گوے پر ڈی مان رائے کپتان تھا)[1] اُس نے بھی یہی بات کہی دوسروں نے کہا کہ نہیں یہ بات
نہیں ہی بلکہ راجہ مسلمانوں کی طاقت اور پچھلی فتوحات کے خیال سے خوف زدہ ہو کر دبک رہا ہی اور اسی خیال
سے وہ اپنے ساتھ چند مشہور ایسے بہادروں کو بھی لایا ہی جو اُن پچھلی لڑائیوں میں شریک رہ چکے ہیں آخر کار
سب نے مل کر یہ بات ٹھیرائی کہ ہم کو ہی بڑھ کر دریا پار اُتر جانا چاہیئے کیوں کہ یہاں بے کار پڑے رہنے سے
کچھ فائدہ نہیں اور پھر ہمارے ہیٹے پنے کا خیال ہو گا سو جدا۔ اگرچہ ہماری فوج تعداد میں اُن سے کم
ہی لیکن نام رستم بہ از رستم پچھلی لڑائیوں میں ہندو ہمارے دم خم خوب دیکھ چکے ہیں۔ آخر کار عادل شاہ
نے ساری فوج کے داخلے کا حکم دیا جس سے معلوم ہوا کہ ایک لاکھ بیس ہزار پیدل تیرانداز برچھے
بردار بندوقچی اور اٹھارہ ہزار سوار اور ڈیڑھ سو ہاتھی اور بہت بڑا توپ خانہ تھا۔ جب بادشاہ فوج کا
ملاحظہ کر چکا تب اُس نے لڑائی شروع کرنے کا ارادہ کیا اور فوراً دریا پار اُتر چلنے کا حکم دیا کیوں کہ عادل شاہ
یہ چاہتا تھا کہ جتنے رایچور سے قریب ہو جائیں اُتنا ہی اچھا ہی۔ غرض دریا پار ہو کر بڑھتے بڑھتے جب
راجہ کا کیمپ تین لیگ رہ گیا تو وہیں اپنے ڈیرے ڈال دیئے اور اطراف میں بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں
اور لشکر کے اطراف میں سب سے آگے توپ خانہ لگا دیا اور جا بجا فوج کو اس خیال سے ٹھکانے سے جما دیا کہ
شاید راجہ کی طرف سے حملے کی تقدیم نہ ہو پڑے۔ بادشاہ کا کیمپ دریا کے کنارے کنارے لمبان
میں پڑا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ ہم پر پانی بند کر دیا جاسے۔ جب راجہ کو عادل شاہ کے دریا عبور کر کے اِس
پار آجانے کی خبر ملی تو اُس نے بھی طیاری شروع کر دی لیکن لڑائی کا حکم نہیں دیا کہ پہلے خبر تو ملے
کہ غنیم کس ارادے سے دریا پار اُترا ہی اور وہاں ہو کیا رہا ہی راجہ کو جب یہ خبر ملی کہ بادشاہ نے اپنے

---

[1] Don Guterre de Monroy پرتگال سے ہندوستان میں ۱۵۱۵ء میں ایک بڑا جہاز و کلی لے کر آیا تھا
۱۵۱۵ء میں جب کہ گورنر لوپو سوریس بحر احمر میں گیا تھا تو یہی فرودر ہی لے کر ستمبر تک اِن چارج تھا۔ اسی زمانے میں اسی نے افواج بیجاپور پر جو پونڈے کے
میر انکس خاں کے تحت تھیں حملہ کیا تھا جس میں کچھ کامیابی بھی ہوئی تھی۔ او سیر لو نے لکھا ہی کہ ڈی مان رائے بڑا سنگ دل اور اوباش تھا۔ اس کی شادی[2]
[2] گورنر گوا کی بھانجی سے ہوئی تھی ۔

خیمے ڈال دیئے ہیں اور اطراف میں خندق کھدا کر خوب مضبوطی کر لی ہے تب اُس نے حکم دیا کہ ہاں اب بڑھو راجہ نے اپنی فوج کے سات حصے کیئے۔ کما رو بریا۔ والیِ میسور جو راجہ کا خسر تھا اور ایک بڑا رئیس تھا اور سرنگا پٹن کا راجہ تھا) نے راجہ سے درخواست کر کے فوج کی کمان لی اس کے ساتھ اس کے تیس جان جوان بیٹے بھی تھے۔ راجہ نے کہا کہ تم اپنا خیمہ عادل شاہ کے کیمپ سے ایک لیگ اس طرف لگاؤ اور سب کو حکم دیا کہ پو پھٹنے کے اول جنگ کے لیے مسلح ہو جاؤ۔ سب نے عرض کیا کہ آج جمعے[1] کا دن ہے جو منحوس ہے بہتر یہ ہے کہ کل ہفتے کو بساعت نیک و روزِ مسعود لڑائی شروع کی جاے جب راجہ رائچور سے آگے بڑھ گیا تو قلعے والوں نے ایک دروازہ کھول دیا۔ ایک خواجہ سرا فوجی سردار تھا وہ دوسو سوار کچھ پیدل اور ہاتھی لے کر قلعے میں سے دڑانا نکلا اور دریا کے کنارے جا کر کھڑا ہو گیا اس وقت اس کی غرض و غایت کسی کی سمجھ میں نہ آئی لیکن آگے چل کر معلوم ہو جاے گا۔ راجہ نے بھی اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے کہ مسلمانوں کے لشکر میں کیا ہو رہا ہے۔ اگرچہ دونوں طرف کی فوجیں بالمقابل آگئی تھیں اور کسی نے ہتیار نہیں کھولے تھے مگر لڑائی شروع نہیں ہوئی ساری رات انتظار ہی انتظار میں گزری۔ صبح کے پو پھٹنے کے وقت راجہ کے لشکر میں طبلِ جنگ ڈنکے قرنا وغیرہ بجنے لگے اور فوج کے لوگ اس زور سے کلکاریاں مارنے اور شور و غل کرنے لگے کہ آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز اور ہنہناہٹ ہاتھیوں کی چنگھاڑ کچھ اس بلا کی ادہم تھی کہ اُس کا سماں بیاں نہیں کیا جا سکتا اور اگر ایک شمّہ بھی اُس کا بیان کیا جاے تو لوگ مبالغے پر محمول کریں۔ کچھ ایسا ہول ناک شور و غوغا تھا کہ ہیبت سے لوگوں کے دل دہلے جاتے تھے۔ اُدھر مسلمانوں کے لشکر میں بھی کچھ کم شور نہ تھا غرض کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی تھی لوگ اشاروں سے باتیں کر تے تھے۔ دو گھنٹے دن چڑھے تک ساری فوج میدانِ کارزار میں پہنچ گئی۔ راجہ نے اپنے لشکر کے دو کالموں کو آگے بڑھایا اور کہا کہ ہاں بہادروں یہی وقت ہے دیکھو ایسے جا کر گرنا کہ غنیم کا ایک شخص بھی نہ بچنے پاے۔ یہ پہلا دھاوا اِس غضب کا ہوا کہ شاہی فوج پیچھے ہٹتے ہٹتے اُن خندقوں میں جو مسلمانوں کے کیمپ کے اطراف بنائی گئی تھی جا گری۔ مسلمان یہ سمجھے ہوے تھے کہ راجہ کی ساری کی ساری فوج ایک دم میدان میں آجاے گی اِسی خیال سے عادل شاہ نے توپ خانے کو بھی طیار

---

[1] ہنود کے ہاں جمعے کا دن نامبارک خیال کیا جاتا ہے۔

رکھا تھا کہ جب ہندوؤں کا قلب لشکر سامنے زد میں آئے گا تو خوب ستھراؤ کروں گا لیکن جب انھوں نے اِن کی چال دیکھی کہ ٹکڑی ٹکڑی کرکے لڑتے ہیں تو جو کچھ نقشہ جما چکے تھے سب بدلنا پڑا اور عادل شاہ نے پہلے گولہ باری ہی شروع کردی جس سے ہندوؤں کی فوج کا بہت نقصان ہوا بہت سے پیدل اور سواروں کو آناً فاناً پھونک دیا جو بچے وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ مسلمانوں نے جب دیکھا کہ اِن کے پاؤں اُکھڑ گئے تو اُنھوں نے ایسا پیچھا لیا کہ ایک متنفس بھی گھوڑے کے زین پر باقی نہ چھوڑا نہ کوئی مُقابلے پر تھا بلکہ جس کو دیکھو بھاگتا ہی نظر آیا اور اُن کے پیچھے مسلمان پلٹے ہوئے قتلِ عام کرتے ہوئے برابر نصف لیگ تک دباتے چلے جارہے تھے۔ راجہ نے جب یہ حال دیکھا تو للکارا کہ "نمک حرامو! یہ کیا بزدلی ہے موت کے مُنہ سے کیوں بھاگتے ہو؟ مردانہ وار مقابلے پر ڈٹے رہو مردانگی سے جان دو یہ کیا بات ہے کہ ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ کر چُپ چاپ کھڑے ہوگئے کہ مسلمان بلا غل وغش مارتے چلے جارہے ہیں اور تم میں سے ایک ہاتھ نہیں اُٹھاتا۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ کون تم میں سے میرا ساتھ دیتا ہے اور کون نمک حرام بھاگ نکلتا ہے"۔ اتنا کہنا تھا کہ بہت سے اُمرا اور فوج کے افسر راجہ کے گرد جمع ہوگئے۔ راجہ نے کہا کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ عادل شاہ اِس بات کا گھمنڈ کرے گا کہ اُس نے سب سے بڑے راجہ کو مار لیا مگر یہ بات کہنے کا تو اُسے کبھی موقع نہ ملنا چاہیئے کہ اُس نے ہندوؤں کے لشکر کو شکست دی۔ تب راجہ نے جان پر سے اُٹھ کر اپنے ہاتھ کی انگوٹھی اُتار کر اپنے خاصہ بردار کو بطور نشانی کے دی (یعنی یہ کہ اب میں مارا جاتا ہوں) کہ وہ لے جاکر رانیوں کو دکھلا دے تاکہ وہ سب راجہ کے مارے جانے پر ستی ہوجائیں۔ تب راجہ خود گھوڑے پر سوار ہوا اور ساری فوج کو ساتھ لیا اور حکم دیا کہ جو اِس وقت پیٹھ دکھائے اُسے فوراً مار ڈالو۔ جب بھگوڑوں نے دیکھا کہ ہم تو یوں بھی مارے پڑے تو سب کے سب ناچار دشمن پر گرے اور کچھ ایسے جان سے ہاتھ دھو کر سب اکھٹے اور یک دل ہوکر حملہ آور ہوئے کہ مسلمان تاب نہ لاسکے اور مسلمان ایسے درہم برہم ہوئے کہ اُن کو اِس کی بھی سُدھ نہ رہی کہ اپنے کیمپ کو تو سنبھال لیتے جسے اُنھوں نے نہایت مستحکم بنایا تھا لیکن اُنھوں نے ایسی ہمّت ہاردی کہ جان بچاکر دریا میں کودنے لگے۔ پھر کیا تھا راجہ کی ساری فوج اور ہاتھی چڑھ آئے اور جدھر دیکھو مردے ہی

مردے گرنے لگے۔ ہاتھیوں نے سونڈوں سے پکڑ پکڑ کر لوگوں کو چیر پھاڑ ڈالا اور ہودوں میں جو سوار
تھے انھوں نے ایک قتلِ عام شروع کر دیا۔ راجہ کی فوج مسلمانوں کی فوج کے پیچھے پیچھے مارتی کاٹتی
دریا کے کنارے تک جا پہونچی کہ اتنے میں راجہ خود بھی آگیا دیکھا تو ایک قتلِ عام نظر آیا۔ میدان
کشتوں سے پٹا پڑا تھا۔ لشکر سے بھاگے ہوے مرد عورت بچّے جان بچا کر بھاگے تو سہی مگر دریا
کے کنارے پہونچ کر ناچار ہو گئے پار نہ ہو سکے ڈر کے مارے ایک دوسرے کو لپٹ گئے لیکن
ان سب کو بھی دشمنوں نے تہِ تیغ کیا۔ راجہ کی فوج دریا کے کنارے کھڑی ہوئی تھی مسلمانوں کے
لشکر سے جو بھاگتا ہوا آیا انھوں نے وہیں اُس کا کام تمام کیا۔ گھوڑے دریا کے کراڑے پر چڑھنا
چاہتے تھے مگر بلندی اور ناہمواری سے چڑھ نہ سکتے تھے اُلٹے آدمیوں پر گر گر پڑتے تھے غرض
نہ آدمی بچے نہ گھوڑے جو لوگ گرتے پڑتے دریا کے پیٹے میں پہونچ گئے تھے اُن کو بھی پکڑ پکڑ کر
ہاتھیوں نے چیر ڈالا۔ راجہ یہ حالت دیکھ کر کانپ گیا اور اپنی فوج کو حکم دیا کہ بس اب فوراً ہاتھ روکو
اور واپس جاؤ کہ بہت سے ناکردہ گناہوں کا خونِ ناحق ہو چکا۔ اِن بیچاروں نے ہمارا کچھ بگاڑا
نہ تھا۔ راجہ کا حکم ہوتے ہی قتلِ عام موقوف ہوا اور ساری فوج اپنے اپنے ٹھکانے پر چلی گئی۔
اس کے بعد راجہ عادل شاہ کے کیمپ میں جا گھسا اور جا کر بادشاہ کے ڈیرے میں جا براجا۔ لوگو
عرض کیا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں کیا یہ ستانے کا وقت ہے ہم کو چاہیئے کہ دشمنوں کا پوری طرح
قلع قمع کر دیں یہ ڈھیل کا وقت نہیں ہے آپ بذاتِ خود تشریف نہ لے چلیں تو خیر ہم ہی کو حکم
دیجئے ہم سمجھ لیں گے۔ جب تک دن باقی ہے مسلمانوں کا پیچھا نہ چھوڑنا چاہیئے۔ راجہ نے کہا کہ اب تک
ہی بے انتہا آدمی مارے جا چکے ہیں اور جس میں بہت سے بے گناہوں کا بھی خون ہوا ہے یہ مانا کہ عادل شاہ
نے ہم سے پرخاش کی تھی اُسے کافی سزا بھی مل چکی اب زیادہ خون بہانے سے فائدہ مجھے تو یہ کچھ مناسب
نہیں معلوم ہوتا کہ اب ہم بھگوڑوں کا پیچھا کریں کیوں کہ ہم کو ابھی رایچور کا قلعہ فتح کرنا ہے بہتر یہ ہے کہ اُدھر
کا رُخ کریں اور اچھّی طرح محاصرہ کر کے قلعے کو فتح کریں۔ راجہ نے دیکھ لیا تھا کہ عادل شاہ کی ساری فوج کٹ
گئی اور اُس کی بڑی ہتک ہوئی ضرور وہ اپنی جان سے بے زار ہوگا اور کیا عجب ہے کہ اِس صدمے میں
جان دے دے۔ لیکن درحقیقت ایسا نہ تھا عادل شاہ تو خود لڑنے کو نکلا بھی نہیں بلکہ اسد خاں حاکم بلگاؤں
اُس کو لیے بیٹھا رہا کیوں کہ اسد خاں بڑا سیانا تھا اُس نے یہ حکمت کی کہ نہ خود گیا نہ بادشاہ کو جانے دیا بلکہ بادشاہ

سے کہہ کر مع چار سو اپنے ہمراہی سواروں کے بادشاہ کی حفاظت کے بہانے رہ گیا اور میدانِ جنگ میں نہ گیا اور جب اُس نے
فوج کی بھاگڑ اور اپنی شکست دیکھی تو اُس نے بادشاہ سے کہا کہ جہاں پناہ اگر جان کی سلامتی چاہتے ہیں تو بس میرے ساتھ
ہو لیجیے اب یہاں ٹھیرنے کا موقع نہیں ہے بادشاہ اسد خاں کے ساتھ ایک ہاتھی پر سوار ہو لیا اور کیمپ چھوڑ چھاڑ چل
دیا گھاٹ پر سے تو اُتر نہ سکتا تھا کہ دشمنوں نے گھیر رکھا تھا پہاڑوں پہاڑوں سمتِ جنوب کو نکل گیا۔ ہاں ہم نے اُس
فوجی افسر کا ذکر تو کیا ہی نہیں کہ جو دو سو سوار اور ہاتھی گھوڑے اور پیدل لے کر قلعے سے باہر نکل آیا تھا کہ آخر
اُس کا کیا حشر ہوا۔ وہ صرف لڑائی کی خبر لینے آیا تھا جب اُسے معلوم ہو گیا کہ بادشاہ کی شکست ہو گئی تو پھر وہ قلعے کی
طرف پلٹا لیکن قلعے میں خود پھوٹ پڑ گئی تھی قلعے میں جو ایک اور افسر تھا وہ اس کا مخالف تھا اُس نے اسے قلعے میں
گھسنے نہ دیا اس خیال سے کہ بادشاہ کی تو شکست ہو گئی ہے اب قلعے میں میں ہی ہوں قلعے کو داب کر خود قابض ہو
جاؤں گا آخر کار جب اُس نے دیکھا کہ میں نہ اِدھر کا رہا نہ اُدھر کا تو وہ بھاگا اور نیچے وار ایک دوسرے گھاٹ سے دریا
پار اُتر کر چلا گیا اور اس طرح اُس کی جان بچی۔

دسواں باب

مال غنیمت کا حال جو مسلمانوں سے ملا کرشن رائے کا مُردوں کو جلوانا اور فکر گڈو کے کارنامے

راجہ جب اپنے کیمپ میں واپس آیا تو اُس نے لوٹ کا مال و اسباب جمع کرنے کا حکم دیا مسلمانوں کے نامور اور بڑے بڑے
سردار تو سب مر گئے تھے مگر پانچ سردار گھر گئے تھے اُن کو قید کر لیا ان پانچوں میں سب سے بڑا صلابت خاں تھا جو عادل خاں
کی فوج کا جنرل کپتان تھا اس کے پاس پانسو پرتگالیوں کا باڈی گارڈ تھا جب صلابت خاں نے دیکھا کہ بادشاہ کو شکست
ہوئی تو اُس نے کچھ لوگوں کو جمع کر کے پھر لڑنا چاہا مگر کسی نے اُس کا ساتھ نہ دیا ہر ایک کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے دیدہ و
دانستہ موت کے منہ میں کون جاتا۔ صلابت خاں نے سوچا کہ زندہ گرفتار ہونے سے مرنا بہتر ہے فوراً راجہ کی فوج میں گھس پڑا صرف
پرتگالیوں نے اُس کا ساتھ دیا اور قتل عام شروع کر دیا صلابت خاں اور پرتگالیوں نے ایسی حیرت خیز بہادری اور جواں مردی کے جوہر
دکھلائے کہ جو مدۃ العمر یادگار رہیں گے ان کا حملہ کچھ اس بلا کا تھا کہ راجہ کی فوج برابر پھٹتی چلی جاتی تھی اور ان کے لیے رستہ کھلتا
چلا جاتا تھا یہ لوگ بڑھتے بڑھتے راجہ کے باڈی گارڈ کے قریب تک جا پہنچے عین ایسے نازک وقت میں صلابت خاں کا
گھوڑا مارا گیا پرتگالیوں نے بڑی جرأت و مردی دکھائی اور جی توڑ کر لڑے اور اتنے آدمیوں کو مارا کہ صلابت خاں کے پیچھے میدان
صاف ہو گیا یہاں تک جاں نثاری کی کہ صلابت خاں کے لیے ایک دوسرا گھوڑا ابھی ہمیں لا حاضر کیا۔ گھوڑے کے ملنے کی دیر تھی کہ
پھر صلابت خاں کیا تھا گویا بکریوں کے ریوڑ میں بھیڑیا گھس گیا لیکن لڑتے لڑتے یہ لوگ تھک گئے تھے اور زخموں سے ادھ موئے ہو گئے

تھے اور پھر چاروں طرف سے دشمنوں نے گھیر رکھا تھا اور برابر ان پر ہر طرف سے وار چل رہے تھے آخرکار صلابت خاں اور اُس کا گھوڑا
دونوں گرے پرتگالی تو سب کے سب پہلے ہی مر کھپ گئے تھے ایک بھی نہ بچا تھا ایسے وقت میں مدد کرتا اور خود صلابت خاں زخموں سے چور
چور تھا آخرکار گرفتار ہو گیا۔ لوٹ میں چار ہزار گھوڑے ہمرکے رسو ہاتھی چار سو بھاری بھاری توپیں ملیں چھوٹی توپوں کا تو شمار
نہ تھا۔ نوسو تو صرف توپوں کی گاڑیاں تھیں ڈیروں اور شامیانوں کی تو کچھ گنتی نہ تھی پرتل کے ٹٹوؤں بیلوں اور دوسرے مویشی کا
شمار کون کر سکتا تھا نہ مردوں عورتوں اور بچوں کا شمار تھا جو پکڑے گئے تھے لیکن راجہ نے سب کو چھوڑ دیا جب تک کہ سارے مردے
جلا نہ لیئے گئے اور ہر ہر کی عزت و شان کے موافق اُن کے رسوم مذہبی ادا نہ ہو لیئے راجہ میدان جنگ ہی میں ٹھیرا رہا۔ راجہ نے
مقتولین کو ثواب پہنچانے کے لیئے بہت بڑی خیرات کی سو راجہ کی طرف کے کچھ اوپر سولہ ہزار آدمی اس لڑائی میں کام آئے ان سب باتوں سے
فارغ ہو کر پھر راجہ بیجاپور پہنچا اور پہلے کی طرح وہیں اپنا کیمپ جمایا راجہ کے واپس آنے کے بعد بیجانگر کے گھوڑوں کا سوداگر فگریڈو
اپنے ساتھ بیس بندوقچی لے کر آیا۔ راجہ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ اچھا ہوا کہ یہ بھی لڑائی اور ہماری لڑائی کے جوہر دیکھ لیں گے
راجہ نے ان کو اپنے قریب ہی اُتروایا اور عادل شاہ کے ڈیروں میں سے چند ڈیرے ان کو ٹھیرنے کو دیئے ایک دن فگریڈو نے کہا کہ میں
شہر دیکھنا چاہتا ہوں راجہ نے منع کیا کہ ایسا نہ ہو کوئی معرکہ پیش آ جائے اور تم کسی مصیبت میں گھر جاؤ۔ فگریڈو نے کہا کہ ہم سب تو صرف
اس واسطے حاضر ہوئے ہیں کہ ہم بھی کچھ اپنی بہادری دکھلائیں اور مسلمانوں سے دو دو ہاتھ ہمارے بھی ہو جائیں راجہ نے کہا خیر تمھاری
مرضی اور ان کے ساتھ کچھ اپنے لوگ بھی کر دیئے۔ فگریڈو چھپا چھپا قلعے کی فصیل کے قریب پہنچ گیا اس نے دیکھا کہ مسلمان پرا جمائے
فصیل پر بے دھڑک ڈٹے ہوئے ہیں اس نے کیا کیا کہ خود اپنے ساتھیوں سمیت بندوقوں کی باڑھ مارنے لگا وہ لوگ بے خبر تھے
نتیجہ یہ ہوا کہ اچانک بہت سے آدمی مارے گئے کیوں کہ اُن کو بندوقچیوں کے آنے کی کانوں کان خبر نہ تھی جب مسلمان بھاگے تو پرتگالیوں نے
بہت سی فصیل ڈھا دی فتح کے نقارچی منتظر ہی تھے ان کے ساتھ بہت سے لوگ ہو گئے اور اس قدر مجمع ہو گیا کہ راجہ سے جا کر کسی نے پرتگالیوں کے شہر
میں گھس جانے کی گپ اڑا دی مسلمانوں کو حیرت تھی کہ ان کے پاس پرتگالی کہاں سے آ گئے کیوں کہ شہر والوں کو باہر کی کیا خبر تھی کہ یہ لوگ
کدھر سے آئے پرتگالیوں کے سہارے راجہ کی فوج فصیل کے دامن میں پہنچ گئی اور فصیل تو پہلے ہی کئی جگہ سے ٹوٹ گئی تھی قلعہ کی
توپیں اس قدر بلندی پر تھیں کہ اُن کی زد ان لوگوں پر جو فصیل کے نیچے پہنچ گئے تھے پڑ نہ سکتی تھی نہ اُن مقامات پر جہاں سے کہ
فصیل ٹوٹ گئی تھی کوئی توپ تھی محصورین فصیلوں سے پتھر لڑھکا رہے تھے اور تیر برسا رہے تھے جس سے حملہ آور لوگ کچل کچل کر مر رہے تھے
اور زخمی ہو رہے تھے لیکن پرتگالیوں نے بندوقوں کی ایسی باڑھیں ماریں کہ فصیل پر سے سب کے سب بھاگتے ہی بنی اور ہندوؤں کی فوج کے
پاؤں جم گئے راجہ کی فوج کے سرداروں نے فگریڈو سے کہا کہ ایک دن ہم بھی تمھارے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ کریں گے چنانچہ ایک دن فگریڈو نے اپنے
بندوقچیوں کی تین کمپنیاں بنائیں اور جو مسلمان دکھلائی پڑا اسے نشانہ بنایا یہاں تک کہ مسلمان منہ چھپانے لگے اور کوئی شخص نظر نہ آتا تھا تب راجہ
کی فوج نے تین ٹکڑے ہو کر فصیل کو کدالیوں اور سبلوں (کدالوں) سے ڈھانا شروع کیا مگر فگریڈو نے باقی ماندہ فوج کو کہلا بھیجا

کہ اب تم لوگ بھی وہاں اکر دو جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محصورین پہلی فصیل چھوڑ کر بھاگ گئے اور عورتیں اور بچے جان بچانے کو قلعے میں گھس گئے۔ قلعہ دار نے جب دیکھا کہ ایک بھاگڑ پڑ گئی ہے تو اُس نے پھر لوگوں کو ہمت دلائی اور چند لوگ لے کر فصیل کے اس رخ پر آیا جہاں کہ بڑی سخت یورش ہو رہی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ اُس طرف تو فرنگی ہیں جو اُدھر گیا بس سمجھو کہ موت کے مُنہ میں گیا۔ قلعہ دار خود دیکھنے کے لیئے کہ بنگالی کدھر ہیں فصیل کے جھروکے میں سے جھانک رہا تھا کہ ادھر سے ایک گولی اس کی پیشانی پر لگی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ گولی خود فگر یڈو نے تاک کر ماری تھی قلعہ دار کا مارا جانا تھا کہ شہر میں ایک کھلبلی پڑ گئی اور سب فصیل پر سے بھاگ گئے راجہ کی فوج کے لیئے اب کیا روک ٹوک تھی ایک سناٹا ہو گیا شہر کے اندر سے صرف واویلا کی آواز آتی تھی اور فصیل تو سنسان پڑی تھی۔ یہ حالت دیکھ کر اُس دن فوج ویسے ہی لڑائی بند کر کے واپس چلی گئی۔

گیارھواں باب

قلعہ والوں کا امان طلب کرنا

دوسرے دن جو لڑائی کا بیسواں روز تھا شہر والوں نے قلعے کا دروازہ کھول دیا اور ایک سفید جھنڈا آگے لیئے ہوئے اور سب کے سب اپنے دونوں ہاتھ سر کے اوپر اُٹھائے ہوئے (یہ بھی ہاتھ جوڑنے کا ایک طریقہ ہے) امان طلب کرنے کے لیئے راجہ کے کیمپ کی طرف چلے راجہ نے جب اِن کے آنے کی خبر سنی تو سالو تما کو بھجوایا اور ان لوگوں سے اچھی طرح پیش آنے کی تاکید کی۔ رعایا سالو تما وزیر کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر سمجھ گئی کہ ضرور راجہ کی کچھ مہربانی ہمارے حال پر ہوئی ہے جو وزیر کو بھجوایا۔ راجہ کے پاس سب لوگ پہنچے اور آتے ہی قدموں پر گر پڑے اور زمین پر لوٹ گئے اور رونے پیٹنے لگے اور جان کی امان چاہی۔ راجہ نے کہا کہ تم اُٹھو تو سہی۔ میں نے تمھاری جان مال سب بخش دیا اور تم کو امان دی تم کسی طرح کا خوف نہ کرو اور اپنے شہر میں بلا دغدغہ واپس چلے جاؤ میں بھی کل شہر میں آؤں گا اور ایک سردار کو حکم دیا کہ جاؤ اب شہر پر قبضہ کر لو۔ جب مسلمان راجہ کے حضور میں گریہ زاری کر رہے تھے تو فوج کے لوگ بھی تماشہ دیکھ رہے تھے اُس میں فگر یڈو بھی موجود تھا مسلمانوں نے اُسے دیکھتے ہی راجہ سے عرض کی کہ شہر کی فتح کا اصل بانی مبانی یہی غیر ملکی شخص ہے۔ اسی نے ہمارے قلعہ دار کو مارا ہے اور پرتگالیوں ہی نے ہمارا کھوج کھو دیا سچ پوچھیئے تو انھوں ہی نے شہر کا تختہ اُلٹ دیا۔ راجہ نے فگر یڈو کی طرف دیکھ کر سر ہلایا (یعنی ہاں سچ کہتے ہو) اور اپنے مصاحبین سے مخاطب ہو کر کہا کہ "ہمت بھی کیا چیز ہے! ایک شخص منفرد بھی کیسے کیسے کام کر جاتا ہے" پھر راجہ اپنے خیمے میں چلا گیا اور جو لوگ آئے تھے وہ شہر میں گئے اور راجہ کی فوج میں خوشی کے ڈنکے بجنے لگے۔

بارھواں باب

شہرِ رائچور میں راجہ کا داخلہ اور جشن کی طیاری اور شہر کے متعلق راجہ کے انتظامات

دوسرے دن علی الصباح راجہ پوجا پاٹ سے فارغ ہو کر اپنے امرا اور بادی گارڈ کے ساتھ شہر کی طرف چلا۔ دیکھا تو شہر کے تمام لوگ اس کے آنے کے منتظر کھڑے تھے[۵۱]

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے ۔۔۔ کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

دل میں اُن کے کچھ بھی ہو مگر بظاہر تو خوش دکھلائی دیتے تھے۔ راجہ کو دیکھ کر اُنھوں نے خوشی کے نعرے بلند کیے اور کہا الحمدللہ کہ برسوں کے بعد ہمارے محافظ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا اور اسطرح کے بہت سے کلمات دعائیہ زبان پر لائے اور خواہش امان جان و مال کی کی۔ راجہ سیدھا قلعے[۵۱] میں پہونچا اور وہاں پہونچ کر شہر کے معززین اور معتبرین کو طلب کیا اور سب سے کہا کہ ہم نے تمھاری جانیں اور مال بخش دیے تم سب بہ اطمینان تمام اپنے کاروبار میں مصروف رہو جو شہر میں رہنا چاہیں وہ بافراغت اپنے اپنے مکانوں میں رہیں اور جو جانا چاہیں اُن کو بھی ہماری طرف سے کچھ روک ٹوک نہیں ہے فوراً اپنا مال و اسباب لے کر شہر خالی کریں۔ تمام حاضرین نے راجہ کی اس نرمی اور مہربانی کا شکریہ ادا کیا اور اُس کے سامنے زمین پر گر پڑے (جیسا کہ اس ملک کا اب تک قاعدہ ہے) راجہ تو ساکنینِ شہر سے گفتگو اور اُن کی دل جوئی میں مصروف تھا کہ خبر ملی کہ فوج نے شہر میں لوٹ مار شروع کر دی ہے راجہ نے سنتے ہی ممانعت کی اور لوگوں کی طمانیت کی اور جس کسی کا مال لوٹا گیا تھا فوراً واپس دلوا دیا۔ لیکن ایسے مواقع پر فاتح فوج کی دست درازی اور تظلم سے کون محفوظ رہ سکتا ہے بہت سے گھر لوٹے گئے لیکن غنیمت ہے کہ جانیں بچ گئیں لوگوں نے اس کو بھی مغتنم سمجھا کہ جان بچی لاکھوں پائے جان کا صدقہ مال سمجھ کر چپ ہو رہے لیکن جس جس کے ظلم کی راجہ کے کان تک خبر پہونچ گئی اُس نے ایسے لوگوں کو سخت سزا دی تھوڑے ہی دنوں میں عادل شاہ کی شکستِ فاش کی خبر چو طرف پھیل گئی۔ جب عماد شاہ برار، برید شاہ بیدر، قطب شاہ گولکنڈہ اور دوسرے ممالک سلطانِ بہمنی[۵۲] میں خبر معلوم ہوئی تو دل میں تو سب خوش ہوئے کہ بڑے بول کا سر نیچا اچھا ہوا کہ عادل شاہ کو نیچا دیکھنا پڑا لیکن ساتھ ہی اس کے اُن کو اپنی خیر نظر نہ آئی کہ جب عادل شاہ جیسے زبردست بادشاہ کی یہ گت بنی تو ہم کس شمار قطار میں ہیں جب ہم دیکھیں کہ ہمارے ہمسایہ کی ڈاڑھی جل رہی ہے تو ہم کو چاہیے کہ ہم جھٹ اپنی ڈاڑھی پانی میں بھگو لیں[۵۳] یعنی یہ کہ اگلا گرا پچھلا ہوشیار ہو کر اپنی حفاظت کا انتظام پہلے ہی سے کر لیں۔ ان سب نے اپنے اپنے ایلچی راجہ کے پاس بھیجے دیکھا تو وہ ابھی تک رائچور

---

[۵۱] بیان کیا جاتا ہے کہ راجہ نے اُس مکان میں دربار کیا تھا جس میں اب جیل ہے ۱۲ [۵۲] اگرچہ سلطنتِ بہمنی ٹوٹ پھوٹ کر پانچ اسلامی سلطنتیں قائم ہو گئی تھیں لیکن پھر بھی خاندانِ بہمنیہ کو برائے نام اعزازی تعلق حاصل تھا ۱۲ [۵۳] یہ ایک پرتگالی ضرب المثل ہے ۱۲

ہی میں تھا۔ ایلچیوں کو راجہ کی طاقت پر تعجب ہوا کہ اُس نے رائچور جیسے محفوظ شہر کو فتح کرلیا جس سے ہر طرف اِس کی دہاک بیٹھ گئی۔ راجہ کی فوج کا تو کچھ شمار ہی نہ تھا۔ ایلچیوں نے جاکر راجہ کے سامنے خریطے پیش کیے جو پڑھے گئے۔ اِن میں یہ لکھا تھا کہ "آپ نے اتنے بڑے بادشاہ کو شکست دی ہیں اُمید ہی کہ آپ کے واسطے یہ فخر کافی ہی اب توقع ہی کہ آگے کو لڑائی کا قصد نہ فرمائیں گے ہم کو آپ کی عالی ہمتی اور فراخ حوصلگی سے اُمید ہی کہ آپ ملکِ مفتوحہ عادل شاہ کو واپس دے دیں گے اور اگر ایسا ہو تو ہم سب بھی آپ کے مطیع و فرماں بردار رہیں گے لیکن اگر آپ اِس بات پر آمادہ نہیں ہیں تو ہم لوگ مجبوراً آپ کے برخلاف عادل شاہ کا ساتھ دیں گے اور پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ ملک آپ سے بُری طرح واپس لیا جائے گا۔" راجہ نے غور سے اِن خریطوں کو سُنا اور سب کو ایک ہی جواب لکھوایا کہ "معزز فرمانروایان شاہان عمادیہ و بریدیہ و نظام شاہیہ و قطب شاہیہ و تمام سلاطین ملک دکن کی خدمت میں۔ میں نے آپ سب صاحبوں کے خریطوں کو ملاحظہ کیا اور میں آپ صاحبوں کی عنایت و مہربانی کا شکر گزار ہوں۔ عادل شاہ کے متعلق میرا یہ کہنا ہی کہ جو کچھ میں نے کیا اور جو ملک میں نے لیا وہ اسی سلوک کا مستحق تھا میں کوئی معقول وجہ نہیں دیکھتا کہ کیوں ملکِ مفتوحہ کو واپس دوں اور نہ میں ایسا کرسکتا ہوں۔ آپ صاحبوں کے اِس پیغام کے متعلق کہ اگر میں آپ کے ایما کے موافق عمل نہ کروں تو آپ سب صاحب مجھ سے برگشتہ ہوکر عادل شاہ کا ساتھ دیں گے میرا صرف یہ کہنا ہی کہ آپ صاحب یہاں تشریف لانے کی تکلیف گوارا نہ فرمائیں بلکہ اگر آپ میں ہمت ہی تو آپ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیے میں وہیں پونہچ کر آپ کی خبر لوں گا اور یہی میرا جواب ہی" یہ تحریر راجہ نے ایلچیوں کو دی اور ان کو انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔

تیرھواں باب

رائچور سے لوگوں کی جلاوطنی اور راجہ کا اُن سے عمدہ سلوک

بہت سے لوگ شہر چھوڑ کر نکل گئے۔ جو لوگ لٹ گئے تھے اور اُن کے پاس اتنا بھی نہ تھا کہ وہ کہیں جاسکتے اُن کو راجہ نے ضروری اور مایحتاج سامان دلادیا۔ راجہ نے رائچور میں چند دن رہ کر سب انتظام ٹھیک ٹھاک کردیا فصیل جہاں جہاں سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی اُس کی مرمت بھی کرادی اور کافی فوج

شہر کی محافظت کے لیئے چھوڑ خود بیجانگر کو روانہ ہوا۔ جہاں اُس کی بڑی دھوم سے آؤ بھگت ہوئی اور اِس فتح کی یادگار میں بڑا جشن ہوا سارے فوج کو خلعت اور انعام ملا۔ جب جشن وغیرہ ختم ہو چکا تو راجہ ناگلا پور کو گیا وہاں جاکر اُس نے سنا کہ عادل شاہ کا کوئی ایلچی بیجانگر آیا ہوا بیٹھا ہی۔ راجہ کو تو پہلے ہی ایلچی کے آنے کی خبر لگ گئی تھی مگر اُس نے تجاہلِ عارفانہ کیا۔ یہ قاعدہ نہیں ہی کہ کسی ایلچی کے لیئے راجہ کی طرف سے تقدیم کی جائے۔ آخر کار ایلچی بیجانگر سے ناگلا پور آیا اور شہر کے پاس اپنے خیمے نصب کیئے۔ ایلچی کے ساتھ ڈیڑھ سو گھوڑے اور بہت سے ہمراہی اونٹ اور بار برداری کے جانور بہت کچھ لوازمہ تھا اور جیسی کر و فر کہ عادل شاہ جیسے بادشاہ کے ایلچی کے ساتھ ہونی چاہیئے تھی ویسی تھی۔ عادل شاہ کے خاص دو منشی بھی ساتھ تھے غرض ایلچی بڑی دھوم دھام اور تزک و احتشام سے آیا تھا۔ جب ایلچی اپنی جگہ اُتر گیا تو اُس نے راجہ کے حضور میں اپنی حاضری کی اطلاع کرائی اور کہلا بھیجا کہ مجھے شرفِ باریابی دے کر جلد رخصت فرمایا جائے۔ راجہ نے کہلا بھیجا کہ اچھا میں تم کو بلا بھیجوں گا لیکن ایسی جلدی کیا ہی ابھی تو تم آئے ہو۔ ایلچی اسی طرح انتظار ہی انتظار میں ایک مہینے تک پڑا رہا راجہ نے اُلٹ کر بھی نہ پوچھا۔ وہ بیچارہ روز محل میں جاتا تھا امرائے دربار سے ادھر اُدھر کی باتیں کر کرا کے واپس چلا آتا تھا لیکن راجہ کو متوجہ نہ دیکھ کر وہ بھی خاموش تھا اور راجہ کی طلبی کا منتظر تھا۔ آخر کار ایک دن راجہ نے کہلا بھیجا کہ کل کا دن اچھا ہی کل میں تم سے ملوں گا۔ ایلچی راجہ کے دربار میں جانے کی طیاری کرنے لگا اور وقت مقررہ پر بڑی دھوم دھام سے اپنے ساتھ شہر کے معزز مسلمانوں کو مع باجے گاجے کے لے کر گیا۔ محل کے امرا و سردار اُس کی شان کے مطابق اُس سے پیش آئے۔ سب باہر دیوان خانے میں جاکر بیٹھ گئے اور راجہ کی طلبی کا انتظار کرنے لگے تھوڑی دیر میں راجہ نے یاد کی۔ ایلچی حسبِ دستور و رواج راجہ کو آداب بجا لایا۔ سارے درباری راجہ کے پاس دست بستہ کھڑے تھے۔ راجہ متوجہ ہوا اور کہا کہ کہو کیا کہنا ہی۔ ایلچی نے نہایت ادب سے حسبِ ذیل عرض کی۔

چودھواں باب

عادل شاہ کے ایلچی کی باریابی اور پیغام رسانی

وو حضور پر نور!۔ ہمارے جہاں پناہ و مالک عادل شاہ بادشاہ نے مجھے حضور والا کی خدمتِ اقدس

میں بھیجا ہی اور میرے ذریعے سے آپ سے انصاف کا خواستگار ہی۔ بادشاہ نے فرمایا ہی کہ وہ آپ کی نسبت ایسے مخلصانہ خیالات رکھتا ہی جیسے کہ دنیا میں بڑے سے بڑے طاقتور رئیس کی نسبت ہونے چاہئیں اور آپ کو منصف مزاج اور صادق القول سمجھتا ہی۔ حضور والا نے بلا وجہ قدیم اتحاد اور ربطہ دوستانہ کو توڑ دیا ہی۔ ہمارے آپ کے دوستانہ تعلقات اور مصالحت سالہا سال سے نہایت مستحکم اور مضبوط طور پر قائم تھی جس کو آج تک طرفین نے بخوبی نبھایا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ حضور والا نے کیوں اس قدر زحمت گوارا فرمائی کہ اپنی دارالسلطنت سے برآمد ہو کر ہم سے جنگ شروع کی۔ مجھے آپ کی طرف سے مطلق خدشہ نہ تھا اور پورا اطمینان تھا کہ اچانک آپ کے رایچور کے محاصرہ کرنے اور اطراف کے ملک پر لوٹ مار کرنے کی خبر ملی۔ تب مجھے مجبوراً اپنے ملک کی حفاظت کے لئے نکلنا پڑا۔ آپ کو خود معلوم ہی کہ آپ نے میرے تمام اُمرا و معززین کو قتل کر ڈالا۔ لشکر کو لوٹ کر برباد کر دیا یہ واقعات حضور کے چشم دید ہیں زیادہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں خیر جو ہوا سو ہوا اب آپ کو چاہیئے کہ تلافیِ مافات کی کوشش فرمائیں اور ہمارا توپ خانہ ہاتھی گھوڑے اور خیام وغیرہ کُل اسباب واپس دے دیں اور شہر رایچور پر سے بھی اپنا قبضہ اُٹھا لیں۔ اگر حضور والا اس بات پر آمادہ ہو جائیں اور ہمارا کُل مال و اسباب اور ملک واپس دے دیں تو ہمارے بادشاہ کے اور آپ کے ہمیشہ ویسے ہی دوستانہ تعلقات قائم رہیں گے جیسے کہ آج تک تھے لیکن (اگر خدانخواستہ) حضور والا نے اس امر کو منظور نہ فرمایا تو اِس کا نتیجہ فدوی کے نزدیک تو بہتر نہ ہوگا گو حضور اُسے اچھا ہی کیوں نہ تصور فرمائیں۔" راجہ نے کہا اچھا معلوم ہوا اب دربار برخاست آپ تشریف لے جائیں اور ٹھیریں کل آپ کو ہم جواب دیں گے اور راجہ نے ایلچی کو ایک خلعتِ فاخرہ دے کر رخصت کیا۔

پندرھواں باب

ایلچی کو راجہ کا جواب۔ راجہ بیجانگر اور عادل شاہ کی ملاقات کا ٹھہرنا۔ بیجاپور کی تباہی اور اسد خاں کا بیچ بچاؤ کرنا

دوسرے دن راجہ نے ایلچی کو طلب کر کے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد کہا اچھا ہم کو تمہاری درخواست پوری طرح منظور ہی ہم تمہارے بادشاہ کی رتی رتی بھر چیز واپس دے دیں گے۔ اور

صلابت خاں کو بھی قید سے چھوڑ دیں گے لیکن ہماری طرف سے صرف ایک شرط ہی کہ تمھارا بادشاہ آن کر ہمارے قدم بوس ہو۔ ایلچی یہ سن کر رخصت ہوا اور اپنے قیام گاہ پر آکر بادشاہ کی خدمت میں عرض داشت لکھی اور من جملہ اُن دو شاہی منشیوں کے جو ساتھ آئے تھے ایک کے ہاتھ بھیج دی۔ بادشاہ نے فوراً جواب دیا کہ میں تو بیجانگر کسی حالت میں آ نہیں سکتا پھر میری اور راجہ کی ملاقات کیوں کر ہوسکتی ہی۔ تاہم میں دل و جان سے راجہ کی حسب خواہش عمل کرنے کو موجود ہوں۔ ایلچی نے راجہ کو شاہی پیغام پونہچا دیا۔ راجہ تو عادل شاہ ہی کی قدم بوسی کو ساری دولت اور ملک سے جو جنگ رایچور میں حاصل ہوئی تھی بڑھ کر سمجھتا تھا اس لیئے اُس نے کہا کہ تم بادشاہ کو ہماری سلطنت کی سرحد پر تو بلاؤ ہم ہی وہاں چل کر اُن سے مل لیں گے۔ ایلچی نے کہا بہت خوب اور عادل شاہ کو سرحد تک آنے پر آمادہ کرنے کے لیئے اُدھر گیا اور اُدھر راجہ اپنی سرحد پر بہ مقام مدگل پونہچ گیا وہاں پونہچنے پر معلوم ہوا کہ عادل شاہ ملاقات کے لیئے چلا آرہا ہی اور اب قریب ہی ہی۔ راجہ کو عادل شاہ سے ملنے کا شوق ایسا غالب تھا کہ وہ اپنی حدود سے بھی آگے بڑھ کر علاقہ سلطنتِ بہمنیہ میں جا پونہچا لیکن پھر بھی لوگ یہی کہتے رہے کہ اِس مقام پر بادشاہ آگیا ہی اور اب اُس مقام پر ہی اور یہیں قریب ہی کہ راجہ بڑھتے بڑھتے شہر بیجاپور جو خود عادل شاہ کا پایہ تخت تھا پونہچ گیا۔ بیجاپور میں عمدہ عمدہ اور عالی شان مکانات ایسے جیسے کہ ہم لوگوں کے ہوتے ہیں بنے ہوئے ہیں اور بہت سے اچھے باغات میوہ جات انگور۔ انار۔ لیموں۔ سنتروں کے بھی ہیں۔ بیجاپور پونہچ کر بادشاہ کی ملاقات کے انتظار میں راجہ ٹھیرا رہا۔ راجہ نے دِل میں ٹھان لی تھی کہ اگر بادشاہ آجائے تو میں اُس کی گستاخی کا بدلا اچھی طرح لے لوں گا اور اُس کے آنے کی دیر ہی کہ فوراً پکڑ کر مروا ڈالوں گا۔ غرض اِسی اُمید اُمید پر بیجاپور میں چند دِن تک پڑا رہا۔ مگر بادشاہ کی ہمت نہ پڑی اور نہ آیا پر نہ آیا۔ تب ناچار راجہ نے واپسی کا ارادہ کیا کہ شہر میں پانی کی کشش ہونے لگی کیوں کہ یہ شہر ایک سپاٹ میدان پر واقع ہی جہاں سوائے بارش کے پانی کے جو دو بڑے بڑے تالابوں میں جمع ہو جاتا ہی اور کوئی قدرتی ذخیرہ نہیں ہی۔ مسلمانوں نے راجہ کے آنے کی خبر سن کر تالابوں کے دہانے کھول کر تالاب بھی خالی کر دیئے تھے کہ رہا سہا پانی بھی باقی نہ رہے اور راجہ گھبرا کر چلا جائے اور اِسی مجبوری سے راجہ کو واپس ہونا پڑا لیکن شہر مفت میں تباہ ہوا کچھ اِس وجہ سے نہیں کہ راجہ نے لوٹ مار کا حکم دیا تھا۔ نہیں۔ بلکہ راجہ کی فوج کو ایندھن کی سخت تکلیف تھی بیجاپور میں

جلانے کی لکڑی کا کال تھا تھوڑی بہت جو آتی تھی وہ بہت دور سے آتی تھی اور لشکر کے خوف سے وہ بھی آنی بند ہو گئی تھی اِس وجہ سے ہزار ہا مکانوں کا چوبینہ گھسیٹ گھسیٹ کر فوج نے جلا دیا۔ بادشاہ نے یہ سُن کر کہلا بھیجا کہ بھلا یہ تو بتلایئے کہ میری رعایا نے آپ کا کیا بگاڑا ہے کہ آپ نے ہزار ہا مکان ڈھوا دیئے کیوں کہ فی الحقیقت سوائے محلات شاہی کے اَور کوئی مکان ان کی دست بُرد سے بچا نہ تھا اور محلات شاہی بھی صرف اِس وجہ سے محفوظ رہے کہ خود بادشاہ اُن میں تھا۔ راجہ نے کہا کہ میں نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا ہے نہ میرے حکم سے مکان گرائے گئے بلکہ بات یہ ہے کہ فوج میرے بس کی نہیں ہے میں کس کس کو سنبھالوں۔ آخر کار راجہ مدگل چلا گیا جب کہیں بادشاہ شہر بیجاپور میں آیا۔ بادشاہ نے دیکھا تو راجہ نے سارے شہر کو اُجاڑ کر دیا تھا تب بادشاہ نے کہا کہ از ماست کہ بر ماست۔ اگر میں راجہ سے جا کر ملاقات کر لیتا تو میرا شہر اِس طرح بے وردی سے کیوں تباہ ہوتا۔ میں تو طیار ہی تھا مگر میں کیا کروں کہ میرے صلاح کاروں نے مجھے اُلٹی پٹی پڑھائی خیر اب جو ہوا سو ہوا اب پچتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ اب اگر موقعہ ہوا تو ضرور راجہ سے ملاقات کروں گا۔ پھر بادشاہ نے اُمرا سے مشورہ کیا اور کہا کہ دیکھو اگر ہماری اور راجۂ بیجانگر کی مصالحت ہو جاتی اور ہم دونوں مل جاتے تو میری سلطنت کو اِن دوستانہ تعلقات سے کس قدر تقویت پونہچتی اور ہمارے بہت سے کام نکلتے اور اسی قسم کی اونچ نیچ کی بہت سی باتیں اُمرا سے کیں تب اسد خاں والی بلگاؤں نے جو بادشاہ کو میدانِ جنگ سے لے کر بھاگا تھا اور جو بڑا جہاں دیدہ اور پولٹیکل تھا عرض کی کہ ”اگر غلام کو اجازت ہو تو میں راجہ کے پاس جا کر سب باتیں حضرت کے ارشاد کے موافق طے کر لوں“ بادشاہ نے سنتے ہی کہا کہ ”بہت اچھا مناسب ہے“ اسد خاں کی غرض اِس سے بادشاہ کی خیر خواہی تو ذرا بھی نہ تھی کیوں کہ اَور بہت سے امیر بھی اِس کام کو کر سکتے تھے اُس کا مقصد تو صرف اِس بہانے سے اپنے دشمن صلابت خاں سے بدلا لینا تھا جو راجہ کے ہاں قید تھا۔ صلابت خاں سے عداوت کی وجہ یہ تھی کہ اسد خاں کے دل میں اِس بات کا خار تھا کہ اُس نے کہا تھا بادشاہ کو یہی میدان جنگ سے بھگا کر لے گیا اور اسی کی کم ہمتی اور بُزدلی سے سارا لشکر تباہ اور شکست ہوئی۔ صلابت خاں نے غصّے کی حالت میں یہ بات تمام لوگوں سے جو اُس سے ملنے گئے تھے کھُلے خزانے کہی تھی اور وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ مجھے قید سے رہائی کی کچھ تمنا نہیں ہے مگر ہاں صرف ایک آرزو ہے کہ ایک مرتبہ یہاں سے چھوٹ کر اسد خاں کے اور میرے دو دو ہاتھ ہو جائیں

تو میرے دل کی بھڑاس نکل جائے۔ اسد خاں کو یہ بات معلوم ہی تھی اس وجہ سے اُسے اندیشہ تھا کہ اگر خدانخواستہ صلابت خاں قید سے چھوٹ گیا تو قول کا دھنی ہی جو اُس نے زبان سے کہا ہی ضرور کرکے ہی دکھا دے گا بس کسی نہ کسی طرح ایسی چال چلنی چاہیئے کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ اُسے مروا ڈالنا چاہیئے کہ پاپ کٹے اور محض اسی خیال سے اُس نے راجہ کے پاس ایلچی بن کر جانے کا بیڑا اُٹھایا تھا۔

سولھواں باب

اسد خاں کا راجہ کے پاس جانا اور صلابت خاں کا کام تمام کرانا

اسد خاں حسب فرمانِ شاہی چند ہمراہی اور سواروں کو لے کر مدگل کی جانب چلا جہاں راجہ ٹھیرا ہوا تھا۔ عادل شاہ بھی اُس کے ساتھ ساتھ دریا تک گیا۔ اسد خاں مدگل پونہچا اور راجہ کی اجازت سے شہر میں داخل ہوکر کئی دن تک چپ چاپ میٹھا رہا نہ راجہ کے پاس گیا نہ آیا آخر کار راجہ نے خود اُسے بلوایا تب راجہ کے حضور میں حاضر ہوکر جیسا کہ ایسے مواقع پر ٹھنڈا کرنے کا قاعدہ ہی بڑی دانش مندی اور جرأت سے کہا کہ فی الواقع عادل شاہ سے سخت غلطی ہوئی کہ آپ سے مفت کی لڑائی مول لی۔ اسد خاں بڑا چرب زبان نشیب و فرازِ زمانے سے واقف تھا اُس نے کچھ ایسی چکنی چپڑی باتیں کیں کہ راجہ کو شیشے میں اُتار لیا اور عادل شاہ پر جو وہ آگ بگولا ہو رہا تھا بالکل ٹھنڈا ہوگیا۔ اسد خاں نے کہا بادشاہ تو آپ سے کبھی کا مل چکا ہوتا لیکن بڑا سبب ترکِ ملاقات کا صلابت خاں ہی تھا جو آپ کے پاس قید ہی اسی نے بادشاہ کو بھڑکایا کہ بھول کر بھی ملاقات نہ کرنا ورنہ آپ کی جان کی خیر نہیں ہی۔ پہلا وار تو صلابت خاں پر یہ چلا اور پھر خوب نمک مرچ لگا کر اور بہت سی باتیں صلابت خاں کے خلاف کیں جس سے راجہ ایک دم صلابت خاں کا دشمنِ جانی ہوگیا۔ راجہ نے اسد خاں کی ساری باتوں کو سچ سمجھ لیا اور کیوں کر اسد خاں جیسے نامور امیر الامرائے سلطنت کی نسبت جھوٹ بولنے کا گمان ہو سکتا تھا۔ راجہ نے فوراً بیجا نگر کو حکم بھیجا کہ اس حکم کے پونہچتے ہی صلابت خاں کا سر اُڑا دیا جائے۔ جب اسد خاں اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا تو اُسے اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ راز کھل جائے اور مجھ پر بھی کوئی بلا نازل ہو اس لیئے فوراً راجہ سے رخصت طلب کی کہ میں جاکر بادشاہ کو دریا تک لاتا ہوں آپ اِدھر سے تشریف لائیں وہیں دونوں کی ملاقات ہو جائے گی۔ لیکن راجہ نے کہا کہ ایسی کیا جلدی ہی چند روز تو یہاں ٹھیر کر آرام لو مجھے تم کو کئی چیزیں

دکھلانی ہیں اور ابھی کئی ضروری باتیں کرنی ہیں۔ اسد خاں گھبرایا کہ دال میں کچھ کالا ہی اور اگر بھانڈا
پھوٹ گیا تو بڑی مشکل پڑے گی اِس وہشت سے وہ ایک دن چھپتا چھپاتے رات کو چل دیا اور بات یہ گھڑی
کہ راجہ نے اُس کی گرفتاری کا حکم دیا تھا اِس واسطے بھاگ آیا۔ اسد خاں مدگل سے بھاگ کر سیدھا
عادل شاہ کے پاس پونہچا اور کہا کہ راجہ نے صلابت خاں کو مروا ڈالا اور میری بھی یہی گت بنانے والا
تھا کہ میں جان بچا کر بھاگا آپ ہرگز راجہ کی کسی بات پر اعتبار نہ کیجیے گا اُس کے کسی قول فعل کا اعتبار
نہیں آخر کو کافر ہی ہی نا۔ یہ کہہ سُن کر اسد خاں اپنی جاگیر بلگاؤں کو چلا گیا جہاں اُس نے اپنی خوب
مضبوطی کر لی یہاں تک کہ بادشاہ نے اُسے ایک مرتبہ بُلوایا تو بھی ٹال دیا کیوں کہ اُسے معلوم ہو گیا تھا
کہ میں نے جو چال صلابت خاں کے لیئے چلی تھی اُس کی خبر بادشاہ کو پونہچ گئی ہی اور جانے میں سوائے
بُرائی کے کچھ بھلائی نظر نہیں آتی۔

ستر ھواں باب

راجہ کا اپنی سلطنت کی سرحد تک عادل شاہ کے ملنے کی غرض سے جانا اُس کا نہ ملنا اور غصے میں گلبرگہ کو لوٹ ڈالنا

اسد خاں کے کہنے میں آ کر راجہ اپنی سرحد پر پھر گیا لیکن عادل شاہ کا وہاں پتہ نہ تھا راجہ فوراً تاڑ گیا
کہ اسد خاں نے اُسے جُل دیا اور یہ ساری پیش بندی اُس نے صلابت خاں کو مروانے کے لیئے
کی تھی۔ راجہ ازحد برافروختہ ہوا اَور تو کچھ نہ سوجھی سلاطینِ بہمنیہ کے دارالسلطنتِ گلبرگہ پر جا چڑھا اور
سارے شہر کو تباہ کیا قلعے کو اور دوسری عمارتوں کو مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا۔ راجہ نے چاہا کہ اطراف
و اکناف کے ملک کو بھی لوٹوں لیکن لوگوں نے عرض کیا کہ اِس رستے میں پانی کی بڑی وقّت ہی علاوہ اِس کے
تمام مسلمان بادشاہ جو اَب آپ کی دوستی کا دم بھرتے ہیں بھڑک جائیں گے کہ جس طرح راجہ نے سلطنتِ
گلبرگہ سے سلوک کیا اسی طرح ہم سے بھی پیش آئے گا کیوں کہ مسلمان مسلمان سب ایک ہیں ہماری طرف
سے پہل ہو تو ممکن ہی کہ وہ سب عادل شاہ سے جا ملیں اور پھر سب کے سب مل کر ہم پر یورش کریں
گو ہم اِن سب کے لیئے بھی بہت ہیں تاہم پانی کے قحط کو ہم کیا کریں گے۔ قلعۂ گلبرگہ میں راجہ کو سلطانِ
بہمنی کے تین بیٹے ملے جو یہاں قید تھے۔ اِن میں سے بڑے کو تو راجہ نے اُس کے مرحوم باپ کی جگہ

تخت پر بٹھا دیا لیکن عادل شاہ اپنے برادرِ نسبتی کو جو بادشاہ گلبرگہ کا غیر صحیح النسب لڑکا تھا اور اُس کا بہنوئی بھی تھا تخت نشین کرانا چاہتا تھا اسی وجہ سے اُس نے اِن تینوں بھائیوں کو قلعۂ گلبرگہ میں قید کر رکھا تھا۔ بڑے لڑکے کو سارے ملک نے بخوشی اپنا بادشاہ تسلیم کیا اور عادل شاہ نے بھی راجہ کے ڈر سے کان نہ ہلایا باقی دونوں بھائیوں کو راجہ اپنے ساتھ لے گیا اور ان میں سے ہر ایک کو پچاس ہزار پرڈاؤ طلائی سالانہ مقرر کر دیا اور اِن کو اپنے پاس ایسی عزت و احترام سے رکھا کہ جو اِن کے شایان[91] تھا۔ اِس سال پھر راجۂ بیجانگر اور عادل شاہ کے درمیان کوئی قابلِ ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔

اٹھارواں باب

راجہ کا اپنی زندگی میں اپنے شش سالہ لڑکے کو تخت نشین کرنا

راجہ نے جب چاروں طرف اپنے دشمنوں کو مغلوب کر لیا اور مسلمانوں پر ایسی کھلم کھلا فتح پائی تو اُس کو خیال پیدا ہوا کہ میرا سن و سال اس امر کا متقاضی ہے کہ کچھ آرام بھی لوں اور خدا جانے میرے بعد کیا اتفاق پیش آئے مناسب یہ ہے کہ میں اپنے سامنے ہی اپنے لڑکے کو جس کی عمر چھے سال ہے تخت نشین کر دوں چنانچہ راجہ نے کاروبارِ سلطنت اور تخت چھوڑ دیا اور اپنے بیٹے کو راجہ بنا کر خود اُس کا وزیر بنا اور سالوتما کو جو وزیر تھا مشیر مقرر کیا اور یہاں تک اس کا اہتمام کیا کہ خود کشن رائے نے اپنے بیٹے کو نذر دی۔ اِس تخت نشینی کے بڑے جشن ہوئے جو آٹھ مہینے تک متواتر رہے لیکن (افسوس ہے کہ) وہ لڑکا ایسا سخت بیمار پڑا کہ مر گیا۔ بعد میں کشن رائے نے سُنا کہ اُس کے بیٹے کو سالوتما کے بیٹے نے زہر دے کر مار ڈالا اور جب یہ بات اچھی طرح تحقیق ہو گئی تو کشن رائے نے بڑے غصّے کی حالت میں سالوتما اور اُس کے بیٹے اور گنڈاجی اُس کے بھائی اور بہت سے اُمرا کو جو سالوتما کے عزیز و قریب تھے بُلوا بھیجا اُس وقت اَور بھی بہت سے اُمرا دربار میں حاضر تھے۔ سالوتما سے مخاطب ہو کر راجہ نے یوں کہا کہ "میں تجھے آج تک اپنا دوست سمجھتا تھا اور چالیس برس تک تو ہمارا وزیر رہا ہے اور اس میں شک نہیں کہ تو نے ہی مجھے سلطنت دلوائی لیکن میں تیرا اور ابھی ممنون نہیں ہوں کیوں کہ تُو نے سراسر دغا بازی اور بے ایمانی کی اور اپنا فرض

[91] تاریخ سے اِن واقعات کی تائید نہیں ہوتی ہاں صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ محمود شاہِ ثانی بہمنی کا انتقال ۱۵۱۸ء میں ہوا تھا اور اس کے تین بیٹے تھے۔ احمد[1]، علاءالدین[2] اور ولی اللہ[3]۔ ان میں سے اوّل الذکر دسمبر ۱۵۱۷ء میں تخت پر بیٹھا اور دوسرا ۱۵۲۱ء میں اور تیسرا بھی اسی سال ۱۲

راستبازی سے ادا نہیں کیا۔ تیرا فرض تھا کہ جیسا تجھے تیرے راجہ (میرے بھائی) نے حکم دیا تھا تو میری آنکھیں نکلوا ڈالتا لیکن تُو نے صریح عدول حکمی اور نافرمانی کی اور تُو نے اُسے دھوکا دیا کہ بکرے کی آنکھیں نکلوا کر اُس کے سامنے رکھہ دیں چونکہ تُو نے اپنے مالک کے حکم کی تعمیل نہیں کی اِس وجہ سے تو ضرور دغاباز اور نمک حرام ہے اور تیرے ساتھ تیرے بیٹے بھی لیکن میں نے تم سب کے ساتھ بے انتہا سلوک کیا اب مجھے معلوم ہوا کہ تُو نے اور تیرے بیٹوں نے مل کر میرے بیٹے کو زہر دے کر مار ڈالا اور راس لیئے میں نے تم سب کو قید کیا" چنانچہ تین سال تک اِن سب کو قید رکھا اور قدم ریڈی کے بیٹے اجا بائیسا[۵۱] (آجاپر کاتمپا) کو اپنا وزیر مقرر کیا یہ وہی قدم ریڈی تھا جس نے راجہ نرسنہواں کے بیٹے کو بین کنڈہ میں کشن رائے کے باپ کے ایمائسے مروا ڈالا تھا۔ چند دنوں بعد سالوتما کا بیٹا تما دھن نایک قید سے بھاگ گیا اور ایک گڑھی میں جو پہاڑوں کے بیچوں بیچ تھی جا گھسا جہاں اُس کا ایک عزیز رہتا تھا اُس نے بڑے تپاک سے اُسے لیا اور اُس کی فوج سے مدد کی۔ تمّا دھن نایک نے راجہ کا مقابلہ شروع کیا اور کئی لڑائیاں لڑا آخر کار راجہ نے اپنے وزیر اجا بائیسا کو فوج دے کر بھجوایا جس نے گڑھی کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور دھن نایک کو گرفتار کر کے راجہ کے روبرو حاضر کر دیا۔ راجہ نے دھن نایک اور اُس کے باپ سالوتما اور دوسرے بیٹے گنڈا راجہ کو سامنے طلب کیا اور اِن سب کی آنکھیں نکلوا ڈالیں کیوں کہ برہمن کو جان سے نہیں مارتے برمھ ہتیا بڑا پاپ ہے بلکہ ایسی سزا دیتے ہیں کہ جس میں جان نہ جائے۔ پھر سب کو بدستور قید میں ڈال دیا۔ قید خانے ہی میں تمّا دھن نایک مرگیا اور سالوتما اور اُس کا دوسرا بیٹا گنڈا راجہ زندہ رہے۔

اُنیسواں باب

عادل شاہ کا رایچور آنا اور راجۂ بیجانگر کے آنے کی خبر پاکر واپس جانا۔
کشن رائے کا ناگلاپور آباد کرنا اور ایک بڑے تالاب کی تعمیر۔

اِس زمانے میں عادل شاہ نے لشکر جمع کرنا شروع کیا اور نئی فوج سواروں اور ہاتھیوں کی بھرتی کرکے رایچور پر جو راجۂ بیجانگر کے قبضے میں تھا چڑھائی کی۔ جوں ہی کشن رائے کے کان میں یہ خبر پڑی اُس نے

---

[۵۱] بائیسویں باب میں کشن رائے کے وزیر کا نام آجاپر کاتمپا لکھا ہے اور یہی نام زیادہ قرینِ قیاس ہے آجاپہر کا خاندانی نام ہوگا اور تمپا اصلی نام ۱۲

نہ کسی سے کچھ کہا نہ سُنا بلکہ گھوڑے پر زین دھر سیدھا رایچور کی طرف یلغار روانہ ہوا۔ رستے میں کشن رائے نے چھ سو گھوڑے پرتگالیوں سے اُنیس اُنیس گھوڑوں کا پٹھہ ایک ہزار پرڈاؤ کو خریدا[۵۱]۔ جب عادل شاہ نے سنا کہ کشن رائے چلا آرہا ہے تو وہ بھاگا۔ کشن رائے نے رایچور پہنچ کر کہلا بھیجا کہ دو مرتبہ تم نے خلاف وعدگی کی ہے اور تیسری دفعہ بھی دُم دبا کر بھاگے چوں کہ آج تک تم نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا یاد رہے کہ اب کی دفعہ ایسی گھنگور لڑائی ہوگی کہ تم کو مٹا کر ہی نہ چھوڑا ہو تو سہی اور بلگاؤں پر میرا دانت ہے جب تک بلگاؤں فتح نہ کر لونگا تمہارا پیچھا ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ چوں کہ سردی کا موسم شروع ہو گیا تھا اس لیئے راجہ آگے نہ بڑھ سکا اور بیجانگر واپس آکر جنگ کی تیاری کرنے لگا۔ فوج کو آراستہ کرنے کے علاوہ ایک بڑا توپ خانہ بھی طیار کیا اور ایک ایلچی کو بطلب امداد گورنر گوآ کے پاس بھی بھیجا اور اقرار کیا کہ اگر میں بلگاؤں فتح کر لوں گا تو برِ اعظم کا حصہ تم کو دے دوں گا۔ بلگاؤں گوآ سے پندرہ لیگ ہی بلگاؤں ہی کے حاکم کے تحت حکومت برِ اعظم بھی تھی۔ پانڈا گوآ سے تین لیگ ہی وہاں کا والی اُنکس خان تھا اس کے علاوہ اَور بہت سے مواضع اور علاقہ جات تھے کہ جن کا محاصل عادل شاہ کو پہنچتا تھا۔ کشن رائے جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا کہ وہ ناگاہ بیمار پڑا اور اس گھڑی کا پڑا کہ مرکر ہی چھوٹا۔ راجہ کا مرض الموت وہی تھا جس میں تمام راجگانِ بیجانگر مبتلا ہو کر مرے یعنی بُن ران میں گلٹی ہوئی تھی۔ کشن رائے نے عنفوانِ شباب میں چنّا دیوی[۵۲] نامی ایک طوائف سے تعلق پیدا کر لیا تھا اور اُس سے کچھ ایسی محبت بڑھ گئی تھی کہ راجہ ہونے کے بعد اُس سے شادی کرنے کا پختہ قول و قرار ہو گیا تھا اور اگرچہ اُس وقت یہ بات مذاقیہ طور پر کہی گئی تھی لیکن آگے چل کر سچ ہو گئی۔ جب کشن رائے تخت نشین ہوا اور جوانی کی غلط کاریوں سے اجتناب کرنے لگا تب بھی وہ اس عورت کو نہ بھولا اور ہمیشہ اپنے محل سے چھپ کر اُس کے گھر جایا کرتا تھا۔ اتفاقاً ایک رات کو سالوتما وزیر نے راجہ کو اُس کے مکان میں پکڑ لیا اور بہت کچھ لعنت ملامت کر کے محل کو واپس لایا۔ تب راجہ نے اپنے تعشق کا پوست کندہ حال بیان کیا اور کہا کہ میں اِس سے شادی کرنے کا وعدہ کر چکا ہوں اور چاہے دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے مگر یہ بات ہو کر رہے گی۔ وزیر نے جب راجہ کا ارادہ پکا پایا تو اُس نے بھی مخالفت بے سود سمجھی اور کہا کہ خیر میں

[۵۱] وقائع نگار خود گھوڑوں کا سوداگر تھا اور بیجانگر ہی میں تجارت کرتا تھا آگے چل کر اُس نے لکھا ہے کہ عموماً ہزار پرڈاؤ کے پندرہ راس گھوڑے فروخت ہوتے تھے ۱۲

[۵۲] اصل نام ناگلا دیوی تھا جیسا کہ ناگلاپور کے نام سے ظاہر ہے۔ چنّا دیوی خطاباً عرف ہوگا ۱۲

آپ کے ارادے کو اس عمدگی سے پورا کرادوں گا کہ کام بھی بن جائے اور آپ کی بدنامی بھی نہ ہو۔ وزیر نے راجہ نرسنہواں کے خاندان کی ایک خوبصورت لڑکی سے راجہ کی شادی کرادی اور جشن شادی کے اختتام پر اُس نے اس عورت کو بھی اُسی مکان میں داخل کر دیا اور اُس کے لیئے وہیں ایک بہت بڑا عالیشان محل بنوادیا۔ اِس کے بعد راجہ نے اَور کئی شادیاں کیں کیوں کہ راجاؤں کی عموماً بہت سی بیویاں ہوتی ہیں مگر اس نے تو چار ہی عورتیں کی تھیں۔ لیکن پھر بھی سب سے زیادہ اسی طوائف کو چاہتا تھا چنانچہ اس کی یادگار میں اُس نے ایک نیا شہر ناگلا پور آباد کیا اور اُس کے اطراف میں ایک فصیل بنوائی جو اس کے عہد کا سب سے بہتر کام ہے اور شہر میں ایک بہت بڑا بازار جس کے دورویہ پختہ مکانات تھے بنوایا۔ اِس شہر کو آباد کرنے کے لیئے راجہ کے حکم پر تمام امرا نے اپنے اپنے محل یہاں بنوائے۔ اِس شہر میں ایک بڑا بازار (۷۰۰[۵۱]) قدم لمبا اور (۴۰) قدم چوڑا ہے۔ فی الحقیقت یہ بازار نہایت خوب صورت اور قابلِ دید ہے۔ راجہ نے اِس شہر کی تعمیر میں بلاغل وغش روپیہ خرچ کیا اس شہر کی عظمت کا اندازہ اس پر سے کیا جاسکتا ہے کہ صرف چُنگی کا محصول در آمد بیالیس ہزار پرڈاؤ تھا چنگی کا محصول گراں تھا اور ہر چیز پر جو شہر میں آتی تھی لیا جاتا تھا حتّٰی کہ پیدل چلنے والوں کے سر کے بوجھوں اور جملہ سامانِ تجارتی پر محصول مقرر تھا۔ اس راجہ نے دو پہاڑوں کے درمیان ایک بڑا تالاب بھی بنوایا۔ لیکن اِس ملک میں کوئی عمدہ کاریگر نہ تھے اس لیئے راجہ نے گورنر پرتگال کی معرفت ایک مشہور اٹلی کے انجنیر جو آوڈلا پانٹی[۵۲] کو بلوایا جو فنِ سنگ تراشی میں بڑا ماہر و مشہور تھا اور اُس کو اپنے منشا سے آگاہ کیا۔ انجنیر نے جب راجہ کی رائے سُنی تو وہ سمجھ گیا کہ یہ تو اَن ہونی بات کہہ رہا ہے لیکن پھر بھی راجہ کی خاطر سے حامی بھر لی۔ انجنیر نے کہا کہ بہت خوب پہلے تو چونا طیار ہونا چاہیئے راجہ یہ سُن کر بہت ہنسا کیوں کہ اس ملک میں مکانوں کی تعمیر میں چونہ بہت کم لگایا جاتا ہے۔ راجہ نے پہاڑ کو ڈھانے اور بڑی بڑی چٹانوں کو پھوڑنے اور پتھروں کے گرانے کا حکم دیا لیکن دن بھر جو کام ہوتا رات کو سب برابر ہو جاتا تھا بڑی بڑی گھاٹیوں اور کھڈوں میں کچھ معلوم بھی نہ ہوتا تھا۔ راجہ سخت پریشان تھا کہ آخر یہ کام کیوں کر ہوگا تب اُس نے اپنے مشہور عقل مند اور تجربہ کار مصاحبین اور نیز نجومیوں

---

[۵۱] تخمیناً سوا میل۔ ناگلا پور فی زمانا ہوسپیٹ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بازار اب موجود نہیں ہے ۱۲

[۵۲] Joao della Ponta

اور جوتشیوں کو بُلوایا اور اُن کی صلاح لی۔ اُنھوں نے کہا کہ اِس کام کے بر وقت نہ ہونے کی یہ وجہ ہی کہ دیوتا آپ سے ناراض ہیں کیوں کہ آپ نے اتنا بڑا کام چھیڑ دیا اور نذر و نیاز کچھ بھی نہیں چڑھائی پس جب تک جانوروں اور انسان کا خون نہ چڑھایا جائے گا یہ کام کبھی پورا نہ ہوگا۔ تب راجہ نے اُن سارے قیدیوں کو طلب کیا جو مستوجبِ قتل تھے اور سب کو دیو کے نام پر قتل کرواکے کام شروع کیا۔ راجہ نے دونوں پہاڑوں کی گھاٹی میں ایک بڑا عظیم الشان بند ڈلوایا جو لمبان اور چوڑان میں بقدر ایک تیر کی زد کے تھا اور اِس میں جا بجا پانی نکلنے کی موریاں اور دروازے بناکر اُن میں نل لگا دیئے تھے کہ جب چاہا پانی چھوڑ دیا جب چاہا بند کر دیا۔ اِس پانی سے بہت سی نہریں اور ذرائع آبپاشی بنائی گئیں جس سے بہت سی تری کی زراعت اور باغات سیراب ہو گئے۔ لوگوں کی ترغیب اور کثرت سے تری کی زراعت ہونے کے لیئے نو سال تک زمینیں مُفت دے دیں تا کہ مزارعین دل ہی سے زمینیں درست کرلیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب اِسی کی بدولت بیس ہزار پرڈاؤ کی آمدنی ہونے لگی ہی۔ تالاب کے اوپر وار ایک بڑی پہاڑی ہی جس پر فصیل بناکر بڑے بڑے مضبوط و مستحکم دروازے بنا دیئے ہیں اور دونوں طرف دو بڑے بڑے مورچے بھی بنائے گئے ہیں۔ اِس قلعے میں ایک ہزار فوج ہر وقت موجود رہتی ہی اِن ہی دروازوں میں سے بیجانگر اور ناگلاپور دونوں شہروں میں جانے آنے کا رستہ ہی یہاں سب طرف کی سڑکیں آکر مل گئی ہیں۔ اِس گزر کے محصولِ چنگی کا سالانہ ٹھیکہ بارہ ہزار پرڈاؤ پر دیا جاتا ہی اور ہر شخص سے جو اِس رستے سے گزرتا ہی محصول لیا جاتا ہی۔ اِن دونوں شہروں کے لیئے سارا مال باہر سے آتا ہی اور بار برداری کے لیئے زیادہ تر رواج لدو بیلوں کا ہی چنانچہ روزانہ اِن دروازوں پر سے دو ہزار بیل آتے ہیں جن پر فی راس تین وِنٹی[۵۱] محصول لیا جاتا ہی۔ اِس محصول سے صرف مُنڈے[۵۲] بیل جن کے سینگ نہیں ہوتے معاف تھے کیوں کہ ایسے بیلوں پر اِس ملک میں کہیں محصول نہیں لیا جاتا۔ دونوں شہروں کے باہر گیہوں چاول باجرے کی کاشت کثرت سے ہوتی ہی اور پن تلے بہت سے ہیں کیوں کہ اِس نواح میں لوگ پان بہت کثرت سے کھاتے ہیں۔

---

۵۱ ایک سکہ تھا جس کی قیمت قریب قریب ساڑھے تین آنے کی تھی ۱۲

۵۲ غالباً مُنڈے بیل مذہبًا قابلِ عظمت سمجھے جاتے تھے اس واسطے محصول سے مستثنیٰ تھے ۱۲
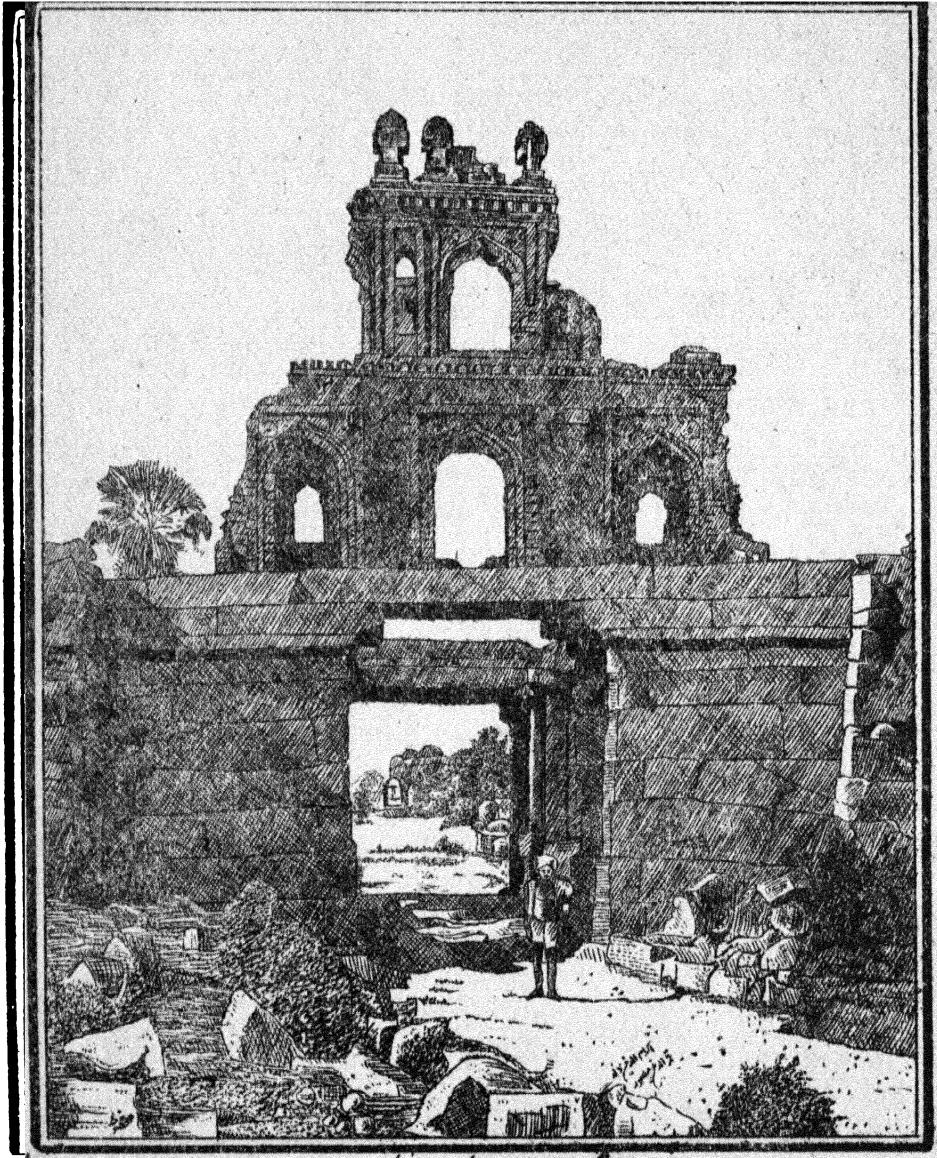
بیجانگر کے قلعے کا ایک پھاٹک

بیسواں باب

کشن رائے کا انتقال اور اچیتا رائے کی جانشینی

کشن رائے ایک عرصے سے بیمار تھا جب اپنی زندگی سے مایوسی ہوگئی تو اُس نے وصیت کی کہ میں نے اپنی تخت نشینی کے وقت جو اپنے تینوں بھائیوں اور ایک بھتیجے راجہ بسل راؤ کے بیٹے کو چندرگیری میں قید کر دیا تھا اُن میں سے اچیتا رائے کو میرے بعد میرا جانشین کیا جائے (اور اب یہی عکم ران ہے) کیوں کہ ان سب میں یہی رئیس ہونے کی قابلیت رکھتا تھا۔ راجہ کے تو سوائے ایک لڑکے کے جس کی عمر ڈیڑھ سال کی تھی اَور کوئی اولادِ نرینہ اس قابل نہ تھی کہ وہ تخت نشین کیا جاتا کشن رائے کی وفات کے بعد اچیتا رائے کے چندرگیری سے آنے تک سالوتما بطور وزیر کے کام کرتا رہا۔ کشن رائے نے یہ بھی وصیت کی کہ میرے جانشین کو عادل شاہ سے لڑکر بلگاؤں ضرور فتح کرنا چاہیئے۔ اچیتا نے تخت پر بیٹھتے ہی بُری عادتیں اور ظلم اختیار کیا جس کی وجہ سے تمام اُمرا اور رعایا اُس سے ناراض ہوگئے اور یہ جو کچھ کرتا دھرتا اپنے دونوں نسبتی[۵۱] برادروں کی صلاح و مشورے سے کرتا تھا اور یہ دونوں اول درجے کے بد تھے۔ عادل شاہ کو جب اچیتا کی کرتوتوں کی خبر ملی تو وہ جان گیا کہ یہ کتنے پانی میں ہے اس سے لڑنا کون سی بڑی بات ہے خصوصاً جب کہ وہاں لڑائی کی کچھ طیاری بھی نہیں تو پھر ہماری کام یابی میں شک کیا ہے۔ عادل شاہ نے جھٹ پٹ فوج طیار کرکے چڑھائی کر ہی دی اور بڑھتا ہوا شہرِ بیجانگر کے اتنے قریب جا پونہچا کہ صرف تین ہی میل کا فصل باقی رہ گیا۔ اچیتا بیجانگر میں تھا اُس کی طاقت ایسی زبردست اور اس کثرت سے فوج تھی کہ وہ بہت آسانی سے عادل شاہ کو شکست دے سکتا تھا بشرطیکہ دل پر لیتا کیوں کہ عادل شاہ کے پاس اس وقت صرف بارہ ہزار پیدل اور تیس ہزار سوار تھے لیکن اتنی تھوڑی فوج کے ساتھ بھی وہ ناگلاپور میں جا گھسا اور اُسے سمار کرکے زمین کے برابر کر دیا لیکن راجہ کے کان پر جوں تک نہ چلی نہ اُس میں لڑنے کی ہمّت تھی تاہم چھوٹی موٹی لڑائیاں کچھ اُن اُمرا سے ہوئیں جو بڑے لڑنے بھڑنے والے تھے

---

[۵۱] یہ دونوں غالباً رام راج ترمل راج اور ونکتادری تینوں بھائیوں میں سے کوئی سے دو ہوں گے جن میں دو اول الذکر اچیتا کے برادرِ نسبتی نہ تھے بلکہ کشن رائے کے داماد تھے ۱۲

ان لوگوں نے راجہ سے کہا کہ اتنی سی مہم کے لیئے آپ کو خود میدانِ جنگ میں جانے کی ضرورت نہیں ہم خود اُس سے سُلٹ لیں گے مگر آپ ہمیں اجازت تو دیں لیکن راجہ کا کلیجہ دہشت سے یوں ہی پانی پانی ہوا جاتا تھا اُس نے اپنے دونوں مشیروں کی صلاح سے عادل شاہ کو مصالحت کا پیغام دے دیا۔ عادل شاہ کی مُنہ مانگی مراد ملی وہ اس نعمت غیر مترقبہ سے بہت خوش ہوا اور سَو برس تک صلح کا معاہدہ اس شرط پر کرنے کو آمادہ ہوا کہ تم ہم کو دس لاکھ طلائی پرڈاؤ دو اور شہر رایچور بھی واپس دے دو جس کی آمدنی ڈیڑھ لاکھ پرڈاؤ تھی اور اس کے علاوہ تخمیناً ایک لاکھ کے جواہرات بھی مانگے راجہ نے سب شرطیں منظور کر لیں عادل شاہ کو اَور کیا چاہیئے تھا وہ خوشی خوشی اپنے ملک کو واپس ہوا سب دے دلا کر راجہ نے چلتے چلتے ایک ہیرا (۱۶۲) کیرٹ[^۵] کا اور پندرہ اَور جواہرات جن کی قیمت پوری ایک لاکھ تھی اَور دیئے لیکن طرفہ ماجرا یہ ہی کہ چھ ہی مہینے میں راجہ نے نہایت ظلم و تشدد سے کل رقم رعایا سے وصول کر کے اپنا خزانہ بھر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارے اُمرا رعایا اور فوج راجہ سے سخت بددل ہو گئی کیوں کہ ایک تو اس نے عادل شاہ سے دب کر بلا وجہ صلح کر لی دوسرے کوڑی کوڑی رعایا سے جبراً وصول کر لی ان لوگوں نے خوب سمجھ لیا کہ ہو نہ ہو یہ راجہ ضرور اس سلطنت کو برباد کر کے رہے گا جس کے آثار یہ ہیں کہ اس نے بڑے بڑے امیروں اور اُن کے بال بچوں کو تباہ کر دیا بہتوں کو مروا ڈالا اور اُن کی دھن دولت چھین لی اور یہ سب کیا دھرا اُن ہی دونوں بھائیوں کا تھا راجہ تو اُن کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح ناچتا تھا تمثیلاً صرف ایک امیر کرشنا نایک کا حال ذکر کرتا ہوں جسے راجہ نے ایک رات گرفتار کر لیا۔ اُس نے راجہ کے سامنے آنے سے پہلے اپنی دو سو بیویوں کو مار ڈالا اور پھر راجہ کے سامنے آتے ہی خود زہر پی کر جان دی یہ سب اس لیئے ہوا کہ راجہ چاہتا تھا کہ ہر رئیس کے سامنے اس کے لڑکے کو قتل کرے۔ اس رئیس کے اسلحہ تلواریں۔ خنجر۔ جنبیہ۔ پیش قبض۔ برچھے وغیرہ سب جواہرات سے مرصع تھے ان کے فروخت سے راجہ کو تین ہزار پرڈاؤ ملے۔ اسی طرح اُس نے چُن چُن کر تمام نامور اُمرا کو مروا ڈالا اور ریاست کو تمام خیرخواہوں سے خالی کر دیا۔ جب میدان خالی ہو گیا اور کوئی نہ رہا تو پھر عادل شاہ کی دھمکیوں کا کیا ٹھکانا تھا اور نئی نئی طرح کے ہزاروں مطالبے پیش ہوتے تھے۔ اب اس راجہ کا اس سے زیادہ حال بیان کرنے کی ضرورت نہیں

[^۵]: (۵) رتّی کا ہوتا ہی۔ کوہِ نور کا مشہور ہیرا جب انگلستان میں لایا گیا تو اس کا وزن (۱۸۶) کیرٹ تھا عربی میں قیراط کہتے ہیں جس کا وزن چار دانہ جو یا نصف دانگ ہوتا ہی ۱۲

رہی سوا ے اِس کے کہ یہ شخص بالکل ناکارہ تھا اس کی اپنی ذاتی کچھ راے ہی نہ تھی اور جتنی باتیں سلطنت کی بہبودی اور استحکام کی تھیں سب کی طرف سے یہ غافل محض تھا۔

اکیسواں باب

راجہ کے تمولات کا حال

راجہ کے گھر کا تمام اسباب ہر قسم کے برتن۔ تھالیاں۔ لوٹے۔ گھڑے وغیرہ سب سونے چاندی کے ہیں رانیوں کے پلنگ سب چاندی سے مڑھے ہوے ہیں اور ہر رانی کا پلنگ الگ الگ ہی۔ راجہ کے پلنگ کے پاے سونے کے ہیں اور ریشم سے بنا ہوا ہی۔ گاؤتکیوں پر موتیوں کی جھالریں ٹنکی ہوئی ہیں۔ پلنگ کے تکیے بغلی تکیے سب اسی قسم کے ہیں اور اوپر سے ریشمین چادر پڑی ہوئی ہی۔ راجہ کی مسہری کے ڈنڈے اور چھتری چاندی کی ہی جس پر ریشم اور زربفت کے پردے پڑے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسافرت کے لیے ایک آہنی مکان ایسا تیار کیا گیا ہی کہ جو ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا ہی اس میں بھی ایک بڑا پلنگ ہی راجہ کی پانسو رانیاں ہیں اور اس میں کمی و بیشی اُس کی مرضی پر منحصر ہی اور یہ سب راجہ کے مرنے کے ساتھ ہی ستی ہوجاتی ہیں۔ جب کبھی راجہ سفر پر نکلتا ہی تو پچیس تیس رانیاں جو خاص الخاص ہیں پالکیوں میں ساتھ رہتی ہیں۔ بڑی رانی کے پالکی کے ڈنڈوں پر جواہرات جڑے ہوے ہیں اور لال مغرق پردہ پڑا ہوا ہی۔ دوسری رانیوں کی پالکیوں پر چاندی کا کام ہی اور خود راجہ کی پالکی جو ہمیشہ داہنی طرف رہتی ہی اُس پر تو سارا کام سنہری ہی اگر راجہ کا کوئی لڑکا بھی ساتھ ہو تو اُن کے لیے ہاتھی دانت کے سنہری جڑاو پلنگ رہتے ہیں راجہ ڈیروں میں نہیں ٹھیرتا بلکہ جہاں مقام ہونے والا ہوتا ہی وہاں پہلے ہی سے پختہ مکان بنا دیے جاتے ہیں جن کو انواع و اقسام کے پردوں اور کپڑوں سے سجایا جاتا ہی۔ راجہ کے محلات میں سارے نوکر چاکر خدام عورتیں ہیں یا خواجہ سرا جن کی تعداد پانچ چھ سو سے کم نہیں ہی۔ جس طرح راجہ کے ملازمین مصاحبین اور درباری ہیں اسی طرح ہر ہر رانی کے بھی ہیں مگر وہ سب عورتیں ہیں۔ محل بڑے اور عالی شان ہیں اُن میں متعدد کمرے اور حجرے کوٹھڑیاں اور دالان ہیں۔ رانیاں علیحدہ علیحدہ قطعات میں رہتی ہیں اور اُن کی

لونڈیاں باندیاں اِن کے ساتھ رہتی ہیں - جب راجہ خواب گاہ میں جاتا ہی تو ساری رانیاں اپنے اپنے دروازوں پر کھڑی رہتی ہیں جس کی یاد ہوتی ہی وہ حاضر ہوجاتی ہی - یہ وہ رانیاں نہیں ہیں جو بڑی اور اصلی ہیں بلکہ اُمرا اور رؤسا کی لڑکیاں ہیں جو راجہ کے محل میں داخل ہیں - محلات کے اندر صرف رانیوں کے دودھ دہی کے لیئے دوسو گائیں ہیں - راجہ کی خوراک کا کچھ بھی خرچ نہیں ہی کیوں کہ تمام اُمرا غلہ وغیرہ سامان آئے دن بھیجتے رہتے ہیں - باورچی خانے پر دوسو جوانوں کا پہرہ ہی جن کے چار افسر ہیں اور اِن کے صدرِ اعظم بڈا نایک اور آجانایک ہیں یہی فوج کے سردار بھی ہیں - یہ لوگ صرف باہر ہی باہر رہتے ہیں پانچویں دروازے تک اِن کا گزر ہی آگے تو سوائے عورتوں اور خواجہ سراؤں کے کوئی پر نہیں مار سکتا - جب راجہ کی سواری نکلتی ہی تو دو سو سوار سو ہاتھی اور چالیس پچاس اُمرا مع اپنی فوج کے جلوس میں رہتے ہیں - راجہ کے ساتھ عموماً دو ہزار پیدل جو بہت لمبے تڑنگے قد آور اور گراں ڈیل ہوتے ہیں ڈھال تلوار لیئے ہوے رہتے ہیں اور ایک سردار مع تیس سواروں کے ہاتھوں میں صرف چھڑیاں لیئے سواری کے ساتھ رہتا ہی اِن کے افسر کے پاس ایک خاص قسم کا بلم ہوتا ہی اس افسر کا نام چِنپّا نایک ہی - راجہ کے پیچھے مہتمم اصطبل مع دوسو سواروں کے رہتا ہی اور سواروں کے بعد ہاتھیوں کی لین رہتی ہی جن پر لوگ سوار رہتے ہیں اِن کے سامنے بارہ خاصے کے گھوڑے کسے کسائے رہتے ہیں اور اُن کے سامنے پانچ ہاتھی اِن ہاتھیوں کے سامنے پچیس سوار جھنڈیاں اور بیرقیں لیئے رہتے ہیں اور ڈھول بگل اور دوسری قسم کے باجے اس زور و شور سے بجتے ہیں کہ کان گنگ ہوجاتے ہیں - سب سے آگے ایک بڑا بھاری ڈنکا رہتا ہی جسے دونوں طرف سے دو آدمی اُٹھائے رہتے ہیں وہ ٹھیر ٹھیر کے بجتا رہتا ہی اس کو "پیچا" کہتے ہیں اور اس کی آواز بہت دُور دُور جاتی ہی - راجہ جب آمد ہوتا ہی تو سارے باڈی گارڈ کی حاضری دیکھ لی جاتی ہی اگر کوئی غیر حاضر ہو تو سخت سزا دی جاتی ہی اور جایداد قرق کرلی جاتی ہی -

بائیسواں باب

راجہ کے حضور میں درباداری کے قواعد وغیرہ و دیگر حالات

اُمرا کے روزانہ سلام کا طریقہ یہ ہی کہ سب اُمرا دس گیارہ بجے دن تک محل میں حاضر ہوجاتے ہیں

تب راجہ زنانے محل سے برآمد ہوکر مسند پر بیٹھتا ہی پھر باری باری سے ایک ایک شخص سامنے آکر سر جھکاتا ہی اور دونوں ہاتھ سر کے اوپر اُونچے کر دیتا ہی۔ راجہ کے پاس دس بارہ چوبدار کھڑے رہتے ہیں جو ہر شخص کے سامنے آنے پر کہتے ہیں ''نگاہ روبرو۔ آداب بجالاؤ۔ ادب سے قاعدے سے'' پھر اُس کا نام لیتے ہیں۔ راجگانِ بیجانگر کو ہمیشہ سے شان و شوکت تزک و احتشام کا بڑا شوق رہا ہی۔ ان کے اصطبل میں صرف خاصے کے آٹھ نو سو گھوڑے اور چار پانسو ہاتھی رہتے ہیں پھر ان کا عملہ الگ ہی چارہ راتب اور عملے کی تنخواہ کا صرفہ بہت ہی۔ چنانچہ راجۂ حال اچیتاراے کے پاس کچھ اوپر سات سو گھوڑے اور چار سو ہاتھی ہیں جن کا روزانہ خرچ مع سائیسوں اور مہاوتوں وغیرہ کے دو ہزار طلائی پرڈاؤ ہی۔ چھ ہزار تو باڈی گارڈ کے سوار ہیں جن کی تنخواہ راجہ جیب خاص سے دیتا ہی۔ اِس کے علاوہ ملازمین کی تنخواہ سالانہ مقرر ہی کسی کے ہزار کسی کے پانسو اور سو پرڈاؤ سے تو کسی کی تنخواہ کم ہی نہیں۔ راجۂ بیجانگر جس وقت چاہے اور جس قدر چاہے فوج اکھٹی کر سکتا ہی کیونکہ نہ ملک میں آدمیوں کی کمی ہی نہ خزانے میں توڑا۔ سب اُمرار کو فوج رکھنی لازم ہی وہی تنخواہ بھی دیتے ہیں چنانچہ صرف اُمرار کی چھ لاکھ پیدل اور چوبیس ہزار سواروں کی جمعیت موجود ہی۔ اِن اُمرار کی آمدنی ایک کروڑ بیس لاکھ ہی جس میں سے اخراجاتِ فوج وغیرہ دے دِلا کر ساٹھ لاکھ روپیہ سالانہ پیش کش راجہ کو دیتے ہیں کیوں کہ کُل زمینوں پر اِن ہی کا قبضہ ہی۔ چوں کہ اُمرار و زمیندار رعایا کو نچوڑ لیتے ہیں اِس واسطے رعایا تنگ حال ہی ساٹھ لاکھ میں سے راجہ کو مشکل سے پچیس لاکھ بچتے ہوں گے باقی سب گھوڑوں۔ ہاتھیوں اور خاصے کے پیدل اور سواروں پر صرف ہوتا ہی۔ تمامی تہواروں اور دیولوں کی جاتراؤں میں اُمرار کو دربار میں شریک ہونا پڑتا ہی اور دو سو کے قریب اُمرار تو ہمیشہ راجہ کی مصاحبت میں حاضر باش رہتے ہیں۔ اِن سب کو اپنی اپنی مقررہ تعداد میں فوج رکھنا لازمی ہی اگر اُس میں کمی پائی جاے تو سخت سزا ملتی ہی اور اُن کا علاقہ ضبط کر لیا جاتا ہی یہ امرار بھی سب بیجانگر میں رہتے ہیں اِن کو اپنی اپنی جاگیروں میں جا کر رہنے کی اجازت اِس خیال سے نہیں دی جاتی کہ مبادا دُور رہ کر کچھ ہل چل نہ کر بیٹھیں ہاں یوں عارضی طور سے کبھی کبھار اپنی جاگیروں میں آتے جاتے رہتے ہیں لیکن اتنی رعایت بڑے بڑے امرار کے ساتھ کی جاتی ہی کہ اُن کی روزانہ حاضری معاف ہی جب خاص خاص مواقع پر یاد ہوتی ہی جب ہی دربار میں حاضر ہوتے ہیں

لیکن راجہ بنکاپور ہمیشہ شہر ہی میں رہتا ہی اور سال میں دو بار اُس کی باریابی ہوتی ہی اِس کے علاوہ اور چھوٹے
چھوٹے راجگان گرسپا۔ بکنور۔ کالی کوٹ۔ بھٹکل کے بھی ماتحت ہیں۔ اِن سب امرا اور راجاؤں کے
پرچہ نویس لگے رہتے ہیں جو روزانہ اخبار دیا کرتے ہیں ان کا یہی کام ہی کہ محل میں رہ کر ہر طرح کی خبر
حاصل کریں۔ راجہ کے ساتھ بھی وقائع نگار رہتے ہیں جو راجہ کے حکم احکام فوراً قلم بند کر لیتے ہیں
اور جس کو جاگیر یا سرفرازی ہوتی ہی تو راجہ کی انگشتری کی مُہر جو وزیر کے پاس رہتی ہی لاکھ پر لگا کر
احکام پر ثبت کی جاتی ہی جس کا اندراج فوراً سیاہیہ میں کر لیا جاتا ہی۔ راجگان بیجانگر ہر قسم کا گوشت
کھاتے ہیں مگر تمام سلطنت میں کہیں گاؤکشی نہیں ہوتی۔ بازار میں ہر قسم کا گوشت بکرے۔ سور۔ شکاری
جانوروں۔ تیتر۔ بٹیر۔ گھریلو چڑیاں۔ حتیٰ کہ چوہے بلیاں اور چھپکلیاں تک بکتی ہیں۔ ہر چیز شکار کی
قسم سے زندہ[1] فروخت کی جاتی ہی تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس قسم کا جانور ہی۔ بازاروں میں ہر قسم کے میوے
انگور۔ نارنگی۔ لیموں۔ چکوترے۔ انار۔ کٹھل۔ آم بہ کثرت اور بہت ارزاں فروخت ہوتے ہیں
خاص بیجانگر میں ایک پرڈاؤ کی بارہ بھیڑیں ملتی ہیں اور دیہات میں چودہ پندرہ۔ راجہ ایک خاص
چشمے کا پانی پیتا ہی جس کو چاردیواری سے گھیر دیا گیا ہی اور اُس پر راجہ کا ایک بڑا اعتباری آدمی
متعین رہتا ہی۔ جو پانی راجہ کے خاصے کے لیے جاتا ہی اُن کے گھڑوں پر مُہر کی جاتی ہی اور اِس کے
بعد خاص خاص عورتوں کے ذریعے سے محل میں داخل کیا جاتا ہی۔ راجہ جس کسی کو دو مورچھل سرفراز
کرے تو یہ سب سے بڑا اعزاز خیال کیا جاتا ہی۔ اور یوں کنٹھا۔ مالا۔ بھوج بند۔ سرپیچ۔ کلغی وغیرہ زیورات
بھی دیئے جاتے ہیں۔ راجہ کے ہاتھ کو تو کوئی بوسہ دے ہی نہیں سکتا ہاں پاؤں پڑنا بہت ادب سمجھا
جاتا ہی۔ راجہ جب بہت خوش ہوتا ہی تو بطورِ خلعت پچھوڑی دیتا ہی۔ اکثر ستمبر کے مہینے میں جب لوگ
پیش کش اور خراج لے کر آتے ہیں تب ہر سال خلعتوں کی تقسیم ہوتی ہی ان دنوں میں ایک تہوار ہوتا
ہی (رام نامی) جو نو دن تک رہتا ہی اس کی تفصیل یہ ہی۔
محل کے سامنے ایک میدان ہی پہلے روز اس میں نو منڈوے بنائے جاتے ہیں ہر منڈوا بڑے بڑے
امیروں کی طرف سے طیار کیا جاتا ہی۔ یہ منڈوے بڑے بڑے بھاری اور عظیم الشان قلعہ نما ہوتے
ہیں جن میں انواع و اقسام کے قیمتی کپڑے لٹکائے جاتے ہیں اور اِن میں بہت سی طوائف ناچتی رہتی

[1] اب بھی دکن میں دستور ہی کہ پرند جانوروں کی آنکھیں سی دیتے ہیں اور زندہ فروخت کرتے ہیں ۱۲۔

ہیں اور طرح طرح کی صنّاعیاں اور تماشے دکھلائے جاتے ہیں - علاوہ اُن نو اُمراء کے جن کے بڑے بڑے منڈوؤں کا اوپر ذکر آچکا ہی ہر ہر امیر اپنی اپنی حیثیت کے موافق طرح بہ طرح کے منڈوے طیّار کرتا ہی اور اُس کی طیّاری اور اہتمام میں اپنا سلیقہ اور ہنرمندی دکھلاتا ہی - اِن نو دنوں میں برابر جانور بَل دیئے جاتے ہیں - شروع دن تو نو بھینسے بھیڑ اور بکرے کاٹے جاتے ہیں اور ہر روز اُن کی تعداد دُوگنی کردی جاتی ہی - قربانی کے بعد نو گھوڑے اور نو ہاتھی بنا سنوار کر راجہ کے سامنے لائے جاتے ہیں اِن پر پھولوں کی جھولیں اور گردنیاں پڑی رہتی ہیں - اِن کے سامنے اصطبل کا داروغہ اور اُس کے ماتحتین رہتے ہیں جو راجہ کو آداب بجالاتے ہیں اِن کے بعد برہمن - پُجاری چاول پانی اور آگ اور بہت سے بخورات لے کر دعائیں پڑھتے نکلتے ہیں اور گھوڑوں اور ہاتھیوں پر پانی چھڑکتے ہیں اور اُن کے گلوں میں گلاب کے پھولوں کے ہار ڈال دیتے ہیں - یہ سب رسمیں راجہ کے سامنے ادا ہوتی ہیں اور راجہ صرف اِسی موقع پر سال بھر میں ایک دفعہ سونے اور جواہرات کے تخت پر بیٹھتا ہی لیکن راجہ حال (اچتیا رائے) اِس تخت پر نہیں بیٹھتا لوگوں کا کہنا ہی کہ اِس تخت پر صرف وہی شخص بیٹھ سکتا ہی جو راست باز اور ایمان دار ہو جو کبھی جھوٹ نہ بولے اور اِس راجہ کی عادات تو اِس کے بالکل برعکس ہیں - اِس تقریب میں راجہ کے سامنے سے پوری ایک ہزار عورتیں ناچتی اور گاتی اور راجہ کو ڈنڈوت کرتی ہوئی گزرتی ہیں - تمام منڈوؤں کی سیر اور تماشے دیکھنے کے بعد راجہ کے سامنے سے اُس کے گھوڑے اور ہاتھی اور بیلوں کی جوڑیاں (جو تمام زیورات اور جواہرات سے آراستہ رہتی ہیں اور اُن پر مغرق جھولیں پڑی رہتی ہیں) گزرتی ہیں اِن سب کے بعد نہایت خوب صورت اور حسین چھتیس رانیاں آتی ہیں جن کے عمدہ لباس اور زیورات جگمگاتے رہتے ہیں اِن سب کے ہاتھوں میں آرتھیاں (سونے کی تھالیاں اور اُن میں چراغ جلتے ہوئے) رہتی ہیں اِن کے پیچھے راجہ کی دوسری رانیاں لونڈیاں اور باندیاں نوکر چاکر ہوتے ہیں - عورتوں کے ہاتھوں میں سونے کی موٹھ کی چھڑیاں اور مشعلیں رہتی ہیں اِن سب کے ساتھ راجہ اُٹھ کر محل میں چلا جاتا ہی - یہ عورتیں اِس کثرت سے سونے کے زیورات اور جواہرات سے لدی ہوئی رہتی ہیں کہ اُن کے بوجھ سے چلنا بھی مشکل ہوتا ہی - اِسی طرح نو دن تک ہر قسم کے تماشے اور جلسے اور سامانِ طرب و نشاط مہیا رہتا ہی - راجہ کے پاس ایک ہزار پہلوان

ملازم ہیں جو ایسے ہی موقعوں پر پھری - گدکا - بانک - بچھوا - کٹار - پٹے سے لڑتے ہیں اس میں جو جیت جاتا ہی اُسے خلعت ملتا ہی - ان پر بھی ایک عہدے دار مقرر ہی اور ان پہلوانوں کا کام سوائے ایسے موقعوں پر اپنی کثرت اور کرتب دکھانے کے اور کچھ نہیں ہی - نودن کا تہوار ختم ہونے کے بعد راجہ گھوڑے پر سوار ہو کر فوج کا داخلہ دیکھتا ہی اور چھ میل تک برابر دو طرفہ فوج کھڑی رہتی ہی ان میں سے گزر کر جب اخیر میں پونہچتا ہی تو وہاں اُتر کر تین تیر چھوڑتا ہی ایک عادل شاہ کی طرف دوسرا قطب شاہ گول کنڈہ کے رُخ پر اور تیسرا تلنگانیوں کے لیئے جس طرف تیر سب سے دُور نکل جاتا ہی اُسی سلطنت پر اُس سال چڑھائی کی جاتی ہی - ان سب مراسم سے فارغ ہو کر راجہ اپنے محل میں جاتا ہی اور اُس دن راجہ اور سب برت رکھتے ہیں اور دوسرے دن سب مل کر دریا میں اشنان کرتے ہیں - ان ہی نودنوں میں تمام زر مالگزاری سالیانہ پیش کش نذرانہ وغیرہ ابواب آمدنی داخل ہوتے ہیں - رعایا زمین کی مالک نہیں ہی وہ زر مقررہ زمیندار کو دیتے ہیں اور زمیندار ۹/۱۰ حصہ راجہ کو دیتا ہی - ہمیشہ ہفتے کے دن تمام طوائف راجہ کے محل میں حاضر ہو کر دیوں کے سامنے جو راجہ کے محل میں ہی ناچتی گاتی ہیں - اس ملک کے لوگ ہمیشہ ہفتے کے تمام دن اور رات برت رکھتے ہیں دن بھر اور رات بھر نہ کچھ کھاتے ہیں اور نہ پانی پیتے ہیں سوائے ایک دو لونگوں کے کہ وہ صرف منہ صاف کرنے کو ڈال لیتے ہیں راجہ ہمیشہ دان پُن بہت کیا کرتا ہی تین ہزار برہمن تو صرف راجہ کے پروہت اور گرو ہیں جن کو خیرات ملا کرتی ہی - یہ لوگ بڑے دنی الطبع اور طماع ہوتے ہیں - اگرچہ ان کے پاس روپے کی کچھ کمی نہیں ہوتی تاہم گھسے چلے جاتے ہیں پہرے والے دھکے دیتے ہیں اور نکالتے ہیں مگر یہ نہیں مانتے - اُمرا کی سواری کے ساتھ رات کے وقت ہر ہر کے مرتبے کے لحاظ سے مشعلیں رہتی ہیں چار سے کم نہیں اور بارہ سے زیادہ نہیں - راجہ کی سواری کے جلوس میں سو ڈیڑھ سو مشعلیں رہتی ہیں - اس ملک میں پیداوار موم کی کثرت سے ہوتی ہی مگر بیکار کوئی اس کا مصرف نہیں جانتا اگر کوئی تاجر گھوڑے یا کسی قسم کا سامانِ تجارت لائے اور وہ راجہ کے حضور میں پیش کرنا چاہے تو اُس کو چاہیے کہ کوئی چیز سب سے عمدہ گھوڑا یا کوئی اور نادر شئی نذر پیش کرے جب کہیں اُس کی باریابی ہوتی ہی اور اُس کے بعد خریداری کا معاملہ طے ہو جاتا ہی اور اتنے پر اکتفا نہیں ہوتا بلکہ راجہ تک پونہچنے میں بہت سے لوگوں کی مُٹھیاں

گرم کرنی پڑتی ہیں جب کہیں وہاں تک رسائی کی نوبت آتی ہی - راجہ کے حوالی موالی بلا لیے دیے کوئی کام نہیں کرتے - جب کوئی دادخواہ راجہ تک پہنچنا چاہتا ہی تو وہ زمین پر پیٹ کے بل اوندھا پڑ جاتا ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ اس پر بڑا ظلم ہوا ہی تب اُسے اُٹھا کر اُس سے حال دریافت کیا جاتا ہی - اگر راجہ کی سواری نکلی ہی اور کسی کو کوئی داد فریاد کرنی ہو تو وہ ایک چھڑی پر ایک ٹہنی باندھ کر داد داد پکارتا ہوا چلا جاتا ہی سب اُس کے لیے رستہ چھوڑ دیتے ہیں اور وہ راجہ تک بلا روک ٹوک پہنچ جاتا ہی اور راجہ اُس کا بیان سُن کر حکم دے دیتا ہی اور فوراً کسی مصاحب کو دادخواہ کے ساتھ بھجوا دیتا ہی تاکہ وہ رفع شکایت کردے - اگر کوئی کسی مقام پر لوٹے جانے کی فریاد کرے تو فوراً اُس علاقے کے حاکم کو طلب کیا جاتا ہی اور اُس کو حکم دیا جاتا ہی کہ چور کا پتہ لگائے اگر نہ لگا سکے تو خود اُس امیر کو قید کر لیا جاتا ہی یا اُس کی جایداد ضبط کی جاتی ہی - اسی طرح شہر کا کوتوال تمام وارداتوں کا ذمّے دار ہی - اسی وجہ سے اس ملک میں بہت ہی کم چوریاں ہوتی ہیں اور کہیں چوری ہو بھی جاتی ہی تو کچھ دینے دلانے یا ذرا سا اَتا پتا بتانے سے یا جادوگروں کے ذریعے سے چور کا پتہ لگ جاتا ہی کہ شہر والا تھا یا باہر والا کیوں کہ اس ملک میں اس فن کے بڑے بڑے ماہر[۱] ہیں - راجہ کی ملازمت میں پچاس ہزار سپاہی چہرے کے ملازم ہیں جن میں چھ ہزار سوار ہیں جو محلات کی حفاظت پر متعین ہیں اور اسی میں دو سو کا باڈی گارڈ بھی ہی - اس کے علاوہ تیس ہزار برچھے اور ڈھال بردار ہیں - تین ہزار ہاتھی سولہ ہزار سائیس اور تین سو چابک سوار ہیں جو گھوڑوں کو سدھاتے اور سکھاتے ہیں - دو ہزار پیشہ ور لوہار - بڑھئی - معمار - دھوبی وغیرہ ملازم ہیں جن کی مزدوری روزانہ محل کے دروازے پر تقسیم ہوتی ہی - سوار صرف بارگیر ہیں گھوڑے اور اُن کی چندی

---

[۱] گو فی زمانہ یہ بات بظاہر عجیب معلوم ہو لیکن اب تک بھی مختلف طریقے تعویذ اور فال کے اور کڑھائی میں تیل گرم کر کے گولہ نکالنے چاول چبوانے - چھری پڑھ کر رکھنے کے جاری ہیں اور لوگوں کو اِن پر اعتقاد ہی اور اکثر پتہ بھی لگ جاتا ہی - علاوہ اِس کے نقش قدم سے اب بھی پتہ اُٹھاتے ہیں جسے ماگھ نکالنا کہتے ہیں - ریاست جودھ پور میں مینے اب بھی اپنے گاؤں کی چوری کے ذمّے دار ہیں یا پتہ چلا دیں یا خود بھر دیں - یہ لوگ قدم کے نشانات ایک موضع سے دوسرے موضع تک پہنچا کر واردات کا سلسلہ سراغ لگاتے ہیں اور چور کدھر سے آئے اور کس رُخ کو گئے اِن ہی نشانوں سے اِن کو معلوم ہو جاتا ہی یہی طریقہ دکن میں اب بھی جاری ہی پُرانے گوہندے اور سُراغ رساں اِس فن میں بڑے ماہر ہوتے تھے لیکن اب امتدادِ زمانہ سے یہ طریقہ معدوم ہوتا چلا جاتا ہی ۱۲ -

سب سرکار سے ماہانہ ملتی ہی۔ سب گھوڑوں پر داغ کیا جاتا ہی (جیسا کہ اب بھی فوج میں دستور ہی) جب کوئی
گھوڑا اسقط ہو جاتا ہی تو اُس کا چمڑا داخل کر کے مدارنایک سپہ سالار سے فوتی نامہ حاصل کیا جاتا ہی
اور اُسی وقت دوسرا گھوڑا استاد کیا جاتا ہی۔ یہ گھوڑے عموماً ملکی نسل کے ہوتے ہیں اور بارہ یا پندرہ
کا پٹھا بحساب ایک ہزار پر ڈاؤ خرید کیا جاتا ہی۔ راجہ سالانہ تیرہ ہزار گھوڑے ہرمزا اور ملکی نسل کے
خریدتا ہی ان میں سے جو پسند آتا ہی وہ خاصے کے اصطبل میں داخل کر لیا جاتا ہی باقی فوج میں بحساب پانچ
راس فی ہزار پر ڈاؤ کے تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔ جن کی قیمت اُمرا داخل کرتے ہیں اور سٹیٹ کو
معتدبہ رقم منافع میں مل جاتی ہی اور اسی رقم سے عربی گھوڑے بدنگالیوں سے خریدے جاتے ہیں
اور اسی طرح فوج میں تقسیم کیے جاتے ہیں غرض سٹیٹ خزانے پر کسی قسم کا بار نہیں پڑتا اُمرا ہی
ساری قیمت داخل کرتے ہیں۔ راجہ کے محل کے اندر چار ہزار عورتوں سے زیادہ ملازم ہیں جو رات دن محل ہی
میں رہتی ہیں بعض تو ان میں سے ناچتی گاتی ہیں بعض کہاروں کا کام دیتی ہیں۔ محلات کا دَور بہت
وسیع ہی ایک مقام سے دوسرے مقام کا فاصلہ زائد ہی رانیوں اور خود راجہ کو محل کے اندر ہی اندر پالکی
یا تام جھام میں بٹھا کر ہی ایک جگہ سے دوسری جگہ پونہچاتی ہیں۔ پہلوانیاں جو کشتی لڑتی ہیں نجومی اور
فال گو بہت سی عورتیں ہیں۔ محلات کے اندر تمام حساب کتاب عورتیں ہی لکھتی ہیں محلات میں بھی باقاعدہ
دفتر ہی جس میں سب حکم احکام کا اندراج ہوتا ہی جن کا باہر مردانے کے رجسٹروں سے مقابلہ کیا جاتا ہی
کچھ عورتیں عمدہ گانے اور ناچنے والیاں خاصے کی ہیں رانیاں بھی فن موسیقی میں کمال رکھتی ہیں۔ خاص
راجہ کے لیئے خاصہ طیار کرنے پر دس باورچنیں ہیں جو صرف راجہ ہی کا کھانا پکاتی ہیں اور کوئی کام
ان کے ذمے نہیں ہی ان کے علاوہ دعوتوں اور تقاریب کے لیئے اور بہت سی پکانے والیاں ہیں۔
باورچی خانے کے دروازے پر ایک معتمد خواجہ سرا ہر وقت متعین رہتا ہی جو زہر دینے کے خوف سے
کسی غیر کو وہاں گھسنے نہیں دیتا۔ راجہ کے خاصے کے وقت سب ہٹ جاتے ہیں چند مخصوص عورتیں
حاضر رہتی ہیں جن کا کام رسوئی پروسنا ہی۔ راجہ کے سامنے ایک سونے کی گول تپائی بچھائی جاتی ہی
اُسی پر خاصہ سونے اور جواہرات کے جڑے ہوے برتنوں میں چُنا جاتا ہی۔ تپائی پر کوئی کپڑا نہیں بچھایا
جاتا مگر خاصے سے فراغت ہو کر راجہ ہاتھ دھو کر ایک تولیئے سے ہاتھ منہ پوچھ لیتا ہی۔ رانیاں اپنے
اپنے کمروں میں الگ الگ کھاتی ہیں اُن کی حاضری میں اُن کی ملازمہ رہتی ہیں۔ محلات میں پورا عملہ ہی

انفصال مقدمات کے لیئے مجسٹریٹ ناظر محل کی حفاظت کے لیئے پہرہ چوکی سب عورتوں کا ہی۔ راجہ جو لباس ایک دفعہ پہن لیتا ہی پھر دوبارہ نہیں پہنتا۔ جب کپڑے اُتارتا ہی تو جو شخص اِس خدمت پر مامور ہی وہ سنگوا لیتا ہی اور فوراً درج فہرست کر لیا جاتا ہی پھر یہ کپڑا کسی کو دیا نہیں جاتا۔ راجہ کی دھوتیاں نہایت باریک ریشم کی ہوتی ہیں جن کے حاشیے پر کلابتون کا کام ہوتا ہی اور ایک ایک دس دس پرڈاؤ کی ہوتی ہی۔ راجہ ایک قسم کا کرتا پہنتا ہی جسے "باجوری" کہتے ہیں وہ ریشمین کپڑے کا گھیردار ہوتا ہی سر پر لمبی کمخواب کی ٹوپی ہوتی ہی جسے "کُلاہ"[1] کہتے ہیں اس کی قیمت عموماً بیس کروزیڈ ہوتی ہی۔ جب ایک مرتبہ سر سے اُتاری تو پھر اُس کو نہیں پہنتا۔ اِس ریاست میں تعزیرات ذیل جاری ہیں۔ چوری کے لیئے خواہ وہ خفیف ہی کیوں نہ ہو ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کا کاٹ ڈالنا اور اگر بڑی چوری ہو تو ملزم کا ٹھوڑی کے تلے ایک کانٹا چبھو کر مرتے دم تک ٹانگ دینا۔ زنا بامحصنہ یا باکرہ کے لیئے بھی یہی سزا ہی اور اگر کسی اور قسم کی ظلم زیادتی ہو تو اُسی مناسبت سے سزا گھٹا بڑھا دی جاتی ہی۔ اُمرا کے لیئے بغاوت کی سزا سولی ہی۔ عام لوگوں کی گردن سر بازار ماری جاتی ہی۔ قتل انسان کے لیئے بھی یہی سزا ہی ڈیول[2] کا یہاں بہت رواج ہی اور ڈیول لڑنے والوں کو یہاں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہی اور جو ڈیول میں مر جاتا ہی اُس کی جائداد بھی اُس شخص کو جو صحیح سلامت بچ نکلتا ہی دے دی جاتی ہی۔ لیکن وزیر کی اجازت حاصل کیئے بغیر کوئی ڈیول لڑنے کا مجاز نہیں ہی۔ بالعموم جو سزائیں دی جاتی ہیں اُن کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں لیکن بعض سزائیں محض راجہ کی مرضی پر موقوف ہیں مثلاً کسی کو ہاتھی سے چروا دینا۔ رعایا ایسی مطیع و فرماں بردار ہی کہ اگر کسی راہ چلتے سے راجہ کی طرف سے کہہ دیا جاوے کہ تو پیٹھ پر ایک بھاری پتھر لے کر سر بازار کھڑا رہ تو وہ سارے دن اسی طرح کھڑا رہے گا جب تک کوئی آکر اُس کا پتھر نہ اُتارے۔ اِس گورنمنٹ کے عہدے داروں کی تفصیل یہ ہی۔

وزیر ریاست (جس کا مرتبہ راجہ کے بعد ہی اور فی الحال سالونایک ہی) خزانچی۔ (معتمد فنانس و صرف خاص) مہتمم محلات۔ مہتمم توشہ خانہ نرور۔ مہتمم اصطبل۔ سالونایک وزیر کے علاقے کی آمدنی گیارہ لاکھ پرڈاؤ طلائی ہی۔ اِس کے علاقے میں کاروسنڈل۔ نگا پاٹم۔ تانجور۔ ترد کوول۔ بوم گیری[3] (بے پتہ)

---

[1] کلاہ سے ملتا جلتا ہی ۱۲ [2] دو شخصوں کی باہمی لڑائی جو مہلک ہتیاروں سے ہو ۱۲ [3] وقائع نیونز میں بہت سے مقامات کے نام ایسے لکھے گئے ہیں کہ اب اُس نام کا کوئی شہر پایا نہیں جاتا نہ وہ نام کسی موجودہ مقام کے نام سے ملتا جلتا ہی ممکن ہی کہ اس زمانے کے وہ شہر نہ رہے ہوں یا ہوں اور نام بدل گئے ہوں ۱۲۔

دیوی پٹنم - کاہل - یہ سب شہر تھے جس کی حد جزیرہ سیلان تک تھی - اِس ملک کی آمدنی میں سے ثلث تو راجہ
کو پیش کش دی جاتی ہی باقی دو ثلث فوج کے اخراجات کے لیئے رکھ لیا جاتا ہی کیوں کہ وزیر کو بیس ہزار پیدل
تین ہزار سوار اور تیس ہاتھی رکھنا لازمی ہی ان اخراجات کے بعد جو بچ رہے وہ وزیر کی ذاتی ملک تھا
لیکن اِس میں بھی چالاکی کی جاتی ہی کہ جتنی فوج کا معاہدہ ہی اُتنی نہیں رکھی جاتی اور اِس لیئے بڑی بھاری
بچت ہوتی ہی راجہ جب کبھی چاہتا ہی تو ان علاقے جات کو ضبط بھی کر لیتا ہی - آجا پر کا تمپا وزیر کشن رائے
کی آمدنی آٹھ لاکھ پرڈاؤ طلائی ہی[۱] - اِس کے علاقے میں اُودی گیری - گُنڈا ویڑ - بین کنڈہ - گندی کوٹہ
سدوٹ (ضلع کڑپا) ہیں اِس کا علاقہ ایک طرف اُڑلیسہ سے ملا ہوا ہی - اور دوسری طرف کیپ کاموری
(راس کماری) سے - یہ علاقہ کشن رائے نے اس کو وزارت سے سرفراز کرتے وقت دیا تھا - یہ علاقہ
پہلے سالوتما وزیر کا تھا جس کی آنکھیں نکلوا ڈالنے کے بعد آجا پر کا تمپا وزیر ہوا - اِس کے پاس پچیس
ہزار پیدل - پندرہ ہزار سوار اور چالیس ہاتھی رہتے تھے اور یہ تین لاکھ پرڈاؤ پیش کش دیتا ہی - تیسرے
امیر گوپا نایک کے پاس ردسل (راچول متصل گوا) ٹپار - ٹکالو - بگولم - (ان ہر سہ مقامات کا ٹھیک
پتہ نہیں چلتا) تھے - یہ علاقہ سلطنت عادل شاہیہ کے ہم سرحد تھا - اِس علاقے میں گیہوں اور دوسرے
قسم کے غلے - السی - روئی - مویشی اور بکریوں کی کثرت ہی - اِس کی آمدنی چھ لاکھ ہی جس کے معاوضے
میں ڈھائی ہزار سوار بیس ہزار پیدل اور بیس ہاتھی رکھتا ہی اور ڈیڑھ لاکھ پیش کش دیتا ہی - ایک اور
امیر بستپا نایک بنکاپور (دھارواڑ سے جنوب میں) کا والی ہی - اِس حصّے میں پیداوار زراعتی کے علاوہ
افزائشِ نسل مویشی کے فارم موجود ہیں اور تین لاکھ کی آمدنی ہی - بارہ سو سوار اور بیس ہزار پیدل اور
اٹھائیس ہاتھی رکھتا ہی اور اسی ہزار پیش کش دیتا ہی مہتمم توشہ خانہ جات جس کا نام نرودرا ہی یہ سے شہر
اُنڈے گاؤں - ڈیگوٹی - دُرگم - انتارم - اور تمامی زمینات متصل شہر بیجا نگر پر قابض ہی - اِس کی

---

[۱] تمامی سلطنت حصّوں پر منقسم تھی ہر ہر حصّہ ایک ایک امیر جاگیردار یا صوبے دار کے سپرد تھا وہ اپنی مرضی کے موافق محاصل
وصول کیا کرتا تھا اور ایک مقررہ رقم راجہ کو سالانہ دیا کرتا تھا - نرودرا مہتمم توشہ خانے کا علاقہ شہر بیجا نگر سے ملا ہوا تھا ممکن ہی
کہ یہ اراضیات صرفِ خاص کی ہوں یعنی وہ زمینیں جو راجہ کی ذاتی ملک سمجھی جاتی تھیں اور اُن کی آمدنی ذاتی مصارف کے لیئے مخصوص
تھی باقی علاقہ دیوانی کہلاتا ہی جس کی آمدنی سٹیٹ کی ہوتی ہی ۱۲۔

[۲] کشن رائے نے جو نیا شہر آباد کیا تھا وہ تو ناگلاپور تھا اِس نام کے کسی شہر کا پتہ نہیں چلتا ممکن ہی کہ بیجا نگر کے (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

آمدنی چار لاکھ ہی جس میں سے دو لاکھ تو راجہ کو دے دیتا ہی باقی میں بارہ ہزار پیدل چھ سو سوار۔ بیس ہاتھی رکھتا ہی چنپّا نایک فوجی افسر ہی جو کلالی[51] کا والی ہی جو کوچین کی طرف ہی اس کے علاوہ اور بھی شہر اُس کے ملحق ہیں اس کی آمدنی تین لاکھ ہی راجہ کو ایک لاکھ دے کر آٹھ ہزار سوار اور دس ہزار پیدل رکھتا ہی۔ کرشنا نایک ایک بڑے شہر اوسل (نامعلوم) کا والی ہی اور دوسرے شہر بھی اُس کے پاس ہیں جن کے نام بہت مشکل ہونے سے چھوڑ دیے گئے ہیں اس کی آمدنی بیس ہزار ہی۔ سات ہزار راجہ کو دے کر پانسو سوار اور سات سو پیدل رکھتا ہی۔ باچپا نایک بوڑی ہال[52] کا والی ہی جو منگلور واقع ساحل سمندر کے ہم سرحد ہی۔ یہ گائنا (نامعلوم) کا بھی حاکم ہی۔ اس کے علاقے میں مرچ۔ نیشکر۔ سن۔ (جس سے کپڑا بنتا ہی) چاول۔ گیہوں۔ موم کثرت سے پیدا ہوتا ہی۔ تین لاکھ محاصل ہی۔ دس ہزار راجہ کو دے کر آٹھ ہزار سوار اور دس ہزار پیدل اور پندرہ ہاتھی رکھتا ہی۔ ملپا نایک مہتمم صطبل۔ آوتی[53] کا حاکم ہی جو کالی کوٹ کے متصل ہی۔ اس ملک میں لوہا۔ روئی۔ چاول۔ مویشی کثرت سے ہیں محاصل پندرہ ہزار چار سو سوار چھ ہزار پیدل رکھتا ہی اور راجہ کو پانچ ہزار دیتا ہی۔ آدپانایک مشیر اعظم گیٹ[54] کا والی ہی جہاں ہیرے کی کان ہی اور دوسرا علاقہ ملا کر تین لاکھ کی آمدنی ہی اس میں

(بقیہ نوٹ صفحۂ گزشتہ) قرب و جوار میں ایسے چھوٹے چھوٹے شہر ہوں جن کا آج نام و نشان بھی نہیں رہا ۱۲

[50] یہ تینوں مقامات بے پتہ ہیں۔ دگوٹی شاید دگادٹی ہو تعلقہ ہرپن ہلی ضلع بلھاری میں ہی۔ دُرگ تو قلعے کو کہتے ہیں جیسے ملدرگ جلدرگ لیکن کون سا درگ تھا معلوم نہیں ممکن ہی کہ اُس زمانے میں خالی دُرگ کے نام سے کوئی مقام مشہور ہو جیسے اب نگر سے احمد نگر مراد لیا جاتا ہی۔ بلھاری کے جنوب میں راے دُرگ ایک مقام اب بھی موجود ہی۔ انتارم کا پتہ نہیں چلتا ۱۲۔

(نوٹ صفحۂ ہذا) [51] میسور کے جنوب میں (۱۵) میل کے فاصلے پر ہی کہا جاتا ہی کہ اس مقام کو ۱۵۰۰ء میں راجۂ بیجانگر کے کسی عزیز و قریب نے آباد کیا تھا ۱۲

[52] علاقہ میسور میں ہی اور کلالی کی طرح یہ بھی بیجانگر کے حکام کا آباد کیا ہوا ہی اس میں سولھویں صدی کے متعدد کتبے موجود ہیں۔ یہ مقام چتل دُرگ سے بجانب جنوب چالیس میل کے فاصلے پر واقع ہی ۱۲

[53] اوانی ہوگا جو ضلع کولاپور علاقۂ میسور میں ہی۔ یہ جگہ پندرھویں صدی میں ایک مشہور مقام تھا۔ مراسو وکلو نے یہاں ایک نئے حکم راں خاندان کی بنیاد ڈالی تھی ۱۲

[54] ممکن ہی کہ گھاٹ ہو یعنی بالاگھاٹ یا گُتی ہو جہاں سے بیس میل جنوب و غربی رُخ پر وجراکرور نامی مشہور ہیرے کی کان ہی اور ایک بہت عمدہ پہاڑی قلعے کا کھنڈر بھی موجود ہی ۱۲۔

جواہرات شامل نہیں ہیں وہ ایک جداگانہ مد ہی۔ بیس ہزار سالانہ راجہ کو دیتا ہی اور معدن سے جو ہیرا (۲۵) کیرٹ سے زیادہ برآمد ہوتا ہی وہ خزانے میں داخل کیا جاتا ہی۔ آٹھ ہزار پیدل۔ آٹھ سو سوار۔ اور تیس ہاتھی رکھتا ہی اور لاکھ روپیہ سالانہ راجہ کو دیتا ہی۔ ایک دوسرا[سلہ] باجپا نایک مدگل کا حاکم ہی جو پہلے عادل شاہ کا تھا بعد میں کشن راے نے رایچور کے ساتھ فتح کر لیا۔ مدگل اور علاقہ متصلہ ملا کر چار لاکھ کا محاصل ہی۔ ایک ہزار سوار اور دس ہزار پیدل پچاس ہاتھی رکھ کر ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ راجہ کو دیتا ہی۔ اِس طرح سلطنت بیجانگر دو سو حصّوں پر منقسم ہی اور ہر ہر کی حیثیت اور مرتبت کے لحاظ سے تعداد فوج و سالانہ پیش کش کی مقرّر ہی جو وقت مقرّرہ پر داخل ہو جاتی ہی اگر نہ داخل ہو تو سخت سزا دی جاتی ہی بلکہ علاقہ ضبط کر لیا جاتا ہی۔ یہاں کی سواری عموماً پالکی نالکی میانہ تام جھام بوچا ہی۔ لیکن سواے اُمرا کے پالکی پر دوسرا کوئی سوار نہیں ہو سکتا یہ بھی ایک قسم کا اعزاز ہی۔ راجہ کے ہاں بیس ہزار پالکیاں موجود ہیں۔ بیجانگر کی ریاست کی شان و شوکت عظمت و جبروت کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہی شاید ناظرین اسے مُبالغے پر محمول کریں لیکن یہاں کے لوگ تو یہی کہتے ہیں کہ اب کیا دھرا ہی پچھلے زمانے میں یہاں کی شان و شوکت دیکھنے کے قابل تھی اور بدرجہا بڑھی ہوئی تھی۔ اِس ملک میں برہمنوں کا زیادہ دور دورہ ہی یہ لوگ کسی قسم کا گوشت نہیں کھاتے اور یہاں کے جملہ اقوام میں سر برآوردہ ہیں۔ یہ لوگ راست باز اور تاجر پیشہ ہیں اور بڑے عقل مند اور چلتے ہوے ہیں حساب کتاب میں یہ لوگ بڑے پکّے ہیں شکل و صورت اچھے دُبلے پتلے مگر محنت کش نہیں۔ یہی لوگ ریاست کا کاروبار چلاتے ہیں۔ کنڑے[سلہ] لوگ اپنے مندروں میں بندر (ہنومان) گاے بیل۔ (نندی) اور دیوتاؤں کے بُت رکھ کر پرستش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلے یہی بندر انسان کی طرح بولتے تھے اور اِس ملک میں یہی حکمراں تھے۔ اِسی وجہ سے بندروں کو کوئی مارتا نہیں اور ہر جگہ بندر کثرت سے

سلہ اِس فہرست میں مدھرے کا ذکر نہیں ہی لیکن یہ بات تحقیق ہی کہ ۱۴۹۹ء سے وہاں ایک نایک بطور نائب بیجانگر حکمراں تھے۔ چنانچہ براڈ اس نے لکھا ہی کہ مٹو ویر پا نایک نے ۱۶۱۶ء میں چھ لاکھ پگوڈا راجہ بیجانگر کو بمقام چندرگیری خراج دیا تھا غالباً مدھرے کا صوبہ نیونز کے وقت میں ایک معمولی علاقہ رہا ہوگا اور بعد میں بڑا ہوا ہوگا اسی وجہ سے اُس نے نظرانداز کیا ۱۲

سلہ ملک کرناٹک کے رہنے والے کنڑے اور اُن کی زبان کنڑی اور تلنگانہ کے رہنے والے تلنگے اور زبان تلنگی کہلاتی ہی ۱۲

موجود ہیں اور پہاڑ تو سارے کے سارے اِن ہی سے بھرے پڑے ہیں ہنود کے ہاں بہت سی کتابیں پچھلے زمانے کے کارناموں اور بہادریوں اور غیر معمولی قدرت کے کاموں کی ہیں جن پر اعتبار کرنا سخت مشکل بات ہی۔ یہاں تلنگوں کی بھی ایک قوم ہی جب وہ مرتے ہیں تو اُن کی بیویاں اُن کے ساتھ زندہ دفن کی جاتی ہیں۔ راجہ روزانہ برہمنوں کا وعظ سُنتا ہی یہ لوگ شادی نہیں کرتے نہ عورت کو چھوتے ہیں۔ یہ لوگ خدا کے احکام کی پابندی کی تعلیم کرتے ہیں کہ کسی ذی روح کو مارنا نہیں چاہیئے۔ نہ کسی دوسرے کی چیز چھینیں وقس علی ہٰذا۔ گائے کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اُس کا گوبر اور پیشاب تک پاک ہی۔ جو لوگ بڑے پابند مذہب ہیں وہ برہمنوں کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے سامنے اقرار کریں گے۔ یہاں کی عورتیں اپنے شوہروں کے مرنے کے بعد اکثر ستی ہوجاتی ہیں اور ستی ہونا بڑی عزت کی بات سمجھی جاتی ہی۔ شوہر کے مرنے کے بعد عورت کا زیادہ رونا پیٹنا اچھا نہیں سمجھا جاتا بلکہ اُس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ عورت شاید ستی ہونے سے گریز کرتی ہی۔ شوہر کے مرنے کے بعد تمام رشتے دار ستی ہونے کی فہمایش کرتے ہیں اور جو ذرا ہچر مچر کرتی ہی تو کہتے ہیں کہ کیا تو ہماری ناک کاٹے گی اور بدنام کرے گی۔ مردے کو ایک قسم کی چارپائی پر لٹا دیتے ہیں اور اُس پر پھول پتے ڈالتے ہیں۔ عورت کو ایک ٹٹو پر سوار کرتے ہیں جو بناؤ سنگار کرکے زیورات پہن کر نعش کے پیچھے پیچھے جاتی ہی اس کے ایک ہاتھ میں تو آئینہ ہوتا ہی اور دوسرے میں پھولوں کی ٹہنی اور تمام کُنبے والے بڑی خوشی سے باجا گاجا لے کر ساتھ جاتے ہیں۔ ایک شخص ڈھول بجاتا جاتا ہی اور اس مضمون کے گیت گاتا ہی کہ اب کوئی دم جاتا ہی کہ تو اپنے شوہر سے جا ملے گی اور وہ ایسا ملنا ہوگا کہ پھر کبھی جدائی نہ ہوگی۔ وہ عورت بھی اِس کے جواب میں گاتی ہی کہ ہاں مَیں بھی جانتی ہوں کہ مَیں اپنے پیارے خاوند سے جا ملوں گی۔ مرگھٹ جاکر پہلے مرد کو جلاتے ہیں سب سے قریب کا رشتہ دار ایک پانی کی مٹکی لے کر سر پر رکھ لیتا ہی اور ایک دوسری ہنڈیا میں آگ لے کر ہاتھ میں لٹکا لیتا ہی۔ اور تین دفعہ نعش کے گرد پھرتا ہی ہر دفعہ پانی کی مٹکی میں ایک چھید کرتا جاتا ہی اور تین چکروں کے بعد اِس ہنڈیا کو پھوڑ دیتا ہی اور نعش پر جو لکڑیوں اور اُپلوں سے ڈھکی رہتی ہی آگ ڈال دیتا ہی جب مردہ جل جاتا ہی

سلہ کنٹری میں اس کو سدگی کہتے ہیں اور سنسکرت میں اُسُندی ۱۲۔

تو عورت آکر اپنے پاؤں دھوتی ہی تب ایک برہمن مذہبی رسوم ادا کرتا ہی۔ جب پوجا پڑھنا پڑھانا ہوچکتا
ہی تو وہ عورت ایک ایک کرکے اپنے سب زیور اُتار کر اپنے قرابت داروں میں تقسیم کرتی ہی اور اگر اولاد
ہی تو اُن کو اپنے رشتے داروں کے سپرد کرتی ہی۔ سب زیور اور اچھے اچھے کپڑے اُتار کر اُسے ایک
زرد ساڑی پہنا دیتے ہیں ایک ہاتھ تو اُس کا کوئی رشتے دار پکڑ لیتا ہی اور دوسرے میں پھولوں کی
ٹہنی ہوتی ہی اور گاتی ہوئی چتا کے گرد تین مرتبہ پھرتی ہی اور پھر چتا پر چڑھ جاتی ہی اور اُس کے سامنے
ایک گڑھے میں آگ دہکتی رہتی ہی وہ ایک بوریے کے ٹکڑے سے اپنے مُنہ کے سامنے آڑ کر لیتی ہی تاکہ
آگ دکھائی نہ دے۔ لوگ ایک پوٹلی چاولوں کی اور ایک پوٹلی پانوں کی اور آئینہ اور کنگھی جس سے وہ
سنگھار کرتی تھی آگ میں ڈال دیتے ہیں اس خیال سے کہ بعد مرنے کے یہ سب چیزیں اُسے فوراً
مل جائیں گی۔ پھر وہ عورت سب سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوتی ہی اور ایک گھڑیا تیل کی اپنے سر پر
رکھ کر بڑی ہمت اور جرأت سے دھڑام سے آگ میں کود پڑتی ہی کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے
ہیں۔ اُس کے کودتے کے ساتھ ہی سارے رشتے دار جلتی ہوئی آگ میں اُوپر سے لکڑیاں ڈال دیتے
ہیں اور ایسا شور وغل اور واویلا کرتے ہیں کہ آواز نہیں سُنائی دیتی۔ جب کوئی بڑا آدمی یا راجہ مرتا
ہی تو اُس کی جتنی رانیاں ہوتی ہیں سب ایک دم ستی ہو جاتی ہیں۔ یہی طریقہ تمام ہنود میں جاری ہی البتہ
تلنگوں میں یہ ہی کہ اُن کی بیویاں شوہروں کے ساتھ زندہ دفن ہو جاتی ہیں۔ قبر میں دو چبوترے بنائے
جاتے ہیں ایک طرف مرد بٹھلایا جاتا ہی اُس کے محاذی عورت بیٹھتی ہی اور تھوڑی مٹی ڈالتے
ڈالتے گڑھے کو پاٹ دیتے ہیں۔ عورت بھی اُسی میں مرکر رہ جاتی ہی۔

تیئیسواں باب

برہمنوں کے رسوم میت (کریا کرم)

جب کوئی برہمن قریب للمرگ ہوتا ہی تو جس خاندان کا جو گرو ہو بُلایا جاتا ہی وہ آکر مذہبی تلقین کرتا
ہی اور خیرات کرنے کو کہتا ہی۔ پھر مریض کا سر مُنڈا کر دھلا دیتے ہیں اور پھر ایک گائے اور بچھڑا گھر
میں لاکر گائے کے گلے میں ایک سرا پگڑی کا باندھ دیتے ہیں اور دوسرا سرا بیمار کے ہاتھ میں پکڑا دیتے

ہیں تب وہ گائے اور بچھڑے کو اپنی نجات کی غرض سے برہمنوں کو جو رسوم ادا کرتے ہیں خیرات دے دیتا ہی۔ اُسی دن برہمنوں کو کھانا کھلایا جاتا ہی اور حسب حیثیت خیرات کی جاتی ہی۔ ہندوؤں کا اعتقاد ہی کہ اِن رسوم سے یا تو بیمار جلد اچھا ہو جاتا ہی یا یہ کہ اُس کی مشکل آسان ہو جاتی ہی اور وہ جلد مر جاتا ہی مر جانے کے بعد جس جگہ پر مُردہ پڑا ہوتا ہی وہ زمین دھوئی جاتی ہی اور پھر گوبر سے لیپ کر مُردے کو وہاں رکھ دیتے ہیں۔ اِن کے مذہب میں سوائے زمین کے چارپائی پر مرنا گناہ ہی۔ جب مُردے کو زمین پر لٹا دیتے ہیں تو اُس کے واسطے ایک سدگی بنائی جاتی ہی یعنی لکڑیوں کی ٹٹی اور مُردے کو خوب نہلا دُھلا کر تیل مل کر سدگی پر رکھ کر اوپر سے نیا کپڑا لپیٹ دیتے ہیں اور پھول وغیرہ خوشبودار چیزیں ڈال دیتے ہیں پھر چار آدمی جو رشتے دار ہوتے ہیں مُردے کو کندھے پر اُٹھا کر مرگھٹ کو لے جاتے ہیں اور آگے آگے باجا بجاتے ہوئے گاتے جاتے ہیں۔ سب سے آگے آگے متوفی کا بڑا لڑکا یا لڑکا نہ ہو تو جو قریب تر وارث ہو آگ لے کر چلتا ہی۔ جب مرگھٹ پر پہونچ جاتے ہیں تو اپنی حیثیت کے موافق خیرات کرتے ہیں پھر آگ دے دیتے ہیں اور جب تک کہ سارا مُردہ جل نہ جائے وہیں بیٹھے رہتے ہیں بعد تالاب میں نہا دھو کر گھر کو واپس آتے ہیں۔ بیٹا بھائی یا جو قریب کا رشتے دار ہی وہ جہاں مُردہ جلایا جاتا ہی نو دن تک رات کو وہیں زمین پر سوتا ہی۔ (اب یہ دستور نہیں ہی) اور نو دن کے بعد برہمن آ کر وارث کا سر اور مونچھیں منڈواتے ہیں جسے بھدرا کرنا کہتے ہیں۔ اور اِس طرح نو دن تک سوتک رہتی ہی جس میں کسی کو چھو نہیں سکتے۔ اِن دنوں میں اپنی اپنی حیثیت کے موافق برہمنوں کو کھلاتے ہیں اور دان پُن کرتے ہیں۔ دسویں دن پھر مرگھٹ پر جا کر بہت سے رسوم ادا کیے جاتے ہیں اور جو ہڈیاں جلنے سے بچ رہتی ہیں اُن کو یا تو وہیں گڑھے میں دفن کر دیتے ہیں یا گنگا میں ڈالنے کو کاشی (بنارس) کو بھیج دیتے ہیں جو ہنود کا بہت بڑا متبرک مقام ہی وہاں جو مرتا ہی سیدھا بہشت میں جاتا ہی اور جس کی ہڈیاں وہاں بہائی جائیں وہ بھی بیکنٹھ کو جاتا ہی۔ مرنے کے بعد دن وار ہوتا رہتا ہی یعنی مُردے کو ثواب پہونچانے کی نیت سے برہمنوں کو کھلایا جاتا ہی اور پھر ہر سال برسی کے دن برہمن کھلائے جاتے ہیں۔

تیسرا ضمیمہ

ہندوستان کے مشہور ہیرے

گو بادی النظر میں وہ بیانات مُبالغہ آمیز معلوم ہوں جو راجۂ بیجانگر اور اُس کے اُمرا کے تموّل اور تہواروں میں رانیوں کے بے شمار زیورات اور جواہرات سے لدے ہوئے ہونے کے متعلق نیونز نے کیے ہیں لیکن میرے خیال میں کوئی وجہ اس میں شک وشبہ کی نہیں پائی جاتی۔ نیونز نے خود لکھا ہی کہ اس ریاست میں ہیرے کی کان موجود تھی (اور اُس زمانے وہی دُنیا بھر میں سب سے بھاری کان تھی) جس کا اگریمنٹ اس شرط پر ہوا تھا کہ جو ہیرے (۲۵) قیراط سے زیادہ وزن کے برآمد ہوں وہ کُل کے کُل راجہ کے خزانے میں داخل کیے جائیں اور اس میں شک نہیں کہ ایسے بہت سے ہیرے نکلتے ہوں گے۔ برآڈ اس نے لکھا ہی کہ اس سلطنت کے زوال کے بعد بھی ۱۶۱۴ء میں چندر گیری کے راجہ کے پاس کم سے کم تین بڑے بڑے صندوق ہیروں سے بھرے ہوئے تھے اور اسی کے قریب قریب ہر سیلح اور وقائع نگاروں نے لکھا ہی ہیرے کی بڑی بڑی کانیں دریائے کرشنا کے شمالی کنارے پر کرنول اننتا پور اور وجرا کرو میں تھیں۔ عموماً یہی معدن ہائے گول کنڈے کے نام سے مشہور ہیں اور ان کی شہرت یہاں تک بڑھی ہی کہ ضرب المثل ہو گئی ہی۔ لنس کاٹن لکھتا ہی کہ ہیرا الملک دکن میں بالا گھاٹ کے عقب میں شہر بیجانگر میں نکلتا ہی جہاں دو تین پہاڑ ایسے ہیں جن میں سے ہیرا کھودا جاتا ہی جس سے راجۂ بیجانگر کو بڑی بھاری آمدنی ہی کیوں کہ وہ ان معدنوں پر بڑی سخت نگرانی رکھتا ہی اور اس شرط پر اجازت برآمد کی دی گئی ہی کہ جو ہیرا (۲۵) قیراط سے زیادہ ہو وہ سب راجہ کی ملک ہوتا ہی۔ دکن میں اور ایک دوسرا پہاڑ بھی ہی جس کا نام ولہا (پُرانا پہاڑ) ہی وہاں کا ہیرا زیادہ عمدہ اور مشہور ہی اور بڑی قیمت سے بکتا ہی۔ بعض وقت چار سو رتی سے آٹھ سو رتی وزن کا ہیرا بھی نکل آتا ہی مگر اس قدر بڑا ہیرا شاذ و نادر ہی نکلتا ہی۔ شہر بیجانگر کی لوٹ میں جو ہیرا مُرغ کے انڈے کے برابر ملنا بیان کیا جاتا ہی جو

عادل شاہ کو دیا گیا تھا اُس کے متعلق کوٹو کا بیان ہے کہ اِس ہیرے کو راجہ اپنے گھوڑے کی کلغی میں لگاتا تھا۔ گرسیا ڈا آرٹا جو ۱۵۳۴ء میں ہندوستان میں تھا وہ لکھتا ہے کہ اُس نے بیجانگر میں ایک ہیرا مُرغی کے چھوٹے انڈے کے برابر بلکہ اِس کے علاوہ بھی اُس نے تین ہیرے ۱۵۰-۱۷۵-۱۱۲۰۱/۲ قیراط کے دیکھے ہیں۔ ڈاکٹر بال نے "بابر"۔ "مغل"۔ "پٹ"۔ کوہِ نور اور دوسرے بڑے بڑے ہیروں کا ذکر اپنے ضمیمہ نشان (۱) میں کیا ہے۔ شائقین اُس کتاب کو ملاحظہ کرسکتے ہیں۔

بیجانگر میں جو ہیرا مُرغی کے انڈے کے برابر تھا وہ ہیرا نہیں ہوسکتا جو بابر کے پاس تھا کیوں کہ بیجانگر والا ہیرا ۱۵۶۵ء میں برآمد ہوا اور بابر والا ہیرا اُس کے بیٹے ہمایوں کو آگرے میں ۱۵۲۶ء میں دستیاب ہوا تھا بلکہ اُس کی کیفیت ۱۳۰۴ء سے معلوم ہے کہ علاءالدین خلجی نے اُس ہیرے کو مالوے کے راجہ سے لیا تھا پس یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ وہی ہیرا چالیس برس بعد راجۂ بیجانگر کو ملا ہو۔ ڈاکٹر بال کا خیال ہے کہ غالباً "کوہِ نور" اور "مغل" دونوں ایک ہی ہیرے کے نام ہیں۔ پس کیا یہ بیجانگر والا ہیرا جسے "تخمِ مُرغ" کہتے تھے یہی کوہِ نور تھا؟ نہیں۔ کیوں کہ بیجانگر والا ہیرا جو بیجانگر کی لُوٹ کے وقت ملا تھا معلوم نہیں کہ وہ تراشا ہوا تھا یا نہیں اگر وہ تراشا ہوا تھا تو پھر یہ شبہ بالکل رفع ہوجاتا ہے۔ کیوں کہ کوہِ نور ۱۶۵۶ء یا ۱۶۵۷ء تک یقیناً تراشا نہیں گیا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اِس بارے میں کوئی ٹھیک بات معلوم نہیں ہوسکی۔ "تخمِ مرغ" والے ہیرے کو عادل شاہ ۱۵۶۵ء میں غالباً بیجاپور لے گیا تھا اور یہ امر قرینِ قیاس نہیں ہے کہ وہی ہیرا ۱۶۵۶ء میں اتنی مدت بعد بلا تراشا ہوا میر جملہ کے ہاتھ لگا ہو کوہِ نور کلور میں جو رودِ کرشنا پر واقع ہے ۱۶۵۶ء میں ملا تھا۔ میر جملہ اُن دنوں اِس معدن پر تھا اُس نے شاہ جہاں بادشاہ کو نذر دیا۔ اِس کا وزن (۷۵۶) انگریزی کیرٹ تھا۔ وہ ہارٹنسیو بارگیو (Hortensio Borgio) جوہری کو دیا گیا اُس نے اسے ایسا خراب اور برباد کیا کہ جب ۱۶۶۵ء میں ٹیونیر (Tavernier) نے اورنگ زیب کے خزانے میں دیکھا تو اُس وقت اُس کا وزن صرف ۲۶۸ ۱/۲ کیرٹ رہ گیا تھا۔ ۱۷۳۹ء میں جب نادر شاہ نے دہلی کو لوٹا تو وہ اِس ہیرے کو ملکِ فارس میں لے گیا تھا اور اُسی نے اِس کو "کوہِ نور" کا مشہور نام دیا۔ نادر شاہ کے قتل کے بعد ۱۷۴۷ء میں یہ ہیرا اُس کے پوتے شاہ رُخ کو ملا چار سال بعد شاہ رُخ نے احمد شاہ دُرّانی کابلی کو دیا اور اُس نے اپنے بیٹے تیمور کو دیا۔ ۱۷۹۳ء میں یہ وراثۃً تیمور کے بیٹے شاہ زماں کو ملا جس کو اُس کے بھائی محمود نے اندھا کرکے

تخت سے اُتار دیا لیکن شاہ زماں اِس ہیرے کو قیدخانے میں بھی اپنے پاس ہی چھپائے رہا ۱۷۹۵ء میں یہ ہیرا اُس کے بھائی سلطان شجاع کو ملا ۱۸۰۹ء میں جب شجاع کابل کا بادشاہ ہوا الفنسٹن صاحب نے یہ ہیرا بمقام پشاور اُس کے کنگنے میں دیکھا ۱۸۱۲ء میں شجاع کو محمدؐ نے تخت سے اُتار دیا تو وہ بھاگ کر لاہور آیا جہاں اُسے رنجیت سنگھ حاکم پنجاب نے قید کر لیا ۱۸۱۳ء میں ایک معاہدہ ہوگیا جس کی رو سے شجاع نے کوہِ نور رنجیت سنگھ کو دے دیا۔ رنجیت سنگھ اکثر اِس ہیرے کو پہنتا تھا اور بہت سے یورپینوں نے اُسے لاہور میں پہنے ہوئے دیکھا ہی۔ رنجیت سنگھ نے ۱۸۳۹ء میں انتقال کیا تو دلیپ سنگھ کی صغرسنی اور اُس کے وارث تسلیم کیے جانے تک توشہ خانے میں محفوظ رہا ۱۸۴۹ء میں جب پنجاب کا الحاق کیا گیا تو سرجان لارنس نے کوہِ نور کو ملکہ معظمہ وکٹوریہ کی خدمت میں انگلنڈ روانہ کر دیا۔ ۱۸۵۱ء کی پہلی بڑی نمایش میں کوہِ نور کی نمایش کی گئی۔ ۱۸۵۲ء میں کوہِ نور کو امسٹرڈم کے ایک مشہور جوہری نے جس کا نام ووریسنگر (Voorsanger) تھا (یہ شخص مشہور سوداگران کرارڈ نامی کا ملازم تھا) دوبارہ تراشا اب کوہِ نور کا وزن ۱۰۶ ۱/۱۶ قیراط ہی "تخمِ مرغ" کا پتہ نہ چلا کہ عادل شاہ کے قبضے میں آنے کے بعد اُس کا کیا حشر ہوا۔ ایچ ڈی مانٹ فرٹ ۱۶۰۸ء میں ہندوستان میں تھا اُس نے جہانگیر بادشاہ کے پاس ایک بہت بڑا ہیرا دیکھا تھا مگر اُس میں سوراخ تھا وہ لکھتا ہی کہ "میں نے مغل بادشاہ کے پاس ایک ہیرا مرغی کے انڈے کے برابر اور اُسی شکل کا دیکھا ہی جس میں بازو پہ باندھنے کے لیے سوراخ کر دیے گئے تھے اُس کا وزن (۱۹۸) مانگلن[۲] تھا"

---

[۱] ماخوذ از H. de Montfort صاحب کی کتاب ترجمہ "پیمائش مشرقی ممالک ہند" مطبوعہ ۱۶۱۵ء صفحہ ۳۴

[۲] Mangelin چار رتی کا ہوتا ہی ۱۲۔

چوتھا ضمیمہ

چودھویں صدی میں دکن کا تموّل

سنہ ۱۳۱۰ء میں بزمانِ سلطنتِ سلطان علاء الدین خلجی بادشاہِ دہلی ملک کافور نے ملکِ دکن و ساحلِ ملیبار پر حملہ کر کے ہندوؤں کے تمام مندروں کو لوٹ ڈالا تھا اور علاقہ میسور اور تمام ملک کو تباہ کر دیا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ دہلی گیا تو اتنی بہت دولت سمیٹ لے گیا کہ جس کا تعین کرنا از حد مشکل ہے تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ " مندروں کی لوٹ میں بے شمار دولت ملی۔ سونے کے بُت اور جواہرات اور دوسری نقدیات کا کچھ حساب نہ تھا۔ ملک کافور نے بادشاہ کو (۳۱۲) ہاتھی بیس ہزار گھوڑے چھیانوے ہزار من سونا بہت سے صندوق جواہرات اور موتیوں اور دوسری قیمتی اشیار کے نذر دیے "۔

سونے کے وزن کا حساب لگانے میں ہم کو خلجان ہوتا ہے کیوں کہ ہندوستان میں مختلف مقدار کے من جاری ہیں کہیں بارہ سیر کا ہوتا ہے تو کہیں چالیس سیر کا بعض جگہ اس سے بھی بڑھ کر ٹراونکور میں انتیس پونڈ کا من ہوتا ہے تو احمد نگر میں ۱۶۳ ½ پونڈ کا۔ مدراس ۲۵ پونڈ۔ بمبئی ۲۸ پونڈ۔ ہاکن نے سنہ ۱۶۱۱ء میں ۵۵ پونڈ کا من لکھا ہے۔ مڈلٹن سنہ ۱۶۱۱ء میں ۳۳ پونڈ کا من بتلاتا ہے۔ فرشتہ کا تعلق زیادہ تر احمد نگر ہی سے تھا تو ضرور ہے کہ وہیں کا من اس نے لکھا ہوگا تو اِس حساب سے چھیانوے ہزار من سونے کی قیمت ایک بڑی بھاری رقم ایک کروڑ چھپن لاکھ بہتّر ہزار پونڈ[1] ہوتی ہے۔ یہ بات بہت بعید از قیاس ہے کہ فرشتہ نے ٹراونکور جیسے دور دراز مقام کا من پکڑا ہو۔ اگر مدراس کے مروجہ من سے بھی حساب کیا جائے تو بھی سونے کا وزن چوبیس لاکھ پونڈ ہوتا ہے۔ اب ناظرین چاہیں اِس تعداد کو صحیح باور کریں یا نہ کریں مگر اس میں شک نہیں کہ مندروں میں بڑی بھاری دولت کا ذخیرہ

[1] پندرہ روپے کا پونڈ ہوتا ہے اور وزن کے اعتبار سے پونڈ آدھ سیر کا ہوتا ہے ۱۲

رہتا تھا وجہ اُس کی یہ بھی کہ ہندووں کی عمل داری تھی - برسوں سے خزانہ جمع ہوتا چلا آتا تھا - نذر - نیاز
چڑھاوا - بھینٹ کے علاوہ برہمنوں کو اکثر مواقع پر بہت کچھ دولت ملتی رہتی تھی - راجہ اُمرا - سوداگر
زمیندار - غرض ہر شخص اپنی اپنی عبادت گاہوں میں دل کھول کر نذر نیاز چڑھاتا تھا اور یہی سلسلہ
ایک ایسے زمانۂ دراز سے جاری تھا کہ جس کا پتہ تاریخ سے بھی نہیں چلتا نہ کبھی لوٹ مار ہوئی پس
اس دولت کا کیا ٹھکانا ہی اِس سے ظاہر ہی کہ جس نے سب سے پہلے اِن مندروں کو لوٹا ہوگا واقعی
اُس کے ہاتھ بے قیاس اور بے شمار دولت ہاتھ لگی ہوگی - اور وہ ضرور ایسی دولت سمیٹ لے گیا
ہوگا جو نہ گنی جائے نہ دھری جائے نہ خیال میں آئے - کرنل ڈو نے ترجمۂ تاریخ فرشتہ میں ملک کافور
جو سونا لوٹ لے گیا اُس کی قیمت انگریزی سکّے میں دس کروڑ پونڈ لگائی ہی ا - اَلْعَظَمَةُ لِلّٰهِ -

لہ اب بھی بڑے بڑے مندروں کی دولت کا شمار نہیں - نقدیات کے علاوہ جو منت مراد والے آتے ہیں عورت مرد سب
اپنے مقدور کے موافق نقد و زیور چڑھاتے ہیں - چنانچہ بیجاپور ضلع نلدرگ کے دیول کو ہم نے دیکھا ہی جہاں بھوانی کی دیوی ہی وہاں
ہزاروں روپے سالانے کی نذر نیاز اب بھی چڑھتی ہی سرکارِ عالی نظام کی طرف سے وہاں عہدہ دار و عملہ مقرر ہی جو باقاعدہ
حساب کتاب رکھتا ہی - ہزارہا روپے کے زیورات اور جواہرات موجود ہیں چنانچہ دیوی کی ٹوپی بالشت بھر لمبی سونے کی ہی
جس میں تمام جواہرات جڑے ہوئے ہیں اور جس کی قیمت بیس پچیس ہزار روپے اندازہ کی جاتی ہی اسی طرح انواع و اقسام
کے زیورات ہیں - بیدر کے متصل نارائن گڈھ ایک مقام ہی وہاں بہت بڑا معبد ہنود کا ہی وہاں کے گرو کو کسی نے
مار ڈالا تھا میں اُس سٹیٹ کی ضبطی کو گیا تھا وہاں بھی میں نے دیکھا روپیہ پیسہ اشرفیاں زیورات برتن بھانڈے
گھوڑے - بیل - گائے - کسی چیز کا شمار نہ تھا - جب اِس زمانے میں یہ حالت ہی کہ لاکھوں روپیوں کی دولت دیولوں
میں موجود ہی تو اُس زمانے میں جب کہ خود ہندووں کی سلطنت تھی اور تموّل اور اعتقاد دونوں زیادہ تھے تو کروڑوں
کی دولت جمع ہونا کیا عجب ہی - ۱۲۰ -

قطعۂ تاریخ نوشتہ جناب مولوی سید عبد الخالق صاحب (احسنؔ) رائے بریلوی
صدر مدرس فارسی مدرسۂ فوقانیہ چادرگھاٹ بلدہ حیدرآباد دکن

قرنہا شد کافتابِ سطوتِ بیجانگر
بود تاباں بر فرازِ آسماں باکرّ و فر

سارسیانے در دکن بر ساحلِ تنگ بھدرا (شہر آباداں ۱۲)
رُوکشِ گلزارِ ارازماں بود رشکِ کاشمر

داد فرمایاں کہ بارایاں ملقّب بودہ اند
زیب بخشِ تاجِ شاہی (گلزار ابراہیم ۱۲) زینتِ اورنگِ زر

محو شد از صفحۂ ہستی نشان و نامِ شاں
بلدۂ بیجانگر شد یک قلم زیر و زبر

جا بجا کاخ و منازل بود و ہم اصنام و دیر
جا بجا سنگی ستون مانندِ ہرماں در نظر

با زبانِ حال چوں تصویرِ حیرت در مقال
ماجرائے جاہ و عظمت تختگاہ و تاجور

چغد ہُوہُو می کنند بر ہر مکانِ بے مکیں
فاختہ گُوگُو کنند بہرِ مکیں بر ہر شجر

خامشی بر شہرِ خاموشاں مسلط آنچناں
مُہرِ خاموشی نشکند تا نہ گرید ابرِ تر

در سلف بیجانگر جانِ جہاں لاریب بود
حالیا بیجانگر را پیکرِ بے جاں نگر

الغرض تاریخ آں ویرانۂ عبرت نشاں
مولوی حضرت بشیر الدین احمد خوش سیر

کرد تالیف آں چناں کاں گشت مطبوعِ عوام
وز مضامینش شدہ مسرور ہر فردِ بشر

بہرِ سالِ طبع - احسنؔ گفت نادر مصرعہ
نامۂ رایانِ کہف السلطنت بیجانگر
۱۳ ۲۹

تاریخ نوشتہ مولوی محمد کمال الدین صاحب تحصیلدار گنگاوتی ضلع رائچور

ذی علم و فضل لائق و فائق بشیر دیں
اظہار کرد ماضیہ اسرار سرنوشت

تاریخ شد مرتب و گردید سالِ او
از نیک و بد وقایعِ بیجانگر نوشت
ھ ۱۳ ۲۹

سال[1] انطباع تاریخ بیجانگر از لطیف احمد

۱۹۱۱ع

زہے عہدہ دارِ دیارِ دکن — زہے حاکمِ فوجداری و مال

سزاوارِ صد داد و صد آفریں — جنابِ بشیر احمدِ خوش مقال

ہیں باپ اُن کے وہ مولوی دہلوی — جو رکھتے ہیں ڈگری دو لام و دال[2]

یکے از مشاہیرِ ہندوستان — ڈی۔او۔ال نذیر احمدِ پُرکمال

لکھے اُس نے وہ واقعاتِ غریب — جسے کہیئے اعجاز و سحرِ حلال

یہ وہ بھولی بسری ہوئی بات ہے — کہ جس کا نہ تھا کچھ گمان و خیال

یہ ہے کوئی قصہ کہانی نہیں — کہ رایانِ بیجانگر کا ہے حال

صحیح از صحیح اس میں ہیں واقعات — نہ کچھ چوک اس میں نہ کچھ بھول بھال

کچھ افراط و تفریط اس میں نہیں — نہیں اس میں گنجایشِ قیل و قال

اگر واقعی پوچھیئے تو یہ ہے — عدیم العدیل و فقید المثال

ہوئی چھپ کے طیار جب یہ کتاب — ہوا سال کا اس کے ہم سے سوال

ہم اس سوجھ کے صدقے گوا لطیف — نئی کچھ روش ہے نئی کچھ نہ چال

اگر حرف کو لفظ کیجے شمار — تو۔ تاریخ بیجانگر خود ہے سال

۱۹۱۱ع

[1] قطعۂ تاریخ نوشتہ جناب مولوی حکیم لطیف احمد صاحب رئیس تھلی ضلع سارن ۱۲

[2] یعنی۔ایل۔ایل۔ڈی۔ ۱۲

زبر بینات

حرف مادہ	ت	ا	ر	ی	خ	ب	ی	ج	ا	ن	گ	ر	۱۹۱۱ع
حرف ملفوظی	تا	الف	را	یا	خا	با	یا	جیم	الف	نون	گاف	را	
اعداد	۴۰۱	۱۱۱	۲۰۱	۱۱	۶۰۱	۳	۱۱	۵۳	۱۱۱	۱۰۶	۱۰۱	۲۰۱	=

(پانچواں ضمیمہ)
(شجرۂ خاندانِ اوّل بیجانگر)
متعلق بہ صفحہ (۴۴)
سنگم
ہریہر پا ہریپا اوّل
کمپا
سنگم
بکاّ اول
(زوجہ گوری یا گوریمبیکا)
مارپا
مدپا
ہریہر دوم (زوجہ مالمبیکا)
بکاّ دوم
دیوراپا اوّل (زوجہ بیمبیکا)
دیوراجایا (زوجہ نارائمبیکا)
دیوراپا دوم
پرتاپ دیوراپا
ویرپاکش اول
ملکارجن
یہ شجرہ اپیگریفیکا انڈیکا جلد سوم
صفحہ (۳۶) سے نقل کیا گیا ہی

(چھٹا ضمیمہ)

(شجرۂ خاندانِ دوم بیجانگر متعلق بہ صفحہ (۲۵۴)

تما (زوجہ دیوکی)

ایشور (زوجہ کما)

نرسا یا نرسنہوا (تین بیویاں تھیں)
(سنہ ۱۴۹۰ء میں تخت پر غاصبانہ قابض ہوا)

- از بطنِ ابامبیکا
  - اچیا — سنہ ۱۵۳۰ء سے ۱۵۴۱و۱۵۴۲ء تک
    - ونکٹ
  - رنگا — زوجہ تمہا
    - سداسیو — سنہ ۱۵۴۲ء سے سنہ ۱۵۶۷ء تک برائے نام راجہ رہا
- از بطنِ ناگلا
  - کشن دیو — سنہ ۱۵۰۹ء سے سنہ ۱۵۳۰ء تک
    - لڑکی زوجہ ترمل راج
    - لڑکی زوجہ رام راج
- از بطنِ پتاجی
  - ویر نرسنہوا — چند سال سنہ ۱۵۰۹ء تک راجہ رہا

(ساتواں ضمیمہ)

(شجرۂ خاندانِ سوم بیجانگر) متعلق بہ صفحہ (۳۰۲)

سری رنگا رائلو عرف رنگا اول
زوجہ ترمولانبا

وِنکٹادری
(۱۵۶۵ء میں جنگ تالی کوٹہ میں مارا گیا)

رنگا پنجم

گوپالا
(جس نے رنگا ششم کو متبنّٰی لیا تھا)

ترمل (رایا راج) اول
مسند آرا ۱۵۶۷ء
زوجہ ونگلا دخترِ کشن دیورایا

ونکٹا اول
۱۵۸۶ء و ۱۶۱۴ء

راما سوم

رنگا سوم

راما چہارم
(کئی بھائیوں میں ایک)

ترمل دوم

رنگا دوم
۱۵۷۵ء و ۱۵۸۶ء

رگھناتھ

"آلیا" یعنی داماد رام رایا (رایا راج) دوم ۱۵۶۵ء میں جنگ تالی کوٹہ میں مارا گیا (زوجہ ترو ملمّا دخترِ کشن دیو رایا (رائے)

سری رنگا رائلو چہارم
(پانچ بھائیوں میں ایک)

چِنّا (خورد)
ونکٹ پتی رائلو (سوم)

رنگا ششم
جس کو گوپالا نے متبنّٰی لیا تھا ۱۶۴۲ء

پِدّا (کلاں)
ونکٹ پتی رائلو (دوم)
۱۶۳۰ء و ۱۶۴۲ء
زوجہ بنگا راما
(لاولد)

منقول از اپیگرافیکا انڈیکا

(یہ شجرہ راجہ صاحب حال کا دیا ہوا ہے)
چنا ونکٹ پتی رایلو (سوم)
رنگا ششم
گوپالا کا متبنیٰ
ترمل
ویرونکٹ پتی رایلو
چندرگیری اور دوسرے مقامات کرناٹک میں حکمران تھا
اس نے ۱۶۳۹ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک قطعہ زمین کا
مدراس کے قریب دیا تھا جہاں اب قلعہ سینٹ جارج واقع ہے
رام دیورایا عرف رنگا
سری رنگا رایلو
ونکٹ پتی رایلو عرف ونکٹا
راما رایلو
ترمل رایلو
ڈگمنا (لاولد)
چنا رایلو
راما
راما
گوپالا
ویراونکٹ
(چنا داس کا متبنیٰ)
پدا داس (لاولد)
چنا داس رایلو
راما (لاولد)
ویراونکٹ پتی رایلو
پسر گوپالا جسے چنا داس نے متبنیٰ لیا تھا
ترملا پسر دیوراجہ پہلا گورنمنٹی پنشن خوار
وفات ۱۸۲۴ء
مساۃ چلما
نرسنہوا راج
مساۃ کیشوتا
ویراونکٹ پتی راج (پنشنر دوم)
۱۸۲۴ء تا ۱۸۳۱ء کو فوت ہوا
پدا پمپا پتی راج
رنگا پتی راج
(اس کے دو بیٹے تھے مگر لاولد)
چنا پمپا پتی راج
ترملا (لاولد)
کمار راگھو راج
ترمل دیورایلو (پنشن خوار سوم)
۱۸۳۱ء تا ۱۸۶۶ء
مساۃ لکشمی دیوی
پدا نرسنہوا راج (پنشن خوار ششم)
۱۸۷۲ء تا ۱۸۸۳ء
ونکٹ راما رایلو پنشن خوار چہارم
۱۸۶۶ء تا ۱۸۷۱ء
کرشنا دیورایلو (لاولد)
پنشن خوار پنجم وفات ۱۸۷۲ء
دختر
کرشنا صغر سنی
میں فوت ہوا
زوجہ گان
مساۃ کیتما
مساۃ راجما
جنھوں نے سری رنگا دیورایلو راجہ حال کو متبنیٰ لیا ہے
پمپا پتی راج
جن کو رانی کیتما نے ۱۸۸۰ء میں بہ منظوری
سرکار عالی نظام متبنیٰ لیا تھا راجہ کا پورا نام
یہ ہے (سری ہنت سری رنگا دیو رایلو راجہ
سمستان آنا گندی)
کیتما
جن کی شادی کرشنا
سے جو بڑی شاخ کا ہے
اور پنشن خوار پنجم تھا
ہوئی تھی
کودنڈرام راج
سداسیو
کمار راگھو

(آٹھواں ضمیمہ)

فہرستِ مدتِ سلطنتِ راجگانِ بیجانگر

خاندانِ اوّل

	از	تا
ہریہر اول	سنہ ۱۳۳۶ء	سنہ ۱۳۴۳ء
بکّا اول	سنہ ۱۳۴۳ء	سنہ ۱۳۷۹ء
کمپا	سنہ ۱۳۴۳ء	سنہ ۱۳۵۵ء
سنگم (بربنائے بعض کتبات)	مئی سنہ ۱۳۵۶ء میں حکمران تھا	
ہریہر دوم	سنہ ۱۳۷۹ء تا آخر	سنہ ۱۳۹۹ء
بکّا دوم	از آخر سنہ ۱۳۹۹ء	نومبر سنہ ۱۴۰۶ء
دیورایا اول	نومبر سنہ ۱۴۰۶ء	سنہ ۱۴۱۳-۱۲ء
ویروجایا	سنہ ۱۴۱۳-۱۲ء	سنہ ۱۴۱۹ء
دیورایا دوم	سنہ ۱۴۱۹ء	سنہ ۱۴۴۴ء (؟)
(؟)	سنہ ۱۴۴۴ء	سنہ ۱۴۴۹ء
ملکارجن	سنہ ۱۴۵۳-۵۲ء	سنہ ۱۴۶۵-۶۴ء
راجہ سیکھرا	سنہ ۱۴۶۸ء	سنہ ۱۴۶۹ء
ویرپاکش اول	سنہ ۱۴۷۰ء	سنہ ۱۴۷۱ء
پرہوڈھا دیورایا (؟)	سنہ ۱۴۷۶ء (؟)	سنہ ۱۴۷۷ء (؟)
راجہ سیکھرا	سنہ ۱۴۷۹ء	سنہ ۱۴۸۰ء
ویرپاکش دوم	سنہ ۱۴۸۳ء	سنہ ۱۴۸۴ء
راجہ سیکھرا	سنہ ۱۴۸۶ء	سنہ ۱۴۸۷ء

[illegible]

خاندانِ دوم

	از	تا
نرسنہوا	سنہ ۱۴۹۰ع (؟)	(؟)
نرسایا وزیر نرسنہوا	(؟)	سنہ ۱۵۰۹ع
کشن دیورایا	سنہ ۱۵۰۹ع	سنہ ۱۵۳۰ع
اُچتیا	سنہ ۱۵۳۰ع	سنہ ۱۵۴۲ع
سداسیو (جو مدة العمر مقید رہا)	سنہ ۱۵۴۲ع	سنہ ۱۵۶۷ع

خاندانِ سوم

	از	تا
راما (بحالتِ وزارت حکم راں رہا)	سنہ ۱۵۴۲ع	سنہ ۱۵۶۵ع
ترل (ایضًا)	سنہ ۱۵۶۵ع	سنہ ۱۵۶۷ع
(ایضًا) (حقیقی راجہ)	سنہ ۱۵۶۷ع	سنہ ۱۵۷۵ع (؟)
رنگا دوم	سنہ ۱۵۷۵ع	سنہ ۱۵۸۶ع
ونکٹ اول	سنہ ۱۵۸۶ع	سنہ ۱۶۱۴ع

باقی سلسلہ سولھویں باب میں درج ہے

(نواں ضمیمہ)

شجرۂ خاندانِ بہمنیہ

(حسبِ برہانِ مآثر)

- (۱) علاء الدین حسن
  - (۲) محمد (اول)
    - فتح خان
    - (۳) مجاہد
  - محمود خان
    - (۵) محمد ثانی
      - (۷) شمس الدین
      - (۶) غیاث الدین
    - (۴) داؤد
  - احمد خان
    - (۹) احمد
      - محمد خان
        - یحییٰ خان
      - محمود خان
        - حسن خان
      - (۱۰) علاء الدین ثانی
        - (۱۱) ہمایوں
          - جمشید
          - (۱۳) محمد سوم
            - ایک لڑکی
            - فاطمہ
            - (۱۴) محمود
          - (۱۲) نظام
    - (۸) فیروز
      - مبارک خان
        - مخدومہ جہاں
      - حسن خان

یہ نسب نامہ میجر کنگ کی تاریخ سے منقول ہے

(دسواں ضمیمہ)
شجرۂ خاندانِ بہمنیّہ
(حسبِ تاریخ فرشتہ)
(۱) علاء الدین حسن گانگوی بہمنی اول
(۲) محمد شاہ
(۳) مجاہد شاہ
(۴) داؤد شاہ
(۵) محمود شاہ (اول)
(۶) غیاث الدین
(۷) شمس الدین
(۸) فیروز شاہ ملقب بروز افزوں شاہ
حسن خان
(۹) احمد شاہ (اول)
محمد سنجر (مکحول)
(۱۰) علاء الدین ثانی
(۱۱) ہمایون شاہ ظالم
(۱۲) نظام شاہ
(۱۳) محمد شاہ لشکری ثانی
(۱۴) محمود شاہ ثانی
(۱۵) احمد شاہ ثانی
(۱۶) علاء الدین شاہ ثالث
(۱۷) شاہ ولی اللہ
یہ نسب نامہ میجر کنگ کی تاریخ سے منقول ہے

(گیارھواں ضمیمہ)

فہرستِ مدتِ سلطنتِ سلاطینِ خاندانِ بہمنیۂ گلبرگہ دکن

(حسبِ تاریخ فرشتہ)

نمبر سلسلہ	نام	از	تا
۱	۲	۳	۴
۱	علاء الدین حسن گانگوی	۳ اگست ۱۳۴۷ء	۲ فروری ۱۳۵۸ء
۲	محمد شاہ اول	۲ فروری ۱۳۵۸ء	۲۱ اپریل ۱۳۷۵ء
۳	مجاہد شاہ	۲۱ اپریل ۱۳۷۵ء	۱۶ اپریل ۱۳۷۸ء
۴	داؤد شاہ	۱۶ اپریل ۱۳۷۸ء	۲۱ مئی ۱۳۷۸ء
۵	محمود شاہ اول	۲۱ مئی ۱۳۷۸ء	۲۰ اپریل ۱۳۹۷ء
۶	غیاث الدین	۲۰ اپریل ۱۳۹۷ء	۱۴ جون ۱۳۹۷ء
۷	شمس الدین	۱۴ جون ۱۳۹۷ء	۱۵ نومبر ۱۳۹۷ء
۸	فیروز شاہ الملقب بروز افزون شاہ	۱۵ نومبر ۱۳۹۷ء	۲۴ ستمبر ۱۴۲۲ء
۹	احمد شاہ اول	۲۴ ستمبر ۱۴۲۲ء	۲۷ فروری ۱۴۳۵ء
۱۰	علاء الدین ثانی	۲۷ فروری ۱۴۳۵ء	۱۳ فروری ۱۴۵۸ء
۱۱	ہمایوں شاہ ظالم	۱۳ فروری ۱۴۵۸ء	۵ ستمبر ۱۴۶۱ء
۱۲	نظام شاہ	۵ ستمبر ۱۴۶۱ء	۳۰ جولائی ۱۴۶۳ء
۱۳	محمد شاہ لشکری ثانی	۳۰ جولائی ۱۴۶۳ء	۲۱ مارچ ۱۴۸۲ء
۱۴	محمود شاہ ثانی	۲۱ مارچ ۱۴۸۲ء	۱۸ دسمبر ۱۵۱۷ء
۱۵	احمد شاہ ثانی	۱۸ دسمبر ۱۵۱۷ء	۱۵۲۱ء (؟)
۱۶	علاء الدین شاہ ثالث	....	۱۵۲۱ء (؟)
۱۷	شاہ ولی اللہ	۱۵۲۱ء (؟)	۱۵۲۳ء (؟)
۱۸	شاہ کلیم اللہ	۱۵۲۳ء (؟)	سال ۱۵۲۸ء قریب تک

(بارھواں ضمیمہ)

شجرۂ خاندانِ عادل شاہی بیجاپور

(۱) ابو المظفر یوسف عادل شاہ
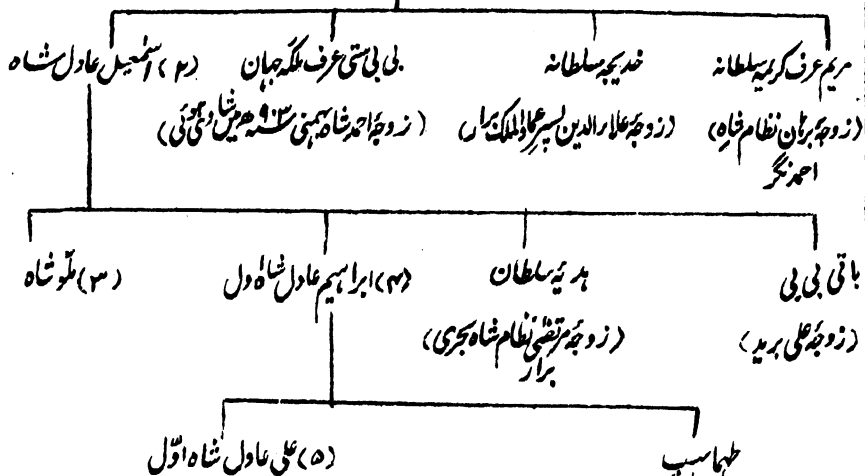
- مریم عرف کریمہ سلطانہ (زوجۂ برہان نظام شاہ احمد نگر)
- خدیجہ سلطانہ (زوجۂ علاء الدین پسر عماد الملک برار)
- بی بی ستی عرف ملکۂ جہان (زوجۂ احمد شاہ بہمنی ۹۰۳ھ میں شادی ہوئی)
- (۲) اسمٰعیل عادل شاہ
  - باقی بی بی (زوجۂ علی برید)
  - ہدیہ سلطان (زوجۂ مرتضیٰ نظام شاہ بحری برار)
  - (۴) ابراہیم عادل شاہ اول
    - طہماسپ
      - اسمٰعیل
      - (۶) ابراہیم عادل شاہ ثانی
        - (۷) محمد عادل شاہ
          - (۸) علی عادل شاہ ثانی
            - (۹) سکندر عادل شاہ
    - (۵) علی عادل شاہ اوّل
  - (۳) ملّو شاہ

۱	یوسف عادل شاہ - از	۱۴۸۹ء	تا ۱۵۱۰ء
۲	اسمٰعیل عادل شاہ ”	۱۵۱۰ء	” ۲۷/ اگست ۱۵۳۴ء
۳	ملّو عادل شاہ ”	۲۷/ اگست ۱۵۳۴ء	” فروری ۱۵۳۵ء
۴	ابراہیم عادل شاہ اول ”	فروری ۱۵۳۵ء	” ۱۵۵۷ء
۵	علی عادل شاہ اول ”	۱۵۵۷ء	” ۱۱/ اپریل ۱۵۸۰ء
۶	ابراہیم عادل شاہ ثانی عرف جگت گرو ”	۱۱/ اپریل ۱۵۸۰ء	” ۱۶۲۷ء
۷	محمد عادل شاہ ”	۱۶۲۷ء	” ۱۶۵۶ء
۸	علی عادل شاہ ثانی ”	۱۶۵۶ء	” ۱۶۷۲ء
۹	سکندر عادل شاہ ”	۱۶۷۲ء	” ۱۶۸۶ء

(تیرھواں ضمیمہ)

شجرۂ خاندانِ نظام شاہی احمدنگر

(۱) احمد شاہ

(۲) برہان شاہ اول

از بطن امینہ: (۳) حسین شاہ — عبدالقادر

از بطن مریم: شاہ علی — ایک لڑکا

شاہ علی ← مرتضیٰ شاہ

(۳) حسین شاہ ← (۴) مرتضیٰ شاہ — (۷) برہان شاہ ثانی

(۴) مرتضیٰ شاہ ← (۵) میراں شاہ

(۷) برہان شاہ ثانی ← (۶) اسمٰعیل شاہ — (۸) ابراہیم شاہ

(۸) ابراہیم شاہ ← (۱۰) بہادر شاہ
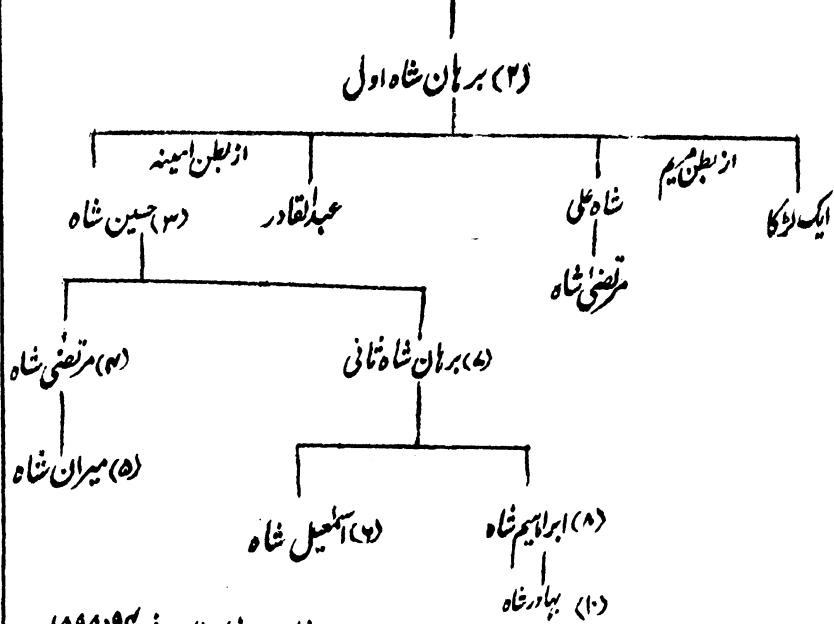
(۹) احمد شاہ ابن شاہ طاہر نے سنہ ۱۵۹۴ و ۱۵۹۵ء میں چند ماہ کے واسطے تختِ شاہی غاصبانہ قبضہ کرلیا۔

		از	تا
۱	احمد شاہ	سنہ ۱۴۹۰ء	سنہ ۱۵۰۸ء
۲	برہان شاہ اول	سنہ ۱۵۰۸ء	سنہ ۱۵۵۳ء
۳	حسین شاہ	سنہ ۱۵۵۳ء	سنہ ۱۵۶۵ء
۴	مرتضیٰ شاہ	سنہ ۱۵۶۵ء	سنہ ۱۵۸۷ء
۵	میراں شاہ	سنہ ۱۵۸۷ء	سنہ ۱۵۸۸ء
۶	اسمٰعیل شاہ	سنہ ۱۵۸۸ء	سنہ ۱۵۹۰ء
۷	برہان شاہ ثانی	سنہ ۱۵۹۰ء	۱۸ اپریل سنہ ۱۵۹۵ء
۸	ابراہیم شاہ	۱۸ اپریل سنہ ۱۵۹۵ء	۶ اگست سنہ ۱۵۹۵ء
۹	احمد شاہ ابن شاہ طاہر	۶ اگست سنہ ۱۵۹۵ء	سنہ ۱۵۹۶ء
۱۰	بہادر شاہ	سنہ ۱۵۹۶ء	سنہ ۱۵۹۹ء

		از	تا
۱	قلی قطب شاہ	سنہ ۱۵۱۲ع	سنہ ۱۵۴۳ع
۲	جمشید شاہ	سنہ ۱۵۴۳ع	سنہ ۱۵۵۰ع
۳	ابراہیم شاہ	سنہ ۱۵۵۰ع	سنہ ۱۵۸۱ع
۴	محمد شاہ	سنہ ۱۵۸۱ع	سنہ ۱۶۱۱ع
۵	سلطان عبداللہ	سنہ ۱۶۱۱ع	سنہ ۱۶۷۲ع
۶	ابوالحسن تاناشاہ	سنہ ۱۶۷۲ع	سنہ ۱۶۸۸ع

غلط نامہ تاریخ بیجانگر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
دیباچہ ۳	۳	شہنشاہ	شہنشاہ
۱۲	۴	کہ ہونا	کہ اس سے بہتر ہونا
۱۵	۴	ہود	خود
اصل کتاب ۵	۱	سرے	سکے پر
۱۰	۴	ملتی اکر	+
۱۱	۷	رایرلٹن	رابرٹسن
″	۱۱	پاؤن	پاؤں
۱۳	۲	ڈھترا	ڈھرا
۱۴	۳	صدّی	صدی
۱۵	۸	″	″
۱۹	۴	نکنڈہ	ہنکنڈہ
″	۹	مبادے	تہادے
۲۱	۱۳	پہیرا	پپیرا
″	۱۹	″	″
۲۹	۲۲	قصۂ	قصہ
۳۳	۱۹	مکک	ٹلک
۳۵	۷	گردہ	کردہ
″	۱۹	ہزار	ہزارہا
۴۱	۱۳	کردیا	کرویا
۴۲	۱۳	کے نام سے	کا نام
۴۲	۱۳	رہتے تھے	رہتا تھا
۴۵	۱۳	پس پا	پس پا
″	۱۴	(بعد	اور
۴۷	آخر	جوالی	جوالی
۴۸	۱۹	گی	کیا
۵۰	۷	سپہ دل	پڑول
۵۴	آخر	دھگرانی	ڈھگرانی
۵۵	۱۵	″	″
۵۶	۱۷	لنگلیا	ونگلیا
۵۹	۱	مارنے	مارے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۰	۶	لاؤں	لاؤں"
″	۱۲	ہماری	ہمارے
″	۲۱	خانے	خانہ
۶۵	۱۸	جبری	جری
۶۶	۱۱	یہ	ہ
۶۷	۲۱	کا نام	نام کا
″	آخر	دھاروا	دھارور
۷۲	۱۳	انتہاے	انتہائی
″	۲۰	و	وہ
۷۳	۱۴	ٹمپک	پٹیک
۷۵	۱۷	وہاں سندرم	ڈن شندرم
۷۹	۱۷	بہت مشہور	مشہور بہت
۸۴	۱۹	آئیں	آئین
۸۵	۱۰	کہ	+
۸۷	۱۴	کرتے	کرنے
۸۸	۲۰	بڑے ہونے کا حق	حق کلانیت
۱۰۱	۹	رہے	پڑے
″	۱۹	پیٹھ	پیٹ
۱۰۵	۱۲	دیول راسے	دیو راسے
۱۰۸	۱۳	سورہ	سور
″	″	کنٹری	کنڑے
۱۱۶	۱۳	خیال	خیال
″	۲۱	دیار	ویار
۱۲۴	آخر	کدّی	گدّی
۱۳۰	۱۲	مادرپ	یورپ
″	۷	اعظم کے	اعظم کے لیے
۱۳۲	۴	ہاؤس	ہوس
۱۳۳	۲۱	سمیز	سمیزر
۱۳۴	۱	ہاؤس	ہوس
″	۱۱	سپترد	سپہرد

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳۵	۵	ستونوں	مستولوں
۱۴۳	۱۴	گے	کے
۱۴۴	۱	اندیکا	انڈیکا
〃	۵	اتناپور	اننتاپور
۱۴۶	۲۱	کھاٹ	گھاٹ
۱۴۹	۱۳	فَابُعِیّهٖ	فَابْقِیْهٖ
〃	۱۴	الاحسانِ	الاحسان
۱۵۳	۱	بادشاه	راجه
〃	۳	〃	〃
۱۵۸	۱۸	طلبه	طلبا
۱۵۹	۱۰	خرابی دکن تاریخ اوشد ۸۸۸	خرابی دکن تاریخ اوشد ۸۸۷
〃	۲۱	قطعے	قطعے
۱۶۳	۲۰	نیبرودی	یزدی
۱۶۴	۱۸	فران	قران
۱۶۵	۶	کرده	کردن
۱۶۶	۱۶	کالیدش	کالبدش
۱۶۸	آخر	صوبے	صوبہ
۱۶۹	۶	کس	کسی
〃	۲۲	ما	یا
۱۷۲	۵	۹،۳۵ – ۱۸۱	۱۸۱۰۹،۳۵
〃	۱۰	Galary	Gallery
〃	۲۲	برس	برص
۱۷۴	۱۱	خم	ضم
〃	۱۵	دابگی	داجلی
۱۸۰	آخر	میں	+
۱۸۲	۷	ستاں	سناں
۱۹۰	۱۴	عمارت	یہ عمارت
〃	۱۷	مُنار	منار
〃	آخر	سگاٹ	سکاٹ
۱۹۵	۲۱	کروزیڑ	کروزیڈ
۱۹۷	۱۲	سپڑد	سپرد
〃	۱۹	ہوتا	ہوتے
۲۰۱	۱۰	حدّ	حد
۲۰۲	۳	وین کنڈه	وین کنڈا
۲۰۲	۲	پسِ پا	پس پا
۲۰۴	۱۶	صوبے	صوبہ
۲۰۵	۳	۲۰۲	۲۰۴
۲۰۷	۲	۲۰۸	۲۰۶
〃	۶	دھل	وِٹھل
۲۰۸	۱۱	اَلفِ	اَلف
〃	۳	وِالی	والی
۲۰۹	۹	بے	+
۲۱۰	۱۴	ہراں	ہرآں
۲۱۱	۸	بناشد	بناشُد
〃	آخر	حدّ	حد
۲۱۲	ہندسہ صفحہ	۴۱۲	۲۱۲
〃	۲	عدّ	عد
۲۱۳	۱۷	نباشد	بناشد
۲۱۴	۱۱	رزاؤ	رزرو
〃	۱۴	صوبے	صوبہ
〃	۲۱	جنگشن	جنکشن
۲۱۵	۶	پسِ پا	پس پا
〃	۲۰	آرڈیننس	ارڈیننس
۲۱۶	۳	پسِ پا	پس پا
۲۲۱	۷	صوبے دار	صوبہ دار
۲۲۳	۹	حدّ	حد
〃	۱۷	یلارم	بلارم
〃	۱۹	فرشمنٹ	افریشمنٹ
۲۲۴	〃	Begpipe	Bagpipe
۲۲۵	۱	سُکھ	سِکھ
۲۲۷	۷	مادشاه	بادشاه
〃	۱۷	پسِ پا	پس پا
۲۳۲	۱۲	عماد	عماد شاہ
۲۴۰	۲۲	Regnt	Regent
۲۴۲	۱۹	سپڑد	سپرد
۲۴۳	۱۸	ترمل راج	تِرمل راج
۲۴۴	〃	کو	سے
۲۵۸	۲۲	شوراپور	شولاپور

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۶۰	۱۶	کاسٹر	کاسٹرو
۲۶۱	۸	اہتم	اہم
۲۶۵	حاشیہ	۲۶۲	۲۶۶
۲۷۴	۱		
۲۷۵	۱۱	کے رومن	کے فرقۂ رومن
۲۷۶	۲۱	حلے	جلے
۲۷۷	۲	سپترد	سپرد
۲۸۰	۱۵	شہر	ہمہ شہر
۲۸۴	۱۸	موتقع	موقعی
۲۸۵	۹	حد	صد
۲۸۸	۷	سپترد	سپرد
〃	۲۱	ہنڈت	پنڈت
۲۸۹	۳	مد	مد
〃	۲۳	ملک	ملک
۲۹۲	۲۱	۱۹۷۲	۹۷۲
〃	۷	راج	راج
۲۹۷	۲	قصیہ	قصہ
〃	۹	(صاف نہیں ہی)	ملبوں
〃	۹	نگار پتھروں	نگار کے پتھروں
〃	۱۳	تنگ	تنگ میں
۲۹۸	۱۰	چشم دید	چشم دید
۳۰۰	۲	بیجاپور	بیجانگر
۳۰۳	۱	راجہ حال	راجۂ حال
〃	۲۳	سنہ ۱۵۳ء	سنہ ۱۵۷۳ء
۳۰۴	۱۴	ھار وارڈ	دھار وارڈ
۳۰۵	۱۴	چھبیس ست آمیں	چنیں ست آئیں
〃	۶	بر قہر	بہ قہر
۳۰۵	۱۶	داداو	ــ وداد
〃	۱۷	مختصی	مختفی
〃	۲۴	خبر	جز
۳۰۶	۲	Valla	Valle
۳۰۷	۲	لسن	لسبن
〃	۱۱	جگاراے	چکاراے
〃	۱۹	جگارایا	چکارایا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۰۷	۲۱	گئی	کئی
۳۰۸	۱۰	جگارایا	چکارایا
〃	۱۳	لوازمہ	لوازمۂ
۳۰۹	۴	مُباتی	مباتی
〃	۱۹	پہ	پر
۳۱۱	۲۰	بھی	+
۳۱۲	۱۴	اُس کے تمھارے	تمھارے ساتھ
۳۱۳	۵	ہ	وہ
〃	۶	ناصاف	شکمی اور کئی رئیس
〃	۱۶	تھے	پر تھے
〃	۱۹	۱۲۱۶ء	۱۶۱۴ء
〃	۲۲	ناصاف	مٹو ویریا
۳۱۶	۱۴	فرگن	فرگسن
〃	۱۶	قبد	قید
〃	۱۸	بیزس	پیرس
〃	۳۰	ڈوس	+
۳۱۷	۱۶	۱۱۶	۳۱۶
〃	۲۴	جانشینی	جانشین
۳۱۸	۱۳	یں	ہیں
〃	۱۵	ید	دید
〃	۱۶	پستی	بستی
۳۲۰	۱۸	سپترد	سپرد
۳۲۱	۲۲	راجہ	راجۂ
۳۲۲	۱۱	گھروہ	پردہ
〃	۱۹	سپترد	سپرد
۳۲۳	۳	گارڈنوں	گارڈونوں
〃	۵	خود	+
〃	۱۳	سپترد	سپرد
〃	۱۹	اور	+
۳۲۴	۱۵	بھی	+
〃	۱۹	لوپورس	لوپوسورس
۳۲۵	۲۲	انتا	اننتا
۳۴۳	۲۲	راجۂ	راجہ
۳۴۴	۲۲	قلش	فلش

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۳۵	۲۲	بڑے	بڑے بڑے
۳۳۶	۹	سپّرد	سپرد
۳۴۰	۵	گروہِ	گروہ
۳۴۰	۱۰	معتدّ	معتد
″	۱۱	کر	+
۳۴۱	۱۲	زخزانہ	خزانہ
۳۴۳	۱۲	میں	میں ہیں
″	۱۹	مانڈ	ماند
۳۴۴	۱	مڑھ	مڑھ کر
۳۴۵	۲	تینوں	تیوں
۳۴۷	۲	رہے	رہے۔
۳۴۸	۱۹	کائن	کاٹن
۳۴۹	۸	مفرّ	مفر
″	۲۰	راچگان سے	راچگان
۳۵۱	۱۶	مشققت	مشقّت
۳۵۴	۷	اوبجے راؤ	اُبجے راو
″	۲۱	″	″
″	۲۲	″	″
۳۵۷	۱۴	پُونہچی	پہونچتی
″	۱۸	صلح	صلاح
۳۵۸	۲۱	پیچھے	پچھلے
۳۵۹	۱	سوداگر صرف	سوداگر
″	۱۵	مُبانی	مبانی
۳۶۳	۵	مُہادا	مبادا
۳۶۳	۲۳	کسبوں	کتبوں
۳۶۶	۸	سپرّد	سپرد
″	۲۱	راچہ	راجہ
۳۶۷	۳	اَوریا	اُوریا
″	۴	″	″
″	۲۰	″	″
۳۶۹	۱۲	سپرّد	سپرد
۳۷۰	۱۴	صلح	صلاح
″	۱۸	برار	بیجاپور
۳۷۱	۱۹	ساٹھ	ساتھ
۳۷۲	۳	چیتوں	چلتوں
″	۱۹	سربراہِ کار	سربراہ کار
۳۷۳	۸	پسِ پا	پس پا
۳۷۵	۱۷	کریا	کرہا
۳۸۲	۱۰	ڈپہرے	ڈیرے
۳۸۸	۹	اُدھر راجہ	اِدھر راجہ
″	۲۰	سنہ	سُن کر
۴۰۱	۲۱	مُبادا	مَبادا
۴۰۲	۱۹	(رام نامی)	(رام نومی)
۴۰۷	۹	محفنہ	محصنہ
۴۰۹	۱۴	ہو	ہو جو
″	۱۷	مقام	مقام کو
۴۱۰	۱۵	اچھے	کے اچھے
۴۱۵	۱۹	Favenier	Tavernier

اعلان

(اسی مصنّف کی اور کتابیں)

اقبال دلہن صفحات (۳۱۰) جس میں مردوں اور عورتوں کی تعلیم۔ شادی بیاہ وغیرہ کے رسوم۔ زن و شو کے تعلقاتِ باہمی۔ تعددِ ازدواج کی خرابیاں اور بہ صورتِ لاولدی اُس کا جواز۔ سوکنوں کا برتاؤ اور نباہ۔ ایک دلچسپ قصے کے پیرایے میں بیان کیئے گئے ہیں قیمت درجہ اول ذریعہ وی پی ۱۲؎ ۔ درجہ دوم ذریعہ وی پی ۱۲؎ +

حرز اطفال صفحات (۱۷۶) جس میں لڑکوں کے لیئے بیش بہا نصائح کے علاوہ اخلاقی تعلیم کا قابلِ قدر ذخیرہ ہے اور افعالِ قبیحہ و عاداتِ ذمیمہ کے مضر نتائج اور اُن سے بچنے کی عمدہ تدابیر بطورِ حفظِ ماتقدم نہایت دلچسپ پیرائے میں بیان کیے گئے ہیں قیمت ۸؎

نشاطِ عمر حصہ دوم حرزِ اطفال نوجوان ناکتخدا لڑکوں کے لیئے جس میں مصنّف و مترجم دونوں کی ہاف ٹون تصاویر بھی ہیں قیمت بذریعہ وی پی ۸؎

حیاتِ قیصر صفحات (۴۸) ملکہ معظمہ کوئین وکٹوریا کی مختصر مگر دلچسپ سوانح عمری قیمت ۲؎ علاوہ محصول ڈاک

(ملنے کا پتہ)

مصنف سے بمقام (۱/ ۱۷) [illegible]

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔